فتاویٰ اہلحدیث
www.KitaboSunnat.com
از
مجتہد العصر حافظ عبداللہ محدث روپڑی
ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ
ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

فاسئلوا اهل الذکر ان کنتم لا تعلمون

فتاویٰ اہلحدیث

جلد اوّل

از

مجتہد العصر حافظ عبد اللہ محدث روپڑی

المتوفیٰ

۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۴ھ ○ ۲۰ اگست سنہ ۱۹۶۴ء

شائع کردہ

ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ

ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

(پاکستان)

انتساب

علم وتحقیق کا یہ گراں قدر مجموعہ ان سعید روحوں کے نام منسوب ہے جن کے نزدیک دنیا میں رشد و ہدایت کا سرچشمہ اور آخرت میں فلاح و بہبود کا واحد ذریعہ رائے اور قیاس کی بجائے صرف قرآن اور سنت ہے ۔

مرتب فتاوی

257
روپے
25

نام کتاب ______ فتاوی اہلحدیث جلد اول

تاریخ اشاعت ______ ۲۵ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۹۲ھ مطابق یکم جنوری سنہ ۱۹۷۳ء

تعداد ______ ایک ہزار

قیمت مجلد ______ -/۱۸

پریس ______ کیمرج پریس لاہور

ملنے کا پتہ نمبر۱ ______ مکتبہ تنظیم اہلحدیث چوک دالگراں لاہور

نمبر۲ ______ ادارہ احیاء السنۃ النبویہ ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

فہرست مضامین فتاوی اہلحدیث (جلد اول)

مضامین	صفحہ
حرف اول	
محدث روپڑی اور ان کے خاندان کے مختصر حالات	
کتاب الایمان	
مذاہب	
مرزائی، رافضی، چکڑالوی وغیرہ کافر ہیں یا نہیں	۱
بہتر گروہ والی حدیث میں اُمت سے مراد امت اجابت ہے یا اُمتِ دعوت	۲
ناجی گروہ کون ہے	۳
حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی مسلمان ہیں	۶
احناف دیوبندی اہل سنت میں شامل ہیں یا نہیں	۶
احناف دیوبندی اور اہل حدیث میں کیا فرق ہے	۶
قیاس کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں	۸
مشکوک آدمی سے نکاح ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہے	۸
کیا بریلوی مشرکوں سے نکاح صحیح ہے	۹
کیا مرزائی کافر ہیں یا مرتد	۹
شیعہ عامی کا سوال	۹
مودودی مسلک	
مقام روایت	۱۲

مضامین	صفحہ
روایت اور درایت	۱۳
عیسیٰ بن ابان	۱۴
مسئلہ جرح وتعدیل	۱۵
مودودی کا طرز عمل	۱۶
ڈاڑھی	۱۸
مجدد	۱۹
دجال	۲۰
بخاری اور مسلم	۲۲
یاجوج ماجوج	۲۶
سد سکندری	۲۷
حدیث قدسی	۲۹
کم عقلی	۳۲
مودودی اور حدیث	۳۵
روایات سے کیا مراد ہے	۴۱
سید عبدالقادر جیلانیؒ	۴۱
اختلاف ائمہ اربعہ واختلاف صحابہؓ	۴۱
مولانا تھانوی رہ کا تعصب	۴۲
امام ابوحنیفہؒ اور اُن کے شاگردوںؒ کے درمیان اختلاف کے وقت ترجیح کس کو ہوگی	۴۳

عنوان	صفحہ
ابن عربی	۴۳
شریعت اور طریقت	۴۴
علم حقیقت کے تین رکن	۴۶
مذہب اہل حدیث	۵۵
صحابہؓ کا طریق	۵۶
خلیفہ اول حضرت ابوبکرؓ کا طریق	۵۶
خلیفہ ثانی عمرؓ بن الخطاب کا طریق	۵۷
عبداللہ بن مسعودؓ کا طریق	۵۸
ابن عباسؓ کا طریق	۵۸
مقلد جاہل ہوتا ہے	۵۹
تقلید بدعت ہے	۶۰
تابعینؒ کا طریق	۶۱
ائمہ اربعہؒ کا طریق	۶۱
اجماع صحابہؓ	۶۲
شاہ ولی اللہؒ کا فیصلہ	۶۲
تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے	۶۳
اہل حدیث کا مسلک	۶۴
حدیث کے مقابلہ میں مفتی کے قول یا فتویٰ کو کوئی اہمیت نہیں	۶۵
حدیث کے مقابلہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی رائے پر عمل کرنا ہلاکت کا سبب ہے۔	۶۶
عبداللہ بن عمرؓ کی غیرت	۶۶
مسلک اہلحدیث اور حقیقی اسلام میں کوئی فرق نہیں	۶۹
اہلحدیث پر طعن درحقیقت صحابہؓ پر طعن ہے	۷۱
طائفہ منصورہ اہل حدیث ہیں	۷۲
امام بخاریؒ کی شہادت	۷۲
امام احمدؒ کی شہادت	۷۲
اکابر اہل حدیث	۷۳
مولانا امرتسریؒ	۷۵
مولوی رشید احمد گنگوہی اور تقلید شخصی	۸۱
مولوی مرتضیٰ حسنؒ دیوبندی	۹۰
ائمہ اربعہؒ اور ان کے شاگردوں کی نماز ایک دوسرے کے پیچھے ہو جاتی ہے	۹۴
حنفی المذہب کو اہلحدیث کی اقتدا کرنا جائز ہے یا نہیں	۹۶
مفتی فضل عظیم بھیروی کا اعتراض	۹۸
کیا حنفی اہل حدیث ہیں	۱۰۰
تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے والا اہل بدعت سے ہے یا نہیں	۱۰۰
مولوی نوردین اور عبداللہ چکڑالوی کیا پہلے اہل حدیث غیر مقلد تھے	۱۰۱
اصحاب صحاح ستہ	۱۰۱
کیا ائمہ اربعہؒ چاروں حق پر تھے	۱۰۲
شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے صراط مستقیم میں اتباع مذاہب اربعہ کو مانا ہے مگر ایضاح میں متعین کی تقلید کو بدعت کہا ہے	۱۰۲
اہلحدیث کا اختلاف حنفیوں سے کن احادیث کی بنا پر ہے اور اس کا جواب کیا ہے	۱۰۴
کیا ہمارا مذہب عقل پر مبنی ہے	۱۰۴

دو آدمیوں کے حالات مختلف ہیں ان کی برابر آزمائش کی وجہ؟ ۱۰۴
کیا مولانا روم کی تعلیم حضورؐ کی تعلیم کے مطابق ہے ۱۰۵
کیا احادیث کے صحت وضعف میں اقوال محدثین کو ماننا تقلید ہے۔ ۱۰۶
کیا شاگرد استاد سے مسائل میں اختلاف کر سکتا ہے ۱۰۶
نسیان۔ غلطی جہالت وخطا میں کیا فرق ہے۔ ۱۰۷
وعلیہ عمل اہل العلم امام ترمذی کے اس قول سے کون لوگ مراد ہیں۔ ۱۰۷
کیا شاہ ولی اللہ اور شاہ عبد العزیز مقلد تھے ۱۰۸
مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی اپنے آپ کو حنفی اہلحدیث کیوں کہلواتے تھے۔ ۱۰۸
کیا مولانا نذیر حسینؒ محدث دہلوی تقلید کو صحیح سمجھتے تھے ۱۰۸

مولانا ابو الکلام آزادؒ ۱۰۹

قرآن مجید میں جہاں کہیں بغیر اضافت واسناد کے رسول کا لفظ آیا ہے وہاں فرشتہ مراد نہیں ہوگا مولانا کا یہ کلیہ درست ہے۔ ۱۰۹

عیسائی فتنہ ۱۱۱

اعتقاد کے متفرق مسائل

اعمال صالحہ ایمان کا عین ہیں یا اس کے اجزاء یا ایمان میں داخل ہے یا نہیں ۱۱۶
اصل ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا کمال ایمان میں ۱۱۶
شرعی ایمان ۱۱۷
محدثین وخوارج کا تعریف ایمان میں امتیازی فرق ۱۱۷
ایمان کی تعریف ۱۱۸
محدث روپڑیؒ کی اس تعریف پر دس اعتراض اور ان کے جوابات ۱۱۹
حدیثؐ من قال لا الہ الا اللہ کا کیا معنی ہے
بے نماز بے زکوۃ کا کیا حکم ہے ۱۲۹
ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے تو کافروں کو تبلیغ کا کیا فائدہ ۱۳۰
ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان تھے ۱۳۲

مسئلہ تقدیر

مسئلہ تقدیر کی اصلیت کیا ہے ۱۳۲
حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ کا مطلب ۱۳۴
طاعون سے موت طبعی واقعہ ہوتی ہے یا نہیں ۱۳۶
کسب اور خلق میں کیا فرق ہے ۱۳۷
جب جن اور انسان عبادت کے لئے پیدا کئے گئے تو پھر اس کے خلاف کیوں۔ ۱۳۸
جب دو شخص عمر اور جرم میں برابر ہوں تو ان کی سزا میں کیوں فرق ہے۔ ۱۳۸
موحد غیر مسلم عابد زاہد مسلمان بدکردار ہر دو کے ساتھ خدا کا کیا برتاؤ ہوگا۔ ۱۳۹
گناہ کی زندگی محدود اور سزا لامحدود ۱۴۰
نومسلم کا کسی وجہ سے اسلام کا اظہار نہ کرنا ۱۴۰
حدیث کے صحت وضعف میں اختلاف ۱۴۱

سجدہ تعظیمی ۱۴۷
مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود ۱۵۰
انبیاء اولیاء سے بعد وفات فیوضات روحانی ۱۵
شیاطین کا جکڑے جانا اور ستاروں کا ٹوٹنا ۱۵۶
استخارہ اور الہام ۱۵۷
مباہلہ ۱۵۷
کچا حمل ۱۵۷
سمعلونا کا دم ۱۵۸
خدا کا مخلوق کی قسم کھانا ۱۵۸
نیکی کا معیار ۱۵۹
کرامات وعملیات میں فرق ۱۵۹
عرش کو کتنے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے ۱۶۰
لوح محفوظ ۱۶۰
معصوم بچوں کو تکلیف کی وجہ ۱۶۱
تبلیغ کی حد ۱۶۴
رفیق اللہ کا نام ہے ۱۶۴
غیبت کی حقیقت ۱۶۵
گناہ سے تائب پر طعن کیسا ہے ۱۶۷
خدا کی عبادت اور مخلوق کی خدمت دونوں میں سے کونسی افضل ۱۶۸
امی ہو کر فتویٰ دینا ۱۶۹
کیا صحابہ حوض کوثر سے روکے جائیں گے ۱۷۰
حضرت عیسیٰ کونسا کلمہ پڑھیں گے ۱۷۲
حضرت خضر علیہ السلام ۱۷۳
نیکی اور بدی کا خالق ۱۷۴
خدا حاضر وناظر ہے تو وحی کہاں سے آتی ہے ۱۷۵
روح پاک ہے یا پلید ۱۷۵
جب ہر نفس کو موت ہے تو جنت دوزخ کس کے لئے ۱۷۶
آنحضرت بندہ ہیں یا خدا ۱۷۶
جب اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو بندہ کو ہدایت کیوں نہ ہوئی ۱۷۷
ابلیس جن ہے یا فرشتہ ۱۷۸
خالق غالب ہے یا مخلوق ۱۷۸
جب ہر شے تسبیح کرتی ہے تو پھر کافر کون ۱۷۸
آفتاب کا کیچڑ کے چشمہ میں غروب اور شیطان کے سینگوں میں طلوع ہونا ۱۷۹
تبلیغ میں تشدد اور نرمی دونوں سے کونسی صورت بہتر ہے ۱۸۱
کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا ۱۸۲
اسماء الٰہی کی حقیقت ۱۸۴
قرآن مجید کے ساتھ دم وغیرہ کرنے سے فائدہ نہ ہو تو یہ کہنا جائز ہے کہ قرآن مجید سے فائدہ نہیں ہوا ۱۸۸

تعویذات

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزول کے مطابق کیوں نہیں ۱۹۷
قرآن مجید کی بات عقل کے خلاف ہونے کے وقت ۱۹۸

عنوان	صفحہ
فیصلہ کی صورت	
اولیاء الرحمٰن اور اولیاء الشیطان میں فرق	۱۹۸
غیر مسلم کے لئے قرآن مجید کا تعویذ	۲۰۱
نور محمدی کی پیدائش	۲۰۲
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے؟	۲۰۳
کیا حضورؐ جو چاہیں کرسکتے ہیں	۲۰۴
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر سے گم ہونا	۲۰۴
علم غیب	۲۰۵
علم مطلق یا مطلق علم	۲۰۸
منطقی طریق	۲۰۹
آیت "فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ" کا مطلب	۲۱۱
پیشنگوئی خبر غیب ہے یا نہیں؟	۲۱۳
آیت "ولو كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ" کا مطلب	۲۱۳
لو وقوع جزاء و شرط کو مستلزم ہے یا نہیں	۲۱۷
آیت وما هو على الغيب بضنين کا مطلب	۲۲۰
علم ما كان وما يكون	۲۲۰
خدا تعالیٰ کا علم اور نبی کا علم	۲۲۱
خدا تعالیٰ کو عالم الغیب کہنے کی وجہ	۲۲۱
آیت ان الله عنده علم الساعة کا مطلب	۲۲۱
اتقوا فراسة المومن کا مطلب	۲۲۲
مسئلہ حاضر وناظر	۲۲۳
معراج جسمانی کا منکر مسلمان ہے یا کافر	۲۲۵

کتاب الطہارت

عنوان	صفحہ
کنوئیں میں بلّی گر گئی اس کے پھولنے سے پانی بدبودار کا حکم	۲۲۶
اگر کنوئیں میں کوئی شخص گر کر مر جائے تو کنوئیں کی طہارت کا حکم	۲۲۷
پانی میں ناپاک شئے کا پڑنا	۲۳۴
کنوئیں کا پانی	۲۳۴
پانی میں پاک شئے پڑ کر رنگ، بو، مزہ کا بدلنا	۲۳۵
غیر مسلم اور مسلمان کا ایک کنوئیں سے پانی بھرنا	۲۳۶
نجس شدہ چیز کا پاک کرنا	۲۳۶
کوا کا جوٹھا	۲۳۷
کتے کا جوٹھا	۲۳۸
حرام چیزوں کا ادویات میں استعمال	۲۳۸
مچھلی اور نمک وغیرہ شراب میں ڈال کر سرکہ بنانا	۲۳۹
منی پاک ہے یا نہیں	۲۴۰
گوبر اور لید سے بنے ہوئے برتن	۲۴۱
کچا اور پکا برتن نجاست سے پاک ہوسکتا ہے	۲۴۱
ہندوؤں کے تہواروں میں مٹی کے برتن بنا کر دینا	۲۴۲
گوبر سے لپائی کرنا	۲۴۲
تنور میں مرغی جل گئی اور اس میں پکی ہوئی روٹیوں کا حکم	۲۴۳
مردار کے چمڑے کا حکم۔	۲۴۳

بچہ کی ناف چھیاری سے کٹوانا ۲۴۴
ہندو اور بھنگی کے ہاتھ سے کھانا کا حکم ۲۴۴
مردار کا کچا چمڑہ ۲۴۵
مرے ہوئے ماکول اللحم کی چربی ۲۴۷
کیا حضورؐ کا پیشاب پاک ہے ۲۵۰
گندگی کھانے والا جانور ۲۵۱

استنجا کا بیان

قضاء حاجت کا طریقہ کیا ہے ۲۵۱
باتیں اور ذکر
جگہ
ڈھیلے

غسل کا بیان

وجوب غسل کا وقت ۲۵۳
غسل جنابت فرض ہے یا واجب یا سنت
غسل جنابت ۲۵۴
حائضہ کے لئے غسل کا طریقہ ۲۵۴
خاوند بیوی ایک بستر پر ۲۵۵
مسئلہ احتلام
الماء من الماء حدیث کا مطلب ۲۵۶
طلوع فجر سے پہلے غسل جمعہ ۲۵۶

حیض اور استحاضہ کا بیان

عورت مستحاضہ کا حکم ۲۵۷
مستحاضہ کی نماز اور خاوند کا ہمبستر ہونا ۲۵۸
حیض اور نفاس کی مدت ۲۵۸
روزہ کی حالت میں غروب ہونے سے پہلے دس منٹ حیض کا آنا ۲۶۲
حائضہ عورت کا قرآن مجید یا اس کا ترجمہ پڑھنا ۔
حائضہ عورت کا ایسی کتاب پڑھنا جس میں آیات یا احادیث ہوں ۲۶۳
حائظہ عورت کا وعظ سننا ۲۶۳

وضو کا بیان

وضو میں ہلکی داڑھی کا دھونا فرض ہے یا نہیں ۲۶۳
داڑھی کی حد ۲۶۵
داڑھی گھنی ۲۶۶
داڑھی کا لٹکا ہوا حصہ ۲۶۶
ہلکی داڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب ہے ۲۶۷
وضو کے شروع میں بسم اللہ کا پڑھنا ۲۷۴
ناک اور منہ کا صاف کرنا ۲۷۴
داڑھی کا خلال ۲۷۴
پگڑی پر مسح ۲۷۵
گردن کا مسح ۲۷۵
وضو میں اعضاء کا تین دفعہ سے زیادہ دھونا ۲۷۵
اندرونِ چشم اور حاجب کا دھونا ۲۷۶
تین ہاتھ پیدا ہونے کی صورت میں تیسرے کا دھونا ۲۷۷

مقطوع الیدین والرجلین کا حکم	۲۷۷
وضو کے بعد کپڑے کے اوپر شرم گاہ پر چھینٹے مارنا	۲۷۸
وضو کے درمیان کلمہ شہادت	۲۷۸
وضو کے شروع میں اعوذ کا حکم	۲۷۸
نماز جنازہ کے وضو سے نماز ادا کرنا	۲۷۸
وضو کرتے ہوئے کلام کرنا	۲۷۹
وضو میں پاؤں کا مسح	۲۸۰
تقطیر البول مرض میں مبتلا شخص کا حکم	۲۸۱
وضو توڑنے والی اشیاء	۲۸۱
دھوپ سے گرم ہونے والے پانی سے وضو	۲۸۲
وضو کے بعد شرمگاہ کو چھونا	۲۸۲
وضو کے بعد عورت کو چھونا	۲۸۲

مسواک کا بیان

مسواک کس ہاتھ سے کرنی چاہیے	۲۸۲
انگریزی برش استعمال کرنا	۲۸۶
جرابوں پر مسح	۲۸۶
تیمم کا بیان	۲۸۷
تیمم کا طریق	"
پتھر ریت وغیرہ سے تیمم	"
تیمم کس چیز سے ٹوٹتا ہے	۲۹۱
نماز کے فوت ہونے کا ڈر ہو تو متیمم کیا کرے	۲۹۱
کن وجوہات کی بنا پر تیمم کی اجازت ہے	۲۹۲

ستر کا بیان

ران ستر ہے یا نہیں	۲۹۲
امام بخاریؒ کا فیصلہ	۲۹۲
محدث روپڑیؒ کا فیصلہ	۲۹۳
ستر عورت کی مقدار کیا ہے	۲۹۳
لباس کی منع صورت	۲۹۳
عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں	۲۹۳
وجہ اور کفین کا پردہ شرعی ہے یا نہیں	۲۹۴
نماز میں عورت کا لباس	۲۹۴
عورت کے لئے نماز میں کونسے اعضاء ڈھانکنے ضروری ہیں۔	۲۹۴
محدث روپڑیؒ کے سوال کا جواب	۲۹۷
مرد کا ستر	۲۹۸
محدث روپڑیؒ کا جواب	۲۹۸
ڈاڑھی کترے امام کی اقتدا کا حکم	۳۰۷
عورت نماز میں جوڑا باندھ سکتی ہے	۳۰۷
پتلون۔ نیکر۔ انگریزی لباس۔ ٹوپی۔ بوٹ پہننے جائز ہیں	۳۰۷

مساجد کا بیان

محراب کا مسئلہ	۳۰۷
مولوی عبدالقادر حصاری کا تعاقب	۳۰۸

جواب تعاقب ۳۱۳
چرم قربانی یا مال زکوٰۃ سے مسجد کی تعمیر ۳۲۰
مسجد کا مال ضرورت کے لئے دوسری جگہ استعمال کرنا ۳۲۲
مسجد کے ساتھ تکیہ کے لئے وقف زمین کا حکم ۳۲۴
کافر کا مال مسجد میں لگ سکتا ہے ۳۲۵
مقبوضہ زمین میں مسجد کا حکم ۳۲۶
بے احتیاط متولی کا حکم ۳۲۶
حق پر ہوکر دوسری مسجد بنانا اور اس کا حکم ۳۲۶
بڑے بھائی کے نااہل ہونے کی وجہ سے چھوٹے بھائی کا متولی ہونا ۳۲۷
احاطہ مسجد کی آمدنی اور پیداوار کا حقدار ۳۲۸
مسجد اور مدرسہ کی آمدنی ایک دوسرے پر خرچ ہو سکتی ہے۔ ۳۲۸
تخت پوش یا ریل وغیرہ میں نماز فرض کا حکم ۳۲۸
مسجد میں چارپائی بچھانا ۳۳۰
عورتوں کے لئے مسجد میں جگہ ۳۳۲
طلوع فجر کے بعد تحیۃ المسجد ۳۳۴
مسجد میں تکرار جماعت کا حکم ۳۳۴
مسجد کے پاس قبریں ۳۳۶
قبلہ کی طرف منہ کرکے نماز کا حکم ۳۳۷
گھر میں دفن کا مسئلہ ۳۴۱
قبرستان کی مسجد میں نماز کا حکم ۳۴۱
قبریں گرا کر مسجد بنانا ۳۴۲
مسجد میں قبر کا حکم ۳۴۲
بے نشان قبرستان میں مسجد کا بنانا ۳۴۳
قبرستان اور مسجد ۳۴۴
قبرستان اور مسجد میں راستہ حائل ہو تو نماز کا حکم ۳۴۵
مسجد کے احاطہ میں مشرق کی جانب قبر ہو تو اس میں نماز کا حکم ۳۴۵
مسجد ضرار ۳۴۵
مولد النبی ﷺ میں نماز پڑھنے کا حکم ۳۴۷
متولی کا مسجد کے مال سے کھانا ۳۴۸

صفحہ	سطر	غلط	صحیح	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۷۹	۶	چوتڑوں	پھلوں	۱۸۱	۲۰	زور ہو	زور نہ ہو
۸۷	۷	فعل	فصل	۲۲۶	۱	ا طہارت	الطہارت
[illegible]	۸	فعل	فصل	۲۲۹	۲۲	مال	ماں
۱۰۸	۲۲	سے ملے	سے نہ ملے	۲۳۲	۱۴	آنتوں	گھٹنوں
۱۳۰	۲	اَلِیْم	عَظِیْم	۲۳۳	۱۱	شرکات	شروحات
۱۶۴	۲۱	اِذْ	×	۳۴۴	۳	غیر محرم	محرم

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حرفِ اوّل

وفات سے چند برس پہلے کی بات ہے۔ محدّث روپڑیؒ نے راقم الحروف کو ارشاد فرمایا کہ اخبار تنظیم اہلحدیث میں مطبوعہ فتاوی اور جو میرے پاس غیر مطبوعہ پڑے ہیں فقہی ترتیب کے ساتھ ان کو شائع کرنے کا اہتمام کریں۔ ان میں جن مسائل کی کمی محسوس ہو۔ ان کا جواب لکھوا لیا جائے۔ مگر افسوس کہ یہ کام تغافل کی نذر ہوگیا اور آپ کی زندگی میں اس کا آغاز نہ ہوسکا۔

۱۹۶۵ء میں حج بیت اللہ نصیب ہوا۔ حرم میں آرام کی غرض سے لیٹا ہوا تھا۔ نیند آگئی۔ خواب میں ملاقات ہوئی آپ نے فرمایا کہ اشاعتِ دین میں سستی کیسی؟ آنکھ کھلی آپ کے ان الفاظ کا دل پر ایک اثر تھا اور فتاوی کے شائع کرنے کا عزم بالجزم کیا۔

الحمدللہ اس خواب کی تعبیر پوری ہوئی۔ اللہ تعالےٰ نے اس ناچیز کو توفیق عطا فرمائی کہ علم و تحقیق کے اس بہت بڑے ذخیرہ کو فقہی ترتیب کے ساتھ "فتاویٰ اہلحدیث" کے نام سے شائع کرکے دین کی ایک ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو رہا ہوں۔

ہمارے سابقہ اکابر علما کے فتاوی ان کے اپنے نام یا وطن سے منسوب ہیں۔ چنانچہ فتاوی نذیریہ کی نسبت شیخ الکل میاں سید نذیر حسینؒ اور فتاویٰ ثنائیہ کی نسبت مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ کے نام کی طرف سے۔ فتاوی غزنویہ کی نسبت حضرت امام عبدالجبار کے اپنے آبائی وطن غزنی کی طرف ہے۔ مگر زیر نظر فتاوی کو محدث روپڑی کے نام یا وطن کی طرف منسوب نہیں کیا گیا نام اور وطن کی بجائے اس فتاوی کو "فتاوی اہلحدیث" نام سے شائع کیا جا رہا ہے تاکہ یہ ظاہر ہو کہ فتاوی کا اکثر ماخذ قرآن و حدیث ہے یہ حقیقت ہے کہ محدث روپڑی یکتائے روزگار محقق اور اپنے دور کے مجتہد ہونے کے علاوہ علم و فضل کے روشن مینار تھے تفسیر اور حدیث میں آپ کو جامع بصیرت حاصل تھی۔ احکام و مسائل اور ان کے اسباب و علل پر گہری نظر رکھتے تھے۔ آپ کا اجتہاد و استنباط علماء کے لئے وجہ اطمینان اور طلباء کے لئے علم میں اضافہ کا موجب ہوتا ہے۔

اس صورتِ حال کے باوجود کسی عالم یا بزرگ کے متعلق یہ گمان رکھنا اور یہ دعوی کرنا ناممکن ہے کہ وہ معصوم عن الخطاء ہے مشہور ہے المجتہد یصیب و یخطئ یعنی مجتہد جہاں اصابت رائے سے ہمکنار ہوتا ہے وہاں اس سے غلطی ہونا

بھی امکانی امر ہے البتہ مجتہد اپنے غلط اجتہاد میں حسن نیت کی بنا پر اجر سے محروم نہیں رہتا جبکہ وہ اصابت رائے کی صورت میں دوگنے اجر کا مستحق ہوتا ہے۔ ہاں وہ لوگ عنداللہ مجرم ہیں جو دیدہ دانستہ کتاب وسنت کو ترک کر کے غلط رائے اور غلط اجتہاد پر اصرار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ایسی اندھی تقلید سے بچائے اور سب مسلمانوں کو کتاب وسنت پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ آمین

فتاویٰ کا یہ مجموعہ ذیل میں بیان کی گئی خصوصیات اپنے اندر رکھتا ہے۔

مسلک اہل حدیث کا بے باک ترجمان

حق گوئی اور حق شناسی کا گرانقدر مرقع

سنت نبوی اور طریق سلف کا آئینہ دار

مخالفین کے اعتراضات کا مسکت جواب

عوام کی اہلیت واستعداد اور خواص کے علمی وفکری معیار کا جامع

تعصب سے مبرا، تحقیق سے مزین

میں ان تمام احباب کا بیحد شکر گزار ہوں جن کے تعاون سے اس کتاب کی ترتیب وتدوین میں مجھے مدد ملی اور جن کے نیک مشورے میرے شامل حال رہے۔ خصوصاً مولانا حافظ عبدالقادر صاحب روپڑی کہ انہوں نے قدم قدم پر اپنے مفید مشوروں سے میری راہنمائی کی ہے اور اختی المحترمہ عائشہ بنت محدث روپڑی رہ کا ممنون ہوں کہ فراہمی فتاویٰ کے سلسلہ میں انہوں نے فراخدلی کا ثبوت دیا ہے۔ آخر میں اپنی بیٹی عزیزہ امۃ السلام کے لئے دعاگو ہوں کہ فتاویٰ کی تصحیح میں اس نے میرا ہاتھ بٹایا اور اس سلسلہ میں اس نے کافی محنت کی۔

نیز اہل علم حضرات سے اُمید رکھتا ہوں کہ وہ اپنی نیک صلاح اور مفید مشورہ سے آگاہ فرماتے رہیں گے تاکہ زیر نظر فتاویٰ کی اصلاح ہو سکے اور شائع ہونے والا یہ مجموعہ فتاویٰ ان کی مفید آراء کی روشنی میں ترتیب پا سکے۔

وَاٰخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

تلمیذ محدث روپڑیؒ

محمد صدیق بن عبدالعزیز

ناظم

ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ

ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا۔ پاکستان

مورخہ

یکم جنوری ۱۹۷۳ء

مطابق

۲۵۔ ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ فَمَنْ شَاءَ ذَكَرَهُ

حضرت محدث روپڑیؒ اور اُن کے خاندان کے مختصر حالات

سنہ ۱۹۳۴ء کی بات ہے۔ راقم الحروف کو حضرت محدث روپڑی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں زانوئے تلمذ تہ کرنے کا شرف حاصل ہوا۔ اس وقت آپ ضلع انبالہ کے ایک مشہور قصبہ "روپڑ" میں رہائش پذیر تھے۔ محلہ عالی جو روپڑ شہر کے جنوبی جانب واقعہ ہے اس میں ایک پُرانی شاہی جامع مسجد عالی سے مشہور تھی۔ اس میں آپ کے درس و تدریس اور وعظ و تبلیغ کا سلسلہ جاری تھا۔ وہاں سے روحانی اور علمی چشمے اُبل کر پُورے ملک کو عموماً اور علاقہ بھر کے عوام اور طلباء کو خصوصاً سیراب کر رہے تھے۔

قد میانہ۔ جسم دبلا پتلا۔ رنگ سرخی مائل۔ ڈاڑھی گھنی تھی۔ ٹھوڑی کے بال سیاہ تھے۔ اس کی ہر دو جانب بالوں کی سفید دو دھاریاں چہرہ کی رونق کو دوبالا کر رہی تھیں۔

تلمذ کا یہ سلسلہ سنہ ۱۹۴۰ء تک بدستور رہا۔ اِس مختصر وقت میں روحانی اکتساب فیض کے علاوہ تفسیر حدیث۔ صرف و نحو اُصول حدیث۔ علم میراث اور فارسی کی چند کتب پڑھیں۔ سات برس تک علم و عمل کے اس چشمہ سے فیضیاب ہونے کے بعد تلمذ کا مستقل سلسلہ بعض مجبوریوں کی بنا پر منقطع ہو گیا۔ مگر وقتاً فوقتاً آپؒ کی خدمت میں حاضری کا موقعہ ملتا رہا۔ اور اکتساب فیض سے مشرف ہوتا رہا۔ تاآنکہ خدائے لم یزل نے بروز جمعرات بتاریخ ۱۱ ربیع الثانی سنہ ۱۳۸۴ھ مطابق مورخہ ۲۰ اگست سنہ ۱۹۶۴ء علم و عمل کے اس چشمہ کو ہمیشہ کے لئے بند کر دیا۔ رحمہ اللہ تعالیٰ

ع۱ مولوی صدر دینؒ جو مشہور عالم اور علاقہ جگراؤں میں موضع غالب کے نمبردار بھی تھے۔ انہوں نے تحصیل علم کے لئے مجھے آمادہ کیا اور ان سے ہی علم کی ابتداء کی۔ پھر محدث روپڑی کی خدمت میں حاضر ہوا۔ سات برس تک ان کے پاس قیام کیا۔ شیخ الحدیث مولانا سید مولا بخش زید مجدہ کوموی سے دورہ حدیث کی سند حاصل کی۔ منشی فاضل کا بھی امتحان پاس کیا۔ گوجرانوالہ کے ایک سالہ قیام کے دوران مولانا محمد اسماعیلؒ اور مولانا حافظ محمد صاحب زید مجدہ سے مرقاۃ۔ مشکوٰۃ۔ کفایۃ المتحفظ۔ ترجمہ۔ ہدایۃ النحو وغیرہ کتب پڑھیں۔

۱۹۳۴ء سے ۱۹۶۴ء تک آپ کی زندگی کا زمانہ اور اس میں تعلیمی و تدریسی سرگرمیاں اور تحریری و تقریری مصروفیتیں آنکھوں سے اوجھل اور قلوب واذہان سے فراموش نہیں ہوسکتیں۔ آپ کے زہد و تقویٰ کا انداز تبلیغ دین کے سلسلہ میں آپ کی مساعیِ جمیلہ، ریاضت و عبادت کی پابندی، توحید و سنت کی حمایت، شرک و بدعت کے رد میں آپ کی آواز سب کے کانوں میں گونجتی اور دلوں میں زندہ و تابندہ ہے۔

۱۹۳۴ء سے قبل بچپن تک آپ کی زندگی کے حالات کا مجھے علم نہیں۔ البتہ کچھ حالات آپ کی بعض تصانیف میں ملے ہیں۔ اور کچھ حالات ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث کے بعض پرچوں میں شائع ہوئے ہیں۔ اور کچھ حالات آپ کی بیاض میں املاء شدہ ہیں۔ ان سب کو سامنے رکھتے ہوئے آپ کی زندگی کے حالات قلمبند کرنے کی سعادت حاصل کر رہا ہوں۔ وما توفیقی الا باللہ

میاں روشن دینؒ

محدث روپڑیؒ کے والد ماجد کا نام روشن دینؒ ہے۔ وہ موضع کمیر پور تحصیل اجنالہ ضلع امرتسر میں رہتے تھے۔ درحقیقت کمیر پور ان کا اصل وطن نہیں۔ ان کے آباؤ اجداد امین آباد ضلع گوجرانوالہ کے باشندہ تھے۔ کہا جاتا ہے کہ رنجیت سنگھ کے دورِ حکومت میں ان کے کسی بڑے کبیر نامی شخص کو کسی خدمت کے صلہ میں کبیر پور علاقہ کی زمین بطور جاگیر ملی تھی۔ اس نے اپنے بھائی کمیر کو بھی وہیں بلا لیا۔ اور ان دونوں بھائیوں نے ایک گاؤں کی بنیاد رکھی جو کمیر پور کے نام سے مشہور ہوا۔ اس کا کل رقبہ پانصد ایکڑ ہے۔ اس میں ایک ہی برادری کے لوگ آباد ہیں جو کبیر اور کمیر کی اولاد ہیں۔ میاں روشن دینؒ کمیر کی اولاد ہیں۔

میاں روشن دینؒ اکثر علماء کی صحبت میں رہتے۔ اس وجہ سے ان کو علم دین پڑھنے کا شوق پیدا ہوا۔ اور یہ شوق جنون کی حد تک بڑھ گیا۔ چنانچہ انہوں نے زمین کے علاوہ گھر کا تمام اثاثہ فروخت کر دیا اور اپنی بیوی کو بھی طلاق دیدی تعلیم کے لئے حافظ محمدؒ مرحوم لکھوی کے پاس پہنچ گئے۔ جب حافظ صاحب کو علم ہوا تو انہوں نے فرمایا کہ پہلے رجوع کرو اور پھر پڑھو چنانچہ میاں روشن دین حافظ صاحبؒ کی ہدایت پر کمیر پور واپس آئے۔ رجوع کیا۔ دوبارہ لکھوکی چلے گئے یہ واقعہ ۱۳۰۱ھ کا ہے۔ جہاں آپ کو دینی علم کا شوق تھا وہاں آپ کی یہ انتہائی تمنا تھی کہ اولاد بھی سب کی سب عالم دین اور خادم دین ہو مگر کمیر پور میں زمین اس قدر نہ تھی کہ ٹھیکہ پر دے کر اس کی آمدنی اہل و عیال کے لئے کافی ہوتی اور بے نیاز ہو کر اولاد کو تحصیل علم کے لئے مصروف کر دیتے اس لئے کمیر پور کی سکونت ترک کر دی اور بچوں سمیت مار کے علاقہ میں آگئے۔ ایک سال چھانگا مانگا قیام کیا۔ اور اپنے بڑے بیٹے رکن الدین کو علم کے لئے حجرہ کلاں میں مولوی عبدالرحمٰن کے پاس چھوڑ دیا اور خود چھانگا مانگا کے قریب ڈوبہ گاؤں میں سکونت اختیار کی۔ وہاں عبداللہ نامی ایک عالم دین تھے ان سے باقی تین بیٹوں رحیم بخش، محدث روپڑیؒ اور میاں عبدالواحد نے قرآن مجید پڑھا۔ حضرت محدث روپڑیؒ نے یہاں سورۂ بقرہ بھی حفظ کی۔ موضع ڈوبہ میں تین سال قیام کیا پھر موضع تیرتھ

میں ٹھہرے ایک سال وہاں رہے۔ اس کے بعد موضع ماجرہ میں آباد ہوئے لیکن ان دیہات میں زمین کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہ ہو سکا اور واپس اپنے آبائی وطن کمیر پور آ گئے۔

وفات

۱۹۲۰ء کا زمانہ تھا روپڑ شہر میں تشنگانِ علوم اس چشمۂ علم و عمل سے سیراب ہو رہے تھے۔ درس و تدریس کا سلسلہ عروج پر تھا کہ اچانک میاں روشن دین کمیر پور میں بیمار ہو گئے۔ محدث روپڑیؒ نے اپنے والد کی تیمارداری کے لئے کمیر پور آنے کا ارادہ کیا لیکن میاں روشن دین نے کمیر پور آنے سے یہ کہہ کر روک دیا کہ طلبا کا حرج ہو گا۔ میں خود ہی تمہارے پاس آجاتا ہوں۔ یہاں پہنچ کر میاں روشن دین کی علالت میں اضافہ ہوتا گیا۔ اور آخر یہ بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ ۲۷ ذی الحجہ ۱۳۴۲ھ مطابق ۳۰ جولائی ۱۹۲۴ء کو روپڑ میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔

اولاد

میاں روشن دین کی اولاد سات بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑے رکن الدین، ان سے چھوٹے رحیم بخش ان سے چھوٹے "محدث روپڑی" ان سے چھوٹے عبدالواحد ان سے چھوٹے عبدالقادر اور ان سے چھوٹی فاطمہ اس سے چھوٹے حافظ محمد حسین اور ان سے چھوٹے حافظ عبدالرحمٰن ہیں۔ ان سب کی پیدائش ۱۲۹۷ھ اور ۱۳۱۶ھ کے درمیان ہے ایک کی پیدائش میں اڑھائی اڑھائی برس کا فرق ہے۔ البتہ حضرت محدث روپڑیؒ اور میاں عبدالواحد کی پیدائش میں تین برس فرق ہے۔

مولوی رکن الدینؒ

میاں روشن دین کے سب سے بڑے بیٹے تھے۔ کمیر پور میں پیدا ہوئے۔ موضع محبہ کلاں متصل چھانگا مانگا لکھوکی سہارنپور میرٹھ۔ دہلی وغیرہ مختلف مقامات پر تعلیم حاصل کی۔ محدث روپڑیؒ کو مدرسہ غزنویہ میں داخلہ ہوئے ابھی دو برس کا عرصہ ہوا تھا کہ مولوی رکن الدین درس نظامی اور طب کی سند فراغت لے کر امرتسر گئے ابھی اس امر میں غور کر رہے تھے کہ درس اور مطب ہر دو میں سے کس کا آغاز کیا جائے اسی اثنا میں وہ سل سے بیمار ہو گئے۔ ایک سال بیمار رہ کر وفات پا گئے۔ ان کی قبر کمیر پور میں ہے۔

فاطمہ

فاطمہ حافظ محمد حسین مرحوم سے بڑی تھی۔ مولوی رکن الدین کی وفات سے کچھ عرصہ پہلے کمیر پور کے قریب نالہ میں ڈوب کر چھ برس کی عمر میں اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملی۔

میاں رحیم بخشؒ

مولوی رکن دین سے چھوٹے تھے۔ مرحوم نے موضع ڈوبہ کے مولوی عبداللہ نامی سے قرآن مجید پڑھا کاشتکاری کے علاوہ تجارت بھی کرتے تھے۔ ۱۳۰۱ھ کمیر پور میں پیدا ہوئے۔ ۵ صفر ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ مئی ۱۹۳۴ء کمیر پور میں وفات پائی اور وہیں دفن ہوئے۔ ان کی وفات سے حضرت محدث روپڑیؒ کو بے حد صدمہ ہوا۔ اور فرمایا۔

"والد مرحوم کی وفات حسرت آیات سے میرے دل کو اتنی گرفت اور صدمہ نہیں ہوا۔ کیونکہ والد مرحوم کی

وفات کے بعد ان کا سایہ ہمارے سر پر والد مرحوم کا سا سایہ تھا۔ اب وہ جگہ خالی ہوگئی" (تنظیم جلد ۲ نمبر ۱۴)

میاں رحیم بخش کی اولاد

میاں رحیم بخش مرحوم کے چار بیٹے اور ایک بیٹی تھی۔ سب سے بڑے بیٹے حافظ محمد مرحوم تھے۔ جو کاروبار کرتے تھے۔ لاہور ماڈل ٹاؤن جے بلاک میں ان کی اپنی کوٹھی ہے اس میں رہائش پذیر تھے مورخہ ۲۱ شوال ۱۳۸۶ھ مطابق ۴ ہر جنوری ۱۹۶۷ء کو وفات پائی اور گارڈن ٹاؤن کے قبرستان میں دفن ہوئے۔

حاجرہ سب سے چھوٹی ہے۔ لاہور میں اس کی شادی ہوئی دو لڑکے چھوڑ کر وفات پا گئی۔

حافظ محمد اسماعیلؒ

یہ حافظ محمد مرحوم سے چھوٹے تھے روپڑ میں قرآن مجید حفظ کیا۔ فراغت تک تمام علوم حضرت محدث روپڑیؒ سے حاصل کئے۔ شیریں بیان خطیب شعلہ نوا مقرر توحید و سنت کے سرگرم داعی حق و صداقت کے بے باک علم بردار تھے انہوں نے ملک کے کونہ کونہ میں توحید و سنت کی تبلیغ و اشاعت کی پوری قوم ان کی دینی خدمات اور اخلاق حسنہ پر فخر کرتی ہے اور کرتی رہے گی۔ مورخہ ۴ شعبان ۱۳۸۱ھ مطابق ۱۲ ر جنوری ۱۹۶۲ء کو لاہور جامع قدس اہل حدیث چوک دالگراں لاہور میں داعیٔ اجل کو لبیک کہا انہوں نے ایسے وقت میں وفات پائی کہ جماعت کو ان کی بے حد ضرورت تھی ؎

بڑے شوق سے سن رہا تھا زمانہ   ہمیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

حافظ محمد حسینؒ کے پہلو میں گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں ان کو سپرد خاک کیا گیا۔

حافظ عبدالقادر و حافظ محمود احمد

یہ دونوں بھائی زندہ سلامت ہیں۔ حافظ عبدالقادر ایک ممتاز عالم دین نامور خطیب کامیاب مبلّغ اور اس وقت جماعت میں یکتا مناظر ہیں۔ جامع مسجد قدس اہل حدیث کے وہ نگران اور خطیب ہیں۔ جامعہ اہل حدیث درس گاہ ان کی نظامت میں چل رہی ہے۔

ہفت روزہ اخبار تنظیم جس کو حضرت محدث روپڑیؒ نے جاری کیا تھا وہ اس کے ناشر اور سرپرست بھی ہیں۔

حافظ محمد حسین مرحوم

یہ حافظ عبدالرحمٰن سے بڑے اور فاطمہ سے چھوٹے ہیں۔ ان کے والد میاں روشن دین جن دنوں موضع ڈوبہ میں اقامت پذیر تھے وہ اسی جگہ پیدا ہوئے انہوں نے حفظ قرآن سے لے کر فراغت تک اکثر علوم و فنون محدث روپڑیؒ سے حاصل کئے۔ آپ نے بچوں کی طرح ان کی اخلاقی اور روحانی تربیت کی تھی۔ حافظ صاحب مرحوم کو بھی اس بات کا احساس تھا۔ چنانچہ وہ تمام عمر آپ کے مخلص اور وفادار ساتھی رہے اور زندگی کی تمام مشکلات میں ان کی ہمت و جرأت آپ کے لئے وجہ طمانیت رہی ۱۹۴۷ء میں ملک کی تقسیم کے وقت نواں کوٹ امرتسر میں مقیم تھے۔ تقسیم کے بعد پاکستان آئے بھوپہ اسمعیل

ضلع لاہور میں آباد ہوئے اور اس جگہ زمین الاٹ کرائی۔ اکٹھے مل کر رہنے کے لئے ماڈل ٹاؤن لاہور میں رہائش تھیاری اس لئے کہ حضرت محدث روپڑی اور حافظ عبدالرحمٰن دونوں بھائیوں نے ماڈل ٹاؤن میں رہائش کر رکھی تھی۔ جے بلاک میں کوٹھی الاٹ کرائی۔ اسی کوٹھی میں مورخہ ۲۸ ربیع الاول ۱۳۷۹ھ مطابق ۱۲ اکتوبر ۱۹۵۹ء بروز جمعۃ المبارک وفات پا گئے اور علم و عمل کے اس روشن مینار کو گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں سپرد خاک کیا۔ ان کی وفات پر محدث روپڑیؒ نے فرمایا۔

افسوس کہ وہ اس وقت مجھے تنہا چھوڑ گئے جب مجھے بڑھاپے اور ضعف میں ان کی خدمات کی پہلے سے کہیں زیادہ ضرورت تھی۔ (تنظیم جلد ۱۲ نمبر ۱۱)

میاں عبدالواحد

محدث روپڑی سے چھوٹے اور فاطمہ سے بڑے ہیں کیرپور میں پیدا ہوئے۔ زمین اپنی تھی۔ کھیتی باڑی کا کام کرتے تھے۔ تقسیم ملک میں بھوئے آصل ضلع لاہور میں آباد ہوئے وہیں متروکہ اراضی کا سعادت منہ ملا۔ عابد اور خاموش طبع ہیں۔

حافظ عبدالرحمٰن

جب ان کے والد موضع ڈوبہ سے موضع تیرتھ اور وہاں سے موضع ماجرہ منتقل ہوئے یہی سال موضع ماجرہ میں پیدا ہوئے۔ لاہور جے بلاک ماڈل ٹاؤن میں ان کی اپنی کوٹھی ہے۔ اسی میں رہائش پذیر ہیں۔ مدرسہ البنات رحمانیہ ان کی زیر نگرانی چل رہا ہے۔ چند ایک دینی کتب کے مصنف بھی ہیں۔ جامع مسجد رحمانیہ اہل حدیث جے بلاک ماڈل ٹاؤن کے بانی اور متولی ہیں۔

مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی رح

آبائی وطن موضع کیرپور میں ۱۳۰۴ھ میں پیدا ہوئے ۱۳۸۴ھ بمطابق ۱۹۶۴ء کو لاہور میں وفات پائی۔ علم و فضل کے اس آفتاب کو گارڈن ٹاؤن لاہور کے قبرستان میں ان کے مرحوم بھائی حافظ محمد حسین رح اور مرحوم برادر زادہ حافظ محمد اسماعیلؒ کے پہلو میں اشکبار آنکھوں اور غمزدہ دلوں اور کانپتے ہوئے ہاتھوں سے ——— دفن کر دیا گیا۔

محدث روپڑی کی اولاد

حضرت محدث روپڑیؒ کے چار بیٹے اور سات بیٹیاں ہیں۔ بڑا بیٹا مسعود احمد چھوٹا محمد جاوید اس سے چھوٹا محمود اور اس سے چھوٹا حامد ہے۔

بیٹیوں میں بڑی رقیہ اس سے چھوٹی عائشہ اس سے چھوٹی مریم اس سے چھوٹی خدیجہ اس سے چھوٹی عزیزہ اس سے چھوٹی سعیدہ اور سب سے چھوٹی فوزیہ ہے۔

خدیجہ تو روپڑ ضلع انبالہ میں بعارضہ تپ دق ۲۵ رمضان ۱۳۵۷ھ مطابق ۱۹ نومبر ۱۹۳۸ء کو وفات پاگئی
محدث روپڑیؒ مسجد مبارک امرتسر میں اعتکاف بیٹھے تھے۔ ملک تقسیم ہو چکا تھا۔ پندرہ اگست ۱۹۴۷ء مطابق ۲۰ رمضان ۱۳۶۶ھ بروز جمعہ مسجد پر سکھوں اور ہندؤں نے حملہ کر دیا۔ رقیہ، مریم، سعیدہ۔ عزیزہ اور حامد بیٹیاں ان ظالموں کے ہاتھوں وہیں شہید ہو گئے۔

مسعود احمد۔ محمد جاوید۔ محمود تینوں بیٹے زندہ ہیں۔ اپنا اپنا کاروبار کرتے ہیں۔ بااخلاق ہیں۔ دعا ہے اللہ تعالیٰ ان کو اپنے والد مرحوم کا صحیح معنوں میں جانشین بنائے۔ آمین۔

تعلیم

میاں روشن دین مرحوم کے حالات میں بیان ہو چکا ہے کہ انہوں نے اولاد کو دینی تعلیم دلانے کے لئے کیرپور کی سکونت ترک کر دی اللہ بار کے علاقہ میں آگئے۔ چھانگا مانگا میں ایک سال قیام کیا اس وقت حضرت محدث روپڑیؒ کی عمر اڑھائی سال کے قریب تھی۔ پھر موضع ڈوبہ کے دوران قیام تعلیم کا آغاز مولوی عبداللہ نامی کے ایک بزرگ سے کیا۔ میاں رحیم بخش اور میاں عبدالواحد نے بھی ان سے قرآن مجید پڑھا اور محدث روپڑیؒ نے بھی ناظرہ قرآن مجید یہیں پڑھا اور سورہ بقرہ حفظ کی۔ مولوی رکن الدین مرحوم جب حج سے فارغ ہوئے اور مزید تعلیم کے لئے لکھوکی آگئے۔ کچھ عرصہ کے بعد وہ آپ کو بھی اپنے ہمراہ لکھوکی لے آئے اور وہاں چار ماہ قیام کیا۔ حافظ محمد مرحوم لکھوی کے بڑے صاحبزادے مولوی عبدالرحمٰن مدینہ میں فوت ہو چکے تھے۔ مولوی عبدالقادر اور مولوی محمد حسین زندہ تھے۔ آپؒ نے مولوی عبدالقادر مرحوم سے صرف و نحو کی ابتدائی کتب پڑھیں۔ وہاں سے فارغ ہوئے تو مولوی رکن الدین سہارنپور چلے گئے وہاں ایک سال قیام کیا پھر میرٹھ روانہ ہو گئے اور آپؒ کو بھی ساتھ لے گئے۔ میرٹھ میں نعمانیہ مدرسہ تھا جو اونچی مسجد والا کے نام سے مشہور و معروف تھا۔ ایک سال وہاں تعلیم حاصل کی۔ صرف میر۔ پنج گنج کتابیں وہاں پڑھیں۔ مولوی رکن الدین دہلی چلے گئے اور آپؒ واپس گھر موضع ڈوبہ آگئے۔ اس علاقہ میں اراضی کا مستقل انتظام نہ ہوا تو میاں روشن دین واپس کیرپور آگئے۔ اور آپ کو مدرسہ غزنویہ میں چھوڑ دیا۔ آپؒ نے قرآن مجید حفظ کیا۔ مولوی معصوم علی سے نحو شرح جامی تک اور منطق قطبی تک پڑھی مولوی معصوم علی مرحوم ہزارہ کے باشندہ تھے۔ نہایت نیک اور امام عبدالجبارؒ کے معتقد تھے۔ مولوی محی الدین مدرسہ غزنویہ میں مدرس تھے مذہباً حنفی تھے ان سے مراح الارواح۔ زنجانی۔ فصول اکبری۔ شافیہ وغیرہ کتب پڑھیں اور اسی مدرسہ میں فقہ کی تعلیم حاصل کی۔ اصول فقہ مولوی عبدالصمد سے پڑھی مدرسہ نعمانیہ امرتسر میں فلسفہ کی بعض کتب اور میبذی پڑھی۔ تفسیر و حدیث امام عبدالجبارؒ سے اور حدیث کی بعض کتب مولوی عبدالاول سے پڑھیں لیکن سند فراغت امام عبدالجبار سے حاصل کی۔ حضرت محدث روپڑیؒ نے بیان فرمایا کہ:۔

امام عبدالجبارؒ نے جب مجھ میں قابل ترین استاد بننے کی صلاحیت دیکھی تو فرمایا کہ تم اس مدرسہ میں پڑھاؤ۔ اور رشتہ کے لئے بھی پیش کش کی مگر مجھ پر علمی شوق غالب تھا اس لئے ادب و احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے میں نے دونوں کاموں سے انکار کر دیا اور عرض کیا کہ ابھی علمی تکمیل باقی ہے۔ امام عبدالجبارؒ سے اجازت لے کر ۱۹۱۰ء میں دہلی آیا میرے دہلی پہنچنے سے آٹھ سال پہلے میاں سید نذیر حسینؒ مرحوم وفات پا چکے تھے۔

منطق و فلسفہ کی تعلیم اور اس کی تکمیل مولانا حافظ عبداللہ غازیپوریؒ اور مولوی محمد اسحٰق المعروف منطقی دہلوی سے کی اقلیدس اور بعض غیر درسی کتب بھی انہی سے پڑھیں۔ اقلیدس کے چھ مقالے حفظ کئے۔

۱۹۱۳ء کے آخری ایام میں امام عبدالجبارؒ وفات پا گئے۔ اس جانکاہ خبر سے آپ کو بہت صدمہ ہوا چونکہ امام صاحب مرحوم ابتداء ہی سے ان کے مربی تھے۔ آپؒ کی عمر دس برس کی تھی جب امام صاحب مرحوم کی خدمت میں حاضر ہوئے سات آٹھ برس انہی کے پاس رہے۔ انہی سے ظاہری و باطنی فیوض پائے۔ تکمیل دینیات کی سند بھی انہی سے لی تھی۔ اس لئے امام صاحب مرحوم کی جدائی کا صدمہ آپ کے لئے ناقابلِ برداشت تھا۔ امرتسر آئے۔ چونکہ فنون کی بعض کتب باقی تھیں۔ واپس چلے گئے۔ دہلی میں جلدی تکمیل نہ ہو سکنے کی وجہ سے ریاست رام پور کا رُخ کیا۔ وہاں نواب صاحب کی طرف سے مدرسہ عالیہ نام سے ایک اعلیٰ درس گاہ قائم تھی۔

آپ کے بیٹے محمد جاوید نے آپ کے حوالہ سے بیان کیا کہ۔

> جب میں داخلہ کے لئے مدرسہ عالیہ میں گیا تو ناظم نے داخلہ دینے سے انکار کر دیا۔ طلبہ موجود تھے استاد کسی کام کے لئے چلے گئے ان کے ہاتھ میں عربی زبان کا ایک مسودہ تھا وہ چھوڑ گئے۔ میں نے اٹھا کر دیکھا تو اس میں صرفی و نحوی اغلاط تھیں میں نے قلم سے ان کی نشاندہی کر کے مسودہ وہیں رکھ دیا۔ تھوڑی دیر کے بعد استاد صاحب تشریف لائے اور مسودہ اٹھا کر دیکھا تو اغلاط کی نشاندہی نظر پڑی فرمایا کہ یہ نشان کس نے لگائے ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ مسودہ کی اغلاط کی نشاندہی اس عاجز نے کی ہے اور اغلاط کی وجہ بھی بیان کی۔ استادِ محترم نے مدرسہ میں داخلہ دیتے ہوئے فرمایا کہ تم کو میں استاد اور شاگرد ہر دو حیثیت سے داخلہ دیتا ہوں جو کتابیں تم پڑھ کر آئے ہو اُن کے یہاں تم استاد ہو۔ اور جو پڑھی نہیں ان میں تم شاگرد ہو

اس مدرسہ میں ایک سال تعلیم پائی۔ مولوی فاضل اور درس نظامی یہ دو سند فضیلت حاصل کیں۔ اس مدرسہ میں مولوی محمد امین پشاوری اور مولوی فضل حق رامپوری مدرس تھے یہ دونوں استاد بہت بڑے منطقی، فلسفی اور علم کلام میں بحر العلوم تھے۔ ان دونوں سے آپ کو اکتساب فیض کا موقع ملا۔ ۱۹۱۴ء میں فراغت پا کر واپس چلے آئے۔ جماعت اہل حدیث کی

دعوت پر مصر آئے انہوں نے وہاں اقامت کے لئے آپ کو مجبور کیا مگر انہوں نے یہ فرمایا کہ ابھی میں گھر نہیں پہنچا۔ والد مرحوم سے مشورہ کر کے اظہار رائے کر سکوں گا۔ جب میں گھر آیا تو جماعت اہل حدیث روپڑ کا ایک وفد والد صاحب کی خدمت میں حاضر ہوا جس کی قیادت خلیفہ فضل الٰہی مرحوم کر رہے تھے۔ اس وفد نے آپ کے والد کو بے حد مجبور کیا۔ آخر کار انہوں نے اجازت دے دی اور آپ روپڑ تشریف لے آئے اور سنہ ۱۹۴۸ء تک وہیں قیام کیا۔

علم و فضل

آپ کا علم و فضل مسلم ہے۔ ہم جیسے کم علموں کی تائید و تعارف کا محتاج نہیں۔ اس دور کے جید علماء نے آپ کے علم کا اعتراف کیا ہے۔

شمس العلماء مولانا محمد حسین بٹالوی کا اعتراف

آپ نے اشاعۃ السنہ میں لکھا ہے کہ حافظ عبداللہ روپڑی علم و فضل میں حافظ عبداللہ غازی پوری کے ہم پلہ ہیں۔

مولانا کی یہ رائے اس وقت کی ہے جب آپ تعلیم سے فارغ ہوئے تھے۔ یوں سمجھئے کہ آپ کی طالب علمی کا زمانہ تھا اور مولانا عبداللہ غازیپوری کی ساری عمر علم میں ختم ہو چکی تھی۔ مولانا محمد اشرف سندھو بلوکی نے بکراویوی کے دیباچہ میں لکھا ہے کہ

مولانا عبدالرحمٰن مبارکپوری کا اعتراف

مولانا مرحوم لاہور تشریف لائے مسجد چینیانوالی میں رونق افروز ہوئے میری اور مولوی سید محمد کی حاضری میں حافظ صاحب کی شان میں انہوں نے فرمایا کہ ہندوستان میں ان کی نظیر نہیں۔ جس کی تفصیل یہ ہے کہ ایک طالب علم عبداللہ عرب نجدی الاصل آپ کے پاس پڑھتا تھا کسی روپڑی آدمی سے اس کی نزاع ہو گئی۔ آپ اور طلباء نے عبداللہ سے درگزر کرنے کو کہا مگر وہ مصر رہا اور سیدھا مبارکپور میرے پاس پہنچا میں نے اس سے تمام کیفیت دریافت کی اور کہا کہ عبداللہ تم واپس چلے جاؤ حافظ عبداللہ جیسا ذی علم اور لائق استاد تمام ہندوستان میں کہیں نہیں ملے گا۔ (رسالہ بکراویوی صـ)

مولانا بٹالوی اور مولانا مبارکپوری کی آراء سے ظاہر ہے کہ حضرت محدث روپڑی اپنے دور کے بے نظیر عالم اور علم و فضل کے بحر العلوم تھے۔ اجتہاد و استنباط کا وہ ملکہ اللہ تعالیٰ نے عطا کیا تھا کہ ادق اور مشکل مسئلہ آسانی سے حل فرما لیتے مسائل کے حل پر عمیق نظر رکھتے تھے یہی وجہ ہے کہ آپ کا دیا ہوا فتویٰ علماء کے لئے اطمینان کا باعث ہوتا اور وہ اسے اپنے علم میں اضافہ کا موجب سمجھتے۔

ممتحن دار الحدیث رحمانیہ

ابھی آپ کو روپڑ آئے ہوئے دو سال کا عرصہ ہی ہوا تھا کہ دار العلوم دیوبند کے مقابلہ میں شیخ عطاء الرحمٰن اور اس کے دوسرے اعزہ نے دہلی میں دار الحدیث رحمانیہ کے نام سے ایک شاندار درسگاہ کی بنیاد رکھی اس کے نظم و نسق اور درس و تدریس کے لئے ہندوستان کے پورے علماء میں سے منتظمین کی دور رس نگاہ نے آپ کا انتخاب کیا۔ اور

دعوت دی مگر آپ نے انکار کر دیا اور جماعت اہل حدیث روپڑ کی والہانہ عقیدت و محبت کے پیش نظر ان سے جدا ہونا پسند نہ کیا البتہ منتظمین کی خواہش اور تمنا پر دار الحدیث رحمانیہ کا سالانہ امتحان اپنے ذمہ لے لیا۔ قریباً بائیس برس تک اس عظیم الشان دینی درسگاہ کے ممتحن رہے اور سینکڑوں علماء نے ان کے مبارک ہاتھوں سے دستارِ فضیلت باندھی ۱۹۴۷ء میں تباہ و لہ آبادی کی وجہ سے دہلی کی اس عظیم الشان دینی درسگاہ کا وجود ختم ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مدرسہ دار الحدیث: جب آپ روپڑ تشریف لائے تو وہاں آپ نے دار الحدیث کی بنیاد رکھی ۱۹۱۶ء میں دار الحدیث کا افتتاح ہوا نماز عصر کے بعد بخاری شریف شروع کی گئی۔ شیخ محمد عمر بن ناصر نجدی المعروف عرب صاحب مولوی محمد بن عبد العظیم پسروری۔ مولوی دین محمد سنانوی مرحوم درس بخاری میں شریک ہوئے۔ مولوی نور محمد رحمہ اللہ سکنہ دوگری نے نسائی شریف شروع کی۔ اس کے بعد تلامذہ کا یہ سلسلہ وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا گیا اور درس و تدریس کا یہ سلسلہ ۱۹۴۷ء تک روپڑ میں رہا۔

مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے اختلاف

مولانا ثناء اللہ امرتسری رحمہ اللہ کے ساتھ محدث روپڑی رحمہ اللہ کا اختلاف ذاتی اور دنیاوی رنجش کا نتیجہ نہیں تھا بلکہ وہ ایک دینی اختلاف تھا۔ مولانا امرتسری رحمہ اللہ نے قرآن مجید کی تفسیر لکھی جس میں قرآن کی تفسیر قرآن ہی سے کرنے کا التزام کیا۔ اور اس کا نام تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن رکھا مولانا کی یہ طرز ایک جدت تھی جس کی وجہ سے بعض مقامات پر تفسیر کرتے ہوئے سلف کی راہ سے انحراف کیا۔ اس وقت کے علماء مثلاً امام عبد الجبار غزنوی۔ مولانا عبد الواحد غزنوی۔ مولانا احمد اللہ امرتسری رحمہ اللہ و دیگر اکابر معاصر علماء نے شدید احتجاج کیا اور رجوع کا مشورہ دیا مگر یہ ناصحانہ مشورہ کارگر ثابت نہ ہوا۔ جماعت تفریق کا شکار ہو گئی اور یہ لوگ اللہ کو پیارے ہو گئے۔

حضرت محدث روپڑی بھی مولانا امرتسری رحمہ اللہ سے نبرد آزما ہوئے۔ مگر معاصر علماء کا اکثر طبقہ مصلحت کا شکار ہو گیا اور ان کی یہ سعی نتیجہ خیز ثابت نہ ہوئی اور مولانا اپنی اغلاط پر مصر رہے۔ حتیٰ کہ یہ دونوں بزرگ یکے بعد دیگرے دنیا سے رخصت ہو گئے۔

انہی اغلاط کی بنا پر محدث روپڑی رحمہ اللہ مولانا امرتسری رحمہ اللہ کو راہ سلف سے برگشتہ تصور فرماتے تھے۔ بایں ہمہ مولانا مرحوم کی بے شمار جماعتی اور ملی خدمات ہیں جن کی بنا پر جماعت کیا پوری ملت اسلامیہ کو اس کا اعتراف ہے۔

دعا ہے اللہ تعالیٰ لغزشوں کو معاف فرمائے اور جوارِ رحمت میں جگہ دے۔ آمین۔

گوجرانوالہ کے مولانا محمد اسماعیل سلفی رحمہ اللہ نے ثنائی قرآن مجید کا مقدمہ لکھتے ہوئے مولانا امرتسری رحمہ اللہ کی ان اغلاط کا ذکر فرمایا ہے اور اس فتاوی میں بھی محض اس لئے ذکر ہوا ہے تاکہ کوئی شخص یہ تصور نہ کرے کہ مولانا مرحوم کی تفسیر تمام تر مسلک

سلف کی آئینہ دار ہے یا ہمعصر علماء میں سے کسی نے مولانا مرحوم سے اختلاف نہیں کیا۔

امرتسر میں قیام محمد رو پڑی نے بیان کیا کہ جب میری شادی امرتسر میں ہوئی تو اس وقت مولانا امرتسری کے استاذ مولانا احمد اللہ نے مجھ سے کہا کہ آپ امرتسر آجائیں۔ میری زیرنگرانی تین مسجدیں (مسجد مبارک۔ مسجد قدس گلی ڈبگراں۔ مسجد باغ والی) ہیں۔ جو ہمارے خاندان کے مصارف سے تعمیر شدہ ہیں۔ ان مساجد معہ ملحقہ جائیداد کا انتظام آپ سنبھالیں چونکہ روپڑ میں قیام ہو چکا تھا اور قیام کا بھی ابتدائی زمانہ تھا۔ روپڑ کی سکونت ترک کرنے اور امرتسر منتقل ہونے کو طبیعت نے پسند نہ کیا اور اسے بدعہدی کے مترادف شمار کیا اور مولانا احمد اللہ رح کی اس پیش کش کو قبول کرنے سے انکار کر دیا تھوڑے عرصہ بعد مولانا احمد اللہ مرحوم وفات پا گئے۔

۱۹۳۸ء میں جب آپ نے یہ دیکھا کہ روپڑ کی مسجد اور مدرسہ کا انتظام آپ کے بھتیجوں حافظ محمد اسماعیل رح اور حافظ عبدالقادر نے سنبھال لیا ہے تو آپ نے مولنا احمد اللہ مرحوم کی تمنا کو عملی جامہ پہنانے کا ارادہ کر لیا۔ اتفاق کی بات ہے کہ مسجد مبارک کے امام وخطیب مولانا عبداللہ ٹوی وفات پا گئے تھے اور مسجد خالی تھی۔ آپ امرتسر تشریف لے آئے اور مسجد مبارک کا مکمل انتظام اپنے ہاتھ میں لے لیا اور مسجد میں مدرسہ دارالحدیث جاری کیا۔ درس وتدریس اور خطابت و امامت کا یہ سلسلہ اگست ۱۹۴۷ء تک بدستور

لاہور میں قیام ۱۹۴۷ء میں ملک تقسیم ہوا۔ تبادلہ آبادی کی وجہ سے ترک وطن کرنا پڑا۔ پاکستان آکر علاقہ تپو کی منڈی روڈالہ روڈ۔ منڈی جڑانوالہ مختلف مقامات میں قیام کیا مگر آپؒ نے ان تمام جگہوں کو اہم دینی وتبلیغی منصوبوں کے لئے ناپسند فرمایا لاہور چوک دالگراں میں جامع مسجد قدس اہل حدیث کی بنیاد رکھی اور درس وتدریس و نیز دینی وتبلیغی امور کے لئے اس مسجد کو مرکز قرار دیا۔ یہ سلسلہ سترہ برس تک آپ کی زیرنگرانی چلتا رہا۔ حتی کہ آپ اگست ۱۹۶۴ء میں واصل بحق ہو گئے۔

۱۹۱۲ء سے ۱۹۶۴ء تک قریباً اڑتالیس برس کے عرصہ میں بے شمار طلبا نے آپ سے اکتساب فیض کیا۔ ان کی تعداد کا صحیح تعین تو مشکل ہے لیکن مشہور طلبا کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

تلامذہ شیخ محمد عمر بن ناصر نجدی۔ شیخ عبداللہ الابیض عرب جامعہ ازہر۔ مولوی محمد بن عبدالعظیم پسروری۔ مولوی دین محمد مرحوم ستانوی۔ مولوی نور محمد ساکن ددگری۔ مولوی عبدالرحمٰن بن مولوی محمد محشی نسائیؒ۔ مولوی احمد بانی مدرسہ دارالحدیث مدینہ منورہ۔ شیخ الحدیث مولانا عبدالجبار کھنڈیلوی رح۔ مولوی عبدالعلیم ٹونکی۔ مولوی ابوبکر بنگالی۔ مولوی محمد یوسف بنگالی۔ مولوی عبدالقیوم بردوانی۔ مولوی عبدالرحمٰن افریقی مہتمم دارالحدیث مدینہ منورہ۔ مولوی محمد۔ حافظ محمد حسین امرتسری فاضل۔ مولوی سید محمد چونیاں۔ مولوی قادر بخش بازید پوری۔ مولوی شہاب الدین کوٹلوی۔ حافظ

محمد اسماعیل روپڑی۔ حافظ عبدالقادر روپڑی۔ راقم الحروف۔ سید بدیع الدین شاہ انہوں نے سند فضیلت حاصل کی۔ مولانا حبیب الرحمٰن شاہ راولپنڈی۔ حافظ عبدالرحمٰن مدنی۔ حافظ مقبول احمد۔ حافظ ثناء اللہ سرہالوی۔ مولوی عبدالسلام کیلانی نے بھی آپ سے اکتساب فیض کیا۔ موخر الذکر ہر دو نے جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ سے سند فراغت حاصل کی ہے جبکہ حافظ مقبول احمد زیر تعلیم ہے۔

ہفت روزہ تنظیم اہل حدیث | ۱۹۳۲ء سے قبل جب جماعت اہل حدیث کی تنظیم معرض وجود میں آئی اور شاہ محمد شریف مرحوم اس جماعت کے امیر منتخب ہوئے اور جماعتی نشر واشاعت کے لئے اجراء اخبار کی ضرورت محسوس کی گئی تو اراکین نے اس کا تمام تر بوجھ حضرت محدث روپڑی پر ڈال دیا۔ کثرت اشتغال کے باوجود آپ نے روپڑ سے مؤرخہ ۲۷ رمضان المبارک ۱۳۵۰ھ مطابق ۵ فروری ۱۹۳۳ء تنظیم اہل حدیث نام سے ہفت روزہ اخبار جاری کیا۔ جو اس وقت سے آج تک جماعتی خدمات سرانجام دے رہا ہے۔ آپ کی وفات کے بعد حافظ محمد جاوید بن محدث روپڑی کی ادارت اور مولانا حافظ عبدالقادر کی زیر نگرانی جاری وساری ہے۔

تصنیفات محدث روپڑی نے مختلف موضوعات پر متعدد کتب اور رسائل تصنیف کئے ہیں ان میں سے حسب ذیل زیادہ مشہور ہیں

۱۔ الکتاب المستطاب	۱۳ آلہ جبیر الصوت	۲۵ توحید الرحمٰن بجواب امداد از عباد الرحمٰن
۲۔ ارشاد الوری فی التجمیع فی القری	۱۴ مودودیت اور احادیث نبویہ	۲۶ اسلام اور مرزائیت
۳۔ اطفاء الشمعہ	۱۵ تعلیم الصلوٰۃ	۲۷ اسلامی ڈاڑھی اور مودودیت
۴۔ درایت تفسیری	۱۶ وراثت اسلامیہ	۲۸ سماع موتی
۵۔ اہل حدیث کی تعریف	۱۷ تقلید علماء دیوبند	۲۹ ٹھیٹھ اسلام
۶۔ اہل سنت کی تعریف	۱۸ رفع الیدین	۳۰ نکاح شغار
۷۔ رد بدعات	۱۹ ارسال الیدین بعد الرکوع	۳۱ شرکیہ دم جھاڑا۔
۸۔ نبی معصوم	۲۰ کلمہ توحید	۳۲ تحقیق التراویح
۹۔ امامت مشرک	۲۱ دعا بحرمت انبیا	کواں کا کیا ہونا کیا ہے۔
۱۰۔ بکرا دیوی	۲۲ نور محمدی کی پیدائش	۳۴ روئیت ہلال
۱۱۔ زیارت قبر نبوی	۲۳ رسالہ امارت	۳۵ اہل حدیث کے امتیازی مسائل
۱۲۔ رسالہ وسیلہ بزرگان	۲۴ رفع الابہام فی ادلیل سال الانام	۳۶ حج مسنون

۳۷ تکبیراتِ عیدین	۴۰ حکومت اور علماء ربانی	۴۳ منظر النکات شرح مشکوٰۃ
۳۸ رسالہ نیت نماز اور وتر	۴۱ نکاح و نسوانیت	۴۴ طیور ابراہیمی
۳۹ انسانی زندگی کا مقصد	۴۲ طلاق ثلاثہ	

عادات وخصائل

کم گو، خاموش طبع تھے۔ بے معنی اور لایعنی گفتگو سے پرہیز کرتے تھے۔ اگر ہنسنے کی بات ہوتی تو صرف مسکراتے قہقہہ نہ لگاتے۔ غصہ کی بات پر غصہ کا اظہار کرتے مگر کسی کو گالی نہ دیتے۔ سادہ لباس پہنتے۔ غذا جو ملتی کھاتے مگر سرخ مرچ سے پرہیز کرتے۔ اس کی وجہ بیماری بیان کرتے۔ دین کی مخالفت پر سخت غم وغصہ کا اظہار کرتے۔ بدعتی کو برا سمجھتے اس کو سلام نہ کہتے اور اس سے مصافحہ کرنے سے گریز کرتے۔ بدعتی کی اقتدا میں نماز نہ پڑھتے۔ اگر لاعلمی یا مجبوری سے نماز پڑھنے کا اتفاق ہوتا تو نماز کو دُہرالیتے۔ وضو کے وقت ہمیشہ مسواک کرتے۔ کھانا ایک وقت کھاتے۔ داؤدی روزہ یعنی ایک دن روزہ رکھتے اور ایک دن افطار کرتے۔ افطاری کے دن میں بھی کھانا ایک وقت کھاتے۔ سفر وحضر میں ہمیشہ تہجد پڑھتے اور ایک پارہ کی تلاوت فرماتے نماز باجماعت پڑھتے۔ ہمارے علم میں ایک نماز فرض ایسی نہیں ہے جو آپ نے جماعت کے بغیر پڑھی ہو۔ حتی الوسع بیٹھ کر نماز نہ پڑھتے۔ بیماری کے آخری دنوں میں کافی نحیف وضعیف ہو گئے تھے۔ مجبوراً چند ایک نمازیں بیٹھ کر پڑھیں۔ فتوی اور تعویذ کے سلسلہ میں لوگ جو آپ کی خدمت کرتے وہ بہت کم اپنے مصرف میں لاتے بلکہ اس کا بیشتر حصہ نیک جگہوں پر صرف کرتے۔ ایسی دوائی اور علاج سے پرہیز کرتے جس میں ناجائز ہونے کا شبہ ہوتا جو وعدہ کرتے اس کا ایفا کرتے۔

تلمیذ محدث روپڑیؒ

محمد صدیق بن عبدالعزیز

۲۵ ذوالقعدہ سنہ ۱۳۹۲ھ مطابق یکم جنوری سنہ ۱۹۷۳ء

ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

جامع قدس اہلحدیث

نزد چوک دالگراں لاہور

اندرونی حصہ

بنا و تعمیر:- مولانا حافظ عبداللہ محدث روپڑی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فَاسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ

فتاویٰ اہلحدیث

کتاب الایمان

مذاہب

مرزائی۔ رافضی چکڑالوی وغیرہ کافر ہیں یا نہیں۔

سوال:۔ معتزلہ، جہمیہ۔ قدریہ۔ جبریہ۔ مرزائیہ چکڑالویہ۔ رافضیہ بلا تفضیلیہ وغیرہ وغیرہ فرقے۔ یہ قطعی کافر ہیں یا نہیں۔ نماز میں ان کی اقتداء اور ان سے سلام مصافحہ کرنا روا ہے یا نہیں۔ ان کی ورثہ مسلم کو یا مسلم کی وراثت ان کو پہنچتی ہے یا نہیں؟ اور مسلم عورت کو ان کے ساتھ نکاح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ اگر مسلمان عورت کا خاوند ان فرقوں میں داخل ہو جائے۔ مذہب اہل سُنّت والجماعت بدل لیوے تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے یا نہیں؟ بلا طلاق وہ دوسری جگہ نکاح لے سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ ان فرق کے گمراہ۔ زندیق۔ ملحد۔ بدعتی ہونے میں تو کوئی شبہ نہیں۔ البتہ کافر ہونے میں تفصیل ہے۔ مرزائیہ چکڑالویہ تو بے شک کافر ہیں۔ معتزلہ۔ جہمیہ۔ قدریہ۔ جبریہ بھی تقریباً ایسے ہی ہیں لیکن صاف کافر کہنا ذرا مشکل ہے رافضیہ میں سے غالی قطعاً کافر ہیں۔ جو حضرت ابوبکرؓ وغیرہم کو مرتد کہتے ہیں اور زیدیہ کافر نہیں۔ جن کا عقیدہ ہے۔ کہ حضرت ابوبکرؓ کی امامت خطا نہیں ہے۔ مگر حضرت علیؓ افضل ہیں اور حضرت عثمانؓ کے بارہ میں ساکت ہیں۔ نہ اچھا کہتے ہیں۔ نہ بُرا۔

اگر ان فرقوں کی اور ان کے علاوہ باقی فرقوں کی تفصیل مطلوب ہو۔ تو کتاب ملل والنحل ابن حزم اور شہرستانی وغیرہ کا مطالعہ کریں۔ اور نواب صدیق حسن خان مرحوم کا بھی ایک رسالہ خبیئۃ الاکوان اس بارہ میں

ہے۔ وہ بھی اچھا ہے۔

رہا ان لوگوں سے میل ملاپ تو یہ بالکل ناجائز ہے۔ ابن کثیر جلد دوم ص۲۰۱ میں مسند احمد وغیرہ سے یہ حدیث ذکر کی ہے۔ کہ جب تم متشابہ آیتوں کے پیچھے جانے والوں کو دیکھو۔ تو ان سے بچو۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ان لوگوں سے ناطہ رشتہ وغیرہ کرنا یا ویسے میل ملاپ رکھنا یا نماز میں امام بنانا اس قسم کا تعلق کوئی بھی جائز نہیں۔ بلکہ جو ان میں سے کافر ہیں۔ اگر اتفاقی طور پر ان کے پیچھے نماز پڑھ لی جائے یا غلطی سے ان کے ساتھ نکاح کا تعلق ہو گیا ہو۔ تو نماز بھی صحیح نہیں اور نکاح بھی صحیح نہیں۔ نماز کا اعادہ کرنا چاہیئے۔ بلکہ اگر نکاح پڑھا ہوا ہو۔ اور بعد میں ایسی بدعت کے مرتکب ہوئے جو حد کفر کو پہنچ گئی۔ تو بھی نکاح خود بخود فسخ ہو جاتا ہے۔ طلاق کی ضرورت نہیں۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا یعنی مشرک مردوں کو نکاح نہ دو اور دوسری جگہ ہے وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ یعنی کافر عورتوں کے ساتھ نکاح مت رکھو۔ اگر اسی حالت میں مر جائیں مسلمان ان کے وارث نہیں اور یہ مسلمانوں کے وارث نہیں۔

عبداللہ امرتسری

سوال :۔ جس حدیث میں امت کے تہتّر گروہوں میں تقسیم ہونے کا بیان ہے۔ اس لفظ امّت سے امّت اجابت مراد ہے یا امّت دعوت؟

سیٹھ ابراہیم حسین از بنگلور ۲۹/۵/۱۹۰۴ء

جواب :۔ اس حدیث سے امّت اجابت مراد ہے۔ یعنی مسلمانوں کے تہتر فرقے ہو جائیں گے۔ جس کی کئی وجہ ہیں۔

پہلی وجہ :۔ یہ کہ اس حدیث میں پہلے ذکر ہے۔ کہ تم بنی اسرائیل کے برابر ہو جاؤ گے۔ جیسے جوتے کا ایک پاؤں دوسرے کے برابر ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کسی نے ماں سے بدکاری کی ہوگی۔ تو تم میں سے بھی کوئی یہ کام کرے گا۔ پھر فرمایا بنی اسرائیل بہتّر فرقے ہو گئے تم تہتّر ہو جاؤ گے اور ظاہر ہے کہ بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی امّت اجابت ہے تو اس امّت سے بھی امّت اجابت مراد ہونی چاہیئے۔ تاکہ مقابلہ و موازنہ برابر ٹھیک ہو جائے۔

دوسری وجہ :۔ یہ کہ آپؐ نے آئندہ کی پیشگوئی فرمائی ہے۔ اگر کفار بھی شامل ہوتے تو یہ فرقے اس وقت بھی موجود تھے۔ پھر آئندہ کی پیشگوئی کا کیا معنی؟

تیسری وجہ:۔ یہ کہ حضورؐ کا مقصد ڈرانا ہے۔ تاکہ گمراہ فرقوں سے پرہیز کیا جائے۔ اس سلسلہ میں کفار کے فرقوں کا ذکر فضول ہے کیونکہ وہ حضورؐ کی نبوّت سے منکر ہیں۔ اور آپ کو معاذ اللہ کاذب سمجھتے ہیں۔ تو وہ اہلِ اسلام کی گمراہی کا سبب نہیں ہو سکتے۔ بلکہ گمراہی کا باعث اسلامی دعویٰ اور اسلامی رنگ ڈھنگ میں اپنے خیالات کو پیش کرنا ہے اور یہ بات اسلامی فرقوں ہی میں پائی جاتی ہے۔ پس وہی مراد ہوں گے۔

چوتھی وجہ:۔ یہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ناجی فرقہ کی پہچان میں صحابہؓ کا بھی ذکر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ کفار کی پہچان کے لئے صحابہؓ کی کوئی ضرورت نہیں۔ کیونکہ ان کی پہچان صرف یہی ہے کہ وہ آپ کی رسالت کے منکر ہیں۔ ہاں اسلامی فرقوں کی پہچان کے لئے صحابہؓ کی ضرورت ہے۔ کیونکہ ہر ایک کا دعویٰ ہے کہ میں کتاب و سنّت کو مانتا ہوں۔ سو اس کی پہچان میں صحابہؓ کو دخل ہے۔ اگر قرآن و حدیث کو اسی طریق پر تسلیم کیا جائے جیسے صحابہؓ نے کیا۔ اور ان کے موافق تفسیر کی۔ تو وہ ناجی ہے ورنہ اہلِ نار سے ہے۔ اس قسم کے بعض اور وجوہ بھی ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ امّت سے مراد امّت اجابت ہے۔ اور ترمذی میں ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ اور مجمع البحار والے نے تذکرۃ الموضوعات کے صفحہ ۱۵ میں اس کو حسن کہا ہے اور یہ حدیث مختصر بھی مروی ہے جس میں صرف اتنا ذکر ہے۔ کہ یہود و نصاریٰ بہتّر فرقے ہو گئے میری اُمّت تہتّر فرقے ہو جائے گی۔ اور اس کو ترمذی نے حسن صحیح کہا ہے۔ ترمذی باب افتراق ہذہ الامۃ صفحہ ۹۵ جلد ۲ علاوہ اس کے یہ حدیث قرناً بعد قرن ایسی مشہور چلی آتی ہے کہ اس شہرت نے اس کو اعلیٰ درجہ کی صحیح بنا دیا ہے۔

سوال:۔ ناجی گروہ کون ہے؟ کل مسلمان یا ان میں سے کوئی خاص گروہ مُراد ہے۔ حدیث مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ ناجی گروہ خاص ہے جس کی پہچان نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ بتلائی ہے۔ مَآ اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِىْ کا مطلب ذرا تفصیل چاہتا ہے یہاں اس مسئلہ کو مختصر ذکر کرتے ہیں تفصیل کی گنجائش نہیں۔ اگر تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ حق و باطل کا معیار ملاحظہ فرمایا جائے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بنی اسرائیل بہتّر فرقے ہو گئے میری امّت تہتّر فرقے ہو جائے گی۔ سب جہنمی ہیں۔ صرف ایک فرقہ جنتی ہو گا۔ صحابہؓ نے پوچھا یا رسُول اللہ! وہ کونسا ہے؟ فرمایا مَا انا علیہ واصحابی جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں۔ اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرقہ حقّہ کا معیار دو چیزیں بتلائی ہیں۔ ایک اپنی ذات بابرکات۔ دوم صحابہؓ کا وجود باجود۔ قبل ازیں کہ ان دونوں کی نسبت کچھ ذکر کیا جائے تھوڑی سی تمہید سُن لیں۔

علمی بحث جو شے دوسری چیز کا معیار ہو کیا وہ خود معیار کی محتاج ہوگی یا نہ؟ اگر نہ ہو تو معاملہ صاف ہو گیا۔ اگر ہو تو پھر ایک اور معیار کی ضرورت ہوگی جس سے اس معیار کو جانچا جائے۔ اس بناء پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اس حدیث میں حضورؐ نے اپنی ذات کو فرقہ حقہ کا معیار قرار دیا ہے۔ یعنی جس طریق پر آپ ہوں گے۔ اسی طریق پر چلنے والا فرقہ حق پر ہوگا۔

لیکن اگر کوئی شبہ کرے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تو فرقہ حقہ میں داخل ہیں تو ان کی جانچ کس طرح ہوگی؟ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ ان کی جانچ معجزات اور نشانات وغیرہ سے ہوگی۔ یعنی معجزات اور نشانات وغیرہ سے سمجھ لیا جائے گا۔ کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ اور جو کچھ فرماتے ہیں وہ خدا کی طرف سے ہے۔ اور حق سے مراد یہاں یہی ہے۔ جو خدا کی طرف سے ہو پس اس طریق سے بحیثیت رسالت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم معیار ہوئے۔

دوسری چیز جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے معیار قرار دیا ہے۔ وہ صحابہؓ ہیں۔ یعنی جس طریق پر صحابہؓ ہوں گے اس طریق پر چلنے والا فرقہ حق پر ہوگا۔ جو ان کے خلاف ہوگا۔ وہ باطل پرست ہے۔ اب یہاں دو شبہات ہیں۔ ایک یہ کہ صحابہؓ بھی فرقہ میں داخل ہیں۔ تو ان کی جانچ کس طرح ہوگی؟ دوم یہ کہ صحابہؓ کا طریق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے جدا ہے یا نہیں؟ اگر جدا ہے تو صحابہؓ معاذ اللہ باطل پرست ہوئے کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا طریق باطل ہے اور اگر صحابہؓ کا طریق رسول اللہ صلی اللہ سے جدا نہیں۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ کی ذات ہی معیار ہوئی۔ صحابہؓ کو معیار کیوں بنایا؟ — پہلے شبہ کا جواب یہ ہے کہ صحابہؓ بے شک فرقہ حقہ میں داخل ہیں۔ لیکن ان کے حق پر ہونے کی جانچ صحابیت سے ہوگی۔ یعنی جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بحیثیت رسالت معیار ہیں۔ اور آپ کی رسالت معجزات اور نشانات وغیرہ سے پہچانی جاتی ہے۔ اسی طرح صحابہؓ بحیثیت صحابیت معیار ہیں۔ اور صحابیت پہچاننے کا معیار الگ ہے۔

تفصیلی بیان صحابی کی تعریف ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایمان کی حالت میں ملاقات کی ہو۔ اور ایمان پر ہی خاتمہ ہو گیا ہو۔ ایمان پر خاتمہ کا پتہ کس طرح لگے؟ اس کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ جیسے عام طور پر حسن ظن رکھتے ہوئے ایک دوسرے کو مومن سمجھ لیا جاتا ہے اور حسن خاتمہ کا اعتبار کیا جاتا ہے۔ اسی طرح صحابہؓ کے ایمان اور خاتمہ کا پتہ لگایا جائے۔ دوم یہ کہ خدا اور رسول کی شہادت ہو کہ فلاں ایمان والا ہے فلاں کو خدا اور اس کا رسول دوست رکھتے ہیں۔ فلاں جنتی ہے فلاں سے خدا راضی ہے وغیرہ وغیرہ —— ثانی الذکر اصل معیار ہے اور صحابیت کا اعلیٰ مقام ہے اور اول الذکر دوسرے درجہ پر ہے جو ثانی الذکر کے تابع ہے اس لئے رسالہ تعریف

...ل سُنّت میں ہم نے ثانی الذکر پر ہی اکتفا کی ہے۔ ہاں اگر اوّل الذکر کسی کے ایمان اور حسن خاتمہ پر قریباً متفق ہوں
...یہ ثانی الذکر کے حکم میں ہو سکتا ہے۔ بہرصورت صحابہؓ کا معیار ہونا بحیثیت صحابیت ہے۔ جس کا مدار ایمان اور حسن
...اتمہ پر ہے جب ایمان اور حسن خاتمہ کا علم ہو گیا تو صحابیت کا پتہ آسانی سے لگ گیا۔ پس اس طریق سے صحابہؓ
...حیثیت صحابیؓ معیار ہوئے ــــــــ دوسرے شبہ کا جواب یہ ہے کہ قرآن مجید کی لفظی حفاظت کا ذمہ خُدا نے خود لیا ہے۔
...س میں نہ کسی قسم کا اختلاف ہُوا نہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحَافِظُوْنَ (۱۴ع۱)
...ے شک ہم نے ہی قرآن اتارا اور بے شک ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔

خدائی حفاظت کا نتیجہ یہ ہے کہ آج قرآن مجید ہمارے پاس جوں کا توں موجود ہے۔ اس میں زیر زبر تک فرق
...یں پڑا ہاں اس کی تفسیر اور معانی میں بڑا اختلاف ہے یہی اختلاف فرقہ بندیوں کا منبع ہے۔ ہر فرقہ کا دعوی ہے
...ہماری تفسیر عربیت کی رو سے صحیح ہے۔ اس موقع پر جس کی تفسیر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ کی تفسیر
...ے موافق ہو گی وہی فرقہ حق ہو گا۔ باقی سب باطل اور گمراہ ہوں گے۔ مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ سے یہی مراد ہے ــــ
...لاصہ یہ ہے کہ صحابہؓ کا طریق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے طریق سے الگ نہیں مگر جہاں حدیث سے تفسیر نہ
...ے ..... وہاں صحابہؓ کی تفسیر رسُول کا طریق ہے۔ اور وہی خدا کی منشا ہے پس حدیث سے تفسیر نہ ملے وہاں صحابہؓ
...ے لینی چاہیئے۔ کیونکہ ایک تو قرآن مجید ان کی مادری زبان تھی دوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحبت یافتہ اور
...اگرد تھے وحی ان کے سامنے اترتی قرائن اور احوال ان کے سامنے تھے۔ علم صحیح اور عمل صالح رکھتے تھے غرض
...نی باتیں کسی کلام کے صحیح مطلب سمجھنے کے لئے ضروری ہیں۔ وہ ان میں بوجہ اتم موجود تھیں۔ سب سے بڑھ
...ر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شاگردی صحبت کا فیض اور مشاہدہ قرائن و احوال یہ وہ چیزیں ہیں کہ بعد والے ان
...ے محروم ہیں۔ اس لئے اختلاف اور فرقہ بندیوں کے وقت صحیح تفسیر کا معیار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان
...قرار دیا ہے۔ ایسے موقع پر صحیح تفسیر خدائی منشا کے مطابق جس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آگے پہنچانا چاہتے
...ں وہی ہے۔ جو سلف کے موافق ہو ان کے خلاف تفسیر کرنے والا بدعتی گمراہ جہنمی ہے خاص کر جس تفسیر میں صحابہؓ
...ے اختلاف مروی نہ ہو یا جس مسئلہ پر صحابہؓ کا اتفاق ہو وہ قطعیت کے درجہ کو پہنچ جاتی ہے۔ ایسے موقعہ پر سلف
...ی مخالفت کرنے والا بعید نہیں۔ کہ کفر تک پہنچ جائے۔ یعنی اسلام سے بالکل خارج ہو جائے۔ جیسے عیسیٰ علیہ السلام
...ا دوبارہ آنا نہیں مانتے یا ختم نبوت کے قائل نہیں۔ یا جیسے چکڑالوی حدیث ہی کے منکر ہیں حالانکہ حجیت حدیث
...صحابہ متفق ہیں۔ اس طرح شیعہ اصحاب ثلاثہ کی خلافت کے منکر ہیں۔ یہی نہیں بلکہ ان کی صحابیت کے منکر ہیں۔

بلکہ اسلام سے خارج سمجھتے ہیں. حالانکہ صحابہؓ ان کی خلافت حقہ اور صحابیت پر متفق ہیں اور اس منصب میں ان کو اعلیٰ پایہ دیتے ہیں۔ اس طرح بریلویوں وغیرہ نے سلف اور خیر قرون کے خلاف کئی مسائل ایجاد کر رکھے ہیں جن کا سلف اور خیر قرون میں نام ونشان نہیں ملتا جیسے مروجہ میلاد۔ روٹی پر ختم. سالانہ عرس وغیرہ بلکہ بعض مسائل سلف کے اور خیر القرون کے صریح مناقض ہیں جیسے حضورؐ کو حاضر ناظر سمجھنا بشریت سے انکار کرنا وغیرہ۔ اس طرح نیچریہ۔ معتزلہ. جہمیہ. قدریہ۔ جبریہ بلکہ تقلید شخصی کو فرض واجب جاننے والے اور اس کو شرعی حکم سمجھنے والے یہ سب مَا انا علیہ واصحابی سے خارج ہیں. کیونکہ انہوں نے صحابہ کی روش ترک کردی اور قرآن مجید بلکہ حدیث سے بھی استدلال کرنے کے وقت خیر القرون کی کوئی پرواہ نہیں کی کہ خیر القرون نے قرآن مجید کی کیا تفسیر کی اور حدیث پر کس طرح عمل کیا۔ (عبداللہ امرتسری۔ روپڑ ضلع انبالہ)

سوال:۔ حنفی. شافعی۔ مالکی. حنبلی مسلمان ہیں یا نہیں؟ مقلدین کے پیچھے نماز اہلحدیث کو جائز ہے یا نہیں؟ اگر یہ فرقے مسلمان ہیں تو اہل سنت والجماعت میں شامل ہیں یا نہیں؟ مقلد کو اپنی لڑکی کا رشتہ دینا اور لینا جائز ہے یا نہیں؟ مقلد کی منکوحہ سے نکاح حلال ہے یا حرام؟

جواب:۔ احناف دیوبندی اہل سنت میں شامل ہیں اور اہل سنت کے کئی فرقے ہیں جن میں سے بعض ہر مسئلہ میں ترجیح رکھتے ہیں وہ جماعت اہل حدیث ہے اگر کوئی دیوبندی کے پیچھے نماز پڑھ لے تو ہو جائے گی لیکن ترجیح اہل حدیث کو ہے اگر امام مقرر کرنا ہو تو اہل حدیث کی کوشش کرنی چاہیئے۔ باقی باتوں کے جوابات بھی اس کی تحت میں آگئے۔ اس طرح نکاح پر نکاح بھی صحیح نہیں۔

احناف دیوبندی اور اہلحدیث میں کیا فرق ہے

سوال:۔ ۱۔ احناف دیوبندی اور اہلحدیث میں باعتبار عقاید اصولیہ وشرعیہ کیا فرق ہے؟ ۲۔ احناف دیوبندی باوجود عقیدۂ وجوب تقلید شخصی فرقۂ ناجیہ ہیں یا نہ؟ ۳۔ اہلحدیث باوجود غیر مقلد ہونے کے محدثین امام بخاری ومسلم وغیرہ کی تحقیقات واجتہاد کو آئمہ اربعہ مجتہدین کی تحقیق واجتہاد پر کیوں ترجیح دیتے ہیں کیا یہ تقلید نہیں ہے؟ ۴۔ احناف کے فقہاء ومحدثین مثل عینی وطحاوی وابن الہمام کی تحقیقات حدیثیہ کو اہلحدیث کیوں تسلیم نہیں کرتے؟ حالانکہ یہ فقہا بھی حدیث کی تصحیح وتضعیف بطریق محدثین کرتے ہیں؟ ۵۔ جو حدیث کو معمول بر زمانہ سلف رہی گو وہ سنداً ضعیف ہو قابل قبول ہے یا نہیں؟ ۶۔ امام ترمذیؒ جو اپنے جامع

سنن میں فرماتے ہیں وعلیہ عمل اھل العلم اس سے کون اہل علم مراد ہیں آیا صحابہ سلف امّت مراد ہیں یا تابعین وغیرہ اور مقصود امام ترمذیؒ کا اس قول سے کیا ہے۔ جلال الدین سیوطیؒ تعصبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں قلت الحدیث اخرجہ الترمذی وقال حسن ضعفہ احمد وغیرہ والعمل ھذا الحدیث عند اھل العلم فاشار بذلک الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم بہ وان لم یکن لہ اسناد یعتمد علیہ۔ اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیث ضعیف الاسناد ہو وہ معمول بہ ہونے کی وجہ سے صحیح اور قابل عمل ہے۔ لیکن اہلحدیث مطلقاً ضعیف کو قابل عمل نہیں ٹھہراتے گو اس پر اہل علم کا عمل ہوا؟ ۷۔ مقلدین کے پیچھے نماز پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ۸۔ ائمہ اربعہ کا اختلاف مثل اختلاف صحابہؓ ہے یا اس میں فرق ہے؟ بینوا توجروا۔ (السائل ابو محمد جے پوری)

جواب:۔ ۱۔ دیوبندی ہوں یا غیر دیوبندی ہوں جو تقلید شخصی کو شرعاً واجب قرار دیتے ان میں اور اہلحدیث میں تو فرق ظاہر ہے اور جو واجب نہیں کہتے وہ اہل الرائی کے حکم میں ہیں جن کی تفصیل شاہ ولی اللہ صاحب نے انصاف کے ص۹ وغیرہ میں کی ہے اور ہم نے بھی تعریف اہلحدیث کے صفحہ ۱۴ لغایت ۰، اور تعریف اہلسنت کے صفحہ ۵، ۸ وغیرہ میں بھی کافی تفصیل کی ہے!

۲۔ شرعاً وجوب تقلید شخصی کا قائل انتہائً ناجی ہو سکتا ہے نہ کہ ابتدأً کیونکہ وہ دین میں امر محدث کا قائل ہے جو بدعت ہے لیکن جو صاف آیت و حدیث کو ٹھکرا دیتے ہیں۔ وہ بڑے خطرہ کے مقام میں ہیں۔ بعید نہیں کہ کفر تک نوبت پہنچ جائے۔

۳۔ اہلحدیث بخاری مسلم کے اجتہاد کو آئمہ اربعہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں دیتے بلکہ دلیل کے تابع ہیں۔ مثلاً ایک مجلس کی تین طلاق میں بہت اہلحدیث بخاری وغیرہ کے خلاف ہیں۔ اس لئے ہم نے تعریف اہل سنّت کے صفحہ ۸ کے حاشیہ میں اس مسئلہ کو صاف کر دیا ہے کہ محدثین صحاح ستہ کے اجتہاد کو ائمہ کے اجتہاد پر ترجیح نہیں۔

۴۔ عینیؒ زکچھ متعصب ہیں چنانچہ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی مرحوم نے فوائد بہیہ میں لکھا ہے۔ طحاویؒ۔ ابن الھمام بھی مذہب کی خاطر تاویلات کر جاتے ہیں۔ اور صحت میں قواعد محدثین سے نکل جاتے ہیں۔ چنانچہ ابن الھمام بخاری و مسلم کی احادیث کو باقی کتب کی احادیث صحاح پر ترجیح نہیں دیتے۔ پھر یہ لوگ فن حدیث میں ایسے ماہر بھی نہیں ہیں۔ اس لئے محدثین کے مقابلہ میں ان کی تحقیق معتبر نہیں ہاں تائیداً کام دے سکتی ہے۔

۵۔ اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر صحت میں کچھ شبہ نہیں۔ چنانچہ اشتہار امامت مشرک میں ہم نے اس کی تفصیل کی ہے اگر اختلاف ہو تو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے۔

۶۔ اہل علم سے صحابہ و تابعین وغیرہ مراد ہیں چنانچہ امام ترمذی کئی جگہ تصریح کر دیتے ہیں۔ عبداللہ امرتسری ۱ شوال [illegible]

سوال:۔ قیاس کیا ہے اور اس کی شرائط کیا ہیں؟ ایک سائل

جواب:۔ قیاس کہتے ہیں۔ ایک حکم کو جو منصوص ہو اس کی علت کے ذریعہ دوسری جگہ ثابت کرنا مثلاً شراب کی حکم کی علت نشہ ہے۔ اور یہ علت بھنگ میں بھی موجود ہے تو بھنگ بھی حرام ہوئی۔

قیاس کی حجیت میں اختلاف ہے۔ مگر جب علت واضح ہو جو ایک طرح سے دلالۃ النص ہو تو اس کی حجیت میں شبہ نہیں۔ قیاس کی شروط میں بھی اختلاف ہے کتب حنفیہ میں چار شرطیں مشہور ہیں۔

۱۔ وہ حکم کسی نص سے اپنے محل میں بند نہ ہو جیسے خاصہ۔ ۲۔ وہ حکم کسی قیاس کے خلاف نہ ہو جیسے بھول کر کھانے سے روزہ ٹوٹنا۔ ۳۔ وہ حکم بعینہ بغیر تغیر کے دوسری جگہ ثابت کیا جائے۔ ۴۔ وہ علت ایسی نہ نکالی جائے جس سے نص کا حکم بدل جائے۔

بعض کتب حنفیہ وغیرہ میں اس سے زیادہ شرائط بھی لکھی ہیں اور بعض علماء و اہلحدیث نے بارہ لکھی ہیں۔ اور ان میں اختلاف بھی بتایا ہے۔ آپ صرف دو شرطیں یاد رکھیں۔ ۱۔ قیاس کسی آیت و حدیث کے خلاف نہ ہو۔ ۲۔ اس کی علت بہت واضح ہو۔ مثلاً حدیث ہی کھڑے پانی میں پیشاب سے منع آتی ہے اور علت اسکی نجاست ہے تو اس علت کیوجہ سے پاخانہ بطریق اولیٰ منع ہوا پس جہاں یہ دو باتیں ہوں وہاں بے کھٹکہ قیاس صحیح ہے کسی اور جگہ ہو یا نہ۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم ۸ محرم ۱۳۵۷ھ

سوال:۔ ہندہ کی شادی عمرو کے ساتھ کی گئی۔ بعد نکاح عمرو مرزائی خیال کا ثابت ہوا قریباً عرصہ دو سال بعد اور ایک لڑکی بھی پیدا ہوئی اب ہندہ کے والدین ہندہ کو عمرو کے ساتھ روانہ نہیں کرتے، نہ وہ ہی طلاق دیتا ہے اور نہ ہی وہ اپنا مسلمان ہونا ثابت کرتا ہے۔ ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ مرزائی کافر ہیں۔ ان کے ساتھ نکاح نہیں ہوتا۔ قرآن مجید میں ہے ولا تمسکوا بعصم الکوافر یعنی کافرہ عورتوں کو نکاح میں نہ رکھو۔ اور دوسری آیت میں ہے ولا تنکحوا المشرکین یعنی مشرک مردوں کو نکاح نہ دو۔

مرزائی ازروئے شریعت مشرک بھی ہیں اور کافر بھی۔ انہوں نے خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نیا نبی کھڑا کر لیا ہے جو شرک فی الرسالت ہے اور کفر بھی ہے۔ پس لڑکی کو جہاں چاہے بغیر فسخ نکاح کے بٹھا دیا جائے۔ کیونکہ کافر کے ساتھ نکاح ہی نہیں رہتا تو فسخ کی کیا ضرورت ہے؟ عدالت میں بھی کافر کا نکاح فسخ ہے۔ (عبداللہ امرتسری از روپڑ)

سوال:۔ کیا بریلوی مشرکوں سے نکاح ہو جاتا ہے؟ کیا عورت کی اجازت کے بغیر نکاح درست ہے؟ اگر اجازت لینے میں صفائی نہ برتی ہو تو ایسے نکاح کا کیا حکم ہے؟

جواب:۔ ۱۔ قرآن مجید میں ہے وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا یعنی" مشرکوں کو نکاح نہ دو یہاں تک کہ ایمان لائیں" اس بنا پر سوال میں جس عورت کا ذکر ہے اس کا نکاح صحیح نہیں کیونکہ مرد کو قبوری تبلایا گیا ہے جو مشرک ہے پس شرعاً عورت کو اختیار ہے جہاں چاہے کسی دیندار شخص کو ولی مقرر کر کے نکاح کرے۔

نیز ولی نے اگر قبل از نکاح اجازت نہیں لی تو اس وجہ سے عورت کو فسخ نکاح کا اختیار ہے اور اگر قبل از نکاح اجازت لی ہو مگر صفائی نہ برتی ہو بلکہ فریب کاری سے کام لیا ہو تو اس صورت میں بھی عورت مختار ہے خواہ نکاح فسخ کرے یا قائم کرے۔

۲۔ ان لڑکے لڑکیوں کا نکاح آپس میں درست ہے کیونکہ قرآن مجید میں یا حدیث میں جو رشتے حرام تبلائے گئے ہیں ان میں یہ داخل نہیں۔ قرآن مجید میں ہے احل لکم ما وراء ذلکم یعنی" ما سوا محرمات مذکورہ کے باقی رشتے تمہارے لیے حلال ہیں"۔ عبداللہ امرتسری

سوال:۔ کیا مرزائی کافر ہیں یا مرتد؟ ارتداد کے لئے کن شرائط کا ہونا ضروری ہے؟

جواب:۔ ہر مرتد کافر ہوتا ہے۔ مرزائی ہر صورت میں کافر ہیں خواہ مرتد ہوں یا نہ۔ جو اسلام سے نکل کر مرزائی ہو گئے وہ مرتد ہیں اور جو مرزائیوں کے گھر پیدا ہوئے یا کسی اور دین سے نکل کر مرزائی ہوئے وہ اہل کتاب کے حکم میں ہیں۔ ارتداد کے لیے صرف اتنی شرط ہے کہ پہلے اسلام میں ہو پھر اس سے نکل جائے قرآن مجید میں ہے و من یرتدد منکم عن دینہ (الآیہ)

شیعہ عامی کا سوال

سوال:۔ بحضور جناب علامہ صاحب قبلہ وکعبہ صاحب یا علی مدد و سلام علیکم کے بعد گذارش ہے کہ ایک مسئلہ کی تحقیق چار کتابوں سے دینا ہے۔ وہ مسئلہ یہ ہے کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے جناب پیغمبر خدا کو قرآن کی آیت آنے سے پہلے قرآن پڑھ کر سنایا ہے یا کہ نہیں؟ اگر سنایا ہے تو بحوالہ کتاب و نمبر صفحہ کتاب اہلسنت وجماعت سے دیں۔

اور دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر خدا وحی کے آیات لانے سے پہلے امت کو حکم خداوندی سنا دیا

کرتے تھے اور خدا تعالیٰ سے حکم ہوا کہ آپ وحی آنے سے پہلے حکم نہ سنایا کرو۔ ہمارا اس پر ایمان ہے کہ سنا دیا کرتے تھے اور فریق ثانی اس بات کے خلاف ہے وہ کہتا ہے کہ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا اگر ایسا ہے تو میں شیعہ ہو جاؤں گا اگر نہ دکھایا تو تم سُنّی ہو جاؤ۔ اور ہمارے درمیان تحریر نامہ لکھا گیا ہے اگر ثبوت نہ ہوا تو میں سُنّی ہو جاؤں گا۔ اگر ہو گیا تو وہ شیعہ ہو جائے گا۔ ثبوت ان چار کتابوں سے ہونا چاہیئے :۔ صحیح بخاری۔ مسلم۔ ترمذی۔ مشکوٰۃ؛

آپ کا خادم مستری شہاب الدّین شیعہ خاص کو ہالہ براستہ اٹاری ضلع امرتسر ڈاکخانہ خاص

جواب :۔ پیغمبر اسلام علیہ وآلہ السلام کو یہ آیت ممانعت کرتی ہے کہ وحی پہنچنے سے پہلے تم آیت پڑھ کر مت سنایا کرو۔ آیت یہ ہے :۔ وَلَا تَعْجَلْ بِالْقُرْآنِ مِنْ قَبْلِ اَنْ یُّقْضٰی اِلَیْکَ وَحْیُہٗ۔ اب اگر قرآن نازل ہونے سے پہلے وہ قرآن کو نہیں جانتا تھا تو کیونکر پہلے سُنا دیتا تھا جس سے ان کو منع کیا گیا جب قرآن خود اس بات کی گواہی دے رہا ہے تو پھر بخاری مسلم وغیرہ قرآن کے مقابلہ میں کیا زیادہ معتبر ہو سکتی ہے؟

(دار الشریعۃ سادات گنج لاہور رقمہ خادم الشریعۃ المطہرہ علی الحائری عفی عنہ)

محدّث روپڑی :۔ شیعہ عالم کا فرض تھا کہ سائل کو کلماتِ شرکیہ (یا علی مدد) سے روکتے۔ نیز کسی کو قبلہ و کعبہ کہنا بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنے کا شُبہ پڑتا ہے مگر شیعہ عالم نے اس کی پرواہ نہیں کی۔ اسی سے ناظرین سمجھ سکتے ہیں کہ اصل سوال کے جواب میں کیا خیر ہو گی خیر سُنیئے؛

جواب کی بسم اللہ ہی غلط ہے معلوم ہوتا ہے کہ عربیت سے ناواقف ہیں ورنہ عَلَیْہِ وَآلِہِ السَّلَامُ ترکیب ضعیف استعمال نہ کرتے بلکہ عَلَیْہِ وَعَلٰی اٰلِہِ السَّلَامُ کہتے کیونکہ ضمیر مجرور پر عطف کے وقت اعادہ جارے کا ضروری ہے چنانچہ کتب نحو میں مسئلہ مشہور ہے۔

پہلے سوال کا جواب تو کچھ نہیں دیا اور دیتے بھی کہاں سے جبکہ کتب اہلسنّت میں اس کا نام و نشان نہیں ہاں دوسرے سوال کے جواب کے لئے جرأت کی ہے مگر اس کا جواب بھی نہ دیتے تو بہتر تھا کیونکہ جواب دینے سے ان کی علمیّت کا راز فاش ہو گیا۔ قرآن مجید میں ہے۔

وَکَذٰلِکَ اَوْحَیْنَا اِلَیْکَ رُوْحًا مِّنْ اَمْرِنَا مَا کُنْتَ تَدْرِیْ مَا الْکِتٰبُ وَلَا الْاِیْمَانُ (پارہ ۲۵ ع ۲)

ترجمہ :۔ "اسی طرح ہم نے تیری طرف وحی بھیجی تو نہیں جانتا تھا کہ کتاب کیا ہے اور ایمان کیا۔

اس آیت میں صاف ظاہر ہے کہ آپ کو وحی کے ذریعہ سے علم ہوا ہے۔ پہلے آپؐ کو کتاب کا کوئی علم نہ تھا بلکہ ایمان کی اصل حقیقت سے بھی ناواقف تھے۔

رہی وہ آیت جو شیعہ عالم نے پیش کی ہے وہ پوری نہیں لکھی۔ اس کے اخیر میں وَقُلْ رَّبِّ زِدْنِيْ عِلْمًا بھی ہے اس کی تفسیر خیر الامہ مفسر القرآن ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یہ کی ہے کہ جب جبریل علیہ السلام قرآن مجید کی وحی لے کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوتے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پڑھنا شروع کرتے تو آپؐ بھولنے کے خوف سے ساتھ ساتھ پڑھتے جاتے۔ جیسے شاگرد اُستاد کے ساتھ پڑھتا ہے۔ اس پر ارشاد ہوا کہ وحی ہونے سے پہلے جلدی کرنے کی ضرورت نہیں۔ اور کہہ اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے" اخیر کے ٹکڑے (کہہ اے میرے رب! مجھے علم زیادہ دے) سے اس طرف اشارہ ہے جو وحی تجھے آ چکی ہے تو اس کے بھولنے سے ڈرتا ہے۔ خدا تجھے اس سے زیادہ دینا چاہتا ہے۔ پس تیرا یہ ڈر و فکر ٹھیک نہیں!

دوسری جگہ خداوند تعالیٰ اس کی زیادہ وضاحت کرتا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے:۔

لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اِنَّ عَلَيْنَا جَمْعَهٗ وَقُرْاٰنَهٗ فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ثُمَّ اِنَّ عَلَيْنَا بَيَانَهٗ (سورہ قیامہ ع)

ترجمہ:۔ "تو قرآن مجید کے ساتھ زبان مت ہلا تاکہ اس کے ساتھ جلدی کرے (جیسے شاگرد اُستاد کے ساتھ جلدی پڑھتا ہے تو ڈر نہ) قرآن کا (تیرے سینہ میں) جمع کرنا اور زبان سے پڑھنا ہمارے ذمہ ہے۔ جب ہم پڑھیں تو پڑھنے کے پیچھے لگ یعنی سنتا رہ۔ پھر اس کی تفسیر بھی ہمارے ذمہ ہے۔" ملاحظہ ہو بخاری جلد ۲ کتاب التفسیر ص ۷۳۴؛

ناظرین! خیال فرمائیں کہ جب ان کے علامہ فہامہ بلکہ مجتہد العصر قبلہ و کعبہ کلام الٰہی سے اتنے بے خبر ہیں۔ کہ بعض آیات کا پتہ ہی نہیں کہ قرآن مجید میں ہیں یا نہیں اور جن کا پتہ ہے ان کی تفسیر کا پتہ نہیں تو ان کے عوام کی کیا حالت ہوگی ان کی نسبت تو یہ کہنا بالکل درست ہوگا ؎

قیاس کن زگلستان من بہار مرا

میرے خیال میں کلام الٰہی سے یہ اس لئے واقفی ضروری نہ سمجھتے ہوں گے کہ یہ قرآن مجید حضرت عثمانؓ وغیرہ کا جمع کردہ ہے۔ اگر واقعی یہ وجہ ہے تو پھر حضرت علیؓ کا جمع کردہ قرآن مجید پیش کریں۔ اگر نہیں تو پھر شیعہ مذہب کی کوئی آسمانی کتاب ہی دنیا میں موجود نہ ہوئی۔ پس اس سے بڑھ کر شیعہ مذہب کے بناوٹی ہونے کا اور کیا ثبوت

ہوسکتا ہے؟ فقط وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

مودودی مسلک

درس درایت کا

سوال:۔ ۱۔ مذہب حنفیہ میں جو مقام روایت کا بھی ہے کیا یہ صحیح ہے؟ اس کی دلیل میں مولانا مودودی کا مسلک اعتدال والا مضمون پیش کیا گیا ہے؟

۲۔ مولانا مودودی کا یہ نظریہ کس حد تک قابل برداشت ہے؟

۳۔ اہلحدیث اور احناف کے نقطہ نظر سے کن اشخاص کو روایت حدیث اور مصنفین حدیث کی کتب پر جرح وتعدیل کرنے کا حق ہے؟

۴۔ مولانا مودودی نے احادیث اور کتب احادیث پر جس انداز سے بحث کی ہے کیا ان سے قبل بھی ایسا ہوا عیسیٰ بن ابان کا یہ نظریہ تو نہیں تھا؟

نیز مولانا مودودی نے ترجمان القرآن ماہ مئی ۵۵ء کے صہ ۱۲۳ پر فرمایا ہے۔ کہ:۔
ایک گروہ روایت پرستی میں غلو کر کے اس حد تک پہنچ گیا ہے کہ اسے بخاری ومسلم کے چند راویوں کی صداقت زیادہ عزیز ہے اور اس بات کی پرواہ نہیں ہے۔ کہ اس سے ایک نبی پر جھوٹ کا الزام عاید ہوتا ہے۔ آگے چل کر فرماتے ہیں۔ نہ فن حدیث کے نقطہ نظر سے کسی حدیث کی سند کا مضبوط ہونا اس بات کا مستلزم ہے کہ اس کا متن خواہ کتنا ہی قابل اعتراض ہو۔ مگر اسے ضرور آنکھیں بند کر کے مان لیا جائے سند کے قوی اور قابل اعتماد ہونے کے باوجود بھی ایسے اسباب ہوتے ہیں۔ کہ جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے اور ایسے مضامین پر مشتمل ہوتا ہے جنکی قباحت خود پکار رہی ہوتی ہے۔ کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں ہو سکتیں اس لئے سند کے ساتھ متن کا دیکھنا بھی ضروری ہوتا ہے۔ اور اگر متن میں واقعی کوئی قباحت ہو تو پھر اس کی صحت میں خواہ مخواہ اصرار کرنا صحیح نہیں۔ آگے چل کر فرماتے ہیں ——— کیا یہ کوئی معقول بات ہے کہ جس حدیث کا متن ایسی باتوں پر مشتمل ہو اس کو ہم نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف منسوب کرنے پر صرف اس لئے اصرار کریں۔ کہ اس کی سند مجروح نہیں ہے۔ اس طرح کی افراط پسندیاں معاملہ کو بگاڑ کر اس تفریط تک پہنچا دیتی ہیں جس کا مظاہرہ منکرین حدیث کر رہے ہیں۔

مجھے سمجھ نہیں آتی کہ کسی روایت کو قوی تصور کر کے بھی قبول نہ کرنا کوئی معنیٰ رکھتا ہے۔ سند کے قوی ہونے کے بعد تو چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ آپ تفصیل سے سمجھائیں کہ سند کے قوی ہونے کے باوجود وہ کون سے ایسے اسباب ہو سکتے ہیں جن کی وجہ سے ایک متن غلط صورت میں نقل ہو جاتا ہے؟ بخاری اور مسلم کے قطعی طور پر صحیح ہونے پر اُمت کا اجماع ہے مگر ان کے متعلق بھی ایسے الفاظ استعمال کرنا کیا ان کی عظمت پر چوٹ نہیں؟

فضل حق قریشی ہاشمی۔ کلرک محکمہ بہبودی حیوانات میانوالی

جواب:۔ اُمّت مُسلمہ اور جماعت اسلامی یہ دونوں کیسے پیارے نام ہیں۔ مگر ان کے تحت جو ہو رہا ہے وہ دشمنی اسلام ہے پہلا فرقہ تو منکر حدیث ہے کلامِ الٰہی کے ساتھ اپنی رائے سے کھیل رہا ہے اور حدیث جو قرآن کی تفسیر ہے اس کا مذاق اُڑا رہا ہے اور دوسرے نے مرزائی چال اختیار کر رکھی ہے ظاہر اقرار اور اندر سے انکار۔

مرزا غلام احمد نے صحت حدیث کی یہ شرط کی تھی کہ میری وحی کے موافق ہو اور مودودی نے یہ شرط کی ہے کہ میرے نزدیک وہ صحیح ہے جو میرے ذوق کے موافق ہو گمراہ فرقے اس طرح لیبل اچھا لگا کر گمراہی پھیلاتے ہیں۔ رافضی شیعان علی کہلاتے ہیں۔ معتزلہ اہل العدل والتوحید مرزائی احمدی منکرین حدیث امت مسلمہ اور مودودی جماعت اسلامی وغیرہ جن فرقوں کے ظہور کو کافی عرصہ گزر گیا ہے۔ ان کی گمراہی کا پردہ تو چاک ہو چکا ہے مگر مودودیت نے ابھی ابھی جنم لیا ہے۔ اس سے وہ پردہ اخفاء میں ہے عوام تو کجا کئی خواص بلکہ کئی مولوی بھی اس کو سراہتے ہیں جس سے یہ فتنہ دن بدن زور پکڑ رہا ہے یہاں تک کہ کئی مولوی اس میں شامل ہو گئے ہیں۔ اس وقت علمائے حقانی کا فریضہ ہے کہ اس کا استیصال کریں اور لوگوں کو اس گمراہی سے بچائیں اب نمبر وار جواب ملاحظہ ہوں۔

۱۔ روایت اور درایت

اہلسنّت کے کسی فرقے کا یہ مذہب نہیں ہے۔ کہ روایت اور درایت کا درجہ مساوی ہے بلکہ حنفیہ تو ضعیف حدیث کو بھی قیاس پر ترجیح دیتے ہیں۔ جیسے حنفیہ کے نزدیک قہقہہ سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ وضو نہ ٹوٹے کیونکہ ان کے نزدیک نجس شے کے نکلنے سے وضو ٹوٹتا ہے جیسے نکسیر پھوٹنا، قے ہونا وغیرہ اور قہقہہ تو کوئی نجس شے نہیں۔ اس سے وضو ٹوٹنا قیاس کے خلاف ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھ رہے تھے ایک نابینا گڑھے میں گر پڑا۔ صحابہ دیکھ کر ہنسے آپ نے انکو وضو لوٹانے کا حکم دیا۔

اسی طرح حنفیہ کا مذہب ہے کہ کھجوروں کے شربت سے وضو جائز ہے اور دلیل اس کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجوروں کے شربت سے وضو کیا۔ حالانکہ یہ بھی قیاس کے خلاف ہے۔ ایسی طہارتوں کے لئے خدا تعالیٰ نے پانی مقرر کیا ہے۔ اور شربتوں کا حکم پانی کا نہیں۔ ورنہ دوسرے شربتوں (شربت بنفشہ وغیرہ سے بھی وضو جائز ہوتا۔ غرض ایسے بہت سے مقامات ہیں جہاں حنفیہ نے ضعیف حدیث کی وجہ سے قیاس ترک کر دیا ہے۔

عیسیٰ بن ابان

رہا عیسیٰ بن ابان کا مذہب تو اس کو بھی مودودی کے نظریہ سے کوئی تعلق نہیں۔ مودودی کا نظریہ یہ ہے کہ ذوق سے صحیح حدیث کی تردید ہو سکتی ہے۔ اور ذوق کی تشریح آپ نے یوں کی ہے۔ کہ متن حدیث کی قباحت پکار رہی ہو۔ کہ یہ باتیں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی فرمائی ہوئی نہیں جیسے منکرین حدیث مظاہرہ کر رہے ہیں اور عیسیٰ بن ابان کا نظریہ یہ ہے کہ عام آیتوں حدیثوں سے جو ایک عام اصول ثابت ہو۔ وہ برقرار رکھا جائے اور کسی خاص حدیث سے جو مسئلہ اس عام اصول کے خلاف ثابت ہو۔ اس کو ترک کر دیا جائے گا۔ مگر اس میں یہ بھی شرط ہے کہ اس خاص حدیث کا راوی غیر فقیہ ہو۔ جیسے ابوہریرہؓ اور انسؓ وغیرہ اگر راوی فقیہ ہو تو پھر یہاں عام اصول ترک کر کے خاص حدیث پر عمل ہو گا۔

عام اصول کی مثال انہوں نے یہ دی ہے کہ کسی کی شے تلف ہو جائے اور وہ بھرنی پڑے تو اس کا بازاری نرخ لگا کر قیمت دے دی جاتی ہے عام طور پر قرآن و حدیث کی ہدایت یہی ہے۔ مگر ایک خاص حدیث اس کے خلاف آئی ہے۔ وہ یہ کہ لوگ لیاری فروخت کرتے ہیں تو ایک دو دن اس کا دودھ دوہنا بند کر دیتے ہیں تاکہ دودھ دوہ کر دیکھ لے۔ اگر دودھ کم ہو جائے تو اس کو واپس کر سکتا ہے مگر تین دن کے دُودھ کے عوض کھجوروں کا ایک صاع ساتھ دے۔

حالانکہ قیاس چاہتا ہے کہ دودھ کی بازاری قیمت اس وقت کے لحاظ سے لگا کر دیے دی جائے اس حدیث کے راوی ابوہریرہؓ ہیں۔ ان کو غیر فقیہ بنا کر اس عام اصول کی آڑ لے کر ان کی اس حدیث کو ٹلانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عیسیٰ بن ابان کا مذہب ہے۔ مگر عیسیٰ بن ابان پر اہل سنّت کے تمام فرقوں کی طرف سے اعتراضات کی اتنی بوچھاڑ ہوئی کہ اس کا ناطقہ بند کر دیا خود حنفیہ نے اس کے چھکے چھڑا دیئے چنانچہ فیض الباری شرح بخاری مولانا انور شاہ کشمیری جلد ۳ صفحہ ۲۳۰-۲۳۱ اور تحریر امام ابن الہمامؒ مع اس کی شرح ابن امیر الحاج باب السُّنّۃ وغیرہ میں اس کی تفصیل موجود ہے اس کے علاوہ دوسرے علماء نے بھی خوب تردید کی ہے تردید کے کئی پہلو ہیں۔ مثلاً

ابوہریرہؓ اور انسؓ ایسوں کو غیر فقیہ کہنا یہ واقعہ کے خلاف اور سراسر ظلم ہے۔ کیونکہ یہ مُفتی تھے۔ اور مفتی غیر فقیہ نہیں ہوتا۔
علاوہ ازیں انسؓ کی احادیث تو سینکڑوں بلکہ ہزاروں تک پہنچ گئی ہیں تلقیح ابن الجوزی وغیرہ میں ابوہریرہؓ کی احادیث کی تعداد ۵۳۷۴ لکھی ہے اور حضرت انسؓ کی ۲۲۸۶ تو پھر ان کو غیر فقیہ کہنا بڑا ظلم ہے۔
متواترا احادیث کے علاوہ سب احادیث خبر آحاد ہیں جن کو ظنی کہتے ہیں۔ اور ظنی وہی ہے جس میں غلطی ممکن ہے پس اس طرح ہر صحابی کی حدیث رد ہو سکتی ہے۔ خواہ ابوہریرہؓ ہوں یا کوئی اور۔

۲۔ مودودی کا نظریہ

اس سوال کا جواب اُوپر آچکا ہے۔ کہ حنفیہ درایت کو روایت کا درجہ نہیں دیتے چنانچہ قہقہہ اور نبیذ تمر (کھجوروں کے شربت) سے وضو کی مثال گذر چکی ہے۔
اور محدثین تو مودودی کے نظریہ سے کوسوں دُور ہیں۔ کیونکہ اہل الرائے سے ان کو نفرت ہے تو درایت (جو رائے کی قسم سے ہے) کو روایت پر کس طرح مقدم کر سکتے ہیں۔

۳۔ مسئلہ جرح وتعدیل

جرح تعدیل تاریخ کی قسم سے ہے اور تاریخ اُس وقت کے لوگوں کی یا قریب کے لوگوں کی معتبر ہوتی ہے۔ پچھلے لوگ نقال ہوتے ہیں۔ اس لیے پہلے لوگوں کے خلاف کسی کی جرح تعدیل کا اعتبار نہیں۔ اس کے لئے مقدمہ ابن الصلاح کا مطالعہ مُفید رہیگا۔ انشاء اللہ
مودودی صاحب کو بھی اس سے انکار نہیں وہ تفہیمات میں فرماتے ہیں۔
(الف) تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں۔ وہ سب اس گروہ محدثین نے استعمال کئے ہیں۔ اور ایسی سختی کے ساتھ استعمال کئے ہیں۔ کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔ دراصل یہی چیز اس کا یقین دلاتی ہے۔ کہ اس عظیم الشان خدمت میں اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال رہی ہے۔ اور جس نے اپنی آخری کتاب کی حفاظت کا غیر معمولی انتظام کیا ہے۔ اس نے اپنے آخری نبی کے نقوش قدم اور آثار ہدایت کی حفاظت کے لیے بھی وہ انتظام کیا ہے جو اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ تفہیمات صـ ۲۹
(ب) دُنیا میں زمانہ گذشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔ تفہیمات صـ ۲۶۲
(ج) کُتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں اس امر میں کسی شبہ کی گنجائش نہیں کہ یہ کتابیں انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ نہ اس میں شُبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی

ہے یا نہ؟ لہٰذا ان کتابوں کے ذریعہ سے حدیث کا وہ علم قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا ہے۔ ترجمان القرآن جون ۱۹۳۴ء و تفہیمات ۲۸۳

(د) اگر روایات حدیث نہ ہوتیں۔ تو ہماری مذہبی زندگی کے جتنے اعمال اور جتنے اصول و قوانین ہیں یہ سب کے سب بے سند ہو کر رہ جاتے ہیں نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور دوسرے اعمال جس صورت میں ادا کئے جاتے ہیں۔ ان کے متعلق ہم نہ بتا سکتے۔ کہ یہ سب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقرر کئے ہوئے طریقوں پر ہیں۔ تفہیمات ص ۲۹۶، ۲۹۷

مودودی صاحب نے تصریح کر دی ہے کہ انسانی امکان میں جتنے معتبر ذرائع ہیں وہ سب محدثین نے استعمال کر لئے ہیں۔ اور اسی لئے یہ ذخیرہ سب (دوسرے تاریخی) ذخیروں سے زیادہ مستند ہے۔ یہاں تک کہ یہ آپ ہی اپنی نظیر ہے۔ اور اب اس میں کسی قسم کے شُبہ کی گنجائش نہیں۔ نہ اس میں شبہ ہے۔ کہ یہ کتابیں صحاح ستہ وغیرہ انہی بزرگوں کی لکھی ہوئی ہیں۔ نہ اس میں شبہ ہے کہ ہر حدیث کی سند رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی ہے۔ لہٰذا یہ علم حدیث قریب قریب یقینی طور پر ہم تک پہنچ گیا۔ اب اس پر کوئی جرح یا تنقید کرے۔ تو وہ انسانی امکان سے بالاتر ہو کر کر سکتا ہے۔ اور وہ منصب وحی ہے اور وحی کا سلسلہ چونکہ بند ہے۔ اس لئے جرح تنقید کا معاملہ بھی ختم ہے۔ اس بنا پر سائل کا یہ کہنا بالکل ٹھیک ہے۔ کہ سند کے قوی ہونے کے بعد تو چھان بین کرنے کا مطلب اس کے سوا اور کوئی نہیں ہو سکتا۔ کہ صاحب قرآن کے الفاظ پر جرح ہو۔ جو میرے خیال میں کسی طرح بھی جائز نہیں۔ سائل نے جس خیال کا اظہار کیا ہے۔ اہل سنّت کا مؤقف تو یہی ہے یہاں پہنچ کر وہ اپنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ اور سر تسلیم خم کر دیتے ہیں اور آمنا و صدقنا کہتے ہوئے تعمیل حکم کے میدان میں اُتر آتے ہیں لیکن مودودی صاحب کی گڈی چونکہ آج کل چڑھی ہوئی ہے۔ اور نہ ان کی درایت ذرا زیادہ بلندی پر پرواز کر رہی ہے اس لئے وہ سند کے قوی ہونے کے بعد بھی کئی طرح کے خدشات پیدا کرتے رہتے ہیں۔ جیسے اوّل قائس نے کہا تھا خَلَقْتَنِیْ مِنْ نَّارٍ وَّ خَلَقْتَهٗ مِنْ طِیْنٍ (مجھے تو نے آگ سے پیدا کیا اور اس کو مٹی سے تو میرا سجدہ اس کے لئے سراسر درایت کے خلاف ہے) چنانچہ جواب نمبر ۹ میں اس کی کچھ وضاحت آتی ہے۔

مودودی کا طرز عمل

مودودی صاحب نے جس انداز سے بحث کی ہے یہ منکرین حدیث کا انداز ہے عیسٰے بن ابان کا یہ انداز نہیں۔ بلکہ دین سے متعلق ان کا قریباً سارا سلسلہ ہی

گمراہ کن ہے۔ احادیث کو آپس میں اور قرآن شریف کے ساتھ ٹکرانا اور ان میں اختلافات پیدا کر کے ان کی قدر گرانا اور پھر ان کی تردید کرنا یہ ان کی عام عادت ہے۔ اس کے علاوہ حجامت اور لباس کے متعلق جو احادیث آئی ہیں۔ ان کے متعلق محدثینؒ پر سخت حملہ کیا ہے۔ کہ وہ ان کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکے۔ لباس وضع قطع شریعت میں داخل نہیں۔ بلکہ عادات کی قسم سے ہیں۔ محدثینؒ نے ان کو شریعت قرار دینے میں غلطی کی ہے۔ ایسے ہی دجال وغیرہ کی احادیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غلطی پر کہتا ہے۔ کہ آپؐ معاذ اللہ دجال کو نہیں سمجھے۔ گویا قریب قریب مرزائیوں والا خیال ہے۔ بلکہ ان سے بھی ترقی کر گئے ہیں۔ چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ جو حدیث دجال ذکر کر کے لکھتے ہیں یہ ہیں۔

کانا دجال تو افسانے ہیں جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ (ترجمان القرآن جلد ۲۷ نمبر ۳ ص ۱۸۶ بابت) تمیمؓ داری کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک معیّن شخص کو دجال فرمایا ہے اس کے متعلق مودودی صاحب لکھتے ہیں۔

"کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا۔ کہ حضورؐ کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا۔"

(ملاحظہ ہو ترجمان القرآن جلد ۲۸ نمبر ۳ ص ۱۷۲-۱۷۳ بابت ربیع الاول ۱۳۶۵ھ مطابق فروری ۱۹۴۶ء)

نیز تمیم داری کی حدیث میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دجال کے نکلنے کی جہت معین کر دی ہے کہ مشرق کی جانب سے نکلے گا اور علاقوں کا نام مبہم کر دیا ہے اور بعض احادیث میں خراسان اصفہان کا نام بھی آیا ہے اور تمیم داری کی حدیث میں جس معیّن شخص کو آپؐ نے دجال قرار دیا ہے وہ ایک جزیرہ میں مقید تھا جس سے ثابت ہے کہ وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں پیدا ہو چکا ہے مگر مودودی صاحب دجال کے متعلق اس قسم کی احادیث کا ذکر کر کے لکھتے ہیں کہ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارہ میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

غرض اس قسم کی خرافات اس کی بہت ہیں جن کو سُن کر یا دیکھ کر ایک مسلمان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں اس کی تحریر اور چرب زبانی پر فریفتہ نہیں ہونا چاہیئے۔ اس کا لٹریچر اسلام اور شریعت مطہرہ کے لئے سخت خطرناک ہے۔ خدا اُس سے بچائے اور اپنے دین کی حفاظت کرے۔ آمین

نیز سند کے قوی ہونے کے بعد بھی مودودی صاحب کی درایت کے لئے پانچ راستے کھلے ہیں جن کی تفصیل

حسب ذیل ہے۔

پہلا راستہ محدثینؒ اور فقہاءؒ کے فہم پر حملہ ہے۔ قرآن مجید میں ہے جو مومنوں کا راستہ چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کرے نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰى وَنُصْلِهٖ جَهَنَّمَ وَسَاءَتْ مَصِيْرًا اس کو ہم پھیر دیتے ہیں جدھر پھرے۔ اور اس کا ٹھکانا جہنم ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے لَا تَجْتَمِعُ اُمَّتِیْ عَلَى الضَّلَالَةِ۔ میری اُمت گمراہی پر جمع نہیں ہوگی بلکہ ایک نہ ایک فرقہ ضرور حق پر رہے گا اور ظاہر ہے کہ وہ محدثین و فقہاء ہیں۔ لیکن مودودی صاحب کا خیال ہے کہ ہو سکتا ہے کہ وہ سب گمراہ ہوں اور ہم حق پر ہوں۔ چنانچہ مودودی صاحب کا خیال ہے کہ محدثینؒ و فقہاءؒ نے عادات نبوی کو سُنّت سمجھ کر اس بارے میں احادیث جمع کیں یہ انہوں نے غلط رویہ اختیار کیا ہے کیونکہ یہ کوئی شرعی چیز نہیں جس کی اتباع کے ہم مامور ہیں۔ چنانچہ مودودی کے اصل الفاظ یہ ہیں میں اسوہ اور سنت اور بدعت وغیرہ اصطلاحات کے ان مفہومات کو غلط بلکہ دین میں تحریف کا موجب سمجھتا ہوں جو بالعموم آپ حضرات کے ہاں رائج ہیں۔

رسالہ ترجمان القرآن مئی و جون ۱۹۴۵ء

ڈاڑھی آپ کا یہ خیال کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم جتنی بڑی ڈاڑھی رکھتے تھے۔ اتنی ہی بڑی ڈاڑھی رکھنا سنّتِ رسُول ہے یا اُسوہ (پیروی) رسول ہے یہ معنے رکھتا ہے۔ کہ آپ عاداتِ رسُول کو بعینہٖ وہ سنّت سمجھتے ہیں جس کے جاری اور قائم کرنے کے لئے نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور دوسرے انبیاء علیہم السلام مبعوث کئے جاتے رہے ہیں۔ مگر میرے نزدیک یہی نہیں کہ یہ سنت کی صحیح تعریف نہیں ہے۔ بلکہ میں یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اس قسم کی چیزوں کو سنت قرار دینا اور پھر ان کے اتباع پر اصرار کرنا ایک سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین ہے۔ (حوالہ مذکورہ)

قارئین کرام! ہم تو ڈاڑھی کے مسئلہ میں خلاف رسُول کرنے والے کو بُرا بھلا کہتے ہیں یہاں اُلٹا چور کوتوال کو ڈانٹنے والا حساب ہے۔ اور پھر اتنے پر بس نہیں۔ بلکہ عمومیت کے ساتھ اس قسم کی تمام چیزوں کو سخت قسم کی بدعت اور خطرناک تحریف دین بتلایا جا رہا ہے اس بنا پر انسان آزاد ہے جس قسم کی چاہے حجامت بنوائے جیسی وضع قطع چاہے اختیار کرے۔ انگریزی بال رکھے انگریزی لباس ہیٹ پتلون وغیرہ زیب تن کرے۔ شلوار یا تہ بند ٹخنوں سے نیچے رکھے یا اوپر۔ کسی چیز میں کفار یا فسّاق فجّار کے ساتھ تشبّہ ہو اس کی بھی اجازت ہے۔ فطرت اور سنت انبیاء علیہم السّلام کی مخالفت کا بھی کوئی حرج نہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ

وسلم فرماتے ہیں۔ دس باتیں فطرت (اسلام) سے ہیں۔ لبیں کٹانا[1]۔ داڑھیاں چھوڑنا[2]۔ مسواک کرنا[3]۔ وضو[4] کے وقت ناک میں پانی چڑھانا[5]۔ ناخن کٹوانا[6]۔ وضو کے وقت انگلیوں کے جوڑ دھونا[7]۔ بغلیں اکھیڑنا[8]۔ زیر ناف بال لینا[9]۔ استنجا کرنا[10]۔ وضو کے وقت کُلی کرنا۔ ایک حدیث میں داڑھی کی جگہ ختنہ کا ذکر ہے۔ اور ترمذی میں حدیث ہے۔ آپ نے فرمایا چار چیزیں رسولوں کی سُنتوں سے ہیں۔ حیا۔ ختنہ۔ مسواک۔ نکاح۔

اگر کوئی صاحب جذبہ سنّت کے تحت ان چیزوں کی پابندی اور اصرار کریں تو یہ مودودی صاحب کے نزدیک سخت ترین بدعت اور خطرناک تحریف دین ہوگی۔

مودودی صاحب نے بیک جنبش قلم ان تمام دفتروں پر پانی پھیر دیا۔ بلکہ اتباع رسُول سمجھ کر ان پر ہمیشگی اور اصرار کرنے والے کو سخت قسم کا بدعتی اور دین الہی کا خطرناک مُحرّف قرار دیا۔

قارئین کرام! آپ کو معلوم ہے۔ کہ اس کی زد کہاں پڑتی ہے؟ معاذاللہ خیر قرون صحابہؓ تابعینؒ۔ تبع تابعینؒ پر۔ بلکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام ایسی مبارک ہستیوں پر سچ ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مرغ قبلہ نما آشیانہ میں

مجدّد علاوہ ازیں اور سُنیئے حدیث میں ہے۔ کہ ہر صدی کے سرے پر مجدد ہوں گے جو دین کی تجدید کریں گے۔ اور مری ہوئی سُنتوں کو زندہ کریں گے۔ مودودی صاحب نے جہاں سنّت بدعت کا معنی بدلا ہے۔ وہاں مجدّد کے معنی پر بھی ہاتھ صاف کیا ہے۔ اور کوشش کی ہے۔ کہ اس حدیث کو اپنے اُوپر چسپاں کریں۔

"نہ میں یہ توقع رکھتا ہوں۔ کہ وہ اپنے مہدی ہونے کا اعلان کرے گا۔ بلکہ شاید اسے خود بھی اپنے مہدیِ موعود ہونے کی خبر نہ ہوگی۔" (ص ۲۳ سطر ۷)

"وہ خالص اسلام کی بُنیادوں پر ایک نیا مذہب فکر (Dchool of thought) پیدا کرے گا۔ ذہنیتوں کو بدلے گا۔ ایک زبردست تحریک اٹھائے گا۔ جو بیک وقت تہذیبی بھی ہوگی اور سیاسی بھی۔ جاہلیت اپنی تمام طاقتوں کے ساتھ اس کو کچلنے کی کوشش کرے گی۔ مگر بالآخر وہ جاہل اقتدار کو اُلٹ کر پھینک دے گا۔ اور ایک ایسی زبردست اسلامی اسٹیٹ قائم کرے گا۔"

۲ دوسرا راستہ

مودودی صاحب کی درایت کا فلسفیانہ عقل ہے۔ فلسفیانہ عقل کا ایمان بالغیب بہت کمزور ہوتا ہے۔ وہ اسی کو مانتی ہے جو اس میں سما سکے۔ جو اس سے بالاتر ہو۔ اس میں اس کا رجحان دو چیزوں کی طرف ہوتا ہے یا سرے سے انکار یا تاویل و تحریف۔

پھر اس میں دو طرح کے لوگ پائے جاتے ہیں۔ ایک وہ جو زیادہ غلو کر جاتے ہیں۔ جیسے سید احمد نیچری نے تفسیر لکھی۔ تو قرآن مجید کے تمام معجزات و خرق عادات کی تاویل کر ڈالی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کا عصا کے ساتھ پتھر کو مارنا اور اس سے ۱۲ چشمے پھوٹ پڑنا کا مطلب یہ بیان کیا کہ عصا ٹیک کر پہاڑوں میں چلے کہیں اتفاقاً بارہ چشمے مل گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے معراج کا مطلب یہ ہے۔ کہ آپ کو خواب میں سیر کرائی گئی۔ ملائکہ اور شیاطین سے مراد نیک اخلاق اور بد اخلاق ہیں۔ یہاں تک کہ جنّت اور دوزخ بھی روحانی معاملہ ہے روحوں کی خوشی اور تکلیف ہی جنّت دوزخ ہے۔

دوسری قسم کے لوگ وہ ہیں جو اتنے غلو میں تو نہیں گئے۔ لیکن وہ آدھا تیتر آدھا بٹیر بنے رہتے ہیں۔ جیسے مرزائی وغیرہ۔ مثلاً عیسیٰ علیہ السلام کا جسم سمیت اٹھائے جانا اس کو نہیں مانتے۔ پھر ان کا دو فرشتوں کے کندھوں پر آسمان سے نزول پھر مشرقی منارہ دمشق سے سیڑھی لگا کر زمین پر آنا۔ اس سے بھی انکار ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ عیسیٰ علیہ السّلام کے سانس ہی سے کافر مر جائیں گے اور سانس ان کا وہاں تک پہنچے گا جہاں ان کی نظر پہنچے گی۔ ان سب باتوں سے فلسفیانہ عقل والے منکر ہیں۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کا معراج جسمانی ابراہیم علیہ السّلام کے پرندوں کا ذبح ہو کر زندہ ہونا۔ داؤد علیہ السلام کے ہاتھ میں لوہے کا موم ہونا۔ صالح علیہ السلام کی اونٹنی دس ماہ کی حاملہ کا پتھر سے پیدا ہونا۔ مریم علیہا السّلام کے پاس بے موسم پھلوں کا آنا۔ موسیٰ علیہ السّلام کا ملک الموت کی آنکھ پھوڑنا۔ مائی حوّا علیہا السّلام کا حضرت آدم علیہ السلام کی پسلی سے پیدا ہونا۔ اس قسم کی بہت سی باتیں ہیں جن سے کہیں صریح انکار ہے۔ کہیں تحریف و تاویل کا دور دورہ ہے۔

دجال

اس طرح مودودی صاحب دجال کے منکر ہیں حالانکہ دجال کے متعلق بکثرت احادیث موجود ہیں۔ جن میں بہت سے خرق عادات کا ذکر ہے۔ مثلاً اس کے ساتھ جنت دوزخ ہوگا۔ مگر درحقیقت دوزخ جنّت ہوگا اور جنّت دوزخ اور اس کے حکم سے آسمان سے بارش ہوگی زمین سے انگوریاں اگیں گی۔ مردے زندہ ہوں گے زمین کے خزانے اس کے پیچھے لگیں گے۔ جس گدھے پر سوار ہوگا وہ اتنا بڑا ہوگا کہ اس کے دونوں کانوں کے درمیان ایک سو چالیس گز کا فاصلہ ہوگا۔ غرض اسی قسم کی عادات

دجال کی بہت ہیں۔ جن کی بنا پر وہ لوگوں سے اپنا آپ ہونا منوائے گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ یہ بہت بڑا فتنہ ہے۔ (جس سے ہر نماز میں پناہ مانگی جاتی ہے اور) اس سے ہر نبیؑ نے ڈرایا ہے مگر میں تمہیں ایک نشان بتلاتا ہوں۔ جو دوسرے انبیاء علیہم السلام نے نہیں بتایا وہ کانا ہوگا۔ تمہارا رب کانا نہیں نیز اُس کے ماتھے پر کافر لکھا ہوگا۔ ہر مومن پڑھے گا۔ خواہ پڑھا ہُوا ہو یا اَن پڑھ آدم سے لے کر قیامت تک اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں۔

اسی کے متعلق مودودی صاحب ارشاد فرماتے ہیں۔ کہ کانا دجال تو افسانے ہیں۔ جن کی کوئی شرعی حیثیت نہیں۔ اور اس سے مودودی صاحب نے اپنا استحصان کرلیا ہے کہ جب کسی خرق عادت سے انکار کرنا چاہا۔ فلسفیانہ عقل کا سہارا لے لیا۔ اور صحیح اور قوی السند احادیث میں شکوک پیدا کرنے شروع کر دیئے۔

چنانچہ سائل نے اپنے سوال میں مودودی صاحب کی اس قسم کی چند عبارات نقل کی ہیں۔ جن میں صحیح احادیث کو مشکوک بنانے کی کوشش کی گئی ہے۔ آگے چل کر ہم بھی اس قسم کی چند عبارتیں نقل کریں گے۔ انشاءاللہ

تیسرا راستہ مودودی صاحب کا تیسرا راستہ تاریخ ہے۔ تاریخ وہ علم ہے۔ جس سے حوادث زمانہ ماضیہ کا پتہ چلتا ہے۔ اور ان کی ترتیب معلوم ہوتی ہے مورّخ کی کوشش ہوتی ہے۔ کہ وہ واقعاتِ عالم کی جستجو کرے۔ اور ان کو اس ترتیب سے جمع کرے جس ترتیب سے وہ دُنیا میں رونما ہوتے ہیں۔ پھر آگے مؤرخین کے نظریئے مختلف ہوتے ہیں۔ کوئی تو صرف بادشاہوں کی تاریخ لکھتا ہے۔ کوئی تاریخ اعیان (بڑی شخصیتوں کی تاریخ) کوئی تاریخ مذاہب کوئی تاریخ اقوام کوئی تاریخ اَلسِنَہ وغیرہ وغیرہ پھر ان میں کئی خصوصیتیں پیدا ہو جاتی ہیں۔ مثلاً تاریخ شاہان عرب، تاریخ شاہان ہند۔ تاریخ یونان، تاریخ بغداد وغیرہ۔

اسی طرح تاریخ اسلام، تاریخ عیسائیت۔ تاریخ ہندوازم وغیرہ۔ ایسے ہی تاریخ علماء اہلحدیث تاریخ علماء احناف یا شوافع وغیرہ۔ جن کو زیادہ تر تراجم سے تعبیر کرتے ہیں۔

اسی قسم سے علم اسماء الرجال ہے یعنی راویانِ حدیث کے حالات کا ذخیرہ۔ لیکن ان میں محدثین نے زیادہ تر وہی حالات قلم بند کئے ہیں۔ جن کو حدیث کے صحت وضعف سے تعلق ہے۔ کیونکہ اسی غرض سے وہ لکھے گئے ہیں۔ اور جو کچھ انہوں نے قلم بند کیا۔ اس سے زیادہ کوئی قلم بند نہیں کرسکتا۔ جس کی دو وجہیں ہیں ایک یہ کہ یہ تاریخ کا حصہ ہے۔ اور تاریخ میں اُس وقت کے لوگوں نے یا قریب کے لوگوں نے حوادثِ زمانہ کا جو کچھ ذخیرہ جمع کیا ہوتا ہے۔ پچھلے لوگوں کے لئے صرف وہی ذریعہ معلومات ہے۔ اس کے بغیر (براہِ راست) تسلی بخش کوئی

ذریعہ نہیں۔اس لیئے اسی ذخیرہ پر اعتماد کلی کرنا پڑتا ہے۔

دوسری وجہ یہ ہے کہ صحت وضعف کا معاملہ بڑا اہم ہے۔اور اسی پر دین کا دارومدار ہے۔اس بات کو ملحوظ رکھتے ہوئے محدثین نے اس معاملے میں انتہائی کوشش کی ہے۔اور اس غرض کی تکمیل کیلئے تحقیق کے زیادہ سے زیادہ معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں وہ سب استعمال کیئے ہیں۔اور ایسی سختی سے استعمال کیئے ہیں۔کہ کسی اور تاریخ میں اس کی نظیر نہیں ملتی۔

اب جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں۔کہ ہمیں بھی حق حاصل ہے کہ ہم کسی متفقہ صحیح حدیث کی اسناد میں بحث کریں۔جیسے امام دارقطنی وغیرہ نے بخاری مسلم کی بعض احادیث پر بحث کی ہے۔وہ دراصل ان حقائق بالا سے ناواقف ہیں۔وہ نہیں سمجھے کہ امام دارقطنی وغیرہ بھی انہی محدثین سے ہیں جن کے ہاتھ پر یہ فن پایہ تکمیل کو پہنچا ہے۔کیونکہ یہ اسی زمانہ کے آدمی ہیں۔اور جرح تعدیل کے امام ہیں۔اگر ان لوگوں کی آپس میں یہ بحثیں اور تبادلے خیالات نہ ہوتے تو یہ فن ادھورا رہ جاتا۔

مثلاً امام بخاریؒ نے ایک حدیث پر حکم لگایا۔کہ یہ متفقہ صحیح ہے۔دوسرے نے کہا کہ یہ متفقہ صحیح نہیں۔کیونکہ اس کی اسناد میں فلاں عیب ہے۔اب اس بحث مباحثہ میں ہزاروں محدثین کی تحقیقی نظر اس حدیث پر پڑی کسی نے اس پر اعتراض کیا۔کسی نے اس کا جواب دیا۔اس چھان بین سے ایک محقق کے لیئے راستہ کھل گیا۔کہ وہ راجح یا مرجوح معلوم کر سکے۔لیکن اس بحث مباحثہ سے بہت بڑا ایک نتیجہ اور نکلا۔وہ یہ کہ جس حدیث پر انہوں نے اعتراض نہیں کیا۔اس کی صحت مستحکم ہو گئی۔اور وہ یقیناً صحیح قرار پائی۔اور سب محدثین اس کی صحت پر متفق ہو گئے۔کیونکہ اگر اس میں کچھ گنجائش ہوتی تو وہ بھی زیر بحث آجاتی۔

کتاب بخاری و مسلم کا مقام چونکہ صحت میں بہت بلند ہے یہاں تک کہ ان کو اصح الکتب بعد کتاب اللہ مانا گیا ہے۔خاص کر بخاری اس میں اوّل نمبر ہے۔اس لیئے جو حدیث کی شان گھٹانا چاہتا ہے۔وہ ان دونوں بالخصوص بخاری کو نشانہ بنا لیتا ہے۔تاکہ ان کی شان گھٹنے سے سارا فن حدیث ہی کمزور ہو جائے۔مگر جس کو خدا بڑھائے اس کو کون گھٹائے۔جو خدا موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کی گودی میں پال سکتا ہے۔وہ زہر سے تریاق کا کام بھی لے سکتا ہے چنانچہ یہاں ایسا ہی ہو رہا ہے۔جو اعتراض ہوتا ہے۔وہ معترض پر الٹ جاتا ہے۔چنانچہ اس کی ایک مثال تو یہی ہے کہ جس بحث سے گنجائش نکالنی چاہی وہی الٹی پڑ گئی۔

دوسری مثال بخاری مسلم کا مطالعہ ہے خاص کر بخاری کا۔جون ۱۹۵۵ء میں حدیث کے متعلق لاہور میں

مولانا مودودی صاحب نے تقریر کی۔ اس تقریر کا اقتباس جماعت اسلامی کے اخبار ہفت روزہ منیر لائل پور میں شائع ہوا۔ اس میں بخاری وغیرہ کی نسبت لکھا ہے۔ صحیح بخاری جو اصح الکتب بعد کتاب اللہ کہی جاتی ہے۔ اس کی احادیث کو بھی فرداً فرداً جانچنے کا حق تسلیم کیا گیا ہے اور اہل علم نے اس کی احادیث کے بارے میں کلام کیا ہے۔ یہ کلام اگر دلائل کی بناء پر ہو گا۔ بہرحال بخاری شریف کی احادیث یا دوسری احادیث کے مجموعوں کی روایات پر مسلمہ قواعد کے مطابق تنقید کرنا ہر صاحب علم کا حق ہے۔ (المنیر ہفت روزہ جلد ۷ نمبر ۲۳/۲۴ مورخہ ۱۷ شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۰ جون ۱۹۵۵ء ص ۲ کالم ۲)

اس کے بعد کے پرچہ میں مودودی صاحب کا خط شائع ہوا۔ اس میں مودودی صاحب نے بخاری کی نسبت یہ الفاظ کہے ہیں۔

"آج اگر کوئی اس (بخاری) کی احادیث پر تنقید کرے۔ تو محض اس بناء پر کہ وہ بخاری کی احادیث پر کلام کر رہا ہے قابل ملامت نہ ہو گا۔ بشرطیکہ وہ قواعد کے مطابق تنقید کرے۔"

(المنیر جلد ۷ ۲۳/۲۴۔ ۲۴ شوال ۱۳۷۴ھ مطابق ۱۷/۲۴ جون ۱۹۵۵ء ص ۱۳)

اس کی تائید میں ادارہ المنیر نے اس اشاعت کے ص ۹ پر امام ابن تیمیہؒ کی یہ عبارت نقل کی ہے۔

اِنَّ التَّصْحِيْحَ لَمْ يُقَلِّدِ الْاَئِمَّةُ فِيْهِ الْبُخَارِيَّ وَمُسْلِمًا بَلْ جُمْهُوْرُ مَا صَحَّحَاهُ كَانَ قَبْلَهُمَا صَحِيْحًا مُتَلَقًّى بِالْقَبُوْلِ وَكَذٰلِكَ فِيْ عَصْرِهِمَا وَكَذٰلِكَ بَعْدَهُمَا قَدْ نَظَرَ اَئِمَّةُ هٰذَا الْفَنِّ فِيْ كِتَابَيْهِمَا فَوَافَقُوْهُمَا عَلٰى صِحَّةِ مَا صَحَّحَاهُ اِلَّا مَوَاضِعَ يَسِيْرَةً نَحْوَ عِشْرِيْنَ حَدِيْثًا اَنْتَقَدَهُمَا عَلَيْهِمَا طَائِفَةٌ مِنَ الْحُفَّاظِ وَهٰذِهِ الْمَوَاضِعُ الْمُنْتَقَدَةُ غَالِبُهَا فِيْ مُسْلِمٍ وَقَدِ انْتَصَرَ طَائِفَةٌ لَهُمَا فِيْهَا وَطَائِفَةٌ قَرَّرَتْ قَوْلَ الْمُنْتَقِدِ (مِنْهَاجُ السُّنَّةِ لابن تیمیہ رح

بحوالہ فتح الملہم بشرح مسلم لمولانا شبیر احمد عثمانی ص ۹۶)

ترجمہ:۔ احادیث کی تصحیح میں ائمہ حدیث نے امام بخاری اور مسلم کی تقلید نہیں کی۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ جن احادیث کو ان ہر دو حضرات (بخاری و مسلم) نے صحیح کہا ائمہ حدیث نے اس سے پہلے بھی انہی احادیث کو صحیح قرار دیا اور قبول عام حاصل ہوا۔ اسی طرح ان کے زمانہ میں جو ائمہ حدیث تھے۔ انہوں نے بھی ان احادیث کو صحیح کہا یہی بات ان کے بعد ظہور پذیر ہوئی فن حدیث کے

ائمہ نے بخاری اور مسلم دونوں کتب پر نگاہ دوڑائی اور جن روایات کو انہوں نے صحیح کہا تھا نہیں صحیح ہی پایا۔ البتہ چند مقامات میں ائمہ حدیث نے امام بخاری و مسلم سے اتفاق نہیں کیا۔ اور ان کی صحیح کردہ روایات کو .... صحیح نہیں جانا۔ یہ احادیث بیس کے قریب ہیں۔ ان پر حفاظ حدیث نے تنقید کی ہے۔ یہ احادیث زیادہ مسلم میں ہیں۔ بعد کے ائمہ حدیث کے ایک گروہ نے تنقید کرنے والوں کی تائید کی ہے اور ان احادیث کو مجروح ہی کہا ہے اور ایک دوسرے گروہ نے مجروح احادیث کی تائید کی ہے۔ (المنیر اشاعت مذکورہ ص ۹)

بظاہر تو اس عبارت سے یہ گنجائش نکالی ہے۔ کہ بخاری مسلم کی احادیث کو بغیر تنقید کے نہیں لینا چاہیئے کیونکہ اندھی تقلید ہے۔ لیکن دراصل اس عبارت سے یہ نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ تنقید کی اب کوئی گنجائش نہیں کیونکہ اس کی انتہا ہو گئی۔ یہاں تک کہ ان کی صحت پر تین زمانے متفق ہیں۔ بخاری مسلم سے پہلے کے لوگ بھی ان کی صحت پر متفق تھے۔ اور ان سے بعد کے لوگ بھی اور ان کے ہمعصر بھی۔ اب بتلائیے اس سے بڑھ کر کسی کتاب کی شان کیا ہو سکتی ہے۔ کہ جس طرح قرآن مجید کی صحت پر دنیا متفق ہے۔ اسی طرح اس کی صحت پر بھی دنیا متفق ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ اوّل درجہ صحت میں کتاب اللہ ہے۔ پھر ان کا نمبر ہے۔

اور اس عبارت سے یہ بھی معلوم ہوا۔ کہ جن احادیث کو مجروح کہا گیا ہے اُن میں بھی اختلاف ہے ایک گروہ بخاری مسلم کے ساتھ ہے اور ایک تنقید کرنے والوں کے ساتھ ہے اور یہ چیز اصول حدیث میں مسلم ہے۔ کہ جس جرح کا تھوڑا بہت جواب ہو سکے۔ اس سے حدیث حسن درجہ سے نہیں گرتی۔ جیسے مسلم کی دوسرے درجہ کی احادیث جو تابعاً لاتے ہیں۔ ملاحظہ ہو۔ مقدمہ مسلم پس اس جرح کا حاصل یہ ہوا۔ کہ بعض مقامات میں بخاری مسلم کی شرط (اعلیٰ درجے کی صحت) پوری نہیں ہوئی نہ کہ وہ حدیث قابل عمل نہیں۔ تیسری بات اس سے یہ معلوم ہوئی۔ کہ بخاری مسلم کے اتنے بڑے دفتر سے کل بیس احادیث کے قریب ایسی نکلی ہیں۔ جن پر بعض محدثین کی تنقیدی نظر پڑی ہے۔ جو ترازو میں پاسنگ بھی نہیں۔ ایسے تو قرآن مجید کی بعض قرأتوں میں بھی اختلاف ہے۔ کہ شاذ ہیں یا متواتر مگر اس سے مشہور سات قرأتوں کو کوئی ضعف نہیں۔ ٹھیک اسی طرح بخاری مسلم کی ان چند احادیث پر اگر جرح ہوئی ہے۔ تو یہ کالعدم ہے۔ ہاں اس سے اتنا فائدہ ضرور پہنچا۔ کہ مخالفوں کا منہ بند ہو گیا۔ وہ اس طرح کہ بخاری مسلم کی احادیث میں کچھ تنقید کی گنجائش ہوتی۔ تو اتنے بڑے بڑے محدث جرح تعدیل کے امام اتنی کوشش کے باوجود اپنا سا منہ لے کر نہ بیٹھ جاتے۔ بہرصورت بخاری مسلم کی شان اس سے بہت بلند ہو گئی ..... اور

تنقید کا خاتمہ ہوگیا۔ والحمد للہ علیٰ ذٰلک

چوتھی بات اس عبارت سے یہ معلوم ہوئی کہ بخاری کا مقام مسلم سے اعلیٰ ہے۔ کیونکہ ان مجروح احادیث کا غالب حصہ مسلم میں ہے۔ گویا بخاری کے حصّے میں کل پانچ چھ احادیث ایسی آئیں جن کی تنقید کی گئی ہے۔ تو بخاری کی سات آٹھ ہزار احادیث کے مقابلہ میں فی ہزار ایک بھی نہ ہوئی۔ اب بھی کوئی بخاری پر جرح کرے تو اس کو شرم کرنی چاہئے۔ اور خدا سے ڈرنا چاہئے۔ کیونکہ تعصب کا انجام بُرا ہے۔

ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے کہ امام نووی نے شرح مسلم کے مقدمہ میں بخاری مسلم کی قریباً ۲ سو احادیث لکھی ہیں جن پر تنقید ہوئی ہے۔ اور حافظ ابن حجر نے مقدمہ فتح الباری میں دو سو دس لکھی ہیں۔ جن سے ۷۸ صرف بخاری میں ہیں اور سو صرف مسلم میں ہیں۔ اور ۳۲ دونوں میں ہیں۔ تو گویا یہ ۳۲ ملا کر ایک سو دس بخاری میں ہوئیں۔ اور ایک سو ۳۲ مسلم میں ہوئیں پس ابن تیمیہؒ کا بیس کے قریب کہنا کیونکر صحیح ہوگا۔

اس کا ایک جواب تو یہ ہے۔ کہ امام ابن تیمیہؒ کی مراد وہ احادیث ہیں جن میں محدثین کا اختلاف رہا۔ باقی کے متعلق محدثین کا اتفاق ہوگیا۔ کہ تنقید کرنے والوں کی غلطی ہے چنانچہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے ہر ایک حدیث کے متعلق پوری بحث کی ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ ان سے بہت احادیث پر جرح یہ ہے۔ کہ ان میں فلاں راوی مجروح ہے حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ کہ راوی کے مجروح ہونے سے حدیث بھی مجروح ہو جائے۔ کیونکہ بعض دفعہ ایک راوی مجروح کے ساتھ دوسرا ثقہ مل جاتا ہے۔ تو اس طرح سے بھی حدیث صحیح ہو جاتی ہے۔ اور بعض دفعہ ایک راوی میں عمر کے تقاضا سے یا کسی اور سبب سے یا حادثے سے حافظہ وغیرہ میں خرابی ہو جاتی ہے۔ جس سے وہ مجروح ہو جاتا ہے مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا۔ کہ اس کی پہلی روایت کردہ احادیث بھی مجروح ہو جائیں۔

الغرض اس قسم کی تنقیدات سے حدیث کی صحت پر کوئی بُرا اثر نہیں پڑتا۔ بلکہ امام نوویؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے تو سب احادیث کی صحت ثابت کی ہے۔ جن میں وہ بیس بھی آجاتی ہیں۔ جن کا ذکر امام ابن تیمیہؒ نے کیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ بخاری مسلم کی شان بہت بلند ہے۔ اور ان کی مُسند احادیث سب صحیح ہیں۔ اور اب ان پہ تنقید کا دروازہ بند ہے۔ اور جن چند احادیث پر امام دارقطنی وغیرہ نے تنقید کی۔ ان میں بھی بخاری و مسلم کا پلڑا بھاری ہے اور تنقید کرنے والے غلطی پہ ہیں۔

مودودی صاحب نے جب دیکھا۔ کہ اسناد کے قوی ہونے کے بعد اب تنقید کی کوئی گنجائش نہیں۔ تو

درایت اور ذوق کا ایک شاخچہ کھڑا کر دیا۔ اس کے لئے کئی قسم کے راستے کھول دیئے۔ جن سے دو کا بیان ہو چکا ہے تیسرا راستہ ؛ ابھی ذکر ہوا ہے کہ تیسرا راستہ تاریخ ہے۔ اور یہ بھی بیان ہوا ہے کہ تاریخ واقعات عالم کا ترتیب وار ذخیرہ ہے مودودی صاحب کا خیال ہے۔ کہ اب تاریخ نے بہت وسعت پیدا کر لی ہے۔ یہاں تک کہ اس کی وسعت نے تمام واقعات عالم کا احاطہ کر لیا ہے۔ ایسا کوئی واقعہ نہیں جو اس کے احاطہ میں نہ آیا ہو۔ اگر حدیث میں بھی کسی واقعہ کا ذکر ہو۔ اور تاریخ میں اس کی شہادت نہ ملے۔ تو درایت اور ذوق کا یہی فیصلہ ہے۔ کہ وہ غلط ہے اسی بنا پر آپ تمیم داری کی حدیث جو دجال سے متعلق ہے۔ اس کا ذکر کر کے بڑی جرأت سے لکھتے ہیں۔

کیا تیرہ سو برس کی تاریخ نے یہ ثابت نہیں کر دیا۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ اندیشہ صحیح نہ تھا

(ترجمان القرآن جلد ۲۸ ۳ ص ۱۶۲)

بلکہ اس سے بھی ترقی کر کے لکھتے ہیں۔ وہ دراصل آپ کے قیاسات ہیں۔ جن کے بارے میں آپ خود شک میں تھے۔ (حوالہ مذکورہ)

مودودی صاحب یہاں تو منکرین حدیث سے بھی آگے بڑھ گئے منکرین حدیث حدیث کو تاریخی حیثیت سے مانتے ہیں۔ وحی قرار نہیں دیتے۔ مودودی صاحب نے نہ صرف وحی بلکہ تاریخی حیثیت سے بھی انکار کر دیا ہے۔ اور تیرہ سو برس کی تاریخ کا سہارا لیتے ہوئے دجال کے متعلق احادیث صحیحہ کو غلط کہہ دیا۔ اگر حدیث کو تاریخی حیثیت دیتے تو تیرہ سو برس کی تاریخ کا حدیث سے موازنہ کرتے۔ کہ ایک طرف دُنیا کی تاریخ اور ایک طرف سرکار دو جہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بیان۔ چہ نسبت خاک را بہ عالم پاک کا مصداق ہے۔ پھر لطف یہ کہ مودودی صاحب خود بھی لکھتے ہیں۔

"دُنیا میں زمانہ گذشتہ کے حالات کا کوئی ذخیرہ اتنا مستند نہیں۔ جتنا کہ حدیث کا ذخیرہ مستند ہے۔" (تفہیمات ص ۲۶۱)

مودودی صاحب نے یہاں مخبوط الحواس کا کام کیا ہے۔ اِدھر پیغمبر اسلام پر جرأت اُدھر اپنی تحریروں میں تضاد۔ اگر حدیث کا ذخیرہ سب ذخیروں سے زیادہ مستند ہے تو پھر تیرہ سو برس کی تاریخ کو اس سے کیا نسبت؟

یاجوج ماجوج

بعض لوگ سوال کیا کرتے ہیں کہ یاجوج ماجوج کا ذکر تو قرآن مجید میں ہے اور سکندر ذوالقرنین اور سدِ سکندری کا بھی تفصیلاً بیان ہے۔ اور احادیث میں تو بہت زیادہ تفصیل آئی ہے۔ کہ یاجوج ماجوج نے دو انگلیوں کے حلقے برابر سدِ سکندری میں سوراخ کر دیا ہے اور عنقریب

وہ سدِ سکندری توڑنے والے ہیں اور ان کی پہلی فوجیں بحیرہ طبریہ کا سارا پانی پی جائیں گی۔ اور پچھلی فوجیں گذریں گی۔ تو کہیں گی یہاں کسی زمانہ میں پانی ہوگا۔ زمین پر قبضہ کر کے پھر آسمان کی طرف تیر چلائیں گے۔ آسمان سے وہ خون آلودہ آئیں گے۔ دیکھ کر کہیں گے۔ ہم نے آسمان والے کو بھی قتل کر دیا اب آسمان پر بھی ہماری بادشاہت ہے عیسٰے علیہ السلام بھی ان کا مقابلہ نہیں کر سکیں گے ان کو خدا کی طرف سے حکم ہوگا۔ کہ میرے بندوں کو پہاڑ طور کی طرف جگہ دے۔ پھر خدا ان کی گردنوں میں کیڑا پیدا کر دیں گے جس سے یک لخت سارے کے سارے اس طرح مر جائیں گے جس طرح ایک انسان مرتا ہے۔ ان کی لاشوں سے زمین سڑ جائے گی عیسٰی علیہ السلام دعا کریں گے۔ خدا تعالیٰ اُونٹوں کی طرح لمبی گردنوں والے پرندے بھیجے گا۔ وہ اٹھا اٹھا کر ان کو نَہبَل (بیت المقدس میں کوئی جگہ ہے) میں پھینک دیں گے۔ پھر بارش ہوگی جس سے زمین صاف ہو جائے گی اور خدا زمین و آسمان کو حکم دے گا۔ اپنی برکات چھوڑ دیں۔ بس پھر رزق کی اتنی فراوانی ہو جائے گی کہ ایک انار کو چالیس آدمی تک کھائیں گے اور اس کے چھلکے کے سایہ میں بیٹھیں گے۔ اور ایک اونٹنی کا دودھ کئی جماعتوں کو کافی ہوگا۔ اور ایک گائے کا ایک قبیلہ کو اور ایک بکری کا ایک گھرانے کو۔ اور سانپوں سے زہر نکل جائے گا۔ ان سے بچے کھیلیں گے۔ شیروں کو بچے بھگاتے پھریں گے۔ بھیڑیئے کتوں کی طرح بکریوں کے محافظ بن جائیں گے۔ اور سات سال تک مسلمان یاجوج ماجوج کے تیر و کمان کی لکڑیاں جلائیں گے۔ یعنی یاجوج ماجوج کی تعداد اتنی زیادہ ہوگی۔ کہ سات سال تک ان کے تیر کمان ایندھن کا کام دیں گے۔

سدِ سکندری سدِ سکندری اور یاجوج ماجوج کا بیان قرآن مجید میں بھی ہے اور احادیث میں بھی مگر دجال کا ذکر صراحۃً قرآن مجید میں نہیں بلکہ اشارۃً ہے۔ وہ یوں کہ عیسٰی علیہ السلام اولوالعزم اور صاحب شریعت انبیاء سے ہیں۔ ان کی حیات بھی قرآن مجید سے ثابت ہے اور ان کا دوبارہ آنا بھی اور ظاہر ہے۔ کہ اتنا بڑا اہتمام کسی بڑے فتنے کا سدباب ہے اور وہ دجال ہی ہے۔ چنانچہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ آدمؑ سے تا قیامت اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں (مشکوٰۃ)۔

مصیبت یہ ہے کہ مودودی صاحب میں کچھ نیچریت اور کچھ مرزائیت حلول کر آئی ہے وہ حیاتِ مسیح کے بھی منکر ہیں جو اُمّت کا متفقہ مسئلہ ہے چنانچہ لکھتے ہیں:۔

مسیح علیہ السلام کی حیات کا مسئلہ متشابہات میں سے ہے (کوثر ۱۲ فروری ۱۹۵۱ء) پس قرآن کی روح سے زیادہ مطابقت اگر کوئی طرزِ عمل رکھتا ہے تو وہ صرف یہی ہے کہ رفع جسمانی کی تصریح سے بھی انکار کیا جائے اور موت

کی تصریح سے بھی (تفہیم القرآن ص۴۲۱) جہاں تک قرآن کا تعلق ہے حیاتِ مسیح و رفع الی السماء قطعی طور پر ثابت نہیں ہے۔ قرآن مجید کی مختلف آیات سے یقین نہیں ہوتا۔ (تقریر مولانا مودودی صاحب بموقعہ درس مقام اچھرہ لاہور ۲۸ مارچ ۱۹۵۱ء)

مودودی صاحب تو تیرہ سو سال کی تاریخ کے سہارے پیغمبر علیہ السلام کی غلطیاں نکال رہے ہیں۔ اصحاب کہف اور سد سکندری کا پتہ بھی تاریخ سے نہیں چلتا یاجوج ماجوج کے ذکر نے تو اور حیرانی میں ڈال دیا۔ کیونکہ دجال تو انفرادی حالت میں کسی جزیرہ میں مقید ہے۔ تیرہ سو سال کی تاریخ میں اس کا پتہ نہ لگنا ایک معمولی بات ہے لیکن یاجوج ماجوج تو اپنی کثرت تعداد کے لحاظ سے کسی بہت بڑے ملک میں آباد ہوں گے۔ تیرہ سو سال کی تاریخ ان کا کیوں پتہ نہیں دیتی؟

پھر اصحاب کہف پر مسجد بھی بنائی گئی ہے جو بہت بڑا نشان ہے اور وہ کھلے میدان میں سوئے ہوئے ہیں اور سدِّ سکندری اس سے بھی بڑی عمارت ہے۔ جو دو ملکوں کے درمیان حائل ہے اور یاجوج ماجوج اس کے توڑنے میں لگے ہوئے ہیں اور دو انگلیوں کے حلقے کے برابر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ہی اس میں سوراخ ہو چکا تھا۔ تو یہاں بھی یہ کہہ دیا جائے کہ تیرہ سو سال کی تاریخ نے یہ ثابت کر دیا کہ رسول تو درکنار خدا کا اندیشہ بھی صحیح نہیں دیدہ باید۔

چوتھا راستہ مودودی صاحب کی درایت کے لئے احادیث میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ حدیث بھی قرآن مجید کی طرح وحی ہے۔ صرف فرق اتنا ہے کہ قرآن مجید کے الفاظ میں اعجاز ہے (یعنی ایسا کلام بنانے پر کوئی دوسرا قادر نہیں) اور حدیث شریف میں اعجاز نہیں اور یوں بھی فرق کرتے ہیں۔ کہ قرآن مجید وحی متلو ہے یعنی نمازوں غیر نمازوں میں اس کی تلاوت ہوتی ہے اور حدیث وحی غیر متلو ہے دوسرے لفظوں میں قرآن مجید وحی جلی ہے اور حدیث وحی خفی ہے۔ جلی کے لفظی معنی واضح کے ہیں۔ اور خفی کے معنی پوشیدہ اور مراد وہی متلو غیر متلو ہے۔ جب ہر وقت نماز غیر نماز میں عام تلاوت ہوگی۔ تو جلی کے معنے پائے گئے اور جس کی اس طرح تلاوت نہیں۔ اس میں خفی کے معنے پائے گئے۔ اور جلی خفی کا ایک معنے یہ بھی کرتے ہیں کہ اگر الفاظ اور معنی دونوں خدا کی طرف سے ہوں۔ تو یہ جلی ہے۔ اور اگر الفاظ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوں اور معنی خدا کی طرف سے ہوں تو یہ خفی ہے۔ کیونکہ الفاظ ظاہر ہیں اور معنی دل میں ہوتا ہے۔ مگر اس پر یہ شبہ ہوتا ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ اور معنے دونوں خدا کی طرف سے ہوتے ہیں۔ حالانکہ وہ قرآن نہیں۔

...دیث قدسی

حدیث قدسی کی ایک تیسری تعریف یہ بھی ہے کہ صرف خدا کی طرف تشریفی طور پر نسبت
ہوتی ہے۔ الفاظ خدا کے نہیں ہوتے اس بناء پر جلی کے یہ معنی کرنا کہ الفاظ بھی خدا کے
...طلب بھی خدا کا اور اس معنے سے قرآن مجید کو وحی جلی کہنا صحیح ہوگا۔ اور اس کے مقابلہ میں وحی خفی کا معنی یہ
...کہ صرف مطلب خدا کا ہے الفاظ خدا کے نہیں ہیں۔ اور اس معنی سے حدیث وحی خفی ہے قدسی ہو غیر قدسی
...پہلے جو ہم نے کہا ہے کہ "ظاہر یہی ہے کہ حدیث قدسی کے الفاظ خدا کے ہوتے ہیں صرف ان میں اعجاز
...ہوتا۔ یہ چاہتا ہے۔ کہ حدیث قدسی کی یہ تیری تعریف کچھ کمزور ہو۔ اور اس بناء پر جلی خفی کا یہ معنے بھی کچھ
...ور ہی رہے گا اور جلی کا بعض یہ معنے کرتے ہیں کہ فرشتہ سامنے آتا ہے۔ اور خفی کے یہ معنے ہیں کہ فرشتہ سامنے
...یں آتا جیسے شروع بخاری میں دونوں قسم کی وحی کی تفصیل ہے مگر قرآن کی وحی اور حدیث کی وحی میں یہ فرق
...غلط ہے کیونکہ حدیث کی وحی میں بھی کبھی فرشتہ سامنے آتا ہے۔ جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔
...ہمسایہ کے حقوق کی نسبت جبرئیلؑ نے مجھے اتنی وصیت کی کہ قریب تھا کہ اسے وارث بنا دیں۔ اور مشکوٰۃ باب
...ساجد میں حدیث ہے۔ کہ سب جگہوں سے بہتر جگہیں مسجدیں ہیں۔ اور سب جگہوں سے بدتر جگہیں بازار ہیں۔ اس
...سئلہ میں بھی جبرائیل اترے۔ قرآن مجید کے نزول میں بعض دفعہ فرشتہ سامنے نہیں آتا۔ جیسے حضرت عائشہؓ کی
...رأت کی آیات اُتری ہیں۔ اس وقت ویسے ہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو استغراق کی حالت ہوگئی۔ اور
...یعت پر بوجھ پڑ گیا اسی طرح پانچویں پارہ آیہ کریمہ لَا یَسْتَوِی الْقَاعِدُوْنَ میں لفظ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ
...ونے کے وقت ہوا۔ زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ میں وحی لکھ رہا تھا میری ران آپ کی ران کے نیچے تھی جب یہ لفظ
...را تو مجھ پر اتنا بوجھ پڑا۔ کہ قریب تھا کہ میری ہڈی ٹوٹ جائے۔ حالانکہ صرف ایک لفظ غَیْرُ اُولِی الضَّرَرِ اترا ہے
...ور اس قسم کی وحی میں سردیوں میں بھی آپؐ پسینہ پسینہ ہو جاتے تھے خواہ وحی قرآن مجید ہو یا حدیث ہو۔ چنانچہ
...شکوٰۃ کتاب الرقاق فصل اول میں ابو سعید خدریؓ کی حدیث کا نزول بھی اسی طرح ہوا جو یہ ہے رسول اللہ صلی اللہ
...لیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ دنیا کی نمائش اور زینت سے میں تم پر ڈرتا ہوں۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ! کیا خیر بھی
...شر کو لاتی ہے۔ آپؐ چپ ہو گئے ہم نے خیال کیا۔ کہ آپؐ پر وحی ہو رہی ہے۔ پس آپؐ نے پسینہ پونچھا اور فرمایا سائل
...کہاں ہے؟ ایسا معلوم ہوتا تھا۔ کہ آپؐ نے اس کا سوال پسند کیا ہے۔ فرمایا خیر شر نہیں لاتی لیکن بہار میں جو کچھ
...زمین اُگاتی ہے۔ اس کو چارپائے کھاتے ہیں کئی چارپائے کھا کر مر جاتے ہیں۔ کئی قریب المرگ ہو جاتے ہیں۔ جو
...چارہ یہ کھا کر دھوپ میں آ کھڑا ہو۔ پسینہ آئے گوبر کرے پیشاب کرے پیٹ ہلکا ہو جائے پھر جا کر چرنے لگے۔

اس چار پائے کو یہ غذا مفید پڑتی ہے۔ سو اسی طرح یہ دنیا کا مال و دولت سبز اور میٹھا ہے جو حلال طریق سے لے اور جہاں خرچ کرنے کا حکم ہے وہاں خرچ کر دے اس کے لئے یہ مال بہتر معاون ہے اور جو ایسا نہ کرے اس کی مثال اس چارپائے کی ہے جو کھاتا ہے اور سیر نہیں ہوتا۔ اور قیامت کے دن یہ مال اس پر گواہ ہوگا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ خرابی مال سے پیدا نہیں ہوتی۔ بلکہ سوء استعمال سے پیدا ہوتی ہے جیسے قرآن کی بابت فرمایا کہ اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ بہت کو ہدایت کرتا ہے اور بہت کو گمراہ کرتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ جلی خفی میں فرشتے کے سامنے آنے نہ آنے کے ساتھ فرق کرنا صحیح نہیں بلکہ فرق وہی ہے جو پہلے بیان ہوا۔ یعنی جلی سے مراد وحی متلو ہے۔ اور خفی سے مراد وحی غیر متلو ہے۔ پس قرآن مجید میں اور حدیث شریف میں دو طرح سے فرق ہوا ایک یہ کہ قرآن مجید وحی متلو ہے اور حدیث شریف وحی غیر متلو ہے۔ بہرحال حدیث کے وحی ہونے میں شبہ نہیں۔ اور یہ بات ظاہر ہے۔ کہ وحی میں اختلاف یا تضاد نہیں ہوتا۔ کیوں کہ وحی خدا کی طرف سے ہے۔ وَلَوْ كَانَ مِنْ عِنْدِ غَيْرِ اللّٰهِ لَوَجَدُوْا فِيْهِ اخْتِلَافًا كَثِيْرًا۔ ترجمہ۔ قرآن مجید غیر اللہ کی طرف سے ہوتا تو تم اس میں بڑا اختلاف پاتے۔

اب چاہیئے تو یہ تھا کہ احادیث میں بظاہر جہاں اختلاف ہو۔ وہاں موافقت کی کوشش کی جائے اور اگر کسی سے موافقت نہ ہو سکے۔ تو اسے چاہیئے کہ اس کے جاننے والے کے حوالے کر دے۔

بخاری جلد ۲ صلاا پر سورہ حٰم سجدہ کی آیہ قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِیْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِیْ یَوْمَیْنِ کے تحت سعید ابن جبیرؓ سے روایت کیا ہے۔ کہ ایک شخص (نافع بن ازرق) نے ابن عباسؓ کو کہا۔ کہ قرآن مجید کی کئی آیتوں میں مجھے تعارض معلوم ہوتا ہے۔

(۱) خدا ایک جگہ فرماتا ہے۔ وَلَا يَتَسَاءَلُوْنَ (پ ۱۸ ع ۶) یعنی قیامت کے دن کوئی ایک دوسرے کو نہیں پوچھے گا۔ اور دوسری آیت میں ہے وَاَقْبَلَ بَعْضُهُمْ عَلٰى بَعْضٍ يَّتَسَاءَلُوْنَ (پ ۲۳ ع ۶) یعنی قیامت کے دن ایک دوسرے کو پوچھیں گے۔

(۲) ایک آیت میں ہے وَلَا يَكْتُمُوْنَ اللّٰهَ حَدِيْثًا (پ ۵ ع ۳) یعنی خدا سے کوئی بات نہیں چھپائیں گے۔ اور دوسری آیت میں ہے۔ وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ (پ ۷ ع ۹) یعنی خدا کی قسم ہم مشرک نہ تھے۔ اس آیت میں انہوں نے چھپایا۔

(۳) سورہ نازعات میں ہے۔ کہ آسمان کو زمین سے پہلے پیدا کیا۔ اور سورہ حٰم سجدہ کی آیہ مذکورہ میں ہے

کہ زمین پہلے پیدا کی۔

(۴) خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا۔ عَزِيْزًا حَكِيْمًا سَمِيْعًا بَصِيْرًا یعنی خدا بخشنے والا مہربان تھا۔ غالب حکمت والا تھا سننے والا دیکھنے والا تھا گویا پہلے زمانہ میں تھا۔ اب نہیں۔ ابن عباسؓ نے جواب میں فرمایا۔

۱۔ پہلے نفخہ میں کوئی نہیں پوچھے گا۔ دوسرے نفخہ میں پوچھیں گے۔

۲۔ جب اللہ تعالیٰ اہل توحید کو بخشے گا۔ تو مشرک کہیں گے۔ آؤ ہم بھی قسم کھائیں کہ ہم مشرک نہ تھے۔ اس کے بعد ان کے منہ پر مہریں لگا دی جائیں گی اور ہاتھ بولیں گے پس اس وقت کچھ نہیں چھپائیں گے۔

۳۔ زمین آسمان سے پہلے پیدا ہوئی ہے اور سورہ نازعات میں زمین کی پیدائش کا ذکر نہیں بلکہ بچھانے کا ذکر ہے۔ اور بچھانے سے مراد اس میں چشمے جاری کرنا اس سے چارہ پیدا کرنا۔ اس میں پہاڑ گاڑنا اونٹ اور ٹیلے اور باقی اشیاء پیدا کرنا ہے۔

۴۔ یہ اوصاف خدا تعالیٰ کے چونکہ قدیمی ہیں۔ اس لئے ماضی کا لفظ استعمال کیا اور یہ مطلب نہیں۔ کہ اب نہیں کیونکہ خدا جب کوئی ارادہ کرے۔ مثلاً کسی کو بخشش رحمت پہنچانی چاہیئے۔ تو اس کو کوئی رکاوٹ نہیں۔ اس لئے اس کے حق میں یہ اوصاف منقطع نہیں۔ (اسی لئے کتب نحو میں کَانَ کی دو قسمیں لکھی ہیں۔ منقطعہ اور دائمہ) پس قرآن مجید تجھ پر مختلف نہ ہو۔ کیونکہ سارا خدا کی طرف سے ہے۔

تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۴۲ پر سورہ سَأَلَ سَائِلٌ کی آیہ فِيْ يَوْمٍ كَانَ مِقْدَارُهٗ خَمْسِيْنَ اَلْفَ سَنَةٍ کے تحت لکھا ہے کہ

ایک شخص نے ابن عباسؓ سے اس دن کے متعلق سوال کیا جس کا اندازہ پچاس ہزار سال ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا یہ (اور سورہ سجدہ میں ہزار سال کا دن) دونوں دن خدا نے اپنی کتاب میں ذکر کیے ہیں۔ خدا کی جو مراد ہے وہ بہتر جانتا ہے۔ میں اللہ کی کتاب میں بغیر علم کے کچھ کہنا مکروہ سمجھتا ہوں۔

یہی حال حدیث کا ہونا چاہیئے۔ کیوں کہ وہ بھی وحی ہے۔ اول تو موافقت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر اتنا علم نہ ہو۔ تو اپنے سے زیادہ علم والے کی طرف رجوع کرے یا پھر توقف کرے۔ جیسے ابن عباسؓ نے کیا۔ مگر مودودی صاحب حدیث سے ظالمانہ برتاؤ کر رہے ہیں دیدہ دانستہ احادیث کو ٹکراتے ہیں۔ اور پھر ان کی تردید

شروع کر دیتے ہیں۔ یہ ان کی درایت ہے۔ جو عموماً حدیث پر ہمیشہ غالب رہتی ہے۔ چنانچہ

مودودی صاحب نے ان احادیث کو جن میں دجال کا ذکر ہے۔ آپس میں ٹکرا کر نتیجہ یہ نکالا ہے۔ کہ یہ محض آپؐ کے قیاسات ہیں حالانکہ خراسان اور اصفہان مدینہ منورہ سے قریباً مشرقی جانب میں۔ اور عراق تو بالکل مشرق میں ہے اور حدیث میں درمیانی علاقہ شام و عراق نہیں آیا بلکہ خَلّة بين الشام والعراق آیا ہے۔ اور خَلّة کے معنے راستہ کے ہیں جو ریگستان میں ہو۔ اور وہ راستہ شام کی نسبت عراق کی طرف زیادہ نزدیک ہو۔ تو وہ بھی قریباً مشرق میں ہو گیا۔

سندھی حاشیہ ابن ماجہ جلد ۲ صفحہ ۵۰۹ میں لکھتے ہیں۔

قَالَ الْقُرْطَبِيّ قَدْ جَاءَ اَنَّهُ مِنْ خُرَاسَانَ وَمِنْ اَصْبَهَانَ وَوَجْهُ الْجَمْعِ اَنَّ مَبْدَأَ خُرُوْجِهٖ مِنْ خُرَاسَانَ من ناحیه اصبهان ثم یخرج الی الحجاز فِيْمَا بَيْنَ الشَّامِ وَالْعِرَاقِ۔

قرطبی کہتے ہیں۔ احادیث میں خراسان سے نکلنے کا بھی ذکر آیا ہے اور اصبہان سے بھی آیا ہے اور موافقت اس طرح ہے۔ کہ ابتداء خروج خراسان سے شہر اصبہان کی جانب سے ہے پھر حجاز کی طرف اس کا خروج شام و عراق کے درمیانی راستہ سے ہو گا۔

کم عقلی

پہلے علماء سب کچھ لکھ گئے ہیں۔ مگر مودودی صاحب کو اپنا علمی مظاہرہ کرنا تھا۔ اس لئے ان کو نئی نئی سوجھتی ہے۔ اور در اصل یہ علمی مظاہرہ نہیں بلکہ اپنی کم عقلی کا مظاہرہ ہے۔ معاذ اللہ آپؐ کوئی شیخ چلی تو تھے ہی نہیں کہ محض اٹکلوں کی بناء پر خیالات کی عمارت چنتے رہیں۔ بلکہ آپؐ کی تو وہ بلند شخصیت ہے جس کے متعلق خدا تعالیٰ ذمہ دارانہ طور پر فرماتے ہیں۔

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى اِنْ هُوَ اِلَّا وَحْيٌ يُّوْحٰى

پھر یہ بھی سوچنا چاہیئے۔ کہ خراسان ایک علاقہ کا نام ہے۔ اور اصبہان ایک شہر ہے اور خَلّہ ریگستان کا راستہ ہے۔ یہ تعینات اس قسم کی پیش گوئی ہے۔ کہ اس میں قیاس کا کوئی دخل ہی نہیں۔ اس کا ذریعہ صرف وحی ہو سکتی ہے۔ مودودی صاحب کو دعویٰ تو اتنا بڑا ہے کہ نبی کی غلطیاں نکالتے ہیں مگر یہ کبھی نہیں سوچا کہ ان چیزوں کے نام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان پر کس طرح آگئے اور دجال کا چکر ان راستوں سے کیوں ہو گا۔ کیا اس کو نکلنے کا کوئی اور راستہ نہیں۔

کاش ! مودودی صاحب اصول حدیث ہی پڑھ لیتے۔ اس میں یہ اصول صاف لکھا ہے کہ اسرائیلیات سے نہ لینے والا صحابی اگر کوئی اس قسم کی خبر دے جس میں رائے قیاس کا دخل نہ ہو۔ تو محدثین اس کو مرفوع شمار کرتے ہیں یعنی وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہوتا ہے کیونکہ صحابہ کے لئے ایسے معلومات کا ذریعہ صرف آپ ہی کی ذات بابرکات تھی۔ تو کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے خدا کی ذات کے سوا کوئی اور ذریعہ تھا ؟ پس اس بناء پر آپ کا ارشاد بطریق اولیٰ وحی ہونا چاہیئے۔ خاص کر جبکہ آپ کے حق میں ذمہ دارانہ فرمان الٰہی وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى بھی موجود ہے لیکن مودودی صاحب کی درایت نے یہ سب باتیں ان کی آنکھ سے اوجھل کر دیں۔ کیا اس سے یہ بہتر نہیں۔ کہ آپ منکرین حدیث میں شامل ہو جائیں۔ اوپر سے اقرار کا لیبل لگا کر اندر سے انکار یہ تو وہی یہود کا ٹیڑھا سجدہ ہے جبکہ ان پر پہاڑ طور اٹھایا گیا۔ آپ کی حکومت الٰہیہ بھی ایسی ہی ہوگی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

پانچواں راستہ :۔ مودودی صاحب کی درایت کا قرآن وحدیث کا آپس میں اختلاف اور ٹکراؤ ہے ابھی ذکر ہوا ہے۔ کہ حدیث بھی وحی ہے اختلاف نہیں ہوتا ہاں ظاہر میں کسی وقت اختلاف معلوم ہو۔ تو اس کی موافقت کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اگر سمجھ میں نہ آئے تو کسی دوسرے کے حوالے کر دے یا توقف کرے۔ اس کی مثالیں بے شمار ہیں۔ حدیثوں کی قسم سے ایسا حقیقی اختلاف نہیں ہوتا بلکہ سرسری اختلاف ہوتا ہے جسکی موافقت کی کوشش کرنی چاہیے

پہلی مثال ۔ قرآن مجید میں ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اُوْتِيَ كِتَابَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَسَوْفَ يُحَاسَبُ حِسَابًا يَّسِيْرًا (پ۳۰ الانشقاق) ترجمہ :۔ جو قیامت کے دن اعمال نامہ اپنے دائیں ہاتھ میں دیا جائے پس وہ حساب کیا جائے گا "حساب آسان" اور حدیث میں ہے۔ مَنْ حُوْسِبَ عُذِّبَ یعنی جس کا حساب کیا گیا۔ اس کو عذاب دیا جائے گا۔

اس آیت وحدیث میں بظاہر مخالفت ہے۔ آیت میں ہے جن کو عمل نامہ دائیں ہاتھ میں ملے گا۔ ان کا حساب ہوگا حساب آسان اور حدیث چاہتی ہے۔ کہ جس کا حساب ہوا اس کو عذاب ہو۔ خواہ حساب آسان ہو یا سختی سے ہو حضرت عائشہ نے یہ شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میں یوں موافقت کی کہ آیت سے مراد دراصل حساب نہیں۔ بلکہ عرض (سامنے کرنا) ہے یعنی دائیں ہاتھ میں عملنامہ ملنے والوں کے گناہ سامنے کر کے کہہ دیا جائے گا۔ یہ تمہارے گناہ معاف کر دیئے گئے۔ تاکہ ان کو پتہ لگے کہ خدا نے ہم پر بڑا احسان کیا ہے اور حدیث کا مطلب یہ ہے کہ مَنْ نُوْقِشَ فِي الْحِسَابِ عُذِّبَ یعنی جو حساب میں کرید کیا گیا۔ اور

ذرا ذرا سی بات کی پوچھ ہوئی۔ تو اس کو ضرور عذاب ہوگا۔ گویا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تاویل کی۔ کہ وہ برائے نام حساب ہے اصل حساب نہیں پس آیت و حدیث میں کوئی مخالفت نہیں۔

۲ **دوسری مثال**:۔ قرآن مجید میں ہے۔ وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَوٰةِ ۖ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا ط (پ۵ ع ۱۲) ترجمہ:۔ جب تم زمین میں سفر کرو۔ تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم نماز قصر (دوگانہ) اگر تمہیں اس بات کا ڈر ہو کہ کہیں کافر تمہیں فتنے میں نہ ڈال دیں۔

حدیث میں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ وغیرہ تشریف لے گئے۔ تو دوگانہ پڑھتے رہے۔ حالانکہ وہاں کسی قسم کا کفار کا ڈر نہ تھا کیونکہ مکہ وغیرہ فتح ہو چکا تھا۔ اور ہر طرح سے امن قائم ہو چکا تھا۔
یہ آیت چاہتی ہے کہ دوگانہ اس وقت ہو جب کفار کا ڈر ہو۔ اور حدیث میں اس شرط کا لحاظ نہیں رکھا گیا۔
حضرت عمرؓ نے یہ شبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر پیش کیا۔ تو آپؐ نے فرمایا۔ صَدَقَةٌ تَصَدَّقَ اللّٰهُ بِهَا فَاقْبَلُوا صَدَقَتَهُ یعنی دو رکعت کی معافی یہ خدا کی طرف سے صدقہ ہے پس اس کا صدقہ قبول کرو۔
آپؐ کا مطلب یہ ہے کہ شروع میں اگرچہ ڈر کی وجہ سے یہ رخصت ہوئی۔ مگر اب اس شرط کی معافی ہے تو گویا یہاں بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آیت کی تاویل کی۔

۳ **تیسری مثال**:۔ بخاری کی حدیث میں ابراہیم علیہ السلام کے متعلق تین جھوٹ بولنے کا ذکر آیا ہے۔ ایک جب بت توڑے اور کفار نے پوچھا کہ یہ کام کس نے کیا ہے؟ تو ابراہیم علیہ السلام نے کہا۔ ان کے بڑے نے کیا ہے۔ دوسرے جب قوم اپنے میلہ پر جانے لگی۔ تو ابراہیم کو بھی ساتھ لے جانا چاہا۔ آپؐ نے ویسے ستارں کی طرف نظر کر کے کہہ دیا۔ کہ میں بیمار ہوں۔ تیسرے عراق سے شام کی طرف جب ہجرت کی تو راستہ میں ایک ظالم بادشاہ نے آپ کی بیوی سارہؑ کو پکڑ لیا۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا کہ یہ تیری کیا لگتی ہے؟ تو کہا میری بہن ہے۔ کیونکہ اگر بیوی کہتے تو وہ آپ کو قتل کر دیتا۔ چنانچہ خاوند کو قتل کر دینا اس کا دستور تھا۔ یہ تین جھوٹ حدیث میں مذکور ہیں۔ ایک جان بچانے کے لئے اور دو اللہ کے راستہ میں اور یہ دونوں (جو اللہ کے راستہ میں ہیں) قرآن مجید میں بھی موجود ہیں اور تیسرا جو صرف حدیث میں ہے۔ اس کے متعلق اس حدیث میں صاف یہ الفاظ ہیں۔ میں نے بہن اس بنا پر کہا ہے کہ تو میری اسلامی بہن ہے۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ یہاں شکل جھوٹ کی ہے۔ دراصل جھوٹ نہیں لیکن باوجود اس کے مودودی صاحب ترجمان القرآن جلد ۵ صہ ۲۸۲ بابت دسمبر ۱۹۵۵ء

یں اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔ کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔ کیونکہ قرآن مجید میں ابراہیم علیہ السلام کو صدیق (بڑا سچا) کہا ہے حالانکہ دو جھوٹ جب قرآن مجید میں موجود ہیں۔ تو دراصل یہ قرآن مجید پر اعتراض ہے نہ کہ حدیث پر۔ اگر کہا جائے کہ حدیث میں ان پر جھوٹ کا لفظ بولا ہے۔ قرآن میں جھوٹ کا لفظ نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جھوٹ کا لفظ بولنے سے حقیقت پر تو پردہ نہیں پڑ سکتا۔ جو واقعہ میں جھوٹ ہے وہ جھوٹ ہی ہے۔ لفظ خواہ بولو یا نہ۔ پھر جو حرف حدیث میں ہے۔ اس کے متعلق حدیث نے بتا دیا۔ کہ وہ واقعہ میں جھوٹ نہیں۔ بلکہ صرف شکل اس کی جھوٹ کی ہے۔ مگر باوجود اس کے یہ لوگ صرف حدیث پر ہی آوازے کس رہے ہیں۔ اصل بات یہ ہے۔ قرآن مجید کی تفسیر پہلے قرآن مجید سے کرنی چاہیئے۔ پھر حدیث سے پھر آثارِ سلف سے۔ قرآن مجید نے جو صدیق کا معنی بیان کیا ہے۔ وہ حسب ذیل آیت میں ہے۔ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ (پ ۲۷ ع ۱۸) ترجمہ:۔ جو اللہ اور رسول کے ساتھ ایمان لاتے ہیں۔ وہی صدیق ہیں۔ اللہ رسول کے ساتھ ایمان لانے میں ان باتوں پر ایمان لانا بھی داخل ہے۔ جو اللہ رسول نے فرمائی ہیں۔

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ جان بچانے کے لئے جھوٹ بولنا جائز ہے جو توریہ کی قسم سے ہے چنانچہ بخاری شریف کی اسی حدیث میں ہے جس میں بیوی کو بہن کہا ہے کہ اخوت سے اخوت اسلامی مراد ہے اور توحید سمجھانے کے لئے حیلہ کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے۔ جیسے ابراہیم علیہ السلام نے بتوں کو توڑ کر کہا کہ یہ کام ان کے بڑے نے کیا ہے۔ اسی طرح قرآن مجید میں ہے۔ کہ ابراہیم علیہ السلام نے کہا میں بیمار ہوں۔ (بیماری سے مراد دل کی پریشانی ہے) مگر ستاروں میں نظر کر کے بیمار کہنے سے قوم کو دھوکا دیا۔ کہ ان کی مراد جسمانی بیماری ہے)

اِسی طرح یوسف علیہ السلام نے غلّہ کی بوریوں میں شاہی پیمانہ رکھا کر بھائیوں کو چور کہلوایا۔ اس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

كَذٰلِكَ كِدْنَا لِيُوْسُفَ (یہ حیلہ ہم نے یوسفؑ کو سکھلایا) پس جب تک اس قسم کی باتوں پر کوئی ایمان نہ لائے وہ بحکم آیہ کریمہ مذکورہ بالا (وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرُسُلِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصِّدِّيْقُوْنَ) صدیق نہیں ہو سکتا۔ پس صحیح معنی صدیق کا وہی ہے جو کہ قرآن مجید نے خود بیان کر دیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ صدیق وہ ہے جس کا تعلق خدا و رسول سے سچا ہو۔

مودودی اور حدیث | مودودی صاحب کا خیال ہے۔ کہ صحت وضعف احادیث میں محدثین کے قواعد

کی پابندی ہم پر ضروری نہیں اس کا بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"ان (محدثین) کی نگاہ میں احادیث کے معتبر یا غیر معتبر ہونے کا جو معیار ہے ٹھیک ٹھیک اسی معیار کی ہم بھی پابندی کر دیں۔ مثلاً مشہور (حدیث) کو شاذ پر، مرفوع کو مرسل پر، اور مسلسل کو منقطع پر لازماً ترجیح دیں۔ اور ان کی کھینچی ہوئی حد سے یک سرِ مو تجاوز نہ کریں۔ یہی وہ مسلک ہے، جس کی شدت نے بہت سے کم علم لوگوں کو حدیث کی کلی مخالفت ..... کی طرف دھکیل دیا ہے"

(تفہیمات ص۱۱۸)

مودودی صاحب کی مثال اندھوں میں کانا راجہ کی ہے۔ اِن کی جماعت خدا جانے علمی میدان میں ان کو کتنا بڑا انسان سمجھتی ہے۔ کہ ان کی اندھی تقلید کر رہی ہے حالانکہ حال ان کا یہ ہے۔ کہ جس فن پر وہ تنقید کر رہے ہیں۔ اس کے معمولی مسائل کا بھی پتہ نہیں۔ شاذ کے مقابلہ میں محفوظ ہے اور مرفوع کے مقابلہ میں موقوف ہے اور منقطع کے مقابلہ میں متصل ہے۔ مودودی صاحب چونکہ زمانہ حال کے مجدّد ہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ ہر چیز میں جدت پیدا کریں اور جماعت کی طرف سے آواز آئے سُبحان اللہ ۔

یہ ٹھہرے ہیں دیں کے رہنما اب

لقب ان کا ہے وارثِ انبیاء اب

اصل بات یہ ہے۔ کہ کامل اُستاد کے بغیر انسان کا علم پختہ نہیں ہوتا۔ اور جب علم پختہ نہ ہو۔ تو پھر ان کی بات کا توازن قائم نہیں رہتا۔ مودودی صاحب نے حدیث کا پایا جتنا بلند کیا تھا۔ ظن کی دلدل میں پھنس کر اتنا ہی اس کو نیچے گرا دیا۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔

۱۔ "احادیث چند انسانوں سے چند انسانوں تک پہنچی ہیں۔ جن سے اگر کوئی چیز حد سے ثابت ہو سکتی ہے۔ تو وہ گمانِ صحت ہے نہ علم یقین" (ترجمان القرآن ربیع الاول ۱۳۶۵ھ)

۲۔ "یہ بھی مسلم کہ نقدِ احادیث کے لئے جو مواد انہوں نے فراہم کیا ہے۔ وہ صدرِ اوّل کے اخبار و آثار کی تحقیق میں بہت کارآمد ہے۔ کلام اس میں نہیں۔ بلکہ اس امر میں ہے۔ کہ کلیتہً ان پر اعتماد کرنا کہاں تک درست ہے؟ وہ بہرحال تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرۃ اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں۔ ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے" (تفہیمات ص۳۱۸)

۳۔ دوسری اہم چیز سلسلہ اسناد ہے محدثین نے ایک ایک حدیث کے متعلق یہ تحقیق کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ راوی جس شخص سے روایت لیتا ہے آیا اس کا ہمعصر تھا یا نہیں۔ ہم عصر تھا۔ تو اس سے ملا بھی تھا یا نہیں اور ملا تھا۔ تو آیا یہ خاص حدیث خود اس سے سُنی یا کسی اور سے سُن لی۔ اور اس کا حوالہ نہیں دیا۔ ان سب چیزوں کی تحقیق کہ یہ سب امور ان کو ٹھیک ٹھیک معلوم ہو گئے ہوں، بہت ممکن ہے کہ جس روایت کو متصل السند قرار دیتے رہے ہیں۔ وہ درحقیقت منقطع ہو۔ اور انہیں یہ معلوم نہ ہو سکا ہو۔ کہ بیچ میں کوئی ایسا مجہول الحال راوی چھوٹ گیا ہے۔ جو ثقہ نہ تھا۔ اسی طرح یہ بھی ممکن ہے کہ جو روائتیں مرسل یا معضل یا منقطع ہیں اور اس بنا پر یہ اعتبار سے گری ہوئی سمجھی جاتی ہیں۔ ان میں سے بعض ثقہ راویوں سے آئی ہوں اور بالکل صحیح ہوں۔ اور ایسے ہی بہت سے امور ہیں۔ جن کی بناء پر اسناد اور جرح تعدیل کے علم کو کلیتہً صحیح نہیں سمجھا جا سکتا۔ یہ مواد اس حد تک قابل اعتماد ضرور ہے۔ کہ سنّتِ نبوی اور آثار صحابہ کی تحقیق میں اس سے مدد لی جائے اور اس کا مناسب لحاظ کیا جائے۔ مگر اس قابل نہیں ہے کہ بالکل اس پر اعتماد کر لیا جائے۔"

(تفہیمات ص ۳۲۱/۳۲۲)

۴۔ کیا ضرور ہے کہ جس کو انہوں (محدثین) نے ثقہ قرار دیا ہو۔ وہ بالیقین ثقہ اور تمام روایتوں میں ثقہ ہو۔ اور جس کو انہوں نے غیر ثقہ ٹھہرایا ہو۔ وہ بالیقین غیر ثقہ ہو اور اس کی تمام روائتیں پایہ اعتبار سے ساقط ہوں۔"

(تفہیمات ص ۳۲۱/۳۲۲)

۵۔ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔ کہ جس کو وہ (محدثین) صحیح قرار دیتے ہیں۔ وہ درحقیقت صحیح ہے۔ صحت کا کامل یقین تو ان کو بھی نہ تھا۔ وہ بھی زیادہ سے زیادہ یہی کہتے تھے۔ کہ اس حدیث کی صحت کا ظن غالب ہے۔ مزید برآں یہ کہ ظن غالب جس بناء پر ان کو حاصل تھا۔ وہ بلحاظ روایت نہ کہ بلحاظ درایت ان کا نقطہ نظر زیادہ تر اخباری ہوتا تھا۔ فقہ ان کا اصل موضوع نہ تھا۔ اس لئے فقیہانہ نظر سے احادیث کے متعلق رائے قائم کرنے میں وہ فقہا مجتہدین کی نسبت کمزور تھے پس ان کے کمالات کا جائزہ اعتراف کرتے ہوئے یہ ماننا پڑے گا۔ کہ احادیث کے متعلق جو کچھ بھی تحقیقات انہوں نے کی ہے۔ اس میں دو طرح کی کمزوریاں موجود ہیں۔ ایک بلحاظ اسناد دوسرے بلحاظ تفقہ۔

(تفہیمات ص ۳۱۹)

۶۔ محدثین رحمہم اللہ کا خاص موضوع اخبار و آثار کی تحقیق بلحاظ روایت کرنا تھا۔ اس لئے ان پر اخباری نقطہ نظر غالب ہو گیا تھا۔ اور وہ روایت کو معتبر غیر معتبر قرار دینے میں زیادہ تر صرف اسی چیز کا لحاظ فرماتے تھے۔ کہ اسناد اور رجال کے لحاظ سے وہ کیسی ہیں۔ رہا فقیہانہ نقطہ نظر تو وہ ان کے موضوع خاص سے ایک حد تک غیر متعلق تھا اس لئے اکثر وہ ان کی نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا تھا اور وہ روایات پر اس حیثیت سے کم ہی نگاہ ڈالتے تھے۔ اسی وجہ سے اکثر ایسا ہوا ہے کہ ایک روایت کو انہوں نے صحیح قرار دیا ہے حالانکہ معنی کے لحاظ سے وہ زیادہ اعتبار کے قابل نہیں۔ اور ایک دوسری روایت کو وہ قلیل الاعتبار قرار دے گئے ہیں۔ حالانکہ معنیٰ وہ صحیح معلوم ہوتی ہے۔ یہاں اس کا موقع نہیں۔ کہ مثالیں دے کر تفصیل کے ساتھ اس پہلو کی توضیح کی جائے۔ مگر جو لوگ امورِ شریعت میں نظر رکھتے ہیں۔ ان سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ محدثانہ نقطہ نظر بکثرت مواقع پر فقیہانہ نقطہ نظر سے ٹکرا گیا ہے۔ اور محدثین صحیح احادیث سے استنباط احکام و مسائل میں وہ توازن اور اعتدال ملحوظ نہیں رکھ سکے ہیں جو فقیہانہ مجتہدین نے رکھا ہے۔" (تفہیمات ص۳۲۲)

۷۔ یہ بات ناقابل انکار ہے کہ جیسا مستند اور معتبر ذریعہ قرآن مجید ہے ویسا مستند اور معتبر ذریعہ حدیث نہیں ہے۔ اس لئے صحت کا اصلی معیار قرآن ہی ہونا چاہیئے۔" (تفہیمات ص۳۲۹)

۸۔ احادیث کسی مسئلہ میں حجت نہیں قرار پا سکتیں۔" (ترجمان القرآن فروری ۴۶ء)

بعض گمراہ فرقے ایسے گذرے ہیں۔ جن کا دماغی توازن قائم نہیں ہوتا۔ وہ واقعات سے بالاتر ہو کر ایسی ادھیڑ بنت میں لگے رہتے ہیں۔ جس میں مودودی صاحب لگے ہوئے ہیں۔ مثلاً ایک کہتا ہے۔ ساری امّت گمراہی پر جمع ہو سکتی ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ:۔

"ہر ایک آدمی سے خطا ممکن الوقوع ہے۔ تو سب سے بھی ممکن ہے۔ جیسے یہ کہا جائے۔ کہ ہر ایک حبشی سیاہ ہے۔ تو سب حبشی بھی سیاہ ہوں گے۔" (رسالہ اجتہاد و تقلید ثنائی ص۳۷)

"دوسرا اس پر تفریح کرتا ہوا یہ کہتا ہے۔ کہ قرآن مجید جن کی معرفت ہم تک پہنچا ہے۔ وہ تعداد میں خواہ کتنے ہی ہوں۔ آخر تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو فطرۃ اللہ نے حدیں مقرر کر رکھی ہیں۔ ان سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے۔ انسانی کاموں میں جو نقص فطری طور پر رہ جاتا ہے اس سے تو ان کے کام محفوظ نہ تھے۔ اور جب ہر فرد انسان اس فطرت کے تحت ہے تو مجموعہ

بھی اس فطرت کے تحت ہے۔ اس بناء پر قرآن مجید میں بھی غلطی کا امکان ہو گیا۔"
(کتاب تعریف اہل سنّت ص۳۰۲)

تیسرا کہتا ہے۔ کہ نقل سے یقین حاصل نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ منطق کی کتاب حمد اللہ کے ص۲۲۲ پر صناعت خمس کی بحث میں معتزلہ اور جمہور اشعریہ کا مذہب لکھا ہے اور ان کی دلیل یہ ذکر کی ہے۔ کہ اوّل تو ایک لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوتا ہے پھر متکلم کے ارادے کا علم مشکل ہے۔ کہ اس نے کون سا معنے ارادہ کیا ہے۔ حقیقی یا مجازی عام یا خاص مطلق یا مقید اور کبھی یہ بھی شبہ ہو جاتا ہے کہ شاید یہ حکم منسوخ ہو اور ناسخ کا علم نہ ہوا ہو۔ نیز ناقل بعض دفعہ جھوٹا ہوتا ہے۔ یا اس کی طبیعت میں تکاسل (طبعاً سست ہونا) ہوتا ہے۔ اور اس کو ثقہ سمجھ لیا جاتا ہے۔ اور بعض دفعہ ثقہ سے بھی غلطی ہو جاتی ہے۔

غرض اس قسم کے بہت سے شبہات ہو جاتے ہیں۔ تو نقل پر کس طرح یقین ہو سکتا ہے۔ گویا ان لوگوں کے نزدیک نہ علوم عربیہ کا کوئی مسئلہ قطعی ہے نہ اسلام کا کوئی عقیدہ یقینی ہے گویا جنّت، دوزخ، حساب، کتاب۔ حشر نشر کوئی بھی یقینی نہیں۔ اسی طرح نماز روزہ حج زکوٰۃ وغیرہ بلکہ اس بات پر بھی یقین نہیں۔ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص مدعی نبوت عرب میں گذرے ہیں۔ اور ان پر یہ کتاب اُتری ہے۔ جو اہلِ اسلام کے ہاتھ میں ہے۔ بلکہ اس پر بھی یقین نہیں۔ کہ مکّہ مدینہ وہی شہر ہیں جن میں قرآن مجید اُترا تھا۔ بلکہ اس سے یہ بھی لازم آتا ہے کہ جن لوگوں نے مکّہ مدینہ قسطنطنیہ لندن وغیرہ شہر نہیں دیکھے۔ ان کو ان شہروں کے وجود پر یقین نہ ہو۔ کہ یہ بھی دُنیا میں شہر بس رہے ہیں وغیرہ وغیرہ۔ لیجئے سب کچھ صفا ہو گیا ؎

مجرد سب سے اعلیٰ ہے نہ جورو ہے نہ سالا ہے

غرض اس قسم کی موشگافیاں کرنے والوں کی دُنیا میں کمی نہیں۔ جو وہم و خیالات کی عمارت اتنی بلند کرتے ہیں جو شاعرانہ تخیل سے بھی آگے گذر جاتی ہے۔ جس کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتے ہیں۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّهُمْ فِیْ كُلِّ وَادٍ یَّهِیْمُوْنَ یعنی شاعر ہر جنگل میں حیران پھرتے ہیں۔ اب مودودی صاحب بھی اس میدان میں اُترے ہیں۔ اور قلم کی ایک جنبش سے دُنیا کا سارا سلسلہ ہی تہ بالا کر دیا ہے۔ کسی قابل اُستاد کی کفش برداری کی ہوتی۔ تو اتنی بڑی لغزش نہ کھاتے۔ جس سے اسلامی دفتر پر پانی پھر جاتا۔ فقہا اور محدثین کی ظن کے متعلق ایک معمولی سی اصطلاح نہ سمجھنے کی وجہ سے یوں دماغ لڑانا شروع کر دیا ہے۔ کہ ثقہ غیر ثقہ ہو سکتا ہے۔ اور صحیح غیر صحیح وغیرہ وغیرہ اور یہ نہیں سمجھتے کہ خدا کی خدائی میں کیا نہیں ہو سکتا۔ کیا محمد صلے اللہ علیہ وسلّم کی نسل یا آپ کی اتباع سے نیا نبی اب نہیں ہو

سکتا؛ اتباع سے نبی ہو سکتا ہے۔ کیا خدا اب قادر نہیں رہا؛ سوال تو ہونے سے ہے نہ ہو سکنے سے۔

بے شک ثقہ غیر ثقہ سب کچھ ہو سکتا ہے۔ مگر دیکھنا یہ ہے۔ کہ ہے بھی کہ نہیں محدثین نے تو اپنی تحقیقات سے ثابت کر دیا کہ یہ ثقہ ہے۔ اب آپ اپنی تحقیقات کا نیا دفتر کھولیں جس سے اس کے غیر ثقہ ہونے کا علم ہو۔ جب تحقیق کے تمام معتبر ذرائع جو انسان کے امکان میں ہیں۔ وہ محدثین نے استعمال کر لئے ہیں۔ تو اب آپ کے ہاتھ میں امکان بھی نہ رہا۔

مودودی صاحب کیا سہل انگاری سے لکھتے ہیں:۔

"تھے تو انسان ہی۔ انسان کے لئے جو حدیں فطرت اللہ نے مقرر کر رکھی ہیں اُن سے آگے تو وہ نہیں جا سکتے۔"

تو جناب عالی آپ کون ہیں۔ فرشتہ ہیں یا مقام نبوّت کو پہنچ گئے ہیں گر آپ کا مقام بھی انسانی حدود ہی ہیں۔ تو پھر آپ کا "ہو سکنا" محدثین کے "ہونے" کے مقابلہ میں کیا حیثیت رکھتا ہے؛ شاید آپ نے کسی عدالت میں پیش ہو کر کبھی کہا ہوگا۔ کہ فلاں گواہ جس کو آپ معتبر سمجھ رہے ہیں۔ مجھے اس کی گواہی میں شک ہے کیونکہ ہو سکتا ہے کہ یہ غیر ثقہ ہو۔ ہو سکتا ہے کہ یہ جھوٹ بولتا ہو۔ مارشل لاء کے دلوں میں تو ضرور ایسا معاملہ پیش آیا ہوگا اور عدالت نے آپ کا یہ اعتراض معقول سمجھ کر ضرور مقدمہ خارج کر دیا ہوگا۔ اگر آپ انکار کریں اور کہیں کہ ایسا معاملہ پیش نہیں آیا۔ تو ہو سکتا ہے آپ بھول گئے ہوں ہو سکتا ہے کہ آپ کے حافظہ میں اختلاط آگیا ہو۔ اور اگر آپ کا یہ اعتراض عدالت نے نہیں سُنا۔ تو ہو سکتا ہے کہ آپ اپنا وقار قائم رکھنے کے لئے دیدہ دانستہ اس معاملہ کے پیش آنے سے انکار کرتے ہوں۔ تاکہ لوگوں میں خفت نہ ہو کہ عدالت نے اعتراض نہیں سُنا۔

مولٰنا صاحب! یہ بھی ہو سکتا ہے۔ کہ ایک بیڑہ سمندر میں جا رہا ہو۔ پھر ہو سکتا ہے کہ طوفان کے تھپیڑوں میں آکر پھٹ گیا ہو۔ پھر ہو سکتا ہے کہ ایک پھٹہ پر بیگانے دو مرد عورت رہ گئے ہوں۔ پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کسی جزیرے میں اُترے ہوں اور پھر یہ بھی ہو سکتا ہے کہ پیٹ کی فکر کی بجائے دوسری خواہش غالب آگئی ہو نتیجہ ظاہر ہے کہ متعہ جائز ہے۔ . . . . قارئین کرام! یہ ہم اپنی طرف سے نہیں کہہ رہے۔ بلکہ یہ متعہ کے جواز کی دلیل آج کل مولٰنا صاحب کے ماہوار رسالہ ترجمان القرآن کے صفحات کی زینت بنی ہوئی ہے۔

مولانا صاحب! آپ نے محدثین اور فقہا کے ظن کو اپنے روز مرّہ کی بول چال کا ظن سمجھ کر کس قدر گمراہی پھیلائی ہے۔ کہ کوئی چیز بھی صحیح طریق پر نہیں رہ سکتی۔ یہ سب بے استادی کے نتائج ہیں۔

روایات سے کیا مراد ہے؟

سوال :- بکر کہتا ہے کہ جو احادیث حدیث کی کتابوں میں ہمیں دکھائی دیتی ہیں۔ ان کو ہم مختلف صحابہؓ کی روایات تو کہہ سکتے ہیں۔ مگر ان کو سُنّت یعنی طریقہ نبویہ نہیں کہہ سکتے اور نہ سنّت صحابہؓ کیا اس قسم کے الفاظ سے احادیث کا انکار لازم نہیں آتا؟ ایسے شخص کا کیا حکم ہے؟

جواب :- اگر روایات کہنے سے بکر کی یہ مراد ہے کہ احادیث کے الفاظ طریقہ نبویہ کی حکایت اور بیان ہیں۔ اور طریقہ نبویہ ان کا مبین ہے اور محکی عنہ ہے تو یہ مطلب صحیح ہے اور اگر یہ مراد ہے کہ یہ الفاظ طریقہ نبویہ کا بیان نہیں اور نہ صحابہؓ کے طریق کا ان سے پتہ لگتا ہے تو یہ غلط ہے اور یہ شخص گمراہ ہے۔ اس کو فوراً امامت سے الگ کر دینا چاہیئے اس طرح تو قرآن مجید بھی کوئی شے نہیں رہتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۵ جمادی الثانی ۱۳۸۰ھ

سیّد عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

سوال :- کیا شاہ عبدالقادر جیلانیؒ حنبلی مقلد تھے؟

جواب :- شاہ عبدالقادرؒ کو حنبلی کہنا غلطی ہے امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ ولی مقلد نہیں ہوتا علاوہ ازیں وہ دو اماموں کے مذہب پر فتویٰ دیتے تھے۔ اس سے بھی ظاہر ہے کہ وہ تقلید شخصی کے قائل نہیں تھے بلکہ دلیل کی رو سے جس کا مذہب راجح پاتے اس پر فتویٰ دیتے اور امام احمدؒ کے مذہب پر خاتمہ کا یہ مطلب ہے کہ اہلِ حدیث کے مذہب پر خاتمہ کر کیونکہ امام احمدؒ کا مذہب اوروں کی نسبت قرآن و حدیث کے زیادہ قریب ہے نیز وہ اصل اہل حدیث تھے۔ اس لئے شاہ ولی اللہؒ نے انصاف میں ان کو محقق اہلِ سنّت شمار کیا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۸ رجب ۱۳۵۹ھ

اختلاف ائمہ اربعہؒ و اختلاف صحابہؓ

سوال :- ائمہ اربعہؒ کا اختلاف مثل اختلاف صحابہؓ ہے یا اس میں فرق ہے؟

ابو محمد جے پوری

جواب:۔ ائمہ اربعہؒ کا اختلاف قریب قریب صحابہؓ کے اختلاف کے ہے مگر امام ابوحنیفہؒ نے ذرا قیاس کو زیادہ دخل دیا ہے (کاش ایسا نہ کرتے) اس لئے اہل الرائے کہلائے۔ عبداللہ روپڑی ۱۴؍۳؍۲

مولانا تھانوی کا تعصّب

اخبار اہل حدیث مورخہ ۱۲ جمادی الاول ۱۳۵۲ھ میں مولانا ثناءاللہ صاحب نے مولوی اشرف علی تھانوی کا تعارف کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ مولانا اشرف علی صاحب مقیم بھون تھانہ کو میں اس وقت سے جانتا ہوں جبکہ آپ جامع العلوم کانپور میں مدرس تھے اور مولود کی مجالس میں شریک ہوا کرتے تھے۔ اس کے بعد آپ دیوبندی خیال کے ہوگئے۔ آپ مسئلہ تقلید اور اہل حدیث کے متعلق جو کچھ فرماتے ہیں وہ محض سطحی ہوتا ہے۔ اہل حدیث سے آپ کو اتنا تنافر ہے کہ حافظ عزیزالدین صاحب مرادآبادی مصنف اکمل البیان آپ سے بیعت تھے موصوف کے غیر مقلد ہوجانے کی خبر جب ممدوح کو پہنچی تو آپ نے ان کو بذریعہ خط اطلاع دی کہ چونکہ تم غیر مقلد ہوگئے ہو اس لئے میں اپنے سلسلہ بیعت سے تم کو خارج کرتا ہوں۔

محدث روپڑی نے اس کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرمایا: بعض احباب احناف وغیر احناف کہا کرتے ہیں کہ لوگ مولوی اشرف علی تھانوی سے بہت فیض اٹھاتے ہیں۔ آپ ان کو کیوں اچھا نہیں سمجھتے۔ اس کے جواب میں مولانا اشرف علی کی ایک دو عبارتیں سُنا دیا کرتا ہوں۔ چنانچہ مولوی صاحب موصوف نے رسالہ مجموعہ جوء عشر دروس کے درس عاشر صفحہ ۱۰ پر لکھا ہے۔

اَمَّا الْمُصَنِّفُوْنَ فَاَنْفَعُهُمْ تَصْنِيْفًا لِلْعَوَامِ مولانا قطب الدین الدهلوی الی ان قال واضرهم تَصْنِيْفًا النيجريُوْنَ الْكِبَارُ مِنْهُمْ وَالصِّغَارُ وَغَيْرُ الْمُقَلِّدِيْنَ وَالْمُبْتَدِعُوْنَ

یعنی عوام کے لئے سب سے مفید تصانیف مولانا قطب الدین دہلوی مولانا رشید احمد گنگوہی اور مولانا عبدالحی لکھنوی وغیرہ کی ہیں۔ اور سب سے زیادہ مضر تصانیف چھوٹے بڑے نیچریوں غیر مقلدوں اور اہل بدعت کی ہیں۔ اس سے آگے لکھا ہے۔

وَاَمَّا الْمَذَاهِبُ فَاَهْلُ الْحَقِّ مِنْهُمْ اَهْلُ السُّنَّةِ وَالْجَمَاعَةِ الْمُنْحَصِرُوْنَ بِاِجْمَاعِ مَنْ يُعْتَدُّ بِهِمْ فِي الْحَنِيْفَةِ وَالشَّافِعِيَّةِ وَالْمَالِكِيَّةِ وَالْحَنَابِلَةِ وَاَهْلُ الْاَهْوَاءِ مِنْهُمْ غَيْرُ الْمُقَلِّدِيْنَ الَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ اِتِّبَاعَ الْحَدِيْثِ وَاَنّٰى لَهُمْ ذَالِكَ۔

یعنی مذاہب میں اہل حق اہلِ سُنّت والجماعت ہیں۔ اور اہل ہوا گمراہ غیر مقلدین ہیں جو اتباع حدیث کا دعویٰ کرتے ہیں حالانکہ اتباع حدیث ان کو کہاں حاصل ہو سکتی ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی کی یہ ہے بزرگی اہلِ حق کو گمراہ کہہ کر آپ اہلِ حق بنتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ۴ جمادی الاخری ۱۳۵۳ھ

سوال:۔ امام ابوحنیفہؒ اور ان کے شاگردوں میں اختلاف کے وقت ترجیح کس کو ہوگی؟

جواب:۔ عبادات میں ہمیشہ فتویٰ امام ابوحنیفہؒ کے قول پر ہوگا۔ اور مسائل ذوی الارحام میں امام محمدؒ کے قول پر۔ مسائل وقف۔ قضا اور شہادات میں امام ابو یوسف کے قول پر اور سترہ مسئلوں میں امام زفرؒ کے قول پر چنانچہ ردالمختار جلد ا صفحہ ۵۳ اور جلد ۳ صفحہ ۴۰۵ میں اس کی تصریح ہے۔ مگر عبدالغنیؒ اس کے خلاف ہیں۔ وہ نماز میں صرف امام ابوحنیفہؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے۔ باقی مسائل خواہ عبادات ہوں یا غیر عبادات سب میں امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کے قول پر فتویٰ دیتے تھے ملاحظہ ہو ردالمختار جلد ا صفحہ ۱۶۱

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۱ رجب المرجب ۱۳۸۰ھ

سوال:۔ ابنِ عربی کے اچھا ہونے کی نسبت علماء مختلف ہیں فیصلہ کن بات کیا ہے؟

جواب:۔ جب مسائل میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے۔ ایسے ہی کسی کی نسبت فتویٰ لگانے میں بھی اختلاف رائے ہو جاتا ہے۔ جس کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ انسان کی حالت ہمیشہ ایک نہیں رہتی۔ ایک وقت انسان سے لغزش ہو جاتی ہے تو دوسرے وقت رجوع کر لیتا ہے۔ کسی کو رجوع کا پتہ لگتا ہے کسی کو نہیں لگتا جس کو لگ گیا۔ اس نے اس پر نیک گمان کیا اور دوسرا بدستور بدگمان رہا۔ کبھی غلطی پر اطلاع نہیں ہوتی۔ تو انسان اسی طرح غلطی پر گزر جاتا ہے۔ جن کو حالات کا پورا علم نہیں ہوتا وہ تو صرف غلطی دیکھ کر بدگمان ہو جاتے ہیں۔ اور جو پورے واقف ہوتے ہیں۔ وہ جانتے ہیں۔ کہ یہ دیدہ دانستہ اس غلطی پر نہیں تھا۔ بلکہ اس کا باعث بے خبری تھی اور کبھی ایک بات ایک کی نظر میں گمراہی ہوتی ہے۔ دوسرے کی نظر میں گمراہی نہیں ہوتی۔ اس لئے بھی فتویٰ میں اختلاف ہو جاتا ہے۔ غرض اس قسم کے وجوہات پیدا ہو کر اختلاف رائے کا باعث بن جاتے ہیں۔ اور بعض دفعہ ہٹ دھرمی کے طور پر بھی کسی کو اچھا برا کہا جاتا ہے۔ مگر خیر امام ابن تیمیہؒ اور امام ابن قیمؒ یا علامہ شوکانیؒ وغیرہ تو ایسے شخص نہ تھے۔ کہ ان کے فتویٰ اس قسم کے ہوں۔ ان کے فتووں کے وجوہات تو وہی پہلے ہیں۔

اب ہمیں اس موقعہ پر کیا کرنا چاہیئے۔ جو بات ان کی غلط ہے۔ اس کو غلط کہنا چاہیئے اور ان کی ذات

کی نسبت اس آیت پر عمل کرنا چاہیئے۔

تلك امة قد خلت لها ما كسبت ولكم ما كسبتم ولا تسئلون عما كانوا يعملون۔ یہ امت تحقیق گزر چکی اس کے لئے ہے جو کچھ اس نے کمایا اور تمہارے لئے ہے جو کچھ تم نے کمایا اور تم ان کے عمل سے نہیں پوچھے جاؤ گے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ فروری ۱۹۶۰ء

سوال شریعت اور طریقت الگ الگ دو مفہوم ہیں یا ایک ہی مفہوم کے دو الگ الگ نام ہیں؟

جواب:۔ یہ مسئلہ بہت تفصیل طلب ہے ہم اس پر کچھ زیادہ لکھنا چاہتے تھے۔ لیکن عدیم الفرصت کے باعث مختصر مضمون پر اکتفا کرتے ہیں۔ پھر کسی فرصت کے وقت اس پر زیادہ روشنی ڈالی جائے گی۔ انشاء اللہ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں اور اس کے بعد خیر قرون میں شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت وغیرہ کوئی خاص اصطلاحیں نہ تھیں صرف شریعت کا لفظ دین کے معنی میں استعمال ہوتا تھا باقی الفاظ قریباً اپنے لغوی معنی پر تھے۔ اس کے بعد جیسے فقہ والوں نے احکام کے درجات تبلانے کی غرض سے فرض واجب وغیرہ اصطلاحات مقرر کیں، اسی طرح صوفیائے کرام نے تہذیب اخلاق یعنی علم تصوّف میں سلوک عبد کے درجات ظاہر کرنے کی غرض سے یہ الفاظ مقرر کئے۔ مثلاً شریعت عقائد اور ظاہری احکام کا نام رکھا جیسے نماز ــ روزہ وغیرہ۔ طریقت ان پر عمل کرنے میں ریاضت اور مجاہدہ نفس کرنا اور اپنے اندر اخلاص اور للّٰہیت پیدا کرنا۔ حقیقت ان کے اسرار پر مطلع ہو کر اپنا عمل اس کے مطابق کرنا جیسے شاہ ولی اللہ صاحب نے حجۃ اللہ البالغہ میں ان احکام کے اسرار لکھے یا نفس اور دل کے امراض پر مطلع ہو کر ہر ایک مرض کا مناسب علاج کرنا اور باطنی صحت کو قائم رکھنے کے اسباب پیدا کرنا۔ معرفت۔ کشف اور مراقبہ کی حالت ہے جو یقین اور اطمینان قلبی کا اعلیٰ مقام ہے اس وقت اللہ کے سوا کسی شئے کی طرف نظر نہیں رہتی اور ذکر الٰہی میں وہ حلاوت اور لذّت پاتا ہے کہ کوئی لذّت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی بلکہ ذکر الٰہی ایک طرح سے اس کی غذا ہو جاتا ہے جس کے بغیر اس کی زندگی مشکل ہے۔

مثال ان چار مراتب کی مثال درخت کی سی ہے۔ مثلاً درخت کے لئے جڑیں اور تنا ہے ان کے بغیر درخت کا وجود ہی نہیں۔ پھر ٹہنے اور شاخیں ہیں یہ بھی درخت کے لئے لازمی ہیں۔ پھر پھل ہے پھر اس کی لذّت ہے۔ ٹھیک اسی طرح تصوف ہے۔ شریعت کے بغیر تو تصوف کوئی چیز ہی نہیں نہ وہاں طریقت ہے نہ حقیقت نہ معرفت کیونکہ شریعت بمنزلہ جڑ اور تنے کے ہے۔ اس کے بعد طریقت کا مرتبہ ہے جو بمنزلہ

ٹہنوں اور شاخوں کے ہے۔ اس کے بغیر بھی تصوف کالعدم ہے۔ پھر حقیقت پھل کے قائمقام ہے اور معرفت اس کی لذت کے قائمقام ہے۔ جیسے درخت پھل اور اس کی لذت کے بغیر کامل نہیں اسی طرح بندہ بھی خدا کے نزدیک کمال کو نہیں پہنچتا جب تک اس کے اندر حقیقت اور معرفت پیدا نہ ہو جائے؛

چار قسم

یہ چار قسمیں اس وقت ہوں گی جب طریقت کو اور معرفت کو بھی علم تصوف کی شاخیں شمار کریں۔ اگر طریقت کے معنے علم تصوف کے لیں جیسے اکثر صوفیاء استعمال کرتے ہیں تو اُس وقت علم تصوف کی صرف تین قسمیں ہوں گی۔ شریعت۔ حقیقت۔ معرفت۔ اگر معرفت کو حقیقت سے الگ شمار نہ کریں بلکہ حقیقت میں داخل کریں، تو بھی علم تصوف کی صرف تین قسمیں ہوں گی۔ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ شیخ عبدالحق صاحب محدث دہلوی شرح فتوح الغیب میں فرماتے ہیں دین ایک ہے اور شریعت طریقت۔ حقیقت اس کے مراتب اور درجات ہیں (ملاحظہ ہو بلاغ المبین تصنیف شاہ ولی اللہ صاحب ص۴۵ ملخصاً) شیخ عبدالحق صاحب نے معرفت کو الگ شاخ شمار نہیں کیا گویا اس کو حقیقت میں داخل کر دیا۔

علم کی قسمیں

شیخ علی بن عثمان ہجویری معروف بہ داتا گنج بخش لاہوری ؒ کشف المحجوب ص۱۲ میں شیخ محمد بن فضل رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کرتے ہیں علم تین ہیں۔ علم باللہ۔ علم من اللہ۔ علم مع اللہ یعنی علم توحید۔ علم شریعت۔ علم مقاماتِ اولیاء جس کو زہد اور تقویٰ کہتے ہیں (ملخصاً)

کشف المحجوب کے صفحہ ۹۱ میں فرماتے ہیں کہ شریعت اور حقیقت میں کسی نے فرق نہیں کیا (کہ آپس میں جدا ہو سکیں) کیونکہ شریعت حقیقت کے بغیر نہیں اور حقیقت شریعت کے بغیر نہیں۔ اسی لیے کہتے ہیں لا الٰہ الا اللہ حقیقت ہے اور محمد رسول اللہ شریعت ہے اور شریعت معرفت دونوں حقیقت کی شاخیں ہیں؛ انتہیٰ۔

انہوں نے بھی علم تصوف کی تین قسمیں کر دی ہیں۔ شریعت۔ حقیقت۔ معرفت۔ لیکن ان کے نزدیک حقیقت کے معنے وہ نہیں جو اوپر بیان ہوا بلکہ حقیقت کے معنی علم توحید کے ہیں اسی لئے شریعت اور معرفت کو اس کی شاخیں قرار دیا ہے کیونکہ جو شخص خدا کو نہ مانے اُس کے نزدیک نہ شریعت نہ معرفت کچھ بھی نہیں۔

کشف المحجوب میں ایک اور جگہ علم تصوف کی صرف دو قسمیں ظاہر باطن کر کے دونوں کو حقیقت کہہ دیا ہے چنانچہ ۱۲ میں کہا ہے کہ علم کی دو قسمیں ہیں۔ ظاہری۔ باطنی۔ ظاہری کے بھی اصول فروع ہیں۔ باطنی کے بھی اصول فروع ہیں۔ ظاہری کا اصول کلمہ شہادت ہے۔ اشھد ان لا الٰہ الا اللہ واشھد ان محمداً عبدہٗ ورسولہ۔ اور فروع لوگوں کے ساتھ معاملات میں درستی رکھنا اور باطنی کا اصول معرفت الٰہی کی تحقیق اور فروع نیت کا نیک اور

یُصحیح کرنا۔ اور ان میں سے ہر ایک کا دوسرے کے بغیر پایا جانا محال ہے ظاہر باطن کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔ اور باطن ظاہر کے بغیر نہیں پایا جا سکتا۔

علم حقیقت کے تین رکن

پھر علم حقیقت کے تین رکن ہیں

۱۔ اللہ کی ذات کو جاننا کہ وہ موجود ہے اور ایک ہے۔

۲۔ خدا کی صفات کو جاننا اُس کے احکام کو ماننا اور بجالانا۔

۳۔ اس کے فعلوں کو اور اس کی حکمت کو جاننا (انتہی ملخصاً صلا)

اس سے معلوم ہوا کہ جیسے طریقت کا استعمال علم تصوف کے معنوں میں ہوتا ہے ایسے حقیقت کا استعمال بھی کبھی انہی معنوں میں ہوتا ہے۔

اس کے بعد کشف المحجوب میں فصل باندھ کر لکھا ہے کہ علم شریعت کے بھی تین رکن ہیں۔ کتاب مجید۔ حدیث شریف۔ اجماع۔ خداوند تعالیٰ کی ذات اور صفات اور افعال کے ثابت کرنے پر خداوند تعالیٰ کا قول ہی دلیل ہے۔ (انتہی ملخصاً صلا) آگے چل کر سُنّت اور اجماع کا ذکر کیا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ علم شریعت علم حقیقت کے دلائل ہیں اسی طرح اور بزرگوں نے بھی ان الفاظ کے معانی انہی کے قریب قریب لکھے ہیں۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ شریعت۔ طریقت۔ حقیقت۔ معرفت خواہ الگ الگ شاخیں ہوں یا ایک ہوں اور الگ ہونے کی حالت میں چار ہوں یا کم ہوں، کسی صورت میں ایک دوسرے سے جدا نہیں ہو سکتے۔ جو ایک دوسرے سے جُدا ہونے کے قائل ہیں وہ ان کی حقیقت سے ناواقف ہیں۔ اللہ ان کو سمجھ دے اور راہ راست کی توفیق بخشے۔ آمین۔

ایک شبہ اور اس کے کئی جواب

بعض لوگ شریعت اور طریقت کے الگ ہونے پر موسیٰ علیہ السلام اور خضر علیہ السّلام کے واقعہ سے استدلال کرتے ہیں جو قرآن مجید میں سورہ کہف میں مذکور ہے۔ خضر علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام ایک کشتی پر سوار ہوئے کشتی والوں نے مفت سوار کر لیا۔ خضر علیہ السلام نے اوس کشتی کا ایک تختہ نکال دیا اور اس کی جگہ کیلا گاڑ دیا۔ اس پر موسیٰ علیہ السلام نے اعتراض کیا کہ کیا کشتی کا تختہ تُو نے اس لئے نکالا ہے کہ کشتی والے ڈوب جائیں؟ یہ بہت بڑا کام کیا پھر خضر علیہ السلام نے ایک چھوٹے بچے کو قتل کر دیا، موسیٰ علیہ السلام نے کہا تو نے ایک بے گناہ

کو کیوں مارا؟ پھر خضر علیہ السلام نے ایک دیوار کو جو گرنے والی تھی درست کر دیا اس پر موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ یہ بھی ٹھیک نہیں کیا کیونکہ ان بستی والوں نے ہمیں کھانا نہیں دیا۔ ہم کھانے کے محتاج تھے ان سے مزدوری لینی چاہیئے تھی۔

اس سے معلوم ہوا کہ شریعت اور چیز ہے طریقت اور چیز ہے۔ آج کل علماء کے اعتراضات صوفیاء پر اسی قسم کے ہیں جیسے موسیٰ علیہ السلام نے خضر علیہ السلام پر کئے۔

جواب اوّل

مشکوٰۃ باب فضائل سیدالمرسلین میں ہے کہ پہلے نبی خاص خاص قوموں کی طرف بھیجے جاتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب کی طرف بھیجے گئے۔

قرآن مجید میں بھی ہے۔ قل یاایھا الناس انی رسول اللہ الیکم جمیعا (سورۃ اعراف رکوع ۲۰) کہہ دے اے لوگو! میں تم سب کی طرف رسول ہو کر آیا ہوں۔

وما ارسلناک الا کافۃ للناس (سورۃ سباء رکوع ۳) ہم نے تجھے نہیں بھیجا مگر تمام لوگوں کے لئے۔

وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (سورہ انبیاء رکوع اخیر) ہم نے تجھ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لئے رحمت۔

تبارک الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعالمین نذیرا (سورہ فرقان رکوع ۱) برکت والی ہے وہ ذات جس نے اپنے بندے پر قرآن اتارا تاکہ تمام جہانوں کے لئے نذیر ہو جائے۔

اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ یہی قرآن مجید تمام جہانوں کے لئے ہے کوئی اس قرآن سے باہر نہیں نکل سکتا کیونکہ اس قرآن کی غرض تمام جہانوں کو ڈرانا بتلاتی ہے۔

ایک اور آیت میں ہے۔ واوحی الی ھذا القرآن لانذرکم بہ ومن بلغ (سورۃ انعام رکوع ۲) میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے کہ میں اس کے ذریعے تمہیں ڈراؤں اور جس کو (قیامت تک) یہ قرآن پہنچ جائے اس کو بھی میں ڈراؤں۔ (یعنی قرآن کا پہنچنا گویا میرا ڈرانا ہے۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے عن ابی جحیفۃ قال سالت علیا ھل عندکم شئ لیس فی القرآن فقال والذی فلق الحبۃ وبرأ النسمۃ ما عندنا الا ما فی القرآن الا فھما یعطی رجل فی کتابہ وما فی الصحیفۃ قلت وما فی الصحیفۃ قال العقل وفکاک الاسیر وان لا یقتل مسلم بکافر رواہ البخاری (مشکوٰۃ کتاب القصاص صـ۳۰۰)

"ابی جحیفہ کہتے ہیں میں نے حضرت علیؓ سے پوچھا کہ کیا آپ لوگوں کے پاس قرآن مجید کے سوا کچھ اور بھی ہے؟ فرمایا اُس ذات کی قسم جس نے (زمین میں) دانہ پھاڑا اور جاندار کو پیدا کیا۔ ہمارے پاس سوا قرآن کے کچھ نہیں مگر سمجھ ہے جس شخص کو اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں دیدے اور جو کچھ اس صحیفہ میں ہے۔ میں نے کہا اس صحیفہ میں کیا ہے؟ فرمایا، دیت۔ قیدی کا چھڑانا، اور یہ کہ مسلمان کافر کے بدلے نہ مارا جائے۔"

مطلب اس حدیث کا یہ ہے کہ خاص طور پر ہمارے پاس کچھ نہیں کیونکہ قرآن میں سمجھ بھی کسی کے ساتھ خاص نہیں اور دیت وغیرہ کے احکام بھی کوئی خصوصیت نہیں رکھتے؛

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب دُنیا کے لئے رسول ہیں اور قرآن سب کے لئے ہے تو خضر علیہ السلام پر قیاس صحیح نہیں۔ کیونکہ موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اس طرح عام نہ تھی۔

دوسرا جواب

مقام نبوت میں اور مقام ولایت میں فرق ہے۔ نبی کا الہام کشف خواب وغیرہ سب وحی ہے۔ ولی کے الہام کشف وغیرہ میں شیطان کا دخل بھی ہو سکتا ہے۔ اسی لئے بلعم بن باعور جیسے مستجاب الدعوت کو شیطان نے گمراہ کر دیا جس کا قصہ قرآن مجید سورہ اعراف رکوع ۲۱ میں ہے۔ اسی طرح برصیصا گمراہ ہو گیا جس کا ذکر سورہ حشر رکوع ۲ میں ہے اسی طرح اور کئی ولیوں کا خاتمہ خراب ہو گیا۔ نبی کی وحی کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ حفاظت کرتا ہے۔ خضر علیہ السلام صحیح قول کی بنا پر چونکہ نبی تھے اس لئے ان کے کام پر اعتراض نہ ہو سکنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب کوئی ولی بزرگ شرع کا خلاف کرے تو اس پر بھی اعتراض نہ ہو سکے؛

تیسرا جواب

مثلاً ایک شخص کسی کے مہمان آیا دو چار روز رہا دیکھا کہ اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی خاوند کو بھی کوئی غیرت نہیں، خاوند پر اعتراض کرتا ہے کہ تم بُرا کرتے ہو۔ تمہاری بیوی نماز نہیں پڑھتی تم اس کو کچھ نہیں کہتے۔ خاوند جواب دیتا ہے کہ وہ ایام حیض میں ہے۔ اس لئے نماز نہیں پڑھتی۔

تبلایئے خاوند کا سکوت کرنا اور اپنی بیوی کو کچھ نہ کہنا یہ شرع کے خلاف ہے؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ عین شرع کے مطابق ہے اور اعتراض کرنے والے کا اعتراض بھی بظاہر ٹھیک ہے جس کی وجہ سبب کی ناواقفی ہے۔ اسی طرح ایک شخص نے ایک شخص کو مار ڈالا دیکھنے والوں نے اعتراض کیا کہ تو نے بڑا ظلم کیا۔ اُس نے کہا کہ یہ فلاں ڈاکو

ہے۔ اس پر سب خوش ہو گئے بلکہ اس کو انعام کا مستحق سمجھا۔ ٹھیک اسی طرح خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا وہ عین شرع کے مطابق تھا۔ کیونکہ کشتی کا تختہ اس لئے نکالا کہ آگے ایک ظالم بادشاہ تھا۔ وہ ہر صحیح سالم کشتی کو بیگار میں پکڑ لیتا۔ اور لڑکے کو اس لئے قتل کیا کہ اُس نے بڑا ہو کر ماں باپ کو سرکش اور کافر بنانا تھا۔ اور دیوار کو مفت اس لئے درست کیا کہ اس کے نیچے دو یتیم بچوں کا خزانہ تھا اگر درست نہ کی جاتی تو گر جاتی اور لوگ خزانہ نکال کر لے جاتے۔ خضر علیہ السلام کو خدا کی طرف سے اس قسم کی باتوں کا علم ہو جاتا۔ موسیٰ علیہ السلام کو نہیں ہوا اس لئے موسیٰ علیہ السلام کا اعتراض بھی ظاہر کے لحاظ سے ٹھیک ہے۔ اب بھی اسی پر عمل چاہیئے۔ جب کسی کا عمل بظاہر شرع کے خلاف دیکھے فوراً کہے تاکہ دُوسرا آگے سے اس کی وجہ بیان کر دے اور بدگمانی دور ہو جائے۔ اگر طریقت والے خضر علیہ السلام کی طرح اپنے عمل کو شرع کے مطابق کر دیں، تو ان پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ قرآن مجید میں ہے حتٰی احدث لک ذکرا یعنی خضر علیہ السلام نے موسیٰ علیہ السلام کو شروع ہی میں کہہ دیا تھا کہ جو کام میں کروں گا اس کی وجہ میں خود ہی بیان کر دوں گا تم سوال نہ کرنا جس سے خضر علیہ السلام کا مطلب یہ تھا کہ میرا کام شرع کے خلاف نہیں۔ سبب سے ناواقفی کی بنا پر تم نے اعتراض نہ کرنا میں خود ہی تمہاری تسلی کروں گا۔ لیکن موسیٰ علیہ السلام سے پہلی دفعہ اعتراض نسیاناً ہوا پھر آپ نے دیکھا کہ میں اس علم سے کسی اہم نتیجہ پر نہیں پہنچ سکتا۔ اس لئے جدائی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے شرط وغیرہ کی پرواہ نہیں کی بہر صورت خضر علیہ السلام نے جو کچھ کیا شرع کے ماتحت کیا۔ اس سے طریقت کا شرع کے خلاف ہونا ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خضر علیہ السلام کا یہ قول جس کا مطلب یہ ہے کہ تم اعتراض نہ کرنا میں تمہاری تسلی کر دوں گا۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے۔ کہ خواہ کوئی کتنا بڑا ہو شرع کی مخالفت کرنے کا مجاز نہیں۔

(۲) طریقت کو شرع سے الگ بنا کر شرع کی مخالفت کرنا اس فتنے کا دفعیہ صحابہ کے زمانہ میں اجماع صحابہ کے ساتھ ہو چکا ہے۔ چنانچہ عمرؓ کے خلافت کے دنوں میں ایک بدری (جنگ بدر میں شریک ہونے والے) صحابی نے شراب پی لی۔ بدریوں کی بابت رسول اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ بخشے ہوئے ہیں۔ جب وہ پکڑ کر لایا گیا تو کہنے لگا میں بخشا ہوا ہوں۔ مجھ پر حد نہیں لگ سکتی۔ کیونکہ میں گنہگار نہیں ہوا۔ حضرت عمرؓ نے اور باقی سب صحابہ نے اس کا یہ عذر قبول نہیں کیا اور اس پر حد جاری کر دی۔ اس سے معلوم ہوا کہ کوئی کتنا ہی مقرب ولی ہو اور پرہیزگار مخلص ہو وہ احکام شرعیہ میں باقی عوام خواص کے برابر ہے اس کے کرنے سے برا کام اچھا نہیں ہو سکتا اور شرعی مواخذہ دنیا میں اس سے ساقط نہیں ہو گا۔ ہاں آخرت میں خدا کے سپرد ہے خواہ بخشے یا عذاب دے۔

اس موقعہ پر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ دو فرقے غفلت میں ڈوبے ہوئے ہیں جیسے خارجیوں اور رافضیوں

کا حال ہے۔ خارجی طبیعت والا خدا کے نیک بندوں سے ایسا بغض رکھتا ہے کہ خواہ وہ کیسے ہی بزرگ ہوں اُن کا ایک آدھ عیب لے کر اُن کو بُرا کہتا ہے اور کسی بات میں ان کو قابل اقتدا نہیں جانتا۔ رافضی خیال کہتا ہے کہ فلاں شخص جو کچھ کرے اچھا ہے اور واجب الاتباع ہے۔ اگر وہ کہے کہ شراب سے مصلے رنگ لے تو رنگ لینا چاہیئے۔ کیونکہ وہ بے خبر نہیں اس میں کوئی راز ہے۔ انہی سے بعض اُٹھتے بیٹھتے۔ یا بہاؤالدین مشکل کشا کا ورد کرتے ہیں اور اپنے آپ کو خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ کے محبوں سے سمجھتے ہیں۔ کوئی یا نظام الدین اولیاء زری زر بخش کا ورد کرتے ہیں یعنی اے نظام الدین اولیاء زری سونا بخش۔ بعض نے ہر ضرورت کے لئے یا شیخ عبد القادر جیلانی شیئاً للہ کا وظیفہ گھڑ لیا ہے۔ خبردار یہ تمام افتراء اور بہتان ہے بزرگان طریقت سے یہ بالکل ثابت نہیں کسی ثقہ نے ان سے اس کی روایت نہیں کی بلکہ معتبر کتابوں میں جو کچھ ان کے احوال درج ہیں ان سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ اپنے مریدوں کو غیر اللہ کی طرف نظر ڈالنے سے منع کرتے تھے شیخ الشیوخ ابن عربی عوارف المعارف میں لکھتے ہیں کہ مرید راست باز اور مخلص بندہ نہیں بنتا جب تک شریعت کی پوری پابندی نہ کرے اور اپنی نظر مخلوق سے نہ ہٹائے۔ ابتدائی مراحل طے کرنے والوں پر جو گمراہی کی آفت آتی ہے اس کی وجہ صرف یہی ہے کہ ان کی نظر مخلوق کی طرف ہوتی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہمیں حدیث پہنچی ہے کہ بندے کا ایمان کامل نہیں ہوتا جب تک اس کی نظر میں تمام لوگ مینگنیوں کی طرح نہ معلوم ہوں اور اپنے نفس کو اس سے بھی چھوٹا نہ دیکھے؛

مولنا جامی نے نفحات الانس میں ________ خواجہ بہاؤالدین رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ خواجہ بہاؤالدین نقشبند رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں خدا کا مجاور بننے بندوں کے مجاور بننے سے زیادہ لائق ہے یعنی مسجدوں میں بیٹھنا چاہیئے نہ قبروں میں۔ تو قبروں کی پرستش کب تک کرے گا خدا کے مردوں جیسے کام کر یعنی شریعت پر چل؛

شاہ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ جو مشائخ کے سردار اور اولیاء اللہ کے سرکردہ ہیں فتوح الغیب میں فرماتے ہیں جو دُنیا اور آخرت میں سلامتی چاہتا ہے۔ وہ صبر اور رضا بالقضا کو اپنا شیوہ بنائے اور مخلوق کے پاس اپنی مصیبت کی شکایت اور اپنی ضرورتوں کا پیش کرنا ترک کردے۔ اور خدا کی طرف سے کشادگی کی انتظار کرے کیونکہ خدا غیر سے بہتر ہے؛

آج کل عجیب بات یہ ہوگئی ہے کہ پیر پرست قرآن و حدیث کے مقابلہ میں عقلی ڈھکوسلوں سے کام لیتے ہیں۔ کہتے ہیں اولیاء اللہ کے ارواح اگرچہ مخلوق ہیں۔ لیکن بوجہ قرب الٰہی کے ان کو پکارنا اور ان سے حاجت روائی

کی درخواست کرنا کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ اولیاء اللہ کو خدا کی طرف سے یہ قدرت ہے کہ کماں سے تیر نکلا ہُوا لوٹا دیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے اگر خدا تجھے دکھ پہنچائے تو اس کے سوا کوئی کھولنے والا نہیں۔ اگر خیر کا ارادہ کرے تو اس کے فضل کو کوئی روکنے والا نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں اگر ساری دُنیا تجھے نفع پہنچانے میں کوشش کرے جو نفع خدا نے تیرے لئے نہیں لکھا تو وہ اس پر قادر نہیں اگر ساری دُنیا تجھے دُکھ پہنچانا چاہے جو خدا نے تیرے لئے نہیں لکھا تو اس پر بھی ان کو قدرت نہیں۔ یہ حدیث ایک لمبی حدیث کا ٹکڑا ہے جس میں ابن عباسؓ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے (توحید کا سبق پڑھاتے ہوئے) فرمایا اے لڑکے! خدا کو یاد رکھ۔ خدا تیری حفاظت کرے گا۔ اللہ کو یاد کر اللہ کو سامنے پائے گا۔ جب سوال کرے اللہ سے سوال کر جب مدد چاہے اللہ سے چاہ۔ جو کچھ ہونا تھا اس کے ساتھ قلم خشک ہوگیا۔ یہ حدیث پوری کتب حدیث میں اور فتوح الغیب میں موجود ہے شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ اس حدیث کو ذکر کرکے لکھتے ہیں، ہر مومن کو چاہیئے کہ اس حدیث کو اپنے دل کا آئینہ اور اپنے بدن کے اندر اور باہر کا کپڑا بنالے۔ اور اپنی بات چیت میں اس کا خیال رکھے پس اپنے تمام حرکات سکنات میں اس پر عمل کرے تاکہ دُنیا اور آخرت میں سلامت رہے اور دونوں جہان میں خُدا کی رحمت سے عزت پائے۔ جو شخص لوگوں سے سوال کرتا ہے وہ خدا سے جاہل ہے۔ اس کا ایمان۔ اس کی معرفت اس کا ایمان کمزور ہے اور حوصلہ کم ہے۔ اس حدیث اور شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ کے اس کلام سے صاف معلوم ہُوا کہ پیر پرستوں قبر پرستوں کا رشتہ نہ شریعت سے ہے نہ طریقت سے ہے؛

اگر یہ لوگ ملاحدہ کی طرح کہیں کہ جس مقام میں ہم ہیں یہ حقیقت ہے جو شریعت اور طریقت سے الگ ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ شاہ عبدالقادر جیلانی علیہ الرحمۃ فتوح الغیب میں لکھتے ہیں جس حقیقت کے لئے شریعت سے گواہی نہ ہو وہ کفر اور الحاد ہے؛

شیخ عبدالحق دہلوی مرحوم اس کی شرح میں لکھتے ہیں حقیقت شریعت سے الگ نہیں بلکہ حقیقت اصل میں شریعت ہے۔ ایمان والے اس کا مشاہدہ کرتے ہیں اور اس کی تہ کو پہنچتے ہیں۔ اگر کسی کو شریعت کے خلاف کشف ہو تو وہ جھوٹ ہے اور باطل ہے اور اس کا اعتقاد کرنے والا کافر ہے۔ ابوسلیمان دارانی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں بہت دفعہ وجدانی نکتہ مجھ پر کھلتا ہے اور بہت اچھا معلوم ہوتا ہے مگر میں اس کو دو گواہوں عادل کی گواہی کے بغیر قبول نہیں کرتا۔ ایک کتاب اللہ دوسرا سنت رسول اللہ۔

اس بات کو یاد رکھنا چاہیئے کہ مراقبہ اور توحید کا مرتبہ شرعی حدود کی حفاظت کے ساتھ صدیقوں اور

عارفوں کا مقام ہے جو اہل تحقیق ہیں۔ بعض لوگ اس مقام میں پریشان ہو جاتے ہیں۔ بعض اپنے آپ کو دائرۂ اسلام سے باہر کر دیتے ہیں۔ خلاصہ یہ کہ شریعت۔ طریقت الگ شئے نہیں بلکہ دین ایک ہے اور یہ اس کی شاخیں اور مراتب اور درجات ہیں۔ اللہ حق کہتا ہے اور سیدھا رستہ بتلاتا ہے۔

ابوسعید حراز رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں جو باطل ظاہر کے خلاف ہو وہ باطل ہے اور اسی کے موافق سیر المشائخ میں واقعہ لکھا ہے کہ ایک مرتبہ خواجہ بہاؤ الدین ذکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ اپنے معمول کے موافق ملتان کی ایک مسجد میں صبح کی نماز کے لئے گئے۔ امام ایک رکعت پڑھ چکا تھا۔ وہ دوسری رکعت میں شامل ہوئے۔ جب امام التحیات بیٹھا تو وہ سلام سے پہلے ہی اُٹھ کر دوسری رکعت ادا کرنے لگے جب فارغ ہوئے تو امام نے کہا اے شیخ امام کے سلام پھیرنے سے پہلے اُٹھنا جائز نہیں شاید امام کے ذمہ سجدہ سہو ہو جس میں مقتدی کی شرکت بھی ضروری ہے اس لئے پہلے نہ اُٹھنا چاہیئے۔ شیخ نے کہا اگر نور باطن سے معلوم ہو جائے کہ امام کے ذمہ اس نماز میں کوئی سجدہ سہو نہیں تو اس وقت پہلے اُٹھنے میں کوئی ہرج نہیں۔ امام نے کہا اے شیخ جو نور خلاف شرع ہو وہ اندھیرا ہے نُور نہیں۔

شیخ ابوعبداللہ حارث بن اسدی محاسبی رحمۃ اللہ علیہ جو علماء مشائخ سے ہیں اور متقدمین اہل طریقت سے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ جس کا باطن مراقبہ اور اخلاص سے صحیح ہو گیا اُس کے ظاہر کو اللہ تعالیٰ ریاضت اور اتباع سُنت کے ساتھ خوبصورت کر دیتا ہے؛

ابوحفص کبیر حداد جو اہل طریقت کے بڑوں سے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ جو شخص اپنے اقوال۔ افعال اور احوال کو دونوں ترازوؤں، کتاب سنّت کے ساتھ نہ تولے اور اپنے خیالات پر غلط ہونے کی تہمت نہ لگائے۔ تو اس شخص کا شمار مردوں کے دفتر میں نہ کرو۔

شیخ ابویزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ جو مشائخ میں سُلطان العارفین کے لقب سے پکارے جاتے ہیں۔ فرماتے ہیں۔ اگر تم کسی شخص کو دیکھو کہ قسم قسم کرامات دیا گیا ہے یہاں تک کہ ہوا میں بیٹھتا ہے پانی پر چلتا ہے تو اس کا کچھ اعتبار نہ کرو۔ جب تک یہ نہ دیکھ لو کہ امر نہی کی پابندی اور حدود کی حفاظت اور احکام شرعیہ کی ادائیگی میں کیسا ہے۔

سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ جو تمام اہل طریقت کے پیشوا ہیں فرماتے ہیں مخلوق کی سانس کی گنتی قدر خدا کی طرف راستے ہیں۔ اور سب بند ہیں۔ مگر جو رسول کے قدم بقدم چلا اس کا رستہ خدا تک پہنچاتا ہے۔

ان بزرگوں کے کلام کا خلاصہ یہ ہے۔ کہ سُنّت رسول کی پیروی واجب ہے۔ اور امر نہی شرعی کی پابندی

لازم ہے اور مخالف شرع کے ہاتھ پر خرق عادات ظاہر ہونے سے دھوکا نہ کھانا چاہیئے۔ کیونکہ قرآن میں ہے۔ کہ ظاہر باطن ہر قسم کے گناہ چھوڑ دو۔ بلکہ بیہقی شعب الایمان میں حدیث لائے ہیں۔ کہ جو بدعتی کی عزت کرے۔ اُس نے دین اسلام کے گرانے پر امداد کی۔ بزرگان دین اس میں بہت احتیاط کرتے تھے؛

کہتے ہیں حسین بن منصور حلاج بڑا عابد تھا۔ ہر رات ہزار رکعت نفل پڑھتا جب اس کی زبان سے انا الحق (میں خدا ہوں) کا کلمہ نکلا تو سید الطائفہ جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ نے اور دوسرے بزرگوں نے اُس کے قتل کا فتویٰ دے دیا اور سُولی پر کھینچ دیا؛

شیخ عبدالحق محدّث دہلویؒ اخبار الاخیار میں لکھتے ہیں۔ کہ خواجہ نظام الدّین اولیاء سے لوگوں نے پوچھا۔ کہ حسین بن منصور حلاج کا کیا حکم ہے۔ فرمایا مردود ہے۔ جنیدؒ نے اس کو مردود لکھا۔ جنیدؒ اپنے زمانے کا پیشوا تھا۔ اُس کا مردود لکھنا سب کا مردود کہنا ہے؛

اخبار الاخیار میں شاہ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کے ذکر میں لکھا ہے۔ کہ انہوں نے کہا کہ منصور کو کسی نے نہ پایا۔ کہ اُس کی دستگیری کرتا۔ اور جو اُس کو غلطی لگی تھی اس سے اس کو روکتا۔ میں اس زمانہ میں ہوتا تو اس کی دستگیری کرتا۔ تاکہ وہ اس حد تک نہ پہنچتا اس سے معلوم ہوا۔ کہ اس وقت کے مدعی جس بات کو حق سمجھتے ہیں اور اسکو عین معرفت توحید سمجھتے ہیں یہ ان کے پیروں کے نزدیک گمراہی ہے۔ پس ثابت ہوا کہ یہ مدعی جیسے سنت نبوی کے خلاف کرتے ہیں۔ ایسے بزرگوں اور اولیاء اللہ کے بھی مخالف ہیں۔ اور ان کا اپنے بزرگوں کی نسبت محبّت کا دعویٰ کرنا صرف زبانی ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ منافقوں کی بابت فرماتا ہے۔ اپنی زبانوں سے وہ بات کہتے ہیں۔ جو ان کے دلوں میں نہیں؛

شاہ ولی اللہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے کافی ہے اس سے اچھی طرح واضح ہو گیا۔ کہ خدا نے اپنے بندوں کو اپنے خیال پر نہیں چھوڑا۔ کہ جس طرح کوئی چاہے اپنے طور پر ریاضت محنت کر کے خدا سے جا ملے۔ بلکہ خدا نے اپنی طرف پہنچنے کا رستہ خود بتلایا ہے۔ اور رسولوں کی معرفت اس کا بیان اپنے ذمہ لیا ہے۔ جو شخص اس کے رستے پر چلے وہ خدا کو مل سکتا ہے۔ جو اس کے خلاف کرے۔ وہ دنیا آخرت دونوں جہان میں گمراہ ہے۔ اگر دُنیا میں اس پر کوئی حد جاری ہوتی ہو۔ تو جاری کی جائے گی۔ آخرت میں اگر جرم قابل معافی نہ ہوا تو برابر سزا بھگتے گا۔ چھوٹے بڑے کی اس میں کوئی تمیز نہیں۔ خواہ کوئی کتنا بڑا ہو اس رستے سے بہکنے کے بعد اس کی بڑائی چھٹائی سے بدل جائے گی۔

تفسیر خازن میں ہے موسیٰ علیہ السلام نے وعظ میں کہا یا بنی اسرائیل من سرق قطعنا یدہ ومن افتری جلدناہ ثمانین ومن زنی ولیست لہ امرأۃ رجمناہ الی ان یموت فقال قارون و

ان کنت انت قال وان کنت انا (تفسیر خازن جلد ۳ صـ۲۴۲)

اے نبی اسرائیل جو شخص چوری کرے۔ ہم اس کا ہاتھ کاٹیں گے۔ جو کسی پہ زنا کی تہمت لگائے۔ اس کو اسّی درّے ماریں گے جو زنا کرے اور اس کی بیوی نہ ہو۔ اس کو سو دُرّے ماریں گے۔ جو زنا کرے اور اس کی بیوی ہو۔ اس کو پتھروں سے ماریں گے۔ یہاں تک کہ مر جائے۔ قارون نے کہا۔ اگرچہ آپ ہوں فرمایا اگرچہ میں ہوؤں؛

خیال فرمائیں۔ کہ جب موسیٰ علیہ السلام جیسے اولوالعزم نبی بھی مخالفت کی صورت میں نہیں بچ سکتے تو باقی لوگ کس گنتی میں ہیں۔ اسی طرح جنگ بدر کے موقعہ پر فدیہ لے کر قیدیوں کے چھوڑنے پر اللہ تعالےٰ نے فرمایا۔ لولا کتاب من اللہ سبق لمسکم فیما اخذتم عذاب عظیم۔ اگر پہلے لکھا نہ ہوتا کہ (خدا اطلاع دئے بغیر نہیں پکڑتا) تو جو کچھ تم نے لیا ہے۔ اس میں تمہیں بڑا عذاب پہنچتا۔ تفسیر خازن اور مدارک میں اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے؛

قال رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم لو نزل عذاب من السماء ما نجا منہ غیر عمر و سعد بن معاذ (تفسیر خازن و مدارک جلد ۳ صـ۳۱۰)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر آسمان سے عذاب اُترتا تو عمر اور معاذ کے سوا کوئی نجات نہ پاتا۔

چونکہ حضرت عمرؓ اور معاذؓ[1] اور عبداللہ بن رواحہ کی رائے فدیہ لینے کی نہ تھی۔ اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر عذاب آتا تو عمرؓ اور معاذؓ کے سوا کوئی نہ بچتا۔ یہاں تک کہ حضرت ابوبکرؓ جیسے ہی نہ بچتے بلکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوتے؛

تبلائیے اس اُمت میں حضرت ابوبکرؓ سے بڑھ کر کون ہے۔ جب ان کی یہ حالت ہے تو دوسرے پیر فقیر شریعت سے کس طرح سبکدوش ہو سکتے ہیں خاص کر جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی شامل ہوں تو کتنے خوف کا مقام ہے تفسیر خازن میں اسی محل میں ایک صفحہ پہلے مسلم کی حدیث ذکر کی ہے کہ دوسرے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکرؓ رو رہے تھے۔ حضرت عمرؓ نے کہا یا رسول اللہ آپ کیوں رو رہے ہیں۔ فرمایا تیرے ساتھیوں پر روتا ہوں۔ فدیہ لینے کی وجہ سے جو ان پر عذاب آنا تھا۔ وہ مجھے اس درخت کے قریب دکھایا گیا۔

---

[1] عبداللہ بن رواحہ کا ذکر اس لئے نہیں کیا کہ حضرت عمرؓ کے تابع تھے اور معاذؓ چونکہ دوسری قوم سے تھے یعنی انصاری تھے۔ اس لئے ان کی رائے مستقل سمجھی گئی ۱۲

مذہب اہل حدیث

سوال:۔ ٹھیٹھ اسلام اور مذہب اہل حدیث ہر دو میں فرق ہے یا دونوں لفظ ایک ہی مطلب ادا کرتے ہیں۔

جواب:۔ قرآن میں ہے۔ وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ (الاٰیۃ) یعنی اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں سے وعدہ کیا ہے۔ جو تم سے ایمان لائے اور اچھے عمل کرے کہ ان کو زمین میں خلیفہ بنائے گا۔ جیسے پہلے لوگوں کو خلیفے بنایا اور ان کے دین کو جگہ دے گا جو ان کے لئے پسند کیا۔

مشکوٰۃ باب الاعتصام فصل اوّل میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔

قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ نَبِيٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ فِيْ اُمَّتِهٖ قَبْلِيْ اِلَّا كَانَ لَهٗ فِيْ اُمَّتِهٖ حَوَارِيُّوْنَ وَاَصْحَابٌ يَاْخُذُوْنَ بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَا لَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ رواہ مسلم

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھ سے پہلے ہر نبی کے دوست اور اصحاب تھے جو اس کے طریقہ کو لیتے اور اس کے حکم پر چلتے پھر ان کے بعد نالائق پیدا ہو جاتے جو کہتے وہ بات جو نہ کرتے اور کرتے وہ بات جو نہ حکم دیئے جاتے۔ پس جو شخص جہاد کرے ان سے ساتھ ہاتھ اپنے کے وہ مومن ہے اور جو جہاد کرے ساتھ زبان اپنی کے وہ مومن ہے۔ اور جو جہاد کرے ساتھ دل اپنے کے (یعنی دل سے برا جانے اور دشمنی رکھے) وہ مومن ہے اور ورے اس کے ایک رائی برابر بھی ایمان نہیں روایت کیا اس کو مسلم نے۔

کتاب رزین اور کتاب المدخل للبیہقی میں ہے۔

قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین وانتحال المبطلین وتاویل الجاھلین۔

(مشکوٰۃ مع مرقاۃ کتاب العلم فصل ثانی)

یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس دینی علم کو ہر خلف سے عدول (یعنی ثقہ لوگ) اٹھائیں گے جو دور کریں گے اس سے تحریف حد سے بڑھنے والوں کی اور جھوٹ باطل والوں کا اور تاویل جاہلوں کی۔

صحابہؓ کا طریق

اس آیت اور دونوں حدیثوں سے معلوم ہوا۔ کہ جس طریق پر صحابہؓ تھے وہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا میں چھوڑ کر گئے تھے۔۔۔۔ اسی کو اللہ نے پسند کیا اس آیت سے معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے وعدہ کیا ہے۔ کہ تمہیں خلیفہ بنائے گا۔ اور تمہارے دین کو جو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے۔ جگہ دے گا سو یہ وعدہ پہلے صحابہؓ ہی کے ہاتھ پر پورا ہوا ہے اور پہلی حدیث سے معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے۔ کہ اس حدیث میں ذکر ہے کہ ہر نبی کے حواری اور اصحاب تھے۔ جو اس کے طریق پر چلتے تھے پھر پیچھے نالائق پیدا ہو جاتے ہیں۔ اس سے مقصود آپ کا یہ تھا کہ میری امت میں ایسا ہی ہوگا۔ اسی واسطے اخیر میں فرمایا کہ جو شخص ان سے تلوار کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے جہاد کرے وہ مومن ہے۔ الخ ۔۔۔ اور دوسری حدیث سے معلوم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس میں علی العموم فرمایا ہے کہ ہر خلف میں عدول ہوں گے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعد جن کو چھوڑ کر دُنیا سے رخصت ہوئے وہ سب آپ کے خلف تھے اور صحابہؓ ان خلف کے عدول تھے۔ پس وہ اس حدیث کے اوّل مصداق ہوں گے۔ پس اس آیت اور ان دونوں حدیثوں اور ان جیسی اور آیتوں وحدیثوں[1] سے ثابت ہوا۔ کہ جس طریق پر صحابہؓ تھے۔ وہی رسُول اللہ صلعم لیکر آئے تھے اور وہی اللہ کو پسند تھا۔ چونکہ اس پر اتفاق ہے اس لئے زیادہ حوالوں کی ضرورت نہیں صرف تنبیہہ کے لئے ایک آیت اور دو حدیثیں ذکر کر دی ہیں اب سُنیئے صحابہؓ کس طریق پر تھے۔

خلیفہ اوّل حضرت ابوبکرؓ کا طریق

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صٖ۳۲ لغایت صٖ۴۰ میں بحوالہ دارمی لکھتے ہیں۔

کان ابوبکر اذا ورد علیہ الخصم نظر فی کتاب اللہ فان وجد فیہ مایقضی بینھم

[1] جیسے آیہ کریمہ لقد رضی اللہ عن المومنین اور حدیث من کان مستنا فلیستن بمن قد مات جو گذر چکی ہے اور ایسی اور - ۱۲

قضی بہ وان لم یکن فی الکتاب و علم من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سنۃ

قضی بہ فان اعیاہ خرج فسأل المسلمین فربما اجتمع علیہ النفر کلھم یذکر

من رسول اللہ صلعم فیہ قضاء فیقول الحمد اللہ الذی جعل فینا من یحفظ

علی نبینا فان اعیاہ ان یجد فیہ سنۃ من رسول اللہ جمع رؤس الناس

وخیارھم فاستشارھم فاذا اجتمع رایھم علی امر قضی بہ

یعنی حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس جب کوئی جھگڑا آتا۔ تو اللہ کی کتاب میں نظر کرتے اگر اسمیں پاتے

تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے اگر کتاب اللہ میں نہ پاتے اور رسول اللہ صلعم کی حدیث معلوم ہوتی تو

اس کے ساتھ فیصلہ کرتے اگر حدیث بھی معلوم نہ ہوتی تو باہر نکل کر مسلمانوں سے دریافت کرتے

دریافت کرنے سے بعض دفعہ کئی شخص ایسے مل جاتے جو رسول اللہ صلعم کا فیصلہ ذکر کرتے حضرت

ابوبکر صدیقؓ کہتے خدا کا شکر ہے کہ ہم میں ایسے لوگ موجود ہیں جن کو رسول اللہ صلعم کے فیصلے محفوظ

ہیں اگر رسول اللہ صلعم کی حدیث بھی نہ ملتی تو بڑے لوگوں کو اور بہتر ان کے کو جمع کر کے مشورہ لیتے

پس جب کسی بات پر ان کی رائے متفق ہو جاتی تو اس کے ساتھ فیصلہ کرتے۔

خلیفہ ثانی عمرؓ بن الخطاب کا طریق

وعن شریح ان عمر بن الخطابؓ کتب الیہ ان جاءك شیئ فی کتاب اللہ فاقض

بہ ولا یلتفتنك عنہ الرجال فان جاءك ما لیس فی کتاب اللہ فانظر سنۃ رسول اللہ

فاقض بھا فان جاءك ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن فیہ سنۃ رسول اللہ صلعم

فانظر ما اجتمع علیہ الناس فخذ بہ وان جاءك ما لیس فی کتاب اللہ ولم یکن

فیہ سنۃ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ولم یتکلم فیہ احد قبلك فاختر ای

الامرین شئت ان شئت ان تتاخر فتاخر ولا اری التاخر الا خیرا لك۔

اور شریح سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے میری طرف لکھا کہ اگر کوئی ایسا معاملہ پیش آجائے جو

کتاب اللہ میں ہو تو اس کے ساتھ فیصلہ کرو اس سے تمہیں لوگ نہ پھیر دیں اگر کتاب اللہ میں نہ ہو

تو سنت رسول اللہ صلعم کو دیکھو اور اس کے ساتھ فیصلہ کرو اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ اس میں سنت

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہو تو جس بات پر لوگوں کا اجتماع ہو اس کو لو۔ اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ اس میں سنت رسول اللہ صلعم ہو نہ تجھ سے پہلے اس میں کسی نے کلام کی ہو تو دو باتوں سے جونسی بات چاہو اختیار کرو اگر اپنی رائے کیساتھ اجتہاد کر کے آگے بڑھنا چاہو تو آگے بڑھو اگر پیچھے ہٹنا چاہو تو پیچھے ہٹ جاؤ لیکن پیچھے ہٹنا میں تمہارے لئے بہتر دیکھتا ہوں۔

عبداللہ بن مسعود رضؓ کا طریق

وعن عبد اللہ بن مسعودؓ قال اتی علینا زمان لسنا نقضی ولسنا ھنالك وان اللہ قدر من الامر ان قد بلغنا ما ترون فمن عرض لہ قضاء بعد الیوم فلیقض فیہ بما فی کتاب اللہ عزوجل فان جاءہ مالیس فی کتاب اللہ فلیقض بما قضی بہ رسول اللہ صلعم فان جاءہ مالیس فی کتاب اللہ ولم یقض بہ رسول اللہ صلعم فلیقض بما قضی بہ الصالحون ولا یقل انی اخاف وانی اری۔

اور عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ ہم پر ایک زمانہ آیا تھا۔ کہ نہ ہم فیصلہ کرتے تھے نہ فیصلہ کرنے کے لائق تھے اور تقدیر الٰہی میں یہ تھا کہ ہم اس مرتبہ کو پہنچیں جو تم آج دیکھ رہے ہو پس جس کو آج کے بعد کوئی ایسا فیصلہ پیش آجائے جو کتاب اللہ میں ہو تو اس کے ساتھ فیصلہ کرے اگر کتاب اللہ میں نہ ہو تو رسول اللہ صلعم کے فیصلہ کے ساتھ فیصلہ کرے اگر نہ کتاب اللہ میں ہو نہ رسول اللہ صلعم نے اس کے ساتھ فیصلہ کیا ہو تو نیک لوگوں کے فیصلے کے ساتھ فیصلہ کرے اور یوں نہ کہے کہ میرا خیال اس طرح ہے اور میری رائے یہ ہے۔

ابن عباس رضؓ کا طریق

وکان ابن عباس اذا سئل عن الامر وکان فی القرآن اخبر بہ وان لم یکن فی القرآن وکان عن رسول اللہ صلعم اخبر بہ فان لم یکن فعن ابی بکرؓ وعمرؓ فان لم یکن قال فیہ برایہ (انتھی ملخصا)

اور ابن عباسؓ جب کوئی مسئلہ پوچھے جاتے جو قرآن مجید میں ہوتا تو اس کے ساتھ خبر دیتے۔

اگر قرآن میں نہ ہوتا اور رسول اللہ صلعم سے ہوتا تو اس کے ساتھ خبر دیتے اگر رسُول اللہ صلعم سے بھی نہ ہوتا تو ابوبکرؓ اور عمرؓ سے خبر دیتے اگر ان سے بھی نہ ہوتا تو اپنی رائے سے کہتے۔

مقلّد جاہل ہوتا ہے

علامہ شوکانی القول المفید میں لکھتے ہیں:۔

قال سند بن عنان المالکی فی شرحہ علی مدونۃ سحنون المعروفۃ بالام ما لفظہ اما مجرد الاقتصار علی محض التقلید فلا یرضی بہ رجل رشید وقال ایضا نفس المقلد لیس علی بصیرۃ ولا یتصف من العلم بحقیقۃ اذ لیس التقلید بطریق الی العلم بوفاق اہل الوفاق وان نوزعنا فی ذلک ابدینا برہانہ فنقول قال اللہ تعالیٰ فاحکم بین الناس بالحق وقال بما اراک اللہ ولا تقف ما لیس لک بہ علم وقال وان تقولوا علی اللہ ما لا تعلمون ومعلوم ان العلم ہو معرفۃ المعلوم علی ما ہو بہ فنقول للمقلد اذا اختلفت الاقوال وتشعبت من این تعلم صحۃ قول من قلدتہ دون غیرہ او صحۃ قربۃ علی قربۃ اخری ولا یبدر کلاما فی ذلک الا انعکس علیہ فی نقیضہ سیما اذا

---

[1] عبداللہ بن عباسؓ کا حضرت ابوبکرؓ کی رائے کو اپنی رائے پر مقدم سمجھنا اس کی وجہ شاید یہ حدیث ہوگی اقتدوا بالذین من بعدی ابی بکر و عمر۔ یعنی "میرے بعد دو شخصوں کی اقتدا کرو یعنی ابوبکرؓ اور عمرؓ کی" پھر ان کی رائے کو مقدم کرنا اس میں دو احتمال ہیں ایک یہ کہ جس بات پر ابوبکرؓ اور عمرؓ دونوں متفق ہوں اس کو اپنی رائے پر مقدم کرتے تھے۔ دوسرا یہ کہ خواہ دونوں متفق ہوں یا صرف ایک ہی کی رائے ہو دونو صورتوں میں اپنی رائے پر مقدم کرتے تھے۔ اگر کوئی ایسا مسئلہ مل جاوے۔ جس میں صرف ایک کی رائے معلوم ہو دوسرے کی معلوم نہ ہو اور اس وقت ابن عباس نے اس کی پابندی نہ کی ہو تو پہلا احتمال صحیح ہوگا۔ دوسرا غلط اگر ایسا مسئلہ نہ ملے تو دونو احتمال صحیح ہو سکتے ہیں اور ممکن ہے کہ ابن عباسؓ حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی رائے کو اپنی رائے پر اس لئے مقدم سمجھتے ہوں کہ ابن عباسؓ بچے تھے۔ ہجرت سے کل دو سال پہلے پیدا ہوئے تھے۔ تو جو احاطہ آپ کے حالات کا حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کو تھا وہ ابن عباس کو نہ تھا۔ فافہم ۱۲

عرض له ذلك فی مزیة لامام مذهبه الذی قلده او قربة یخالفها بعض ائمة الصحابة الی ان قال اما التقلید فهو قبول قول الغیر من غیر حجة فمن این یحصل به علم ولیس له مستند الی قطع

یعنی محض تقلید پر کفایت کرنا اس کو تو کوئی دانا پسند نہیں کرتا اور مقلد بینائی پر نہیں اور نہ مقلد حقیقت میں علم سے موصوف ہو سکتا ہے کیونکہ تقلید بالاتفاق علم کا راستہ نہیں اگر کوئی دلیل مانگے تو ہم کہیں گے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے حق کے ساتھ فیصلہ کرو اور فرماتا ہے اس شئی کے ساتھ فیصلہ کرو جو اللہ تیری رائے میں ڈالے اور فرماتا ہے اللہ پر وہ بات نہ کہو جو تم نہیں جانتے اور یہ بات ظاہر ہے کہ علم معرفت معلوم کا نام ہے۔ اُس حال پر جس حال پر وہ ہو پس ہم مقلد کو کہتے ہیں جب اختلاف ہو جائے تو تجھے اپنے امام کے قول کی صحت اور ایک عبادت کی دوسری عبادت پر ترجیح کس طرح معلوم ہے۔ مقلد آگے سے جواب میں جو کچھ کہے گا وہ اسی پر لوٹ جائے گا (کیونکہ جب وہ دلیل دے گا تو اس کو کہا جائے گا کہ جس کے اندر استدلال کا مادہ ہوتا ہے وہ مقلد نہیں ہو سکتا۔ پس تیرا تقلید پر استدلال کرنا ہی تیرے دعویٰ کو توڑ رہا ہے) خصوصاً جبکہ ایسی گفتگو مقلد کے امام کی کسی فضیلت میں شروع ہو جائے۔ (کیونکہ کسی امام کی فضیلت بحیثیت مجتہد ہونے کے مجتہد ہی معلوم کر سکتا ہے مقلد کو کیا معلوم کہ میرا امام اجتہاد میں زیادہ تھا یا کوئی اور) یا کسی عبادت میں گفتگو شروع ہو جائے جو بعض ائمہ صحابہ اس کے مخالف ہوں (کیونکہ عبادت کا معاملہ ذرا نازک ہے تو مقلد اس میں نہایت بعید ہے) بہر حال تقلید کہتے ہیں "کسی کا قول بغیر دلیل کے لینا" پس تقلید علم کا ذریعہ کس طرح بن سکتی ہے (اگر علم ہوتا تو تقلید کی ضرورت ہی نہ ہوتی) اور نہ تقلید کا اعتماد قطع پر ہے۔ بلکہ شبہ پر ہے۔

تقلید بدعت ہے

وهو ایضا فی نفسه بدعة محدثة لانا نعلم بالقطع ان الصحابة رضوان الله علیهم لم یکن فی زمانهم وعصرهم مذهب لرجل معین یدرس اویقلد وانما کانوا یرجعون فی النوازل الی الکتاب

والسُّنۃ اوالی ما یتمحض بینھم من النظر عند فقد الدلیل۔
اور تقلید فی نفسہ بھی بدعت ہے محدث ہے کیونکہ ہم قطعاً جانتے ہیں کہ صحابہ رضی اللہ عنہم کے زمانہ میں کسی شخص کا مذہب معین نہیں تھا جو اس کو حاصل کیا جائے. یا اوس کی تقلید کی جائے اور سوا اس کے نہیں کہ حادثوں میں کتاب وسنّت کی طرف رجوع کرتے تھے جبکہ کتاب وسُنت میں دلیل نہ ملتی۔

تابعینؒ کا طریق

وکذلک تابعوھم ایضا یرجعون الی الکتاب والسنۃ فان لم یجد وانظروا ما اجمع علیہ الصحابۃ فان لم یجد وا اجتھد وا واختار بعضھم قول صحابی فراہ الاقوی فی دین اللہ تعالی۔
اور اسی طرح تابعین کی حالت تھی وہ بھی کتاب وسنّت کی طرف رجوع کرتے تھے. پس اگر کوئی مسئلہ کتاب وسنت میں نہ پاتے تو اُس بات کو دیکھتے جس پر صحابہ کا اجماع ہے اگر اجماع بھی نہ پاتے۔ تو اپنے طور پر اجتہاد کرتے اور بعض ان کے صحابی کے قول کو لیتے پس اس کو اللہ کے دین میں اقوی سمجھتے۔

ائمہ اربعہؒ کا طریق

ثم کان القرن الثالث وفیہ کان ابوحنیفۃ ومالک والشافعی وابن حنبل فان مالکا توفی سنۃ تسع وسبعین ومائۃ وتوفی ابوحنیفہ سنۃ خمسین ومائۃ وفی ھذہ السنۃ ولد الامام الشافعی وولد ابن حنبل سنۃ اربع وستین مائۃ وکانوا علی منھاج من مضی لم یکن فی عصرھم مذھب رجل معین یتدارسونہ وعلی قریب منھم کان اتباعھم فکم من قولۃ لمالک ونظرائۃ خالفہ فیھا اصحابہ ولو نقلنا لک ذلک لخرجنا عن مقصود ذلک الکتاب ماذالک الا لجمعھم الات الاجتھاد وقدرتھم علی ضروب الاستنباطات.. ولقد

صدق اللہ نبیہ فی قولہ خیر القرون قرنی ثم الذین یلونھم ثم الذین یلونھم ذکر بعد قرنہٖ قرنین والحدیث فی صحیح البخاری

پھر تیسرا قرن ہوا اور اس میں ائمہ اربعہ تھے کیونکہ امام مالک ۱۷۹ھ میں فوت ہوئے اور امام ابوحنیفہ ۱۵۰ھ میں فوت ہوئے اور اسی ۱۵۰ھ میں امام شافعی پیدا ہوئے اور امام احمد ۱۶۴ھ میں پیدا ہوئے یہ سب گذشتہ لوگوں کے طریق پر تھے ان کے زمانہ میں کسی شخص کا مذہب معین نہ تھا جس کا درس ہو اور ان کے اتباع بھی انہی کے قریب تھے۔ امام مالک کے بہت اقوال اور اجتہادات ایسے ہیں جن میں ان کے اصحاب مخالف ہیں اگر ہم سب اقوال نقل کریں تو کتاب کے اصل مقصد سے نکل جائیں اس کا سبب یہی تھا۔ کہ انکو اسباب اجتہاد حاصل تھے اور استنباط کی قسموں پر قادر تھے (جو لوگ اماموں کے اصحاب کو اماموں کے مقلد کہتے ہیں وہ غلط کہتے ہیں) اور اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو اس قول میں سچا کر دیا کہ بہتر زمانہ میرا ہے پھر جو ان کے نزدیک ہیں۔ پھر جو ان کے نزدیک ہیں اپنے زمانہ کے بعد دو زمانوں کا ذکر کیا اور یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے۔

اجماع صحابہؓ

فواتح الرحموت شرح مسلم الثبوت صـ۶۳۰ میں ہے۔

اجمع الصحابۃ علی ان من استفتی ابا بکر و عمر امیری المومنین فلہ ان یستفتی ابا ھریرۃ و معاذ بن جبل وغیرھما و یعمل بقولھم من غیر نکیر

صحابہ کا اس بات پر اجماع ہے کہ جو شخص ابوبکرؓ اور عمرؓ سے فتویٰ پوچھے وہ ابوہریرہؓ اور معاذؓ بن جبلؓ اور ان کے سوا اوروں سے بھی فتویٰ پوچھ کر عمل کر سکتا ہے کسی کو اس سے انکار نہیں۔

شاہ ولی اللہ کا فیصلہ

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صـ۵۹ میں لکھتے ہیں۔

قال ابن الھمام فی اخر التحریر کانوا یستفتون مرۃ واحدا و مرۃ غیرہ غیر

ملتزمین مفتیا واحدا۔
ابن ہمام فرماتے ہیں کہ کبھی کسی سے فتویٰ پوچھتے تھے کبھی کسی سے ایک مفتی کا التزام نہ تھا۔

تقلید چوتھی صدی کے بعد کی پیداوار ہے

شاہ ولی اللہ صاحب حجۃ البالغہ میں لکھتے ہیں۔

اعلم ان الناس کانوا قبل المائۃ الرابعۃ غیر مجتمعین علی التقلید الخالص لمذھب واحد بعینہ قال ابوطالب المکی فی قوت القلوب ان الکتب والمجموعات محدثۃ والقول بمقالات الناس والفتیا بمذھب الواحد من الناس واتخاذ قولہ والحکایۃ لہ من کل شیئ والتفقہ علی مذھبہ لم یکن الناس قدیما علی ذٰلک فی القرنین الاول والثانی انتھی اقول وبعد القرنین حدث فیھم شیئ من التخریج غیر ان اھل المائۃ الرابعۃ لم یکونوا مجتمعین علی التقلید الخالص علی مذھب واحد والتفقہ لہ والحکایۃ لقولہ کما یظھر من التتبع بل کان فیھم العلماء والعامۃ وکان من خبر العامۃ انھم کانوا فی المسائل الاجماعیۃ التی لا اختلاف فیھا بین المسلمین او جمھور المجتھدین لا یقلدون الا صاحب الشرع وکانوا یتعلمون صفۃ الوضوء والغسل والصلوٰۃ والزکوٰۃ ونحو ذالک من اٰبائھم او معلمی بلد انھم فیمشون حسب ذٰلک واذا وقعت لھم واقعۃ استفتوا فیھا ای مفتٍ وجدوا من غیر تعیین مذھب

جان لے کہ چوتھی صدی سے پہلے لوگ مذہب معین کی تقلید خالص پر جمع نہ تھے۔ ابوطالب مکی قوت القلوب میں فرماتے ہیں کہ کتب اور مجموعات۔ (مذہبی) بدعت ہیں اور لوگوں کے اقوال کا قائل ہونا اور لوگوں سے ایک شخص کے مذہب پر فتویٰ دینا اور اس کے قول کو لینا اور ہر مسئلہ میں اس کے قول کی حکایت کرنا اور اس کے مذہب کی فقہ حاصل کرنا قدیم زمانے کے لوگ اس پر نہ تھے۔ یعنی قرن اول و ثانی میں انتھی میں (شاہ ولی اللہ) کہتا ہوں کہ قرن اوّل اور ثانی کے بعد ان میں کچھ تخریج (یعنی امام کے اقوال سے مسئلہ نکال کر بتلانا) یہ بات

ان میں) قدرے پیدا ہو گئی مگر پھر بھی چوتھی صدی کے لوگ اس مذہب کی تقلید خالص پر اور اس کے اندر تفقاہت پیدا کرنے پر اور اسی مذہب کے قول کی حکایت کرنے پر جمع نہ تھے جیسا جستجو سے ظاہر ہے بلکہ ان میں علماء بھی تھے۔ اور عوام بھی۔ عوام مسائل اتفاقیہ اور جمہور یہ میں سوا صاحب شرع کے کسی کا پٹہ گلے میں نہیں ڈالتے تھے۔ وضو غسل نماز. زکوٰۃ وغیرہ کا طریقہ اپنے ماں باپ سے یا اپنے شہروں کے معلموں سے سیکھتے اور جب کوئی واقعہ پیش آتا تو سوا تعیین مذہب کے جس مفتی سے اتفاق پڑتا مسئلہ پوچھ لیتے۔

اہل حدیث کا مسلک

وكان من خبر الخاصة انه كان اهل الحديث منهم يستغلون بالحديث فيخلص اليهم من احاديث النبى صلى الله عليه وسلم وآثار الصحابة ما لا يحتاجون معه الى شيئ آخر فى المسئلة من حديث مستفيض او صحيح قد عمل به بعض الفقهاء ولا عذر لتارك العمل به او اقوال متظاهرة لجمهور الصحابة والتابعين مما لا يحسن مخالفتها فان لم يجد فى المسئلة ما يطمئن به قلبه لتعارض النقل وعدم وضوح الترجيح ونحو ذلك رجع الى كلام بعض من مضى من الفقهاء فان وجد قولين اختار اوثقهما سواء كان من اهل المدينة او من اهل كوفة وكان اهل التخريج منهم يخرجون فيما لا يجدونه ... مصرحا ويجتهدون فى المذهب وكان هؤلاء ينسبون الى مذهب اصحابهم فيقال فلان شافعى وفلان حنفى وكان صاحب الحديث ايضا قد ينسب الى احد المذاهب لكثرة موافقة به كالنسائى والبيهقى ينسبان الى الشافعى فكان لا يتولى القضاء ولا الافتاء الا المجتهد ولا يسمى الفقيه الا المجتهد ثم بعد هذه القرون كان ناس اخرون ذهبوا يمينا وشمالا وحدث فيهم امور منها الجدل والخلاف فى علم الفقه

(باب حكاية حال الناس قبل المائة الرابعة وبعدها ص ۱۵۷-۱۵۸)

اور خواص لوگوں سے جو اہلحدیث تھے وہ حدیث کے ساتھ مشغول رہنے احادیث نبویہ اور آثار صحابہ ان کو اس قدر پہنچتے کہ کسی مسئلہ میں اُن کو اور چیز کی احتیاج نہ رہتی حدیث مشہور یا صحیح پہنچتی جس پر فقہا (مجتہدین) سے کسی نے عمل کیا ہو اور اس کے تارک کے لئے کوئی عذر نہ رہا ہو یا جمہور صحابہ اور تابعین کے اقوال پہنچتے جو ایک دوسرے کے مؤید ہیں جن کی مخالفت اچھی نہیں اگر کسی مسئلہ میں تعارض نقل کی وجہ سے اور کسی جانب کو ترجیح نہ ہونے کی وجہ سے اطمینان قلب نہ ہوتا تو فقہا متقدمین میں سے کسی کے قول کی طرف رجوع کرتے۔ پس اگر دو قول ہوتے تو زیادہ پختہ قول کو اختیار کرتے۔ خواہ مدینہ والوں کا ہو یا کوفہ والوں کا اور اہل تخریج (جو امام کے اقوال سے مسئلہ نکال کر بتلائے) وہ جس مسئلہ میں صریح قول نہ پاتے مذہب میں اجتہاد کر کے مسئلہ بتاتے اور یہ لوگ اپنے اماموں کے مذہب کی طرف نسبت کئے جانے مثلاً کہا جاتا کہ فلاں شافعی ہے اور فلاں حنفی ہے اور کبھی اہلحدیث کو بھی بہت مسائل میں کسی مذہب کے موافق ہونے کی وجہ سے اُس مذہب کی طرف نسبت کرنے جیسے نسائی اور بیہقی شافعی کی طرف نسبت کئے جاتے ہیں پس اس وقت قاضی اور مفتی مجتہد ہی ہوتا تھا۔ اور مجتہد ہی کا نام فقیہ رکھتے تھے پھر ان زمانوں کے بعد اور لوگ پیدا ہو گئے۔ جو دائیں بائیں جانے لگے اور کئی امور اُن میں نئے پیدا ہو گئے جن سے جھگڑا اور خلاف بھی ہے جو علم فقہ میں ہے۔

حدیث کے مقابلہ میں مفتی کے قول یا فتویٰ کی کوئی اہمیّت نہیں

چونکہ یہ بات (یعنی خیر قرون کا طریق) بھی مسلّم ہے۔ اس لئے انہی تین چار حوالوں پر اکتفا کر کے یہ بتلاتے ہیں۔ کہ حدیث رسول کے مقابلے میں کسی مفتی کے فتویٰ یا کسی کے قول کی رعایت ہوتی تھی یا نہ۔

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صنےٓ میں لکھتے ہیں۔

وقد تواتر عن الصحابة والتابعين انهم كانوا اذا بلغهم الحديث يعلمون به من غيران يلاحظوا شرطا۔

صحابہ اور تابعین سے یہ بات تواتر کے ساتھ ثابت ہے کہ جب ان کو حدیث پہنچی تو اس پر

عمل کرتے بغیر اس کے کہ کسی شرط کی رعایت کریں۔

دارمی کے ص۱۴۴ میں ہے:۔

قال بن عباس اما تخافون ان تعذبوا اویخسف بکم ان تقولوا قال رسول اللہ صلعم وقال فلان

یعنی ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ تم ڈرتے نہیں کہ عذاب کئے جاؤ یا زمین میں دھسائے جاؤ: اس بات پر کہ تم کہتے ہو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کہا اور فلاں نے کہا یعنی رسُول اللہ صلعم کے بالمقابل فلاں کا ذکر کرتے ہو۔

حدیث کے مقابلہ میں ابوبکرؓ اور عمرؓ کی رائے پر عمل کرنا ہلاکت کا سبب ہے

تذکرۃ الحفاظ جلد ۳ ص۵۳ میں محمد بن عبدالملک کے ترجمہ میں ہے:۔

عن ابن عباس قال تمتع رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم فقال عروۃ نھی ابوبکر وعمر عن المتعۃ فقال ابن عباس ما تقول عروۃ قال نھی ابوبکر وعمر فقال اراھم سیھلکون اقول قال رسُول اللہ صلعم ویقولون قال ابوبکر وعمر قال ابن حزم انھا لعظیمۃ مارضی بھا قط ابوبکر وعمر رضی اللہ عنھما

یعنی ابن عباسؓ نے کہا کہ رسول اللہ نے تمتع کیا عروہ نے کہا ابوبکرؓ اور عمرؓ نے تمتع سے منع کیا ابن عباسؓ نے کہا کہ اے عروہ تو کیا کہتا ہے کہا ابوبکرؓ اور عمرؓ نے منع کیا ابن عباسؓ نے کہا میں دیکھتا ہوں کہ عنقریب ہلاک ہوجائیں گے میں کہتا ہوں رسول اللہ نے کہا اور یہ کہتے ہیں۔ ابوبکرؓ اور عمرؓ نے کہا ابن حزم کہتے ہیں یہ بہت بڑی بات ہے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کبھی اس کو پسند نہ کرتے۔

عبداللہ بن عمرؓ کی غیرت

ترمذی طبع مجتبائی کے ص۱۰۱ میں ہے:۔

عن ابن شھاب ان سالم بن عبداللہ حدثہ انہ سمع رجلا من اھل

الشام وهو یسال عبد اللہ بن عمر عن التمتع بالعمرۃ الی الحج فقال عبد اللہ بن عمر ھی حلال فقال الشامی ان اباک قد نھی عنھا فقال عبد اللہ بن عمر ارایت ان کان ابی نھی عنھا وصنعھا رسول اللہ صلعم امر ابی یتبع ام امر رسول اللہ صلعم فقال الرجل بل امر رسول اللہ صلعم فقال لقد صنعھا رسول اللہ صلعم۔

ابن شہاب سے روایت ہے کہ سالم بن عبداللہ نے ایک شخص کو اہل شام سے سُنا کہ عبداللہ بن عمر سے تمتع کی بابت سوال کرتا ہے۔ عبداللہ بن عمر نے کہا حلال ہے سائل نے کہا تیرے باپ (عمر) نے تو اس سے منع کیا عبداللہ بن عمر نے کہا بھلا یہ تبلا کہ میرے باپ نے اس سے روکا ہو اور رسُول اللہ صلعم نے کیا ہو تو کیا میرے باپ کا حکم مانا جائے گا یا رسول اللہ صلعم کا سائل نے کہا کہ رسول اللہ صلعم کا عبداللہ بن عمر نے کہا بس پھر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو کیا ہے۔

نیز ترمذی طبع مجتبائی کے صنا۱ میں ہے۔

سمعت ابا السائب یقول کنا عند وکیع فقال الرجل ممن ینظر فی الرای اشعر رسول اللہ صلعم ویقول ابو حنیفۃ ھو مثلۃ قال الرجل فانہ قد روی عن ابراھیم النخعی انہ قال الاشعار مثلۃ قال فرایت وکیعا غضب غضبا شدیدا وقال اقول لک قال رسول اللہ صلعم وتقول قال ابراھیم ما احقک ان تحبس ثم لا تخرج حتی تنزع عن قولک ھذا

میں نے ابوالسائب سے سُنا کہتے تھے کہ ہم وکیع کے پاس تھے وکیع نے ایک شخص اہل رائے کو کہا۔ کہ رسُول اللہ صلعم نے اشعار[1] کیا ہے۔ اور ابو حنیفہ نے کہا ہے کہ یہ مثلہ[2] ہے اس شخص نے کہا ابراہیم نخعی نے بھی اسی طرح کہا ہے وکیع بڑے جوش میں آگئے اور فرمایا کہ میں کہتا ہوں رسول اللہ صلعم نے فرمایا تو کہتا ہے ابراہیم نے کہا کس قدر لائق ہے کہ تو قید کیا جائے پھر قید سے نہ نکالا جائے یہاں تک کہ اس بات سے توبہ کرے۔

---

[1] اشعار کہتے ہیں قربانی کے اونٹ کی کوہان میں زخم کرکے خون اوپر ملدینا تاکہ معلوم ہو کہ یہ قربانی کا ہے۔ ۱۲

[2] مثلہ کے معنی ہیں اطراف کا کاٹنا جیسے ناک کان ہاتھ پاؤں وغیرہ ۱۲

مسلم جلد اول طبع انصاری ص۴۸ میں ہے۔

ان ابا قتادۃ حدث قال کنا عند عمران بن حصین فی رھط منا وفینا بشیر بن کعب فحدثنا عمران یومئذ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الحیاء خیر کلہ او قال الحیاء کلہ خیر فقال بشیر بن کعب انا لنجد فی بعض الکتب او الحکمۃ ان منہ سکینۃ ووقاراً للہ ومنہ ضعف قال فغضب عمران حتی احمرتا عیناہ وقال الا اری احدثک عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وتعارض فیہ قال فاعاد عمران الحدیث قال فاعاد بشیر فغضب فما زلنا نقول انہ منا یا ابا نجید انہ لا باس بہ

یعنی ابو قتادہ کہتے ہیں کہ ہم عمران بن حصین کے پاس تھے ایک جماعت میں اور ہم میں بشیر بن کعب بھی تھا پس عمران نے حدیث سنائی کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے کہ حیا سب خیر ہے بشیر نے کہا ہم بعض کتابوں یا حکمت میں پاتے ہیں کہ بعض حیاء اطمینان اور اللہ کیلئے عزت ہے اور بعض حیاء ضعف ہے عمران غضب[1] میں آگئے یہاں تک کہ آنکھیں سُرخ ہو گئیں اور فرمایا کہ میں رسول کی حدیث سُناتا ہوں اور تو اس کا معارضہ کرتا ہے پھر حدیث کو لوٹایا بشیر نے بھی اپنے کلام کو لوٹایا عمران زیادہ غضب میں آگئے ہم ان کا غضب کم کرنے کے لئے

[1] عمران بن حصین کے غضب میں آنیکی یہ وجہ نہ تھی کہ حیاء سے کبھی نقصان نہیں پہنچتا۔ کیونکہ یہ ایک ظاہر بات ہے کہ بعض دفعہ انسان زیادہ شرم کیوجہ سے مسئلہ نہیں پوچھتا اسی واسطے بخاری کے ص۲۴ میں لکھا ہے کہ متکبّر اور شرم والا علم نہیں سیکھ سکتا بلکہ عمران بن حصین کے غضب میں آنیکی وجہ یہ تھی کہ حیاء کا فائدہ زیادہ ہے اور نقصان شاذ و نادر ہے ایسے شاذ و نادر نقصان کو رسول اللہ صلعم نے کالعدم قرار دیکر حیاء کو مطلقاً خیر کہا ہے جیسے حضرت عائشہؓ فرمایا کرتی تھیں کہ رسول اللہ صلعم سارا شعبان روزے رکھتے تھے حالانکہ کچھ چھوڑ بھی دیتے تھے چنانچہ ترمذی کے ص۹۲ میں تصریح کی ہے۔ پس جب اس محاورے پر رسُول اللہ صلعم نے سب حیاء کو خیر کہا ہے تو اب اس کی تقسیم کرنا اور یوں کہنا کہ بعض اس کا اطمینان اور عزّت ہے اور بعض ضعف ہے یہ سراسر حدیث کے خلاف ہے کیونکہ تقسیم سے برابری کا شبہ ہوتا ہے یعنی اس سے یوں سمجھا جاتا ہے کہ حیاء میں جیسے فائدہ بہت ہے ویسے نقصان بہت ہے حالانکہ واقع میں ایسا نہیں بس یہ وجہ تھی عمران بن حصین کے غضب میں آنے کی ورنہ شاذ و نادر نُقصان سے کس کو انکار ہے؟ فافہم ۱۲

یہی کہتے رہے کہ بشیر ہم سے ہے اس کے ساتھ ڈر نہیں یعنی یہ منافق یا بدعتی نہیں۔
اس قسم کے تشدّدات سلف کے حدیث کی بابت بہت تھے دیکھئے ایک مرتبہ عبداللہ بن عمر نے عورتوں کے مسجد میں جانے کی بابت حدیث سنائی توان کے بیٹے نے کہا وہ بہانہ بنالیتی ہیں ہم تو روکیں گے بس اتنی بات پر ایسے سخت ناراض ہوئے کہ مرتے دم تک اس سے کلام نہیں کی کیونکہ ایمان کا تقاضہ یہ نہیں کہ حدیث کے سامنے انسان چون وچرا کرے یا کسی کے قول اور فتویٰ کی رعایت رکھے اسی واسطے امام مالک کہتے ہیں ایسا کوئی شخص نہیں جس کی ساری باتیں لی جائیں مگر صاحب اس قبر کا یعنی رسول اللہ صلعم ہاں اگر قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو کسی سے پوچھ لے لیکن التزام ایک کا نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے اور پوچھے بھی یوں کہ اس مسئلہ میں خدا رسول کا کیا حکم ہے نہ یوں کہ فلاں امام کا کیا مذہب ہے کیونکہ صحابہ کے زمانہ میں ایک مذہب کا التزام نہ تھا نہ کوئی یہ خیال رکھتا تھا نہ قرآن وحدیث میں ایک کی تعیین کی ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے مطلق فرمایا فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون یعنی اگر تمہیں علم نہ ہو تو علم والوں سے پوچھ لو۔ اور رسول اللہ صلعم فرماتے ہیں۔

انما شفاء العی السوال (مشکوٰۃ باب التیمم) یعنی جہالت کی شفاء پوچھنا ہے ایک مذہب کی تعیین کرنا اس آیت وحدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ نہ اللہ تعالیٰ نے ایک کی تعیین کی ہے نہ رسول اللہ صلعم نے بلکہ آیت وحدیث میں مطلق ہے تو اب کسی دوسرے کو کیا اختیار ہے کہ وہ تعیین کرے۔

خلاصہ

خلاصہ یہ کہ ٹھیٹھ اسلام میں تین باتیں ہیں ایک یہ کہ قرآن وحدیث کا صاف فیصلہ ہونے ہوئے کسی کے قول یا فتویٰ کی رعایت نہ رکھے دوسری یہ کہ اگر کسی مسئلہ میں قرآن وحدیث سے فیصلہ نہ ملے تو وہاں پہلے لوگوں کے فیصلہ کو اپنی رائے سے مقدم کرے۔ "تیسری بات یہ ہے کہ اگر خود قرآن وحدیث سے واقف نہ ہو تو بغیر التزام تعیین مذہب کے کسی سے مسئلہ قرآن وحدیث کا پوچھ لے بس یہی ٹھیٹھ اسلام ہے اور یہی رسول اللہ صلعم اللہ تعالیٰ کی طرف سے لیکر آئے تھے اور اسی پر صحابہ کو چھوڑ کر رخصت ہوئے اب جتنا کوئی .... اس روش سے ہٹے گا اتنا ہی حق سے دور ہوگا اور جتنا اس سے نزدیک ہوگا اتنا ہی حق سے نزدیک ہوگا۔

مسلک اہلحدیث اور ٹھیٹھ اسلام میں کوئی فرق نہیں

اب ہم بتلاتے ہیں کہ وہ کونسا فرقہ ہے جو اس روش پر قائم ہے اس

کے بتلانے کی ضرورت تو نہ تھی۔ کیونکہ ہر ایک کا طرزِ عمل ہی اس بات کی شہادت دے رہا ہے۔ کہ ہیں اس روش سے کتنا دُور ہیں اور کتنا نزدیک ہوں۔ لیکن جس فرقہ کو ہم اس روش پر بتلانا چاہتے ہیں۔ اس کے طرزِ عمل پر چونکہ غور نہیں کیا جاتا اور دُور دُور ہی سے ان کو لامذہب اور ائمہ دین کے حق میں بے ادب اور گستاخ کہہ کر کوسا جاتا ہے اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ ان کا طرزِ عمل تحریر میں لائیں تاکہ کسی بھولے بھٹکے کو اس تحریر کے دیکھنے کا اتفاق ہو تو شاید برا کہنے سے باز آجائے اور اگر زیادہ اس کی خوش قسمتی ہو تو یہی طرزِ عمل اختیار کرے اگرچہ اس طرزِ عمل کا کچھ ذکر حجۃ اللہ کی عبارت میں ص۶۲ پر بھی گذر چکا ہے لیکن یہاں قدرے تفصیل مطلوب ہے پس سُنیئے۔

شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے ص۳۶ لغایت ص۳۸ پر اہلِ حدیث کا طرزِ عمل بتلاتے ہوئے فرماتے ہیں۔ اس کا ترجمہ یہ ہے کہ :۔

اہلحدیث کی یہ رائے نہ ہوئی کہ پہلے لوگوں میں سے کسی ایک کی تقلید کریں کیونکہ وہ دیکھتے کہ پہلے لوگوں میں سے ہر ایک کے مذہب کے خلاف کئی احادیث اور آثار ہیں (تو اگر ایک کی تقلید کرتے تو ان احادیث اور آثار کو چھوڑنا پڑتا حالانکہ طالب حق ایسا نہیں کر سکتا) پس انہوں نے ایسے چند قواعد کے ساتھ احادیث اور آثار صحابہ و تابعین و مجتہدین کی جستجو اختیار کی جو انہوں نے اپنے دلوں میں محکم کر رکھے تھے۔ میں ان قواعد کو مختصر عبارت میں تیرے لئے بیان کرتا ہوں (وہ یہ ہیں) جب کوئی مسئلہ قرآن میں صراحۃً ہوتا تو پھر کسی اور طرف نہ جاتے جب قرآن میں کئی معنوں کا احتمال ہوتا تو حدیث فیصلہ کرنے والی ہوتی پس جب کتاب اللہ میں کوئی مسئلہ نہ پاتے تو حدیث کو لیتے خواہ وہ حدیث فقہاء میں مشہور ہو یا ایک شہر والوں نے یا ایک گھر والوں نے روایت کی ہو یا صرف ایک ہی سند سے مروی ہو اور خواہ صحابہ یا فقہاء نے اس پر عمل کیا ہو یا نہ اور جب کسی مسئلہ میں حدیث ہوتی تو پھر اس مسئلہ میں اس حدیث کے خلاف کسی کے قول یا اجتہاد کی تلاش نہ کرتے اور جب کسی مسئلہ میں باوجود پوری تلاش کے کوئی حدیث نہ پاتے تو جماعت صحابہ کے اقوال اور جماعت تابعین کے اقوال لیتے۔ لیکن ان میں سے کسی ایک قوم کے پابند نہ رہتے جیسے ان سے پہلے لوگ کرتے تھے۔ پس جس مسئلہ پر جمہور علماء اور فقہاء متفق ہوتے اسی کی اتباع کرتے اور جس مسئلہ میں اختلاف ہوتا

توخلفاء اور فقہاء میں سے جو زیادہ عالم اور پرہیز گار ہوتا اُس کی حدیث کو لیتے یا اس کی حدیث لیتے جو حدیث میں ان کے نزدیک زیادہ ضبط والا یا زیادہ مشہور ہوتا پس اگر کوئی ایسا مسئلہ ہوتا جس میں دو قول برابر ہوتے (یعنی دلیل کے رو سے ایک دوسرے پر ترجیح نہ ہوتی) تو وہ مسئلہ دو قول والا ہوتا پس اگر اقوال صحابہ و تابعین سے بھی عاجز ہو جاتے (یعنی کسی کا قول نہ پاتے) تو قرآن و حدیث کے عمومات اور اشارات میں اور اُن معانی میں جن کو عبارت چاہتی ہے غور کرتے (یعنی قرآن و حدیث میں اجتہاد) اور ایک مسئلہ کو دوسرے پر حمل کرتے، جبکہ دونوں مسئلے سرسری نظر سے ایک دوسرے کے قریب ہوتے (یعنی آپس میں بہت مشابہ ہوتے) اور (دوسرے فقہاء کی طرح) اصول کے (مقررہ) قواعد پر اعتماد نہ رکھتے بلکہ جو فہم کی طرف پہنچتا اور جس سے سینہ ٹھنڈا ہو جاتا ہے (یعنی دل تسلّی پکڑتا ہے) اس پر اعتماد کرتے جیسے کہ تواتر کے لئے کوئی عدد مقرر نہیں نہ نقل کرنے والوں کے اوصاف کا اعتبار ہے۔ بلکہ جتنے عدد سے یقین ہو جائے (خواہ عدد تھوڑا ہو یا بہت اور نقل کرنے والے عادل ہوں یا غیر عادل) جیساکہ صحابہ کے حال میں ہم نے اس پر آگاہ کیا ہے (یعنی جیسے صحابہ کی بھی بالکل یہی حالت تھی کہ ان کا مقررہ قواعد پر اعتماد نہ تھا بلکہ جس طرح دل کی تسلی ہوتی اس پر اعتماد کرتے) اور یہ اصول اہلحدیث کے پہلے لوگوں (یعنی سلف) کے طرز عمل اور ان کی تصریحات سے لئے گئے (چنانچہ سلف کے طرز عمل کی تفصیل ہو چکی ہے۔)

اہل حدیث پر طعن درحقیقت صحابہ پر طعن ہے

ناظرین! اہلحدیث کے اس طرز عمل کا مقابلہ صحابہ کی روش سے کر کے بتلائیں کہ اہلحدیث کیسے صحابہ کے قدم بقدم ہیں حریفوں پر بڑا افسوس ہے کہ وہ اہلحدیث پر طعن کرتے ہوئے یہ نہیں سوچتے کہ ہم درحقیقت صحابہ پر طعن کر رہے ہیں ہاں اگر صحابہ کی روش کسی کو پسند نہ ہو تو اس کی مرضی وہ جتنا چاہے طعن کرے ایسے طعن کرنے والے پر کچھ افسوس نہیں کیونکہ وہ تو اپنے اسلام ہی کی خیر منائے بیٹھا ہے۔ لیکن جو صحابہ کو اچھا کہتا ہے وہ خدا جانے کیوں طعن کرتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ

بر بزرگاں سخن بسوئے خود است   تف بسوئے فلک بروئے خود است

طائفہ منصورہ اہل حدیث ہیں

اور سب سے بڑھ کر اس شخص پر افسوس ہے جو مذہب اہلحدیث کو نیا سمجھتا ہے۔ حالانکہ جو طرز عمل سلف کے موافق ہو اور عین ٹھیٹھ اسلام ہو اس کے نیا ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں خصوصاً جبکہ حدیث لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق کے مصداق بھی اہلحدیث ہی ہوں اس حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فرقہ کے ہمیشہ حق پر رہنے کی پیشین گوئی فرمائی ہے۔

امام بخاریؒ کی شہادت

امام بخاری کہتے ہیں اس سے مراد اہلِ علم یعنی اہلحدیث ہیں کیونکہ محدثین کے نزدیک اصل علم حدیث کا علم ہے اسی لئے امام بخاری نے اپنے استاد علی بن مدینی سے نقل کیا ہے۔ ہم اصحاب الحدیث یعنی اس سے مراد اہل حدیث ہیں۔

امام احمد کی شہادت

امام احمد کہتے ہیں ان لم یکونوا اھل الحدیث فلا ادری من ھم یعنی اگر اس سے مراد اہلحدیثؑ نہ ہوں تو پھر میں نہیں جانتا کہ کون ہیں ملاحظہ ہو فتح الباری جز ۲۹ صـ ۶۷۱

ؔلہ بعض کہتے ہیں کہ مذہب اہلحدیث تو پرانا ہے مگر نام اہل حدیث نیا ہے تو اس کی بابت عرض ہے کہ نام بھی پرانا ہے کہ یہ لقب خیر قرون سے چلا آتا ہے اور امام احمد اور علی بن مدینی کے اس قول سے بھی معلوم ہوا کہ یہ لقب بہت پرانا ہے اس کے علاوہ مسلم کے شروع میں باب الاسناد من الدین میں ہے عن ابن سیرین قال لم یکونوا یسئلون عن الاسناد فلما وقعت الفتنۃ قالوا سموا لنا رجالکم فینظر الی اھل السنۃ فیوخذ حدیثھم وینظر الی اھل البدع فلا یوخذ حدیثھم یعنی محمد سیرین فرماتے ہیں۔ کہ (پہلے) لوگ اسناد کا سوال نہیں کرتے تھے جب فتنہ واقعہ ہوگیا تو کہنے کہ راویوں کے نام بتلاؤ پس اہلسنت کو دیکھ کر ان کی روایت کی ہوئی حدیث لی جاتی اور اہل بدعت کو دیکھ کر ان کی روایت کی ہوئی حدیث ترک کی جاتی۔ محمد بن سیرین مشہور تابعی ہیں ان کے کلام سے ظاہر ہوا کہ اہل سنّت کا لقب ان سے بھی پہلے کا ہے کیونکہ ماضی (گذشتہ) کا حال سُنا رہے ہیں اور سُنّت اور حدیث ایک شے ہے

اکابر اہلِ حدیث

اس کے علاوہ اور سُنیئے شاہ ولی اللہ صاحب انصاف کے صفحہ ۳۵ میں لکھتے ہیں

فکان رؤس ھؤلاء عبد الرحمٰن بن مھدی ویحیی بن سعید القطان ویزید بن ھارون وعبد الرزاق وابوبکر بن ابی شیبۃ ومسدد وھناد واحمد بن حنبل

بقیہ حاشیہ صفحہ ۷۲۔ تو اہل حدیث بعینہٖ اہلسنت ہوئے اسی بناء پر امام احمد اپنے رسالہ کے شروع میں جو عقائد میں انہوں نے لکھا ہے اور ہندوستان میں مترجم ہو کر چھپ چکا ہے فرماتے ہیں ھذہ مذاھب اھل السنۃ واصحاب الاثر واھل السنۃ المتمسکین بعروقھا المعروفین المقتدی بھم فیھا من لدن اصحاب النبی صلے اللہ علیہ وسلم الی یومنا ھذا وادرکت علیھا من علماء الحجاز والشام وغیرھم یعنی یہ اہل سنت اور اہلحدیث کے عقائد ہیں اور اہلسنت کے جو سُنّت کے دستاویز سے تمسک کرنے والے ہیں جو اس میں مشہور اور مقتدی ہیں اصحاب رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے آج تک اور جس پر ہیں نے علمائے حجاز اور شام وغیرہ کو پایا۔

اس رسالہ کے اخیر پر فرماتے ہیں یرحم اللہ عبدا قال الحق واتبع الاثر وتمسک بالسنۃ یعنی رحم کرے اللہ اس بندے پر جس نے حق کہا اور اثر۔۔۔ کی اتباع کی اور سُنّت سے استدلال کیا

ان دونوں عبارتوں میں اثر سے مراد روایات صحابہ ہیں اور سنت سے مراد حدیث ہے اور اہلحدیث ان دونوں کی طرف منسوب ہوتے ہیں اسی لئے کبھی ان کو سلفی کہتے ہیں کبھی اہلحدیث کبھی اصحاب الاثر کبھی اصحاب الحدیث وغیرہ پس معلوم ہوا کہ اہل حدیث بعینہٖ اہل سُنّت ہیں اور یہ لقب حدیث ما انا علیہ واصحابی سے ماخوذ ہے ما انا علیہ احادیث ہیں واصحابی روایات صحابہ ہیں۔ اس کے بعد اصحاب الرائے پیدا ہو گئے جن کا زیادہ قصد تحصیل احادیث اور نقل اخبار کی طرف نہ رہا وہ لقب اہلسنت کے پُورے مستحق تو نہ تھے مگر چونکہ عقائد کے رو سے وہ قریب قریب صحابہ کے تھے۔ اس لئے ان کے حق میں بھی یہ لفظ استعمال ہوتا رہا۔ بس اس طرح سے اہلسنت کا لفظ پھیل گیا۔ ورنہ اصل اہلسنت اہلحدیث ہی ہیں کیونکہ اہلسنت درحقیقت وہ ہے جو ہر طرح سے سنّت سے تعلق رکھے یعنی اصول۔ فروع۔ عقاید۔ احکام میں ہر طرح سنّت کا پابند رہے۔ جیسے صحابہ کا طرز عمل تھا جو تھوڑا سا بھی اس طرز سے ہٹا وہ اصل اہلسنت کہلانے کا مستحق نہیں چنانچہ شاہ ولی اللہ صاحب کی عبارت جو پیچھے گذر چکی ہے اس میں جملہ وبینھما

(باقی اگلے صفحہ پر)

واسحاق بن راھویہ والفضل بن دکین وعلی بن المدینی واقرانھم۔

یعنی اہل حدیث[1] کے بڑے یہ لوگ ہیں عبدالرحمٰن بن مہدی یحییٰ بن سعید قطان یزید بن ہارون عبدالرزاق ابوبکر بن ابی شیبہ۔ مسدد۔ ہناد احمد بن حنبل اسحاق بن راہویہ فضل بن دکین علی بن مدینی اور ان کی مثل۔

بتلائیے ان لوگوں کا مذہب نیا تھا یا پرانا اصل یہ ہے جن لوگوں نے مذہب اہل حدیث کو نیا سمجھا ہے ان کو ہندوستان سے دھوکا لگا ہے۔ کیونکہ ہندوستان میں پچاس ساٹھ سال سے کچھ قبل مذہب اہلحدیث کا چنداں چرچا نہ تھا اس سے بعض کوتہ نظروں نے یہ سمجھ لیا کہ مذہب اہل حدیث کی عمر ہی کل پچاس ساٹھ سال کی ہے۔ حالانکہ اس کی عمر سب مذاہب سے زیادہ ہے کیونکہ یہ سب مذاہب سے پہلے موجود تھا۔ اور جب نئے مذاہب پیدا ہوگئے تو بھی ہر زمانہ میں موجود رہا۔ اور آئندہ بھی رہے گا۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں۔ لا تزال طائفۃ من امتی ظاھرین علی الحق۔

بقیہ حاشیہ صـ۹۳ـ:۔ المحققون من اھل السنۃ کاحمد واسحاق اسی طرف اشارہ ہے پس ثابت ہوا کہ اصل اہل سنت اہل حدیث ہیں۔ اور اس تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنت کا لفظ جو اہل بدعت کے مقابلے میں استعمال ہوتا ہے تو اس کی یہ وجہ نہیں کہ پورا اہلسنت بننے کے لئے صرف عقائد ہی کافی ہیں بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ جو عقائد میں صحابہ کے موافق رہتا ہے ~~وہ قدرے قرب میں رہتا ہے نیز اس تحقیق سے~~ یہ بھی معلوم ہوا کہ اہل سنّت کوئی فرقہ نہیں بلکہ یہ وہی اصل لوگ ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں تھے جبکہ تفرقہ اسلامی کا نام و نشان نہ تھا فرقہ وہ لوگ ہیں جو ان سے الگ ہوگئے خواہ عقائد میں الگ ہوئے ہوں یا تحصیل احادیث اور نقل اخبار کا زیادہ قصد نہ کرنے کی وجہ سے الگ ہوئے ہوں۔ ہاں کبھی مجازاً اوروں کے مقابلہ میں ان کو بھی فرقہ کہہ دیتے ہیں۔

خلاصہ یہ کہ اہلسنت یا بالفاظ دیگر اہل حدیث اُس شاہراہ پر ہیں جو بمنزلہ میل کے ہے جو کلکتہ سے سیدھی پشاور کو جاتی ہے باقی سب برانچ پر ہیں جو زیادہ دور ہیں وہ اہل بدعت ہیں جو قدرے قرب میں ہیں وہ اصحاب الرائے وغیرہ ہیں فافہم ۱۲

[1] اہل حدیث کے بڑے تو اصل میں صحابہ ہیں لیکن ان لوگوں کو بڑے اس وقت کے لحاظ سے کہا ہے۔ جب کہ اہل رائے کا چرچہ ہوگیا کیونکہ شاہ ولی اللہ صاحب نے ان کا ذکر اہل رائے کے مقابلہ میں کیا ہے۔ فافھم ۱۲۔

مولانا ثناء اللہ امرتسریؒ

سوال :۔ مولانا ثناء اللہ امرتسری نے قرآن کی تفسیر کرتے ہوئے بعض مقام پر تفسیر صحابہؓ کی مخالفت کی ہے اکابر علماء خاندان غزنویہ و دیگر علماء اہل حدیث نے مولانا موصوف کو توجہ دلائی ہے۔ مگر انہوں نے اپنی اغلاط سے رجوع نہیں کیا ان اغلاط کی روشنی میں ان کو اہل حدیث کہا جا سکتا ہے ؟

بشیر احمد بھٹی نواں کوٹ۔ لاہور

جواب :۔ مولوی ثناء اللہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ میں اہلحدیث ہوں لیکن طرز عمل ان کا اہل حدیث کے خلاف ہے تو پھر اہل حدیث ہونے کا دعویٰ ان کے منہ سے کس طرح زیبا ہو سکتا ہے۔ اہل حدیث تو قرآن و حدیث کے بعد اقوال سلف کو لیتے تھے۔ آپ اقوال سلف کی پرواہ نہیں کرتے۔ دیکھئے تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن میں اور دیگر کئی رسائل میں اس نے کس طرح سلف کی مخالفت کی ہے۔ ہم اس کی چند مثالیں نقل کئے دیتے ہیں ان پر غور کر کے تبلائیں کیا وہ اہل حدیث کہلانے کے مستحق ہیں۔

مثلاً انہوں نے اپنی "تفسیر القرآن بکلام الرحمٰن" میں فی لوح محفوظ کے معنی فی علمہ سبحانہ یعنی علم الٰہی کے لکھے ہیں۔ تو یہ عرب اول یعنی صحابہ نے نہیں سمجھے بلکہ وہ تو اس سے تختی سمجھتے رہے جس میں خیر و شر لکھی ہوتی ہے۔

اسی طرح انہوں نے اپنی تفسیر مذکور میں والنا لہ الحدید کے معنی یہ لکھے ہیں وعلمناہ الانة الحدید (یعنی داؤدؑ کو لوہے کے نرم کرنے کا طریقہ سکھایا یعنی آگ کے ساتھ [1]) حالانکہ یہ معنی اہل زبان صحابہ نے

---

[1] مولوی ثناء اللہ نے الکلام المبین کے ص۸ سے ص۸۹ تک اس معنی پر زور دیا ہے۔ کہ آگ کے ساتھ لوہے کے نرم کرنیکا طریقہ سکھایا پھر ص۹۰ پر لکھتے ہیں کہ میری عبارت کے وہ معنے بھی ہو سکتے ہیں جو تفاسیر سلف سے ثابت ہیں چنانچہ فرماتے ہیں لوہا نرم کرنا سکھایا تھا یعنی یہ کہا تھا کہ لوہے کو ہاتھ میں یوں رکھا کر دبس وہ نرم ہو جائے گا۔

مولوی ثناء اللہ کی خدمت میں عرض ہے کہ آپ کی عبارت اس معنی کی متحمل نہیں۔ کیونکہ آپ نے آیت کے حقیقی معنی (نرم کیا) چھوڑ کر مجازی معنی (تعلیم) کے کئے ہیں (جو نیچری وغیرہ کرتے ہیں جو معجزات سے منکر ہیں) تو اگر آپ کی وہی مراد ہوتی جو تفاسیر سلف سے ثابت ہے تو حقیقی معنی چھوڑ کر جس میں دوسرا احتمال نہیں۔ ایک مجازی معنی کرنا جس میں گمراہ فرقوں کا تمسک ہو اس کی کیا وجہ۔ کیا اسی کا نام تفسیر ہے ایسی تفسیر کو آپ ہی تفسیر کہتے ہوں گے۔ ورنہ دنیا تو اس کو تحریف کہتی ہے۔ ۱۲

نہیں سمجھے وہ تو یہی سمجھتے رہے کہ داؤدؑ کے ہاتھ میں لوہا موم کیا۔

اسی طرح وہ عند سدرۃ المنتہیٰ کی تفسیر یوں لکھتے ہیں۔ عند انتہاء مراتب الکمال للانسان (یعنی انسان کے کمالات کے ختم ہونے کی جگہ) حالانکہ یہ معنی اہل زبان سے کسی نے نہیں سمجھے وہ تو بیری سمجھتے رہے جو ساتویں آسمان پر ہے۔ چنانچہ بخاری مسلم وغیرہ میں صاف حدیث موجود ہے۔

اسی طرح والوزن یومئذ الحق کی تفسیر مقدار الاعمال بای وجہ کان کیسا تھ کی ہے (یعنی اعمال کا اندازہ جس طرح ہو) اور ومن خفت موازینہ کی تفسیر حبطت اعمالھم کے ساتھ کی ہے (یعنی جن کے عمل حبط ہوگئے) حالانکہ سلف نے ان کے معنی یہ کئے ہیں کہ اعمال تولے جائیں گے اور حدیثوں میں بھی اعمال کے تولے جانے کا بہت ذکر ہے۔

اسی طرح اجعل علی کل جبل منھن جزأ۔ کی تفسیر واحدا واحدا کے ساتھ کی ہے (یعنی ایک ایک پرندہ پہاڑ پر رکھدے) گویا پرندوں کے ذبح سے انکار ہے۔

مولوی ثناء اللہ صاحب الکلام المبین کے ص۲۷ میں لکھتے ہیں حکم ہوا کہ چار جانور لیکر ان کو اپنے سے ہلا پھر ان میں کا ایک ایک پہاڑ میں رکھ کر ان کو بلا وہ تیری طرف دوڑتے ہوئے آئیں گے۔ انتہیٰ

اور الکلام المبین کے ص۲۹ میں لکھتے ہیں قرآن شریف میں حضرت مسیح کے معجزات کے متعلق جہاں کہیں مُردوں کے زندہ کرنے کا ذکر ہے وہاں باذن اللہ کی قید برابر لگائی جاتی ہے۔ تاکہ سامعین کو اشتباہ نہ ہو مگر یہاں پر اس کے برخلاف ہے۔ ایک تو یہ قید[1] نہیں دوئم احیاء یعنی زندہ[2] کرنے کا ذکر نہیں۔ سوئم بڑی بات

---

[1] ابراہیمؑ کے قصہ میں باذن اللہ کی قید اس لئے نہیں لگائی کہ زندہ کرنے کی نسبت ابراہیمؑ کی طرف نہیں کی بلکہ ابراہیمؑ کی طرف ٹکڑے کرکے پہاڑ پر رکھنے کی نسبت کی ہے جس کے اندر سے ذبح سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ ایک انسانی طاقت کا فعل ہے اس میں باذن اللہ کی ضرورت نہیں۔ اگر کہا جائے کہ یاتینک سعیا پرندوں کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو اس کے ساتھ باذن اللہ کی قید ہونی چاہیئے تھی تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ یاتینک سعیا پرندوں کا فعل اختیاری ہے۔ کیونکہ کبوتروں اور بازوں کو لوگ ہلاتے ہیں اور بلاتے ہیں تو اپنے اختیار ہی سے آتے ہیں پس اس میں بھی باذن اللہ کی قید کی ضرورت نہیں۔ ہاں ذبح اور دوڑ کر آتے ہوئے آنا۔ ان دونوں کے ملانے سے زندہ ہونا لازم آجاتا ہے مگر قرآن مجید میں کوئی لفظ ایسا نہیں جس کے ساتھ باذن اللہ کی قید کی ضرورت ہو اور اگر فرضی طور پر ہم مان لیں کہ صرف یاتینک پرندوں کے زندہ ہونے پر دلالت کرتا ہے تو بھی باذن اللہ کی قید کی اس کے ساتھ ضرورت نہیں۔ کیونکہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

قابل غور ہے کہ آیت میں صرف اتنا مضمون ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کو حکم ہے کہ تو ان کو بلا بس تیرے بلانے

بقیہ حاشیہ ص۷۶ :۔ اس میں پرندوں کی طرف نسبت ہے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ مردہ اپنے آپ کو زندہ نہیں کر سکتا

یہ ایسا ہوا جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فانما ھی زجرۃ واحدۃ فاذا ھم بالساھرۃ۔

اس کے علاوہ ابراہیمؑ کے قصہ میں پرندوں کا زندہ ہونا سوال (کیف تحی الموتی) کے جواب میں ہے اور سوال میں

کی طرف نسبت ہے جو باذن اللہ کی قید سے بڑھ کر ہے پس اب جواب میں کوئی ضرورت نہیں کیونکہ یہ اُسی سوال کا

ب ہے کوئی الگ زندہ کرنا نہیں جو اشتباہ ہو برخلاف مسیح کے معجزات کے کہ وہاں مسیح نے کوئی سوال نہیں کیا پھر مسیح

السلام کا قصہ نصاریٰ کی تردید میں ذکر ہوا ہے۔ جو مسیح کو خدا مانتے تھے اس لئے ضروری تھا کہ وہاں باذن اللہ کی قید

ی برخلاف ابراھیم علیہ السلام کے قصہ کے کہ وہ اس غرض سے ذکر ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے نیک بندوں کو اندھیروں سے

شنی کی طرف کس طرح نکالتا ہے یہاں تک کہ اگر ذرا سا بھی طبیعت میں اضطراب ہو تو اللہ تعالیٰ دور کر دیتا ہے اور اس

پہلے عزیر کا قصہ بھی اسی غرض سے ذکر ہوا ہے اور اس سے پہلے نمرود کا قصہ ہے۔ اس سے یہ غرض ہے کہ شیطان اپنے

ستوں کو روشنی سے اندھیروں کی طرف کس طرح لے جاتا ہے۔ گویا یہ تینوں قصے اُوپر کی آیت کی تشریح ہیں جس

ذکر ہے کہ اللہ اپنے دوستوں کو اندھیروں سے روشنی کی طرف نکالتا ہے اور شیطان اپنے دوستوں کو روشنی سے اندھیروں

طرف نکالتا ہے پس ابراہیمؑ کو عیسیٰ علیہ السلام کے قصہ پر قیاس کرنا بالکل غلط ہے۔ کیونکہ عیسیٰ علیہ السلام کا قصہ بہت محل

یا ملہ ہے۔ اس لئے بعض جگہ ایسی بات میں بھی باذن اللہ کی قید لگا دی ہے جو انسانی طاقت سے بالاتر نہ تھی۔ جیسے

یں پارے میں ہے واذ تخلق من الطین کھیئۃ الطیر باذنی یعنی تو میرے اذن سے پرندے کی شکل بناتا تھا۔"

ے کی شکل بنانا انسان سے کچھ بعید نہیں تو اگر باذنی کی قید یہاں نہ ہوتی تو اس میں کچھ اشتباہ نہ تھا۔ صرف نصاریٰ کی

ید میں مبالغہ کرنے کے لئے یہ قید ذکر کر دی ہے۔ اگر اشتباہ کے دُور کرنے کے لئے ذکر ہوتی تو جیسے پرندہ ہونے کے ساتھ

احیاء موتیٰ کے ساتھ سب جگہ ذکر ہے۔ اسی طرح پرندے کی شکل بنانے کے ساتھ بھی سب جگہ ذکر ہوتی۔ حالانکہ

ے پارے میں شکل بنانے کے ساتھ ذکر نہیں بلکہ ابری الاکمہ والابرص میں بھی مبالغہ کی خاطر ذکر ہوئی ہے نہ اشتباہ

خاطر کیونکہ احیاء موتیٰ اور مٹی سے پرندہ بن جانے کی نسبت یہ بھی معمولی ہیں خصوصاً جس زمانے میں طبابت کا زور ہو

ی وجہ ہے کہ ان دونوں کے ساتھ بھی تیسرے پارے میں یہ قید ذکر نہیں ہوئی۔ ملاحظہ ہو فتح البیان وغیرہ ۱۲

لی زندہ کرنا قرآن مجید سے ثابت ہے کیونکہ قرآن مجید کی نص سے ثابت ہے کہ پرندے ٹکڑے کئے گئے چنانچہ آیہ کریمہ

م اجعل علی کل جبل منھن جزءاً اس پر دلالت کرتی ہے کیونکہ جزء کے معنی ٹکڑے کے ہیں اگر ٹکڑے نہ

(باقی اگلے صفحہ پر)

ہی سے وہ تیرے پاس بھاگتے چلے آویں گے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان جانوروں میں کوئی غیر معمولی حر
پیدا نہیں ہوئی تھی جس کی بابت خدا تعالیٰ کوئی مزید قید لگاتا بلکہ صرف اتنی ہی تھی جو انسانی طاقت میں ۔
مختصر یہ کہ نہ قرآن میں نہ کسی حدیث میں اس بات کا ثبوت ہے۔ کہ جانوروں کو حضرت ابراہیمؑ نے ذبح یا قطع
تھا پھر بعد قطع ہونے کے وہ زندہ ہوئے تھے۔ انتہیٰ

اور الکلام المبین کے ص۲۳ میں لکھتے ہیں جانوروں کا مرکر یا مقطوع ہوکر زندہ ہونا چونکہ نہ تو قرآن مجید
نص سے نہ حدیث سے اس کا ثبوت ہے اس لئے ہم نے یہ معنی کئے ہیں۔ انتہیٰ

غرض پرندوں کے ذبح ہونے سے مولوی ثناء اللہ صاحب کو صاف انکار ہے۔ حالانکہ ابو مسلم معتزلی[۲]
سے پہلے کسی نے پرندوں کے ذبح ہونے سے انکار نہیں کیا[۳]۔

بقیہ حاشیہ ص۷۷:۔ نہ کئے جاتے تو جزء کا لفظ استعمال نہ ہوتا اور مولوی ثناء اللہ نے جو اس کے معنی واحد کے کئے ہیں تو وا
ثابت نہیں اگر ثابت ہو جائیں تو مجازی ہوں گے۔ جب حقیقی معنی بن سکیں تو مجازی نہیں لئے جاتے اس کی زیادہ تفصیل ہما
رسالہ درایت تفسیری اور اشتہار طیور ابراہیمی میں ملاحظہ ہو۔ ۱۲

[۱] صرف اتنا نہیں بلکہ ٹکڑے کرنا بھی ثابت ہے جیسے ابھی گزرا ہے۔ ۱۲

[۲] ابو مسلم معتزلی نے دلیل یہ دی ہے کہ اگر پرندے ذبح کئے جاتے تو قرآن مجید کی عبارت یوں ہوتی ثم اجعل علی کل جبل
کل واحد منھن جزء مگر یہ دلیل ابو مسلم کی عربیت سے ناواقفی پر دلیل ہے کیونکہ منھن میں جمع کی ضمیر ہے جو افراد کو بیا
کرتی ہے تو پھر من کل واحد کی کیا ضرورت ہے بلکہ منھن کی جگہ من کل واحد کہنے میں دو نقص ہیں ایک لفظی ایک
تفصیل اس کی یہ ہے کہ جزء مراد ہونے کی کل دو صورتیں ہیں ایک یہ کہ چاروں پرندوں کو ذبح کرکے ان کو ملا کر شئی واحد (قیمہ) کر
پھر چار حصے کرکے ایک حصہ ہر پہاڑ پر رکھدے۔ دوسری یہ کہ چاروں پرندے ذبح کرکے ہر ایک کے چار چار ٹکڑے کرکے ہر ایک کا ایک
ٹکڑا ہر پہاڑ پر رکھدے۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ پہلی صورت بہ نسبت دوسری کے زیادہ قدرت کی دلیل ہے کہاں چار ٹکڑوں الگ کا آپ
ملکر زندہ ہونا اور کہاں بہت سے ٹکڑوں کا ملکر زندہ ہونا جو ایک دوسری شئی کے ٹکڑوں سے متحد ہیں۔ اب من کل واحد میں ایک نقص
کہ وہ پہلی صورت کو شامل نہیں جو زیادہ قدرت کی دلیل ہے یہ تو معنوی نقص ہے۔ اور لفظی نقص یہ ہے کہ عبارت لمبی ہو جاتی ہے اور منھ
ان دونوں نقصوں سے پاک ہے اگر جزء کی پوری تحقیق منظور ہو۔ تو ہمارا رسالہ درایت تفسیری ملاحظہ کریں۔ ۱۲ - [۳] ملاحظہ ہو تفسیر کبیر وغیرہ
ص۱ اس غلطی سے مولانا ثناء اللہ نے رجوع کیا ہے۔ لکھتے ہیں کہ اگرچہ حضرات کے دلائل میں گفتگو کی مجال ہے مگر میرے ضمیر نے فیصلہ کر د
کہ واقعی غلطی ہے (حاشیہ فیصلہ آرہ ص۱۶) ہم نے اس کا ذکر یہاں اس لئے کیا ہے۔ کہ ان کو دلیل سے منوائیں کیونکہ وہ کہتے ہیں کہ یہ ج
فیصلہ ہے نہ کہ دلیل کا۔ فافہم۔ ۱۲

اسی طرح تفسیر مذکور میں وظللنا علیهم الغمام کے معنی یہ لکھے ہیں ارسلنا السماء علیهم مدرارا (ہم نے ان پر بارش اتاری) حالانکہ سلف نے کہا ہے کہ بنی اسرائیل پر بادلوں کا سایہ کیا اور یہ موسیٰؑ کا معجزہ تھا۔

اسی طرح فبدل الذین ظلموا کی تفسیر یوں کی ہے ای خالفوا ما امروا به من التوکل والاستغفار (ان کا بات کو بدلنا یہ تھا کہ توکل اور استغفار کا جو حکم ہوا تھا اس کی مخالفت کی) حالانکہ حدیث میں بدلنے کی تفسیر یہ کی ہے۔ کہ سجدے ——— کے بل گھسٹتے ہوئے داخل ہوئے اور حطة کی جگہ حنطة کہا۔

اسی طرح قالت هو من عند الله کی جگہ جو مرقوم ہے کی تفسیر میں لکھتے ہیں۔ کانت تنسب ما کان ... ها الی الله لقوله تعالیٰ وما بکم من نعمة فمن الله (یعنی جو مریم علیہا السلام کے پاس تھا) اس کو ... کی طرف نسبت کرتی تھی کیونکہ سب نعمتیں اللہ کی طرف سے ہیں۔ تو گویا مریم علیہ السلام کی کرامت ثابت نہ ہوئی۔ اسی واسطے حاشیہ میں صاف لکھتے ہیں کہ

فلیس فیه دلیل علی ان مریم الصدیقة کان یاتیها فاکهة الصیف فی الشتاء وفاکهة الشتاء فی الصیف۔

"اس آیت میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں کہ مریم علیہ السلام کے پاس گرمی کے میوے سردی میں اور سردی کے میوے گرمی میں آتے تھے۔"

اسی طرح حتی یاتینا بقربان تاکله النار کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای یحرقه الکاهن بالنار (یعنی قربانی کو کاہن آگ کے ساتھ جلا دے) حالانکہ سلف نے اس کی تفسیر آگ آسمانی کے ساتھ کی ہے۔

اسی طرح یوم یاتی بعض آیات ربك لا ینفع نفسا ایمانها کی تفسیر میں یوم الموت لکھتے ہیں۔ حالانکہ حدیث میں ہے کہ شمس کا طلوع مغرب سے مراد ہے۔

اسی طرح سخرنا مع داؤد الجبال یسبحن والطیر کی تفسیر تذکره حین غفلته کے ساتھ کی ہے۔ (یعنی پہاڑ اور پرندے داؤد علیہ السلام کو غفلت کے وقت یاد دلاتے تھے۔) پھر اس پر یہ شعر پیش کیا ہے ؎

برگ درختان سبز در نظر ہشیار ❁ ہر ورقے دفتریست معرفت کردگار

یعنی پہاڑوں اور پرندوں کا داؤد علیہ السلام کے ساتھ تسبیح پڑھنا یہی تھا کہ ان کو دیکھ کر خدا یاد آتا تھا تو گویا داؤد علیہ السلام کا کوئی معجزہ ثابت نہیں ہوتا بلکہ تمام صلحاء کا یہی حال ہے۔

اسی طرح واتخذ سبیلہ فی البحر سربا کی تفسیر میں لکھتے ہیں شقالما یسبح الحوت بسحاطبعیا۔ (یعنی مچھلی جیسے طبعی طور پر تیرتی ہے ویسی تیری) (یعنی اس کے تیرنے سے پانی میں سرنگ نہیں بنی) اسی واسطے واتخذ سبیلہ فی البحر عجبا کی تفسیر میں لکھتے ہیں تعجب یوشع من سرعتہ (یعنی یوشع نے مچھلی کی تیز رفتاری سے تعجب کیا) حالانکہ مسلم کی حدیث میں ہے کہ سرنگ کی وجہ سے تعجب ہوا تھا نیز مسلم کی حدیث میں ہے کہ وہ مچھلی نمک لگی ہوئی یعنی بُھنی ہوئی تھی اور ٹوکرے میں رکھ کر ساتھ لے گئے تھے اور بخاری کی روایت میں ہے کہ مردہ تھی خضر علیہ السّلام کی جگہ پہنچے تو زندہ ہو کر پانی میں داخل ہو گئی مولوی ثناء اللہ اس سے صاف انکاری ہیں چنانچہ ترک اسلام طبع اہلحدیث امرتسر صـ۱۱۳ میں دہرم پال آریہ کو مخاطب کرتے ہوئے لکھتے ہیں "تبلائیے اس آیت میں بھنی ہوئی کس لفظ کا ترجمہ ہے۔" انتہی

پھر آگے چل کر صـ۱۱۴ میں لکھتے ہیں حضرت موسیٰ علیہ السلام جب سفر کو چلے تو خدا کے حکم سے ایک مچھلی کو پانی کے برتن میں رکھ لیا۔

پھر اسی صفحہ میں چند سطروں کے بعد لکھتے ہیں اصل میں آپ بھی معذور ہیں قرآن شریف کو قرآن کی اصل زبان میں تو پڑھا نہیں معمولی انگریزی یا اُردو میں ترجمہ دیکھا اور کسی غیر محقق واعظ یا محلہ کی کسی بڑھیا سے سن لیا کہ مچھلی بھنی ہوئی تھی۔" انتہی

ناظرین خیال فرمائیں کہ کس قدر دلیری کے کلمے ہیں گویا نبی علیہ السّلام کے ارشاد مبارک کو کسی واعظ غیر محقق کا یا محلہ کی کسی بڑھیا کا مقولہ بناتے ہیں۔ معاذ اللہ

یہ چند مثالیں بطور مشتے نمونہ از خروارے ہم نے ذکر کی ہیں ان کے علاوہ اور بھی بہت ہیں جن میں انہوں نے سلف کے بلکہ حدیث کے بھی خلاف تفسیر کی ہے بلکہ خلاف کرنا تو کجا خلاف کرنے کو دیوانوں کا ھوّا کہا ہے چنانچہ خاندان غزنویہ نے جب ان کو یہ الزام دیا کہ آپ کی تفسیر مفسرین (سلف) کے خلاف ہے تو وہ ان کے جواب میں "الکلام المبین" کے صـ۹۶ میں لکھتے ہیں۔ "مفسرین کے خلاف کا ذکر تو دیوانوں کا ھوّا ہے اس سے تو نابالغ ڈرا کرتے ہیں (انتہی) (عبداللہ امرتسری)

اب بتلائیے کہ ان کے اہلحدیث ہونے کے دعویٰ میں اور مقلدین بلکہ متعصبین کے اس دعویٰ میں کہ ہمارا فرقہ قدیمہ ہے کیا فرق ہے ؎

میرے دل کو دیکھ کر میری وفا کو دیکھ کر
بندہ پرور منصفی کرنا خدا کو دیکھ کر

مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی اور تقلید شخصی

مولوی اشرف علی صاحب تھانوی نے اپنے مرشد مولوی رشید احمد صاحب گنگوہی کو ایک خط لکھا جس کے لکھنے کی وجہ یہ تھی کہ میلادِ مروجہ میں ذکرِ ولادت کے علاوہ بہت سی تخصیصات اور قیودات ہیں جیسے خاص دنوں میں ہونا۔ مجمع میں ہونا۔ اس کے لئے فرش فروش اور روشنی کا انتظام ہونا۔ ذکر کے لئے خاص طریق مقرر ہونا اور پھر ایک موقعہ پر پہنچ کر سب مجمع کا کھڑے ہو جانا۔ اس قسم کی تخصیصات اور قیودات کی وجہ سے مولوی اشرف علی صاحب کو کچھ اشتباہ ہو گیا اس اشتباہ کو دُور کرنے کے لئے انہوں نے مولوی رشید احمد صاحب کو یہ خط لکھا جس کے ضمن میں تقلید کا ذکر بھی آگیا۔ یہ خط بہت طویل ہے۔ ہم بقدرِ ضرورت نقل کرتے ہیں۔ اس کے بعد مولوی رشید احمد صاحب کا جواب نقل کریں گے۔ انشاء اللہ

مولوی اشرف علی صاحب کے خط کی نقل

"اب اس وقت دو امر قابلِ عرض ہیں کہ تقلید مطلق کی آیا مطلقاً ممنوع ہے یا جبکہ اس قید کو مرتبۂ مطلق میں سمجھا جاوے یعنی اگر مطلق واجب تھا تو قید کو بھی واجب سمجھا جاوے اور اگر مندوب وموجب قرب تھا تو قید کو بھی مندوب وموجب قرب سمجھا جاوے۔ درصورتِ اولیٰ تقیدات عادیہ میں شبہ ہوگا اور صورتِ ثانیہ میں جب مطلق کو عبادت سمجھا اور قید کو بناءً علی مصلحۃ تا عادت سمجھا جاوے تو فی نفسہٖ اسمیں قبح نہ ہوگا اگر مودی بہ فسادِ عقیدہ عوام ہوا سمیں قبح بغیرہٖ ہوگا لیکن اسکا فاعل زبان سے اصلاح عقیدہ عوام باعلان کرتا ہے اس وقت بھی رہیگا یا نہیں؟ اگر نہ رہیگا فبہا اور اگر رہے گا تو اس صورت میں بعض اعمال میں جو عوام میں شائع ہو رہے ہیں اور ظاہراً ان کی عقیدت میں ان کی نسبت غلو و افراط بھی ہے اور خواص کے فعل بلکہ حکم سے اور قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے اور اس کا وجوب شرعی بھی کسی دلیل سے ثابت نہیں ہوا اور عوام بلکہ خواص میں اس پر مفاسد بھی مرتب ہو رہے ہیں ایسے اعمال میں شبہ واقع ہوگا۔ مثلاً تقلید شخصی عوام میں شائع ہو رہی ہے اور وہ اس کو علماً وعملاً اس قدر ضروری سمجھتے ہیں کہ تارک تقلید سے گو کہ اس کے تمام عقائد موافق کتاب وسنت کے ہوں اس قدر بغض ونفرت رکھتے ہیں کہ تارکینِ صلوٰۃ فساق وفجار سے بھی نہیں رکھتے اور خواص کا عمل وفتوٰے وجوب

اس کا مؤید ہے گو خود ان کو علی سبیل الفرض اس قدر غلو نہ ہو اور دلیل ثبوت اس کی یہ مشہور ہے کہ ترک تقلید سے مخاصمت و منازعت ہوتی ہے جو کہ ممنوع ہے سو مؤدی الی الممنوع ممنوع ہوگا پس اس کی ضد واجب ہوگی مگر دیکھا جاتا ہے کہ بوجہ اختلاف آراء علماء و کثرت روایات مذہب واحد معین کے مقلدین میں بھی عوام کیا خواص میں مخاصمت و منازعت واقع ہے اور غیر مقلدین میں بھی اتفاق و اتحاد پایا جاتا ہے۔ غرض اتفاق و اختلاف دونوں جگہ ہے اور مفاسد کا مترتب یہ کہ اکثر مقلدین عوام بلکہ خواص اس قدر جامد ہوتے ہیں کہ اگر قول مجتہد کے خلاف کوئی آیت یا حدیث کان میں پڑتی ہے ان کے قلب میں انشراح و انبساط نہیں رہتا بلکہ اول استنکار قلب میں پیدا ہوتا ہے پھر تاویل کی فکر ہوتی ہے خواہ کتنی ہی بعید ہو خواہ دوسری دلیل قوی اس کے معارض ہو بلکہ مجتہد کی دلیل اس مسئلہ میں بجز قیاس کے کچھ بھی نہ ہو بلکہ خود اپنے دل میں اس تاویل کی وقعت نہ ہو مگر نصرت مذہب کے لئے تاویل ضروری سمجھتے ہیں دل یہ نہیں مانتا کہ قول مجتہد کو چھوڑ کر حدیث صحیح صریح پر عمل کرلیں۔ بعض سنن مختلف فیہا مثلاً آمین بالجہر وغیرہ پر حرب و ضرب کی نوبت آجاتی ہے اور قرون ثلاثہ میں اس کا شیوع بھی نہ ہوا تھا بلکہ کیف ما اتفق جس سے چاہا مسئلہ دریافت کرلیا۔ اگر اس امر پر اجماع نقل کیا گیا ہے کہ مذاہب اربعہ کو چھوڑ کر مذہب خامس مستحدث کرنا جائز نہیں یعنی جو مسئلہ چاروں مذہبوں کے خلاف ہو اس پر عمل جائز نہیں کہ حق دائرہ منحصر ان چاروں میں ہے مگر اس پر کوئی دلیل نہیں کیونکہ اہل ظاہر ہر زمانہ میں رہے اور یہ بھی نہیں کہ سب اہل ہوای ہوں وہ اس اتفاق سے علیحدہ رہے ہے۔ دوسرے اگر اجماع ثابت بھی ہو جائے مگر تقلید شخصی پر تو کبھی اجماع بھی نہ ہوا البتہ ایک واقع میں تلفیق کرنے کو منع لکھا ہے تاکہ اجماع مرکب کے خلاف نہ ہو جائے باوجود ان سب امور کے تقلید شخصی کا استحسان و وجوب مشہور و معمول ہے۔ سو اس کا قبح کس طرح مرفوع ہوگا" انتہی عبارتہ (تذکرۃ الرشید حصہ اوّل صفحہ ۱۳۰۔۱۳۱)

مولوی رشید احمد صاحب کا جواب

"از بندہ رشید احمد عفی عنہ۔ بعد سلام مسنون مطالعہ فرمانیدہ خط آپ کا آیا بظاہر آپ نے

جملہ مقدمات محررہ بندہ کو تسلیم کر لیا اور قبول فرما لیا البتہ تقلیدِ شخصی کی نسبت کچھ تردّد آپ کو باقی ہے لہٰذا اس کا جواب لکھواتا ہوں مقید با مرِ مباح میں اگر مباح حد سے نہ گذرے یا عوام کو خرابی میں نہ ڈالے تو جائز ہے اور اگر دونوں سے کوئی امر واقع ہو جائے تو ناجائز ہوگا۔ اس مقدمہ کو خود تسلیم کرتے ہو۔ اب تقلید کو سنو۔ کہ مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالےٰ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ اور بوجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ آدمی بہ سبب اس کے لا اُبالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے اور اپنی ہَوائے نفسانی کا اتباع گویا اس میں لازم ہے کہ طعن علماء مجتہدین وصحابہ کرام اس کا ثمرہ ہے۔ ان امور کے سبب باہم نزاع بھی پیدا ہوتا ہے۔ اگر تم بغور دیکھو گے تو یہ سب امور تقلیدِ غیر شخصی کے ثمرات نظر آئیں گے اور اس پر ان کا مرتکب ہونا آپ پر واضح ہو جائے گا لہٰذا تقلید غیر شخصی اس بدنظمی کے سبب گویا ممنوع من اللہ ہوگئی پس ایسی حالت میں تقلید شخصی گویا فرض ہوگئی اس واسطے کہ تقلید مامور بہ کی ۲ دو نوع ہیں شخصی وغیر شخصی۔ شخصی بمنزلہ جنس ہے اور مطلق کا وجود خارج میں بدوں اپنے کسی فرد کے محال ہے پس جب غیر شخصی حرام ہوئی بوجہ لزوم مفاسد تو اب شخصی معین مامور بہ ہوگئی اور جو چیز کہ خدا تعالیٰ کی طرف سے فرض ہو اگر اس میں کچھ مفاسد پیدا ہوں اور اس کا حصول بدون اسی ایک فرد کے ناممکن ہو تو وہ فرد حرام نہ ہوگا بلکہ ازالہ ان مفاسد کا ان سے واجب ہوگا۔ اور اگر کسی مامور کی ایک نوع میں نقصان ہو اور دوسری نوع اس نقصان سے سالم ہو تو وہی نوع خاصۃً مامور بہ بن جاتا ہے اور اس کے عوارض میں اگر کوئی نقصان ہو تو اس نقصان کو ترک کرنا واجب ہوگا نہ اس فرد کا۔ یہ حال وجوب تقلید شخصی کا ہے اسی واسطے تقلید غیر شخصی کو فقہاء نے کتابوں میں منع لکھا ہے۔ مگر جو عالم غیر شخصی کے سبب مبتلا ان مفاسد مذکورہ کا نہ ہو اور نہ اس کے سبب سے عوام میں ہیجان ہو اس کی تقلید غیر شخصی اب بھی جائز ہوگی۔ مگر اتنا دیکھنا چاہیئے کہ تقلید شخصی وغیر شخصی دو نوع ہیں کہ شخصیّت وغیر شخصیّت دونوں فصل ہیں جنس تقلید کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے کیونکہ یہ فصول ذاتیات میں داخل

ہیں پس اس کا حال قیودِ مجلس میلاد سے جُدا ہے بادی النظر میں یہ دونوں یکساں معلوم ہوتے ہیں ورنہ اگر غور کیا جائے تو واضح ہے کہ ذکرِ ولادت جدا شئے ہے اور فرش فروش روشنی وغیرہ قیود مبحوثہ کوئی فصل ذکر کی نہیں بلکہ امور منضمہ ہیں کہ بدوں ان کے ذکرِ ولادت حاصل ہوسکتا ہے۔ سو ایک کو دوسرے پر قیاس کرنا درست نہیں معہذا اُوپر کے کلیہ سے مباح منضم کا حال معلوم ہوچکا کہ جب تک اپنی حد پر ہوگا تو جائز اور جب اپنی حد سے خارج ہُوا تو ناجائز۔ اور امور مرکبہ میں اگر کوئی ایک جزء بھی ناجائز ہو جاوے تو مجموعہ پر حکم عدم جواز کا ہو جاتا ہے۔ آپ کو معلوم ہے کہ مرکب حلال و حرام سے حرام ہوتا ہے۔ یہ کلیہ فقہ کا ہے۔ میں اُمید کرتا ہوں کہ اس تقریر سے آپ کی اس طویل تقریر کا جواب حاصل ہوگیا ہوگا جو آپ نے دربارۂ تقلید لکھی ہے لہذا زیادہ بسط کی حاجت نہیں ہے کیونکہ تم خود فہیم ہو۔" انتہیٰ کلامہ۔ (تذکرۃ الرشید حصّہ اوّل صفحہ ۱۳۲-۱۳۳)

محدث روپڑی صاحب فرماتے ہیں:۔

مولوی رشید احمد صاحب کے جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون میں مطلق تقلید کا حکم ہے اور اس کی دو نوع ہیں شخصی اور غیر شخصی۔ غیر شخصی اگرچہ کچھ مدت تک جاری رہی مگر بعد ایک مدت کے اس میں مفاسد پیدا ہوگئے اس لئے یہ ممنوع ہوگئی اور تقلید شخصی واجب ہوگئی کیونکہ مطلق تقلید کے ادا کرنے کی یہی ایک صورت باقی رہ گئی ہے اور اس میں بھی کچھ مفاسد پیدا ہوں تو ان مفاسد کو دور کرنا چاہیئے۔ نہ کہ تقلید شخصی کو حرام کہا جائے؛

ناظرین خیال فرماویں کہ اس جواب میں مولوی رشید احمد صاحب نے کیسے آنسو پُونچھے ہیں۔ اتنا خیال نہیں کیا کہ جب تقلید غیر شخصی مفاسد کی وجہ سے ممنوع ہوگئی تو تقلید شخصی کیوں ممنوع نہ ہوگی اور جیسے تقلید شخصی سے پیدا شدہ مفاسد دُور ہو سکتے ہیں تو تقلید غیر شخصی سے مفاسد کیوں دُور نہیں ہو سکتے؟ اگر یہ خیال ہو کہ تقلید غیر شخصی میں مفاسد زیادہ ہیں تو یہ بھی خلاف واقعہ ہے چنانچہ ہم نے تعریف اہلحدیث حصّہ دوم میں صفحہ ۸۳ سے صفحہ ۹۵ تک اس کی کافی تفصیل کی ہے اور مولوی اشرف علی صاحب کا

ذکورہ بالا خط بھی اس کا شاہد عدل ہے بلکہ تقلید غیر شخصی میں قطعاً مفاسد نہیں کیونکہ خیر قرون کی روش
ہے اور جو مفاسد مولوی رشید احمد صاحب نے ذکر کئے ہیں وہ درحقیقت خیر قرون کی روش کی مخالفت
سے پیدا ہوتے ہیں۔ خواہ اس طرح سے مخالفت کی ہو کہ تقلیدِ شخصی شروع کر دی ہو یا اس طرح سے مخالفت
کی ہو کہ قرآن وحدیث کا مطلب سلف کے خلاف سمجھا ہو۔ اس طرح سے مخالفتِ کی ہو کہ اپنی پیدائش
فات۔ بیاہ۔ شادی وغیرہ میں افراط و تفریط سے کام لیا ہو۔ بہرصورت سب مفاسد کا منبع مخالفتِ سلف
ہے۔ موافقتِ سلف اگر مفاسد کا منبع ہو تو ان کو خیر قرون کہنا ہی صحیح نہیں کیونکہ خیر قرون کے معنے یہ
ہیں کہ ان کی روش سب روشوں سے بہتر ہے۔

پھر اخیر میں مولوی رشید احمد صاحب نے میلادِ مروجہ اور تقلید میں جو فرق بتلایا ہے کہ "ذکر ولادت
ان قیود کے بغیر ہو سکتا ہے اور تقلید کا وجود بدوں ان فصول (شخصیّت اور غیر شخصیّت کے محال
ہے"۔ یہ بھی غلط ہے کیونکہ خیر قرون میں (حسب زعم ان کے) تقلید تھی! اور شخصیّت نہ تھی اور مقلدین
میں تقلید ہے اور غیر شخصیت نہیں۔ پس دونوں کے بغیر تقلید کا وجود پایا گیا؛

اگر کہا جائے کہ دونوں میں سے ایک کا ہونا ضروری ہے یعنی یہ نہیں ہو سکتا کہ تقلید کا وجود ہو
اور وہاں نہ شخصیّت ہو نہ غیر شخصیّت۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ جیسے شخصیّت کے ساتھ غیر شخصیّت کو
لیا ہے اسی طرح میلاد میں قیود کے ساتھ غیر قیود کو لیا جائے تو تقلید میں اور میلاد میں کچھ فرق
نہیں رہے گا۔ یعنی جیسے تقلید میں شخصیّت اور غیر شخصیت سے ایک کا ہونا ضروری ہے اسی طرح ذکرِ
ولادت میں قیود اور غیر قیود سے ایک کا ہونا ضروری ہے۔ پس جیسے شخصیّت غیر شخصیّت فصل ہیں اسی
طرح قیود غیر قیود بھی فصل ہوں گے۔

یہ جواب تو مولوی رشید احمد صاحب کی روش کے موافق تھا اب اصل تحقیق سُنئیے:۔

اصل تحقیق

مولوی رشید احمد صاحب نے یہاں ڈبل غلطی کی ہے اور تقلید کی خاصیّت ہی ایسی ہے کہ اس
مسلک کو سیدھی بات نہیں سُوجھتی۔ کیونکہ تقلید خود ایک ٹیڑھا رستہ ہے۔ تفصیل اس کی یہ ہے
شخصیّت کے دو معنے ہیں۔ ایک یہ کہ جب مسئلہ پوچھنے کی ضرورت ہو تو کسی شخص سے پوچھے غیر شخص سے

نہ پوچھے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ شخصیت محلِ نزاع نہیں اور نہ ہو سکتی ہے۔ کیونکہ دُنیا میں جو ہے شخص ہی ہے نہ کہ غیر شخص تو غیر شخص سے پوچھنے کی کوئی صورت نہیں۔ دوسرے معنے یہ ہیں کہ پوچھنے کے لئے ایک شخص کو معیّن کرلے۔ یعنی دل میں اس بات کا التزام کرے کہ ہر مسئلہ فلاں شخص سے پوچھوں گا یہ شخصیّت محلِ نزاع ہو سکتی ہے اور ہے کیونکہ اس کے مقابلہ میں غیر شخصیّت ہے جس کی صورت یہ ہے کہ اس قسم کا التزام نہ کرے۔ خواہ ایک سے پوچھنے کا اتفاق ہو یا کئی ایک سے اتفاق ہو تو اس کا غیر شخصیّت ہونا ظاہر ہے۔ اگر ایک سے اتفاق ہو تو اس کے غیر شخصیّت ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اُس نے التزام نہیں کیا مثلاً وہ ایک جگہ رہتا ہے اور وہاں ایک ہی عالم ہے تو اس سے ہمیشہ مسئلہ پوچھ کر عمل کر لیتا ہے مگر دل میں یہ التزام نہیں کہ اگر کوئی دوسرا عالم یہاں آجائے یا مجھے دوسری جگہ جانے کا اتفاق ہو تو پھر بھی اسی کا مسئلہ مانوں گا تو یہ صورت غیر شخصیّت ہی ہو گی کیونکہ اس نے شخص معین کا التزام نہیں کیا بلکہ اتفاق ایسا ہو گیا کہ وہ ایک ہی سے پوچھتا رہا؛

جب شخصیت کے دونوں معنے معلوم ہو چکے اور یہ بھی معلوم ہو چکا کہ دوسرا محلِ نزاع ہے نہ کہ پہلا تو اب تبلائیے کہ اس التزام کو مسئلہ پوچھنے میں کیا دخل ہے؟ ظاہر ہے کہ کوئی دخل نہیں جیسے میلاد مروّج میں ذکرِ ولادت کے ساتھ قیود زائد لگے ہوئے ہیں جن کو مولوی رشید احمد صاحب نے امور منضمہ کہا ہے اسی طرح کسی سے مسئلہ پوچھنے کے ساتھ اس قسم کا التزام ایک قید زائد یا امرِ منضم ہے پس کوئی وجہ نہیں کہ میلاد مروّج کو تو بدعت کہا جائے اور تقلید شخصی متنازعہ فیہ کو بدعت نہ کہا جائے۔

منطقی اصلاحات میں ڈبل غلطی

مولوی رشید احمد صاحب نے اس جگہ منطقی اصلاحات میں بڑی ڈبل غلطی کی ہے۔ خدا جانے مہارت نہ تھی یا تقلید کے اثر سے ایسا ہوا۔ دیکھئے شخصیّت[1] کے معنے میں دھوکہ کھا کہ اس کو فصل قرار دینا تو الگ رہا اس کے مقابلہ میں غیر شخصیّت کو بھی فصل قرار دے رہے ہیں حالانکہ غیر شخصیّت مفہوم عدمی ہے جو کسی صُورت وجودی شئے (تقلید) کا فصل بننے کے قابل نہیں۔ پھر اس سے بڑھ کر دیکھیے یہ کس قدر

---

[1] اگر کہا جائے کہ مولوی رشید احمد صاحب کے کلام میں شخصیّت غیر شخصیّت دونوں سے مراد التزام ہے صرف فرق اتنا ہے کہ شخصیّت میں اس بات کا احترام ہوتا ہے کہ کوئی مسئلہ کسی سے پوچھوں گا کوئی مسئلہ کسی سے۔ پس جب (باقی صفحہ پر)

غلطی کی ہے کہ فرماتے ہیں "مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون"
اور اس کی دو نوع شخصی اور غیر شخصی قرار دی ہیں اور یہ خیال نہیں کیا کہ جس مطلق تقلید کا امر اس آیت میں ہے
وہ غیر شخصی ہے کیونکہ التزام کی قید نہیں اور قرآن وحدیث میں جو قید نہ ہو اس قید کا اضافہ کرنا قرآن
وحدیث کی مخالفت ہے تو پھر شخصی اس کا نوع کیسے بنی؟ اگر اس کو اصولی طور پر سمجھنا ہو تو یوں
سمجھئے کہ: "نور الانوار وغیرہ میں لکھا ہے کہ خبر واحد کے ساتھ کتاب اللہ پر زیادتی درست نہیں
جیسے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فاقرؤا ماتیسر من القرآن۔ اس آیت میں مطلق قرأت کا حکم ہے تو حدیث

(بقیہ حاشیہ ص ۸۶) غیر شخصیت سے مراد بھی التزام ہو اور بوجہ وجودی ہونے کے اس کا فعل بننا صحیح ہوگیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ مولوی
رشید احمد صاحب کے کلام میں غیر شخصیت کا یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ انہوں نے کہا ہے کہ شخصیت غیر شخصیت دونوں فصل ہیں جنس تقلید
کی کہ تقلید کا وجود بغیر ان فصول کے محال ہے۔" اگر شخصیت غیر شخصیت دونوں سے مراد التزام ہو تو ان دونوں کے بغیر تقلید
پائی جاتی ہے جس کی صورت یہ ہے کہ التزام نہ کرے بلکہ جس سے اتفاق پڑے پوچھ لے خواہ ایک سے اتفاق پڑے یا کئی ایک سے چنانچہ
ابھی تفصیل ہوئی ہے پس شخصیت غیر شخصیت فصول نہ رہے کہ بغیر ان کے تقلید کا وجود محال ہو نیز مولوی رشید احمد صاحب نے کہا ہے
کہ "مطلق تقلید مامور بہ ہے لقولہ تعالیٰ فاسئلوا اھل الذکران کنتم لا تعلمون۔ اور بوجہ دیگر نصوص مگر بعد ایک مدت کے تقلید
غیر شخصی کے سبب مفاسد پیدا ہوئے کہ انسان بسبب اس کے لاابالی اپنے دین سے ہو جاتا ہے۔"
یہ عبارت بھی صاف بتلا رہی ہے کہ غیر شخصیت سے مراد التزام نہیں کیونکہ جو غیر شخصیت پہلے زمانہ میں تھی (جس سے بعد ایک مدت
کے مولوی رشید احمد صاحب کے نزدیک مفاسد پیدا ہونے شروع ہو گئے) وہ التزام نہ تھی بلکہ وہ یہ تھی کہ جس سے اتفاق پڑتا مسئلہ
پوچھ لیتے خصوصاً خیر قرون کے زمانہ میں پس غیر شخصیت سے مراد التزام ہونا مولوی رشید احمد کے کلام میں صحیح نہیں۔ پھر غیر شخصیت بمعنی
التزام کو شخصیت کے مقابل قرار دینا فضول ہے کیونکہ فرقہ اہلحدیث اس غیر شخصیت کا قائل نہیں جن کی طرف مولوی رشید احمد
صاحب اشارہ کر رہے ہیں کہ "وہ اپنے دین سے لاابالی ہو جاتے ہیں۔"
اس کے علاوہ اس صورت میں جتنے اعتراضات شخصیت پر ہیں وہ سب غیر شخصیت پر بھی ہوں گے مثلاً میلاد مروج کی طرح اور اس
میں قید زائد (التزام کا ہونا اور بوجہ اسکے اس کا فصل نہ بننا اور اسکا نوع مامور بہ نہ رہنا اور خیر قرون بلکہ اجماع کے خلاف ہونا بلکہ آیہ کریمہ
فاسئلوا اھل الذکر اور حدیث انما شفاء العی السوال کے بھی خلاف ہونا اور عبد اللہ بن مسعودؓ کی حدیث کہ امام نماز سے سلام پھیر کر ایک طرف
بیٹھنے کا التزام نہ کرے کے بھی خلاف ہونا اور بوجہ بدعت ہونیکے بہت سے مفاسد کا اس پر مرتب ہونا چنانچہ "تعریف اہلحدیث" حصہ دوم میں

صفحہ ۸۳ سے ۵ ہم تک ہم نے اس کی تفصیل کی ہے۔ ۱۲

کے ساتھ اگر فاتحہ کی تعیین کی جائے تو یہ کتاب اللہ پر زیادتی ہے جو نسخ ہے۔ پس اسی طرح تقلید شخصی کو فاسئلوا اھل الذکر کے خلاف سمجھنا چاہیئے نہ کہ مامور بہ میں داخل ہے بلکہ زیادہ خلاف سمجھنا چاہیئے۔ کیوں کہ تقلید کی بابت تو کوئی حدیث بھی نہیں آئی۔

اگر اور وضاحت کی ضرورت ہو تو سُنیئے :۔

عام بول کر خاص من حیث الخاص کا ارادہ کرنا مجاز ہے کیونکہ اس کی حیثیّت سے یہ خاص لفظ کا موضوع نہیں اور یہ بات ظاہر ہے کہ لفظ کو مجازی معنے پر حمل کرنا اس لفظ کی مخالفت ہے اسی لئے مجازی معنے کے لئے کوئی قرینہ قائم کرنا پڑتا ہے۔ جب خاص کر یہ حالت ہے تو بتلائیے کہ تقلید شخصی (جس کی حقیقت میلاد مروّج کی طرح امر منضم سے پیدا ہوئی ہے) اس آیت میں نوع مامور بہ کس طرح بنی؟ ؎

جو کہنا ہے سو کہہ لیکن سمجھ کر مرد نعمانی
چوں کفر از کعبہ برخیزد کجا ماند مُسلمانی

اسی لئے تعریف اہلحدیث حصہ دوم میں صفحہ ۸۳ سے صفحہ ۱۴۵ تک ہم نے بڑے زور شور سے لکھا ہے کہ تقلید شخصی قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماعِ صحابہؓ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے۔ اور آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر وغیرہ میں جس سوال کا ذکر ہے اول تو وہ تقلید ہی نہیں بلکہ قرآن و حدیث کی اتباع ہے اگر کوئی زورا زوری اس کا نام تقلید رکھ لے تو اس کی خوشی۔ وہ خواہ مجتہد کو بھی مقلد کہہ دے کیونکہ مجتہد بھی قرآن و حدیث کی اتباع کرتا ہے، سچ ہے ؎

جنوں کا نام خرد رکھ دیا خرد کا جنوں
جو چاہے آپ کا حُسن کرشمہ ساز کرے

ایک بات یہاں اور سُنیئے، جس تقلید کی نسبت اصل نزاع ہے وہ چار اماموں کی تقلید ہے جس کی صورت یہ ہے کہ کسی امام سے مسئلہ پوچھنے کے وقت یوں کہا جائے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے؟ اور آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر میں جس سوال کا ذکر ہے اس کی صورت یہ ہے کہ علم نہ ہو تو کسی علم والے کو کہے کہ اس مسئلہ میں خدا و رسولؐ کا کیا ارشاد ہے نہ کہ معصوم کی جگہ غیر معصوم ...... امام ابوحنیفہؒ کو یا کسی اور امام کو دیکر یوں کہے کہ اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہ

ﻟﮧ اگر کہا جائے کہ امام ابوحنیفہؒ وغیرہ کا قول پوچھنے سے مقصود خدا اور رسُولؐ ہی کا حکم تو اس کا جواب یہ ہے کہ بہت (باقی ۸۹ پر)

کا یا فلاں امام کا کیا ارشاد ہے۔ اب تبلائیے کہ اس آیت کو تقلید متنازعہ فیہ سے کیا تعلق؟ اگر امام صاحبؒ زندہ ہوتے تو ان سے یہی سوال ہوتا کہ اس مسئلہ میں خدا و رسولؐ کا کیا ارشاد ہے۔ اور اھل الذکر ہیں ذکر سے مراد کتاب اللہ ہے۔ یہ بھی اسی پر دلالت کرتا ہے کہ خدا اور رسول ہی کا ارشاد پوچھے۔ بلکہ ان کنتم لا تعلمون کے بعد بالبینات والزبر ہے وہ بھی اسی طرف اشارہ ہے اور مسلمان کی شان بھی یہی ہے کہ خدا و رسُول کا ارشاد پوچھے نہ یہ کسی امام کے مذہب کا التزام کر کے یوں سوال کرے کہ فلاں امام کا کیا ارشاد ہے۔ پھر خدا جانے اس آیت کو محل متنازعہ فیہ میں کیوں پیش کیا جاتا ہے اس آیت میں نہ اس التزام کا کوئی ذکر ہے نہ اس طرح سوال کرنے کا کوئی اشارہ ہے۔ ان باتوں پر اس آیت سے استدلال کرنا الفاظ آیت سے نہایت بعید ہے۔ تعجب ہے کہ اصولِ فقہ میں تو خبرِ واحد سے مطلق کو مقید کرنے کی اجازت نہیں دی یہاں اپنی طرف سے ہی سب تصرفات ہو رہے ہیں۔

؎ جہاں ہمارا ذوالجلال گدھا مچھ سبھی حلال

واللہ! ہمیں رہ رہ کر تعجب آتا ہے کہ ایک کام رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم دو طرح سے کرتے ہیں۔ جیسے نماز سے سلام پھیر کر کبھی دائیں طرف منہ کر کے بیٹھنا کبھی بائیں طرف اس میں ایک جانب کا التزام تو شیطانی کام ہو جیسا کہ عبد اللہ ابن مسعودؓ سے روایت ہے۔ اور ایک دوسرا کام جس پر عمل ہونا تو کجا قرآن و حدیث کے بھی خلاف ہے اور اجماع صحابہؓ بلکہ خیر قرون کی روش کے بھی خلاف ہے بلکہ اصولِ فقہ کے بھی خلاف ہے، اس کو آج رحمانی کام کہا جاتا ہے بلکہ اعلیٰ سے بھی اعلیٰ درجہ تک پہنچایا جاتا ہے یعنی فرض خیال کیا جاتا ہے۔

؎ بہ بیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا

ناظرین! خیال فرمائیں کہ افتاد کے گدی نشینوں کی بے خبری آج کہاں تک نوبت پہنچا رہی ہے خیر اور علوم خاص کر قرآن و حدیث سے ان کی بے خبری تو کوئی تعجب کی بات نہیں کیونکہ تقلید کی اندھیری

(بقیہ حاشیہ ص۸۸) دفعہ اماموں سے غلطی کی وجہ سے قرآن و حدیث کا خلاف ہو جاتا ہے تو پھر ان کا ہر قول خدا و رسولؐ کا حکم کس طرح ہوا؟ پھر جب مقصود خدا و رسولؐ ہی کا حکم ہے تو خدا و رسولؐ ہی کا نام کیوں نہ لے اُلٹا کان پکڑنے سے کیا فائدہ کہ مقصود کچھ اور لفظ کچھ نیز سارے دین کا دار و مدار ایک شخص پر رکھ کر اسی کے مذہب کا التزام کر کے ہر مسئلہ میں اسی کا قول پوچھنا اس کا کیا ثبوت بلکہ خیر قرون کی روش کے خلاف ہے۔ پس یہ آیہ کریمہ فاسئلوا اھل الذکر پر عمل نہیں بلکہ اسکی مخالفت ہے ۱۲

کوٹھڑی میں پڑے ہیں مگر جب ہم ان کے اصُولِ فقہ میں جو ان کے تقلیدی مذہب کی روحِ رواں ہے۔ کمزور پاتے ہیں تو بے ساختہ زبان سے نکل جاتا ہے ؎

نہ خدا ہی ملا نہ وصالِ صنم   نہ اِدھر کے رہے نہ اُدھر کے رہے

مولوی مرتضیٰ حسن دیوبندی

شیطان غیر مُقلّد ہے؟

سوال:۔ مولوی مرتضیٰ حسن نے العدل مجریہ ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء میں لکھا ہے کہ

"قولِ خدا اور حدیثِ رسولؐ حکم ہے اور حکم اور ہوتا ہے اور دلیل اور۔ آدم کو سجدہ کرو۔ یہ حکم اپنے نفس کے لئے دلیل نہیں ہو سکتا جو اس حکم کے واجب التعمیل ہونے کے لئے دلیل ہے وہ یہاں مذکور نہیں اس وجہ سے اس قول کو (جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی) بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے۔ اور شیطان نے اس حکم کو بلا دلیل نہ مانا غیر مقلّد ہو کر کافر و مرتد ہو گیا"۔ ان کا یہ لکھنا کس حد تک درست ہے؟   ایک سائل

جواب:۔ شیطان چونکہ بحکم آیۃ کریمہ افرأیت من اتخذ الٰھہ ھواہ (الاٰیۃ) اپنی ہَوا کا مقلد ہے۔ اور مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کو شیطان کا مقلدین کے ساتھ ہونا ناگوار معلوم ہوا۔ اس لئے انہوں نے اس کے غیر مقلد بنانے کی کوشش کی جس کی صورت انہوں نے یہ اختیار کی کہ تقلید کا معنیٰ بدل دیا۔ یعنی یوں کہا کہ اُس قول کو جس کے ساتھ واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہیں کی گئی بلا دلیل تسلیم کرنا تقلید ہے حالانکہ تقلید کا یہ معنیٰ آج تک کسی نے نہیں کیا یعنی تقلید کی تعریف میں یہ کسی نے شرط نہیں کی کہ قول کے ساتھ اسکے واجب التسلیم ہونے کی دلیل ذکر نہ ہو بلکہ اگر قول کے ساتھ دلیل ذکر ہو مگر وہ سمجھ میں نہ آوے اور اس حالت میں اس قول کو بغیر معرفت دلیل کے تسلیم کر لیا جائے تو فقہا کی تعریف کیمطابق یہ تقلید ہوگی کیونکہ فقہا کے نزدیک تقلید یہ ہے کہ معرفت دلیل کے کسی قول کا لینا۔ اور اگر دلیل ذکر نہ ہو مگر قول سنتے ہی دلیل کی طرف ذہن منتقل ہو جائے تو ایسی حالت میں اس قول کا تسلیم کرنا فقہاء کے نزدیک تقلید نہ ہو گی کیونکہ قول کو بغیر معرفت دلیل کے نہیں لیا۔ غرض دلیل کے ذکر عدم ذکر کو تقلید کی تعریف میں کوئی دخل نہیں۔ قولِ خُدا کے واجب التسلیم ہونے کی دلیل چونکہ قائل کا خدا ہوتا ہے جس کی طرف ہر ایک کا ذہن فوراً منتقل ہو جاتا ہے اس لئے شیطان اگر اس کو تسلیم

کرتا تو مقلد نہ ہوتا بلکہ نہ تسلیم کرنے کی صورت میں مقلد ہونا لازم آتا ہے چنانچہ شیطان نہ تسلیم کرکے بحکم آیہ کریمہ افرایت من اتخذ الٰھہ ھواہ (الآیہ) ہوا کا مقلد ہوگیا۔

سوال:۔ مولوی مرتضیٰ احسن نے لکھا ہے کہ

"شیطان یعنی یا تو خداوند کے قول اور اس کی حکومت کی وجہ سے اس کے قول کو مطلقاً واجب التسلیم نہیں جانتا تھا یا جانتا تھا مگر یہ شرط تھی کہ وہ قول مُوَجَّہ اور حکمت کے موافق ہو۔ اس کے قول کو عین حکمت نہیں جانتا تھا ورنہ انکار نہ کرتا اور تعمیل بھی کرتا ورنہ اگر تعمیل نہ ہوتی تو انکار تو ضرور نہ ہوتا۔ اب ارشادِ خداوندی اسجدوا لاٰدم اس کے نزدیک بے دلیل تھا۔ اب وہ سجدہ کرتا تو تقلید ہوتی اور تقلید اس کے نزدیک ناجائز تھی۔ لہٰذا وہ ترک تقلید کی وجہ سے کافر مرتد سب کچھ ہوا مگر اس نے اس قول کو بلا دلیل تسلیم نہ کیا۔" العدل ۷ ستمبر ۱۹۲۷ء

مولوی مرتضیٰ احسن کی اس تحریر کے متعلق وضاحت فرمائیں؟

جواب:۔ مولوی مرتضیٰ احسن کے خیال میں شیطان باوجود خدا کو خدا ماننے کے اور باوجود فرشتوں کا اُستاد ہونے کے یہ نہیں جانتا تھا کہ خدا عبث اور بیہودہ سے پاک ہے، غلطی سے مبّرا ہے جس کا قول عین حکمت ہے۔ دلیل اس کی یہ دیتے ہیں کہ شیطان نے انکار کیا اگر خدا کا قول عین حکمت سمجھتا تو انکار نہ کرتا۔ اور اتنا نہیں سمجھتے کہ جس نے سرکشی پر کمر باندھی ہو وہ باوجود علم کے بھی انکار پر تُلا رہتا ہے۔ کیا ضد اور ہٹ دھرمی کا بھی کوئی علاج ہے؟ میرے خیال میں مولوی مرتضیٰ احسن صاحب کے نزدیک شیطان انصاف پرست تھا۔ معاذ اللہ۔

یہ تو ایسا ہوا جیسے آج کل کے متصوفہ (بناوٹی صوفی) کہتے ہیں کہ شیطان بڑا موحد تھا اسی لئے اس نے غیر کو (یعنی آدمؑ کو) سجدہ نہیں کیا۔ گویا خدا نے غلطی کی نعوذ باللہ۔

مولوی مرتضیٰ احسن صاحب! بھلا یہ تو بتلائیے کہ شیطان خدا کو خدا جانتا تھا یا نہ؟ اگر نہیں جانتا تھا تو مدت تک اس کی عبادت کیوں کرتا رہا؟ اگر جانتا تھا تو کیا خدا کی خدائی اس کے نزدیک اطاعت کے لئے کافی نہ تھی؟ بڑے تعجب کی بات ہے کہ خدا کی خدائی کو عبادت کے لئے کافی سمجھے اور اطاعت کیلئے کافی نہ سمجھے حالانکہ اطاعت کا مرتبہ عبادت سے بہت کم ہے کیونکہ اطاعت تو غیر (نبی) کی بھی جائز ہے، عبادت غیر کی جائز نہیں۔

اس کے علاوہ اگر فرضی طور پر مان لیں کہ شیطان قولِ خدا کو حکمت کے موافق نہ جانتا تھا تو اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ مدلل بھی نہ جانتا ہو۔ تفصیل اس کی یہ ہے کہ محکوم کو حاکم کی اطاعت ضروری ہے اور دلیل اس کی اس کا حاکم ہونا ہے۔ اگر باوجود محکوم ہونے کے کوئی بات حاکم کی مانے کوئی نہ مانے۔ مثلاً جو اس کے خیال میں معقول اور اس کی سمجھ میں حکمت کے موافق ہو وہ مانے دوسری کو نہ مانے تو وہ اپنی مرضی کا مالک ہے۔ اس کو محکوم نہ کہنا چاہیئے کیونکہ محکوم کے معنے میں داخل ہے کہ حاکم کے سامنے سر جھکا دے اور اپنا دخل نہ رکھے۔ اب شیطان کا خدا کے حکم کو تسلیم نہ کرنا اس کی یا تو یہ وجہ ہو گی کہ اس کے خیال میں خدا حاکم نہیں ہو گا اور یہ بداہتہً باطل ہے کہ شیطان کو خدا کے حاکم ہونے کی خبر نہ ہو۔ یا یہ وجہ ہو گی کہ شیطان کو محکوم کے معنے کا پتہ نہ ہو گا۔ اور اس کا بطلان پہلے سے بھی زیادہ واضح ہے۔ اب سرکشی اور تکبّر کے سوا اور کونسی وجہ عدم تسلیم ہو سکتی ہے؟ پھر معاذاللہ خُدا کی شان ایسی نہ تھی کہ شیطان کو واقعی خُدا کے حاکم ہونے کا علم نہ ہوتا یا وہ محکوم کے معنے نہ جانتا تو وہ ارحم الراحمین اس کو انا خیر منہ کا عذر کرنے پر یہ نہ فرماتا کہ فاخرج منھا "یعنی اس جگہ سے نکل جا" بلکہ پہلے اس کو اس بات سے واقف کرتا جس سے بے علم تھا۔ پھر اس کے بعد اگر وہ نہ مانتا تو جو چاہتا اس کے ساتھ سلوک کرتا خدا کی ذات اس سے برتر ہے کہ وہ ناواقف کو راند دے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ شیطان بے خبری میں ہلاک نہیں ہوا بلکہ اس کو سب کچھ پتہ تھا۔ اور آیہ کریمہ مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ میں بھی اسی طرف اشارہ ہے کہ محکوم کو حاکم کے حکم کی فوراً تعمیل کرنی چاہیئے تھی، تجھے اس تعمیل سے کس نے روکا اگر کوئی اور حکم دیتا تو اس میں شبہ بھی ہو سکتا تھا حکم تو خود میں نے دیا ہے۔ پھر تعمیل کیوں نہ کی۔ اور یہی وجہ ہے کہ اس حکم کی تعمیل نہ کرنے کا اور اسے اَنَا خَيْرٌ مِّنْهُ کہہ کر ٹال دینے کا نام خدا نے سرکشی تکبّر، فسق وغیرہ رکھا ہے جیسے ایک آیت میں فرمایا۔ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِيْنَ۔ یعنی انکار کیا اور تکبّر کیا اور کافر ہو گیا۔"

خلاصہ یہ ہے کہ قولِ خدا شیطان کے نزدیک مطلقاً (بغیر شرط) واجب التسلیم تھا۔ کیونکہ اس کی دلیل اس کے ذہن میں تھی یعنی قائل کا حاکم بلکہ خُدا ہونا۔ مگر تکبر کی وجہ سے اس کو تسلیم نہ کیا اور خواہش کے پیچھے لگ گیا۔ اور آیہ کریمہ ابی واستکبر وکان من الکافرین وغیرہ بھی اسی مطلب کو ادا کر رہی ہیں جس کا خلاصہ شیخ سعدیؒ کے الفاظ میں یہ ہے ؎

تکبّر عزازیل را خوار کرد — بہ زندانِ لعنت گرفتار کرد

مولوی مرتضیٰ حسن صاحب پر تقلیدی اثر ہے کہ اندھا دُھند لکھتے چلے جاتے ہیں اور نتائج پر غور
[نہ]یں کرتے۔ اس سے بڑھ کر اور سُنئے۔ مولوی مرتضیٰ حسن صاحب لکھتے ہیں :۔

"جس طرح رسول اللہ علیہ السلام کی بات کو تسلیم کرنا اُمّت کے حق میں تقلید ہے۔ اسی
طرح انبیاء علیہم السّلام کا باری تعالیٰ کے قول کو بلا دلیل تسلیم کرنا یہ بھی تقلید ہوگا۔"
(العدل ۴ مارچ ۱۹۲۹ء صفحہ ۳)

گویا مولوی مرتضیٰ حسن صاحب کے اعتقاد میں شیطان کی طرح انبیاء علیہم السلام بھی خدا کے
[قو]ل کو عین حکمت یا حکمت کے موافق نہیں جانتے (فرق صرف اتنا ہے کہ شیطان تسلیم نہ کرنے سے غیر مقلد ہو
[گ]یا اور انبیاء علیہم السلام تسلیم کر کے مقلد ہو گئے)۔

ناظرین خیال فرمائیں کہ یہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں کس قدر گستاخی ہے کہ معاذ اللہ ان کا اعتقاد
[شی]طان کا اعتقاد بنایا جاتا ہے۔ سچ ہے ؎

ناوک نے تیرے صید نہ چھوڑا زمانہ میں
تڑپے ہے مُرغ قبلہ نما آشیانہ میں

تعجب مولوی مرتضیٰ حسن صاحب پر تعجب ہے کہ انہوں نے اس محل میں اصولِ فقہ کی بھی کچھ
پرواہ نہ کی۔ اصولِ فقہ میں صاف لکھا ہے کہ قرآن و حدیث کا ماننا تقلید نہیں چنانچہ
[تح]ریر ابن الہمامؒ کے اخیر میں ہے۔ لیس الرجوع الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم والاجماع منہ۔
[یع]نی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور اجماع کی طرف رجوع کرنا تقلید نہیں۔"

خدا جانے یہ لوگ تقلید کی محبّت میں کیوں ایسے سرشار ہیں کہ اپنا اصول بھی بھول جاتے ہیں ؏
[یک]ے بر سرِ شاخ وبن مے برید " والا مضمون ہے۔ یعنی مذہب کے خیر خواہ بن کر مذہب کی بیخ کنی کر رہے ہیں۔

؎ اے چشم اشکبار! ذرا دیکھنے تو دے
ہوتا ہے جو خراب وہ میرا ہی گھر نہ ہو!

بلکہ خود مولوی مرتضیٰ حسن نے بھی اس کی تصریح کی ہے چنانچہ آپ فرماتے ہیں :۔
" اطاعت تقلید کے معنے سے عام ہے۔ خدائے قدوس اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی

اطاعت کو تقلید نہیں کہا۔" ("العدل" ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء ص ۳)

"مجتہد کا قول فی نفسہٖ حجت شرعیہ نہیں۔ اور خداوند عالم جل مجدہٗ اور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم کا قول فی نفسہٖ حجتِ شرعیہ ہے۔" ("العدل" ۱۸ فروری ۱۹۲۹ء)

پس مولوی مرتضیٰ حسن نے اپنی تقریر پر خود ہی پانی پھیر دیا۔ اور صاف غیر مقلد ہو گئے۔ نتیجہ یہ کہ تقلید ایک ایسا ٹیڑھا راستہ ہے۔ جس پر چل کر مقلّد کبھی منزلِ مقصود پر پہنچ نہیں سکتا۔ اسی وجہ سے دنیا کی مشہور ہستیوں نے تقلید کو گمراہی اور خودکشی سے تعبیر کیا ہے۔ مثلاً مولانا جلال الدین رومیؒ اپنی مثنوی میں فرماتے ہیں ؎

آں مقلد ہست چوں طفلِ علیل ❊ گرچہ دارد بحث باریک و دلیل

حضرت شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں ؎

عبادت بہ تقلید گمراہی است ❊ خنک راہروے راکہ آگاہی است

عصرِ حاضر کے مشہور شاعر سر اقبال مرحوم فرماتے ہیں ؎

تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی ❊ رستہ بھی ڈھونڈ خضر کا سودا بھی چھوڑ دے

ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو تقلید کے پھندے سے محفوظ رکھے۔ آمین۔

(عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۴ ربیع الاوّل ۱۳۶۴ھ)

سوال :۔ ائمہ اربعہؒ اور ان کے شاگردوں کی ایک دُوسرے کے پیچھے نماز ہو جاتی ہے یا نہیں؟ نیز مُلا علی قاری حنفیؒ نے اپنے رسالہ الاقتداء بالمخالف میں اقتداء یزید، حجاج، زیاد اور امراء بنی امیہ کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے۔

واستمر الامر علی ذلك فی زمن ابی حنیفة ومالك والشافعی واحمد وسائر المجتهدین هنالك فلم ینقل عن احد من الائمة ان یمنع الاقتداء بالمخالف من اهل الملة وذلك لعدم قطعهم علی انهم علی الصواب البتة وغیرهم علی الخطاء لا محالة بل كانوا مجتهدین فی امر الدین طالبین للاولی فی طریق المولی من جهة الفروع الفقهیة الادلة الظنیة مع اتفاقهم علی الاصول الدینیة التی مدارها علی الادلة الیقینیة كما یشیر الیه حدیث

العلماء ورثة الانبیاء. رواہ احمد والاربعۃ عن ابی الدرداء فالائمۃ المجتہدون کالصحابۃ فمن اقتدی بھم اھتدی لان اختلافھم راجع الی اختلاف الصحابۃ یشیر الیہ قولہ تعالٰی فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون۔ انتھٰی

امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ، امام احمدؒ اور دیگر ائمہ مجتہدین کے زمانہ میں یہی دستور چلا آیا کہ ایک دوسرے کے پیچھے نماز پڑھتے رہے۔ کسی سے یہ نقل نہیں ہوا کہ انہوں نے اہل دین سے اپنے مخالف مذہب کی اقتداء سے روکا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ قطعی طور پر یہ عقیدہ نہیں رکھتے تھے کہ ہم حق پر ہیں اور ہمارا مخالف غلطی پر ہے بلکہ سب دین میں اجتہاد کرنے والے تھے (جس میں غلطی کا امکان ہے) راہ الٰہی میں احکام اجتہادیہ کی بابت دلائل ظنیہ سے استدلال کرتے ہوئے بہتر بات کے طالب رہنے مع اتفاق کے اصول دینیہ میں جن کا مدار دلائل یقینیہ پر ہے جیسے حدیث العلماء ورثۃ الانبیاء (علماء انبیاء کے وارث ہیں) میں اس اتفاق کی طرف اشارہ ہے (کیونکہ انبیاء بھی اصول میں متفق تھے) پس ائمہ مجتہدین کا اختلاف صحابہؓ کی طرح ہے جو ان کی اقتداء کرے وہ ہدایت والا ہے کیونکہ ان کا اختلاف صحابہؓ کی طرف راجع ہے۔ آیت کریمہ فاسئلوا اھل الذکر ان کنتم لا تعلمون (اگر تم نہیں جانتے تو اہل ذکر سے (پوچھ لو)) میں اسی طرف اشارہ ہے (کیونکہ صحابہؓ کی طرح ائمہ بھی اہل ذکر ہیں)

اس سے معلوم ہوا کہ خیر القرون اور ائمہ مجتہدین کا اس اقتداء کے مسئلہ پر تعامل رہا ہے کبھی کسی نے اس میں رکاوٹ نہیں ڈالی، ہاں بعض کتب حنفیہ میں اس کے خلاف آواز اٹھائی گئی تھی جو روشنی کے زمانہ میں دب گئی۔ لیکن آج کل دیوبندی اس آواز کو پھر اٹھا رہے ہیں۔ چند روز ہوئے ہمارے پاس ایک کارڈ آیا ہے جس میں دو فتاوی اسی قسم کے درج ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ امام ابوحنیفہؒ کی نماز دیگر ائمہ کے پیچھے نہیں ہوتی بلکہ ان کے شاگرد امام ابو یوسف وغیرہ بھی اس قابل نہیں۔ چنانچہ اس کارڈ کی پوری عبارت مندرج ذیل ہے :-

"حضرت مولٰنا صاحب ادام اللہ فیوضکم

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ مندرجہ ذیل فتاوی رسالہ "المفتی" دیوبند میں شائع ہوئے ہیں۔
براہ نوازش آپ ان پر بسط سے روشنی ڈالیں کہ کن وجوہات سے علماء حنفیہ غیر مقلد
کے پیچھے نماز پڑھنا ناجائز بتاتے ہیں؟ کیا یہ فتاوی درست ہیں؟ یا نہ بینوا توجروا
سوال:۔ جو لوگ آمین بالجہر کہتے ہیں ان کے پیچھے نماز درست ہے یا نہیں؟
الجواب:۔ آمین بالجہر کہنے والے جو ہمارے دیار میں عام طور پر غیر مقلد ہیں ان کے
پیچھے بلاضرورت نماز نہ پڑھنی چاہیئے کیونکہ وہ وضوء اور طہارت میں قواعد کے پابند اور محتاط
نہیں، لیکن اگر اتفاقاً ان کی مسجد یا جماعت میں پہنچ جائے اور جماعت شروع ہو جائے تو
شریک ہو جانا چاہیئے نماز ہو جائے گی، بشرطیکہ ان سے صراحتہً کوئی ایسی چیز صادر نہ ہو جو
ہمارے نزدیک مفسد نماز ہو جائے، کذا قال الشامی فی باب الامامۃ فقط
(امداد المفتیین ص۲۷۴ بحوالہ رسالہ المفتی جلد اوّل)
سوال ۲:۔ اہلحدیث کے پیچھے حنفی المذہب کو اقتداء کرنا درست ہے یا نہیں؟
الجواب (۲):۔ اس میں تفصیل ہے بعض صورتوں میں درست ہے اور بعض صورتوں
میں مکروہ ہے یا درست نہیں پس احتیاط اسی میں ہے کہ اقتداء ان کا نہ کیا جائے لیکن
جس نے لاعلمی سے اقتداء کر لیا یا علم سے اقتداء کیا اس کو درمیان نماز کے نیّت توڑنا نہ
چاہیئے۔ اگر توڑ دی اس نماز کو پھر پڑھ لیوے۔"
(عزیز الفتاوی ص۱۵۲ "المفتی" ماہ رجب ۱۳۵۵ھ)

محدّث روپڑی کا جواب

اس میں شبہ نہیں کہ ائمہ مجتہدین کا وضوء، طہارت وغیرہ کے متعلق آپس میں بہت اختلاف ہے ایک کے نزدیک
ایک بات درست ہے تو دوسرا اس کو غیر درست کہتا ہے اگر ایک حرمت کا قائل ہے تو دوسرا حلّت
کا خاص کر امام ابو حنیفہؒ صاحب کا دوسرے ائمہ سے اختلاف زیادہ ہے اور بہت سی باتوں میں امام
ابو حنیفہ صاحبؒ کے شاگرد بھی ان کے خلاف ہیں۔ تو ان سے جب کوئی اپنے خیال کے مطابق وضو، طہارت
وغیرہ کرے تو ان دو فتووں کے مطابق امام ابو حنیفہ صاحبؒ اس کے پیچھے نماز نہیں پڑھ سکتے۔ مثلاً
امام ابو حنیفہ صاحبؒ کے نزدیک نکسیر پھوٹنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے اور امام شافعیؒ کے نزدیک

نہیں ٹوٹتا، اب امام شافعیؒ کے نزدیک وضو کیا، پھر نکسیر پھوٹ گئی چونکہ امام شافعیؒ کے نزدیک وضو قائم ہے اس لئے وہ بغیر نیا وضو کئے مصلی پر جا کھڑے ہوئے اور نماز شروع کر دی اب امام ابوحنیفہ صاحبؒ فوراً جماعت سے علیحدہ ہو جائیں گے کیونکہ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے مذہب کے مطابق امام شافعیؒ بلا وضو، نماز پڑھا رہے ہیں۔

اسی طرح امام شافعیؒ کے نزدیک دو قلہ (دو مٹکہ) پانی میں نجاست پڑ جائے تو جب تک رنگ، بو مزہ نہ بدلے پلید نہیں ہوتا۔ امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک پلید ہو جاتا ہے، امام شافعیؒ نے اس پانی سے وضو کر کے نماز پڑھانی شروع کر دی، امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک امام شافعیؒ کا وضو تو کیا ہونا تھا اس نجس پانی سے سارا بدن ہی پلید ہو گیا، اس حالت میں امام ابوحنیفہ صاحبؒ امام شافعیؒ کے پیچھے کس طرح نماز پڑھ سکتے ہیں۔

اسی طرح پانی نہ ملے تو امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے نزدیک کھجوروں کے شربت سے وضو ہو جاتا ہے امام شافعیؒ کے نزدیک نہیں ہوتا اگر امام ابوحنیفہؒ صاحب کھجوروں کے شربت سے وضو کر کے نماز پڑھانا چاہیں تو امام شافعیؒ ضرور علیحدہ ہو جائیں گے۔

اسی طرح کتا وغیرہ بسم اللہ پڑھ کر ذبح کرنے سے امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک پاک ہو جاتا ہے تو اگر اس کے خون کا قطرہ یا کوئی اور حصہ پانی میں مل جائے اور اس پانی سے وضو کر کے امام ابوحنیفہ صاحبؒ نماز پڑھانا چاہیں یا اس کتے کے چمڑے سے ستر ڈھانک کر نماز پڑھانا چاہیں تو اس صورت میں بھی امام شافعی صاحبؒ علیحدہ ہو جائیں گے۔

اس قسم کے سینکڑوں اختلافی صورتیں ہیں جو فریقین کی طرف سے مانع امامت ہیں، اسی طرح امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے شاگرد آپس میں اور اپنے استادوں سے بہت مسائل میں مختلف ہیں۔ تو ان کی اقتداء بھی آپس میں درست نہ ہو گی، مثلاً اگر پیٹ سے منہ کے راستہ سے خون آئے اور جما ہوا نہ ہو تو اس وقت امام محمدؒ شاگرد امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں کہ اگر منہ بھر کر نہ آئے تو وضو نہیں ٹوٹتا۔ اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ اور امام ابویوسف صاحبؒ کے نزدیک ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر ایسے موقعہ پر امام محمدؒ امام ہو جائیں تو امام ابوحنیفہ صاحبؒ اور امام ابویوسف صاحبؒ کی نماز ان کے پیچھے نہیں ہو سکتی۔

غرض اس طرح کا اختلاف امام ابوحنیفہ صاحبؒ کا اپنے شاگردوں سے اور دیگر ائمہ سے بہت ہے تو

اگر اہلحدیث کے پیچھے نماز اس لئے نہیں ہوتی کہ ان کے وضو طہارت وغیرہ کے مسائل حنفی مذہب کے مطابق نہیں تو امام ابوحنیفہ صاحبؒ کی بھی کسی امام کے پیچھے نہیں ہوگی۔ بلکہ دوسرے اماموں کی اور امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے شاگردوں کی بھی امام ابوحنیفہ صاحبؒ کے پیچھے نہیں ہو سکتی کیونکہ جو وجہ اُدھر سے ہے وہی وجہ ادھر سے ہے۔ مثلاً امام ابوحنیفہ صاحبؒ کہتے ہیں کہ اگر زخم سے خون نکل کر زخم کے منہ پر آجائے اور اِدھر اُدھر نہ بہے تو وضو نہیں ٹوٹتا اور امام محمد صاحبؒ کہتے ہیں۔ ٹوٹ جاتا ہے (ملاحظہ ہو ردالمختار جلد اوّل ص۱۰۱ و ص۱۰۳) تو اس وقت امام محمدؒ کی نماز اپنے استاد کے پیچھے کیونکر ہوگی؟

ناظرین خیال فرمائیں کہ کہاں تک نوبت پہنچتی ہے، حاصل کلام یہ ہوا کہ کوئی کسی کے پیچھے نماز نہ پڑھے، پس جماعت کا سلسلہ ہی فضول ہے بلکہ مسجدوں میں آنا ہی فضول ہے، گھروں میں اپنی اپنی نماز پڑھ لی اور فارغ ہوگئے اور جب ایسا ہوا تو مسجدوں کی بھی ضرورت نہ رہی خواہ مخواہ اللہ کا مال بیکار عمارتوں پر کیوں لگایا جائے۔ یہ ہے ایسے فتوؤں کا نتیجہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ؎

یہ ٹھہرے ہیں دین کے رہنما اب
لقب ان کا ہے وارثِ انبیاء اب

تنبیہ: اگر مسئلہ اقتداء کی پوری تفصیل اور اس کے پورے وجوہات معلوم کرنے مطلوب ہوں تو ہماری کتاب "حقیقت اہلحدیث حصہ دوم ص۹۲-۹۳ ملاحظہ ہو۔

جو لوگ تقلید میں ایسے سرشار ہیں کہ ان کی کسی کے پیچھے نماز ہی نہیں ہوتی بلکہ انکے پیچھے نماز ہی ہوتی ہے انکے پیچھے نماز سے پرہیز چاہیئے کیونکہ ان کی تقلید حد شرک تک پہنچ گئی ہے اور مشرک کے پیچھے نماز درست نہیں۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق کسی نے استفتاء کیا ہے کہ یہ ناجی ہیں یا نہیں اور ان کی اقتداء درست ہے یا نہیں اور بعض اور استفتاء بھی کئے ہیں۔

مفتی فضل عظیم عثمانی بھیروی

اعتراض: مفتی فضل عظیم عثمانی بھیروی ضلع شاہ پور نے محدث روپڑی کے رسالہ "ایک مجلس کی تین طلاق" کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے:۔

کہ آپ (محدث روپڑی) نے ایک مجلس کی تین طلاق کے صفحہ ۱۱ پر لکھا ہے کہ حضرت عمرؓ

نے خلافت کے دو سال بعد تین طلاق کے تین واقعہ ہونے کا جو فیصلہ کیا تھا۔ وہ قضاءً اور سیاستہ تھا۔ ان کے یہ الفاظ حضرت عمرؓ اور ابن عباسؓ کے حق میں گوہر افشانی ہے۔ جس سے مجھے حد درجہ یقین ہو گیا کہ نہ آپ کو قرآن کریم سے واسطہ اور نہ رسول کریم سے تعلق اور نہ بزرگان دین سے محبت اللہ تعالیٰ نے کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان آیت میں صحابہؓ کی تعریف کی ہے۔ اور آپ نے ہر دو کو بد دیانت بنا دیا۔ طلاق کا مسئلہ ہر دو کو معلوم نہ ہوا اِقْتَدُوا بِالَّذَيْنِ مِنْ بَعْدِی اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرَ ہائے تکبر تیرا ستیاناس۔

جواب: حضرت محدث روپڑی نے جواب میں فرمایا۔ کہ آپ کے اس جملہ بددیانت" سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو فقہ وغیرہ سے بھی مس نہیں۔ مثلاً ہدایہ وغیرہ میں کتاب القاضی کے شروع میں لکھا ہے کہ فاسق قاضی بن سکتا ہے۔ مفتی نہیں بن سکتا۔ دلیل اس کی یہ دی ہے۔ کہ فتویٰ امور دین سے ہے فاسق کی خبر دیانت میں معتبر نہیں ———— بتلائیے اس کے مقابلہ میں قضا بے دینی اور بد دیانتی ہے۔ خدا جانے آپ مفتی کس طرح بن گئے جب ان باتوں کو نہیں سمجھتے سنیئے ہم آپ کو سمجھائیں۔ آپ موقعہ محل کا لحاظ نہیں رکھتے بھینس اور بھیڑ کو ایک لکڑی سے ہانکتے ہیں۔ مثلاً علم عربیّت میں اسم کے کئی استعمال ہیں، ایک فعل اور حرف کے مقابلہ میں ایک صفت کے مقابلہ میں ایک ظرف کے مقابلہ میں اب ہر ایک کو اپنے محل میں نہ رکھا جائے تو مسائل عربیّت میں کتنی گڑبڑ ہوگی ٹھیک اسی طرح دیانت کا لفظ ہے کبھی تو یہ عدالت کے مقابلہ میں استعمال ہوتا ہے کبھی فسق وفجور کے مقابلہ میں کبھی قضا یا سیاست کے مقابلہ میں اوّل استعمال کے لحاظ سے بعض اہل بدعت کو بھی متدین کہا گیا ہے چنانچہ کتب اسماء الرجال میں یہ استعمال عام طور پر موجود ہے اور دوسرا استعمال عام طور پر زبان زد ہے رات دن دُنیا بولتی ہے۔ تیسرا اس کا یہ مطلب خدا اور بندہ کے درمیانی معاملہ اور اس کے مقابلہ میں قضاء کا مطلب یہ ہے کہ بندوں بندوں کا معاملہ
میں نے حضرت عمرؓ کے تین طلاق جاری کرنے کے متعلق قضا اور سیاست کا استعمال کیا ہے اس کو آپ نے معاذ اللہ بد دیانتی اور بے دینی بنا لیا ہے جو زبانِ زد عام ہے انا للہ پسِ ہے۔

وکم من عائب قولا صحیحا وآفته من الفهم السقیم

(عبداللہ روپڑی) ۲۳ اگست ۱۹۴۰ء

سوال:- کیا حنفی اہل حدیث ہیں؟

جواب:- ہر نیک نیت مسلمان کی نیت یہ ہوتی ہے۔ کہ مجھے رسُول کا راستہ ملے اس معنیٰ سے بیشک ایسے نیک نیت حنفی اہل حدیث ہیں۔ لیکن ایک معنیٰ اہل حدیث کا خاص ہے وہ یہ کہ براہ راست احادیث و آثار کی جستجو کی جائے اور کسی خاص شخص کے اقوال پر مذہب کی بنیاد نہ رکھی جائے نہ کسی ایک کے مذہب کی تقلید کی جائے اس معنیٰ سے حنفیہ اہل حدیث نہیں۔ بلکہ وہ ایک خاص جماعت ہے جو اہل حدیث کے نام سے مشہور ہے۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ انصاف ص۸۹ پر لکھتے ہیں۔ اس کا اُردو ترجمہ یہ ہے:-
بعض کو میں نے یہ کہتے ہوئے پایا ہے کہ کل دو فرقے ہیں تیسرا نہیں ایک ظاہریہ دوسرا اہل الرائے اور جو قیاس و استنباط کرے وہ اہل الرائے ہے جو قیاس و استنباط نہ کرے وہ اہل ظاہر ہے (لیکن) بخدا حقیقت میں ایسا نہیں۔ کیونکہ رائے سے مراد نفس فہم اور عقل نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ اس سے تو کوئی خالی نہیں اور نہ وہ رائے مراد ہے۔ جس کا اعتماد سنّت پر نہ ہو کیونکہ مسلمان محض اپنی طرف سے کوئی بات نہیں گھڑتا اور نہ استنباط و قیاس پر قدرت مراد ہے۔ کیونکہ امام احمدؒ و اسحٰقؒ بلکہ امام شافعیؒ بالاتفاق اہل الرائے نہیں۔ حالانکہ وہ استنباط و قیاس کرتے ہیں۔ بلکہ اہل الرائے سے وہ قوم مراد ہے جو اجماعی اور جمہوری مسائل کے علاوہ باقی مسائل میں متقدمین سے کسی ایک شخص کے اصول کی پابند ہے اور اکثر کام ان کا ایک مسئلہ کو دوسرے مسئلہ پر قیاس کرنا ہے اور اصولوں سے کسی اصل کے موافق کرنا ہے بغیر جستجو احادیث و آثار سلف کے اور ظاہری وہ شخص ہے جو نہ قیاس کا قائل ہے اور نہ آثار صحابہؓ و تابعینؒ کا قائل ہے جیسے داؤد بن حزمؒ اور ان ہر دو فرقوں کے درمیان محققین اہل سنّت ہیں۔ جیسے امام احمدؒ اور امام اسحٰقؒ

علاوہ ازیں مولانا محمد حسین مرحوم بٹالوی نے اشاعۃ السنۃ جلد ۲۲ ص۲۷۳ میں اہل حدیث اور مذاہب اربعہ میں عموم خصوص من وجہ کی نسبت بتائی ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ ایک جماعت خاص اہل حدیث ہے جو گروہ مقلدین سے الگ ہے۔ عبداللہ امرتسری ۱۸ رجب ۱۳۵۹ھ

سوال:- تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے والا اہل بدعت سے ہے یا نہیں؟ (عبدالقادر حصاری)

جواب:- جو شخص تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھتا ہے۔ اس کو امام نہیں بنانا چاہیئے ہاں اگر کہیں نماز پڑھا رہا ہو تو اس کے شامل ہونے کی صورت میں نماز ادا ہو جائے گی۔ کیونکہ وہ کافر نہیں۔ زیادہ سے

وہ تقلید شخصی کو شرعی حکم سمجھنے کی وجہ سے وہ اہل بدعت میں شمار ہو سکتا ہے۔ اور اہل بدعت کو اگرچہ امام بنانا درست نہیں۔ لیکن کہیں اس کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقعہ مل جائے تو نماز ہو جائے گی۔ چنانچہ ہمارا امامت مشترک میں اس کی پوری تفصیل کر دی ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۲ جمادی الاخری ۱۳۵۲ھ

سوال:۔ مفتی فضل عظیم بھیروی نے کہا ہے کہ مولوی نوردین اور عبداللہ چکڑالوی پہلے اہلحدیث غیر مقلد تھے۔ کیا ان کا یہ دعویٰ صحیح ہے؟

جواب:۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولوی نوردین اور عبداللہ چکڑالوی گمراہ ہو گئے تھے۔ مگر پہلے کہاں تھے؟ حنفیت سے نکلے معلوم ہوتا ہے کہ اصل خراب تھا۔ پھر اہل حدیث کے مذہب میں کس طرح ٹھہر سکتے تھے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ کو طابہ (اچھا۔ عمدہ۔ کھرا) فرمایا۔ ایک شخص نے آپ کی بیعت کی پھر کچھ تکلیف دیکھ کر کہنے لگا۔ میری بیعت واپس کر دو۔ آپ نے فرمایا اس طابہ کی مثال کٹھالی کی ہے جیسے وہ لوہے کی میل کو دور کر دیتی ہے۔ اس طرح طابہ بھی کھوٹے آدمی کو اپنے سے نکال دیتا ہے اہل حدیث کو بھی چونکہ براہ راست اسی طابہ سے نسبت ہے۔ اس لئے ان میں بھی ایسا ویسا آدمی نہیں ٹھہر سکتا۔ اگر مفتی صاحب سے پوچھا جائے کہ بریلوی۔ جماعت علی شاہی وغیرہ کس طرح پیدا ہو گئے کیا یہ بھی حنفیت کا اثر ہے؟

عبداللہ امرتسری ۶ جنوری ۱۹۳۹ء، ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

اصحاب صحاح ستہؒ

سوال:۔ مفتی فضل عظیم نے یہ بھی لکھا ہے کہ اصحاب صحاح ستہ مقلد تھے۔ کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ اصحاب صحاح ستہ کو مقلد سمجھنا ڈبل غلطی ہے۔ حجۃ اللہ البالغہ میں ہے۔ کہ اصحاب صحاح ستہ کو اکثر مسائل میں موافقت کی وجہ سے شافعیؒ کی طرف نسبت کیا جاتا ہے۔ یعنی ان کا بہت مسائل میں اجتہاد امام شافعیؒ کے موافق ہو گیا ورنہ یہ مقلد نہ تھے۔ اس طرح شاہ عبدالقادر جیلانیؒ کا اجتہاد اکثر مسائل میں امام احمدؒ کے موافق ہو گیا۔ اس لئے ان کو امام احمدؒ کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ اس سے انسان مقلد تھوڑا ہی بنتا ہے یہ لوگ سب مجتہد ہی تھے۔

عبداللہ امرتسری ۶ جنوری ۱۹۲۹ء

سوال :۔ کیا ائمہ اربعہؒ چاروں حق پر تھے ؟

جواب :۔ ائمہ اربعہؒ کے حق ہونے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ ان سے ہر ایک کے تمام مسائل حق ہیں۔ بلکہ اختلاف کی صورت میں ایک حق پر ہوگا۔ دوسرا غلطی پر مثلاً قرآن مجید میں قُرُوْءٌ کی بابت اختلاف ہے۔ امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ اس سے طہر مراد ہے امام ابوحنیفہؒ کہتے ہیں حیض مراد ہے۔ فاتحہ کے مسئلہ میں امام شافعیؒ کہتے ہیں۔ اس کے بغیر نماز نہیں امام ابوحنیفہؒ کا مشہور قول ہے کہ منع ہے۔ اس قسم کے بہتیرے مسائل ہیں۔ جن میں اختلاف ہے مگر حق ایک ہی ہے اور حق ایک ہی کے ساتھ رہتا ہے۔ اور یہی اہل سنّت کا عقیدہ ہے۔ ہاں چاروں مذاہب کے حق ہونے کا یہ مطلب ہوسکتا ہے کہ ان کو غلطی پر بھی ایک اجر ملتا ہے کیونکہ ان کا اختلاف سلفؒ کی روش کے اندر ہے۔ ورنہ مسائل تو سارے صحابہؓ کے بھی حق ہیں حضرت عمرؓ کہتے ہیں جنبی کے لئے تیمم نہیں۔ عبداللہؓ بن مسعود کا بھی یہی مذہب ہے۔ نیز وہ معوذتین کو قرآن مجید کی سورتیں نہیں مانتے۔ تین آدمی ہوں تو نماز میں جماعت کے وقت ایک کو دائیں طرف کھڑا کرتے ہیں۔ دوسرے کو بائیں طرف۔ اس قسم کے بیسیوں مسائل ہیں۔ کیا یہ حق ہیں ؟ اس طرح ائمہؒ کے مسائل کو سمجھ لینا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ

مطابق ۱۰ جنوری ۱۹۳۹ء

سوال :۔ شاہ اسمٰعیل شہیدؒ نے صراط مستقیم میں لکھا ہے ؟

اتباع مذاہب اربعہؒ کہ رائج در تمام اہل اسلام است۔ بہتر و خوب است

مگر ایضاح میں معین کی تقلید کو بدعت حقیقیہ میں شمار کیا ہے ـــــ اس اختلاف کی وجہ کیا ہے۔

جواب :۔ اتباع مذاہب اربعہؒ کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ ایک مذہب کا تعین اور التزام نہ کرے بلکہ جس کا مسئلہ راجح معلوم ہولے لے۔

دوسری صورت یہ ہے۔ کہ سہولت کے طور پر ایک کا تعین کرے مگر اس تعین کو حکم شرعی نہ سمجھے اور کبھی دوسرے مذہب پر بھی عمل کرے۔ صراط مستقیم کی عبارت میں ان ہر دو مفہوم کا احتمال ہے اور ایضاح کی عبارت کا یہ مطلب ہے کہ اگر اس تعیّن کو حکم شرعی سمجھے تو یہ بدعت حقیقیہ ہے اور مایۃ مسائل کی عبارت میں بھی یہی دونوں احتمال ہیں۔ کیونکہ آگے چل کر مایۃ مسائل نے مذاہب اربعہ کے اختلاف کے متعلق کہا ہے کہ یا یہ صحابہؓ کا اختلاف ہے یا قیاس رائے کا اختلاف ہے ظاہر ہے کہ صحابہؓ کے

اختلاف کے وقت جب کوئی کسی صحابی کا قول لیتا تو یہ سمجھ کر نہیں لیتا تھا کہ مجھے اسی کے قول لینے کا شرعی حکم ہے یا اس کا تعین کرنا شرعاً ضروری ہے۔ بلکہ آیہ کریمہ فَاسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ کے تحت کسی صحابیؓ کا قول لے لیتا اور یہی وجہ ہے کہ صحابہؓ کے زمانہ میں مسائل کے لئے ایک شخص مقرر نہ تھا بلکہ ایک مسئلہ میں ایک کا قول لیتے تو دوسرے مسئلہ میں دوسرے کسی اور صحابیؓ کا قول لیتے۔ اگر اب بھی اس طرح ہو تو بفضلِ خدا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یاد تازہ ہو جائے واللہ الموفق

عبداللہ امرتسری ۱۸ رجب ۱۳۵۹ھ

سوال:۔ شاہ ولی اللہؒ تقلید کو واجب کہتے ہیں۔ مولوی فضل عظیم بھیروی نے جواز تقلید کی یہی دلیل دی ہے کیا یہ صحیح ہے؟

جواب:۔ تقلید کی نسبت شاہ ولی اللہؒ کا قول بحوالہ انصاف وَكَانُوْا هُوَ الْوَاجِبُ فِيْ ذَالِكَ الزَّمَانِ۔ انہوں نے نقل کیا ہے حالانکہ انصاف میں اس کا نام و نشان نہیں۔ ہاں عقد الجید میں ہے مگر انصاف اس کے بعد کا ہے۔ اس میں اہل حدیث مذہب کو ترجیح دی ہے۔ خاص کر حنفی مذہب کے متعلق انصاف ص۷۰ پر لکھا ہے کہ ان میں تیسری صدی کے بعد اجتہاد ختم ہو گیا۔ کیونکہ مجتہد محدّث ہوتا ہے وَكَانَ اشتغالهم بعلم الحديث قَلِيْلًا قَدِيْمًا وَحَدِيْثًا یعنی ان کا شغل علم حدیث سے ہمیشہ کم رہا ہے۔ اور عقد الجید کی عبارت مذکورہ بھی درحقیقت ایسے ہی لوگوں کے لئے تھی۔ مگر تقلید شخصی کی پھر بھی کوئی وجہ نہیں۔ کیونکہ فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون پر عمل پیرا ہونا چاہیئے۔ تمام شریعت کا ذمہ دار ایک کو بنا دینا کسی طرح صحیح نہیں۔ بلکہ جس سے موقعہ ملے پوچھ لے جیسے سلفؒ میں دستور تھا۔ اس لئے شاہ ولی اللہؒ صاحب نے عقد الجید کے اس مقام میں لکھا ہے۔ کہ ایک بڑی جماعت علماء کی ہمیشہ چلی آئی ہے۔ جو مذاہب اربعہ سے ایک کی پابند نہ تھی۔

عبداللہ امرتسری ۱۷ جنوری ۱۹۳۹ء ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

سوال:۔ کیا تمام زمانوں کے لئے ایک ہی فقہ کافی ہے۔ کیا جو نئے حالات پیدا ہو گئے ہیں اس کے مطابق فقہ تیار کرنے کی کوئی کوشش کی گئی ہے؟

جواب:۔ قرآن و حدیث سب زمانوں کے لئے کافی ہے اسی لئے خدا نے نبوّت کو ختم کر دیا۔ اور قرآن کی حفاظت اپنے ذمہ لی۔ فقہ جو قرآن و حدیث کے موافق ہے وہ قرآن و حدیث ہی ہے۔ جو قرآن وحدیث

کے موافق نہیں اس کا اعتبار نہیں۔

سوال:۔ اہلِ حدیث کا اختلاف جو حنفیوں سے ہے وہ کن حدیثوں پر مبنی ہے۔ ان کے متعلق حنفیوں کا کیا جواب ہے۔ اختلافات اور جوابات سے مطلع فرمایا جاوے؟

جواب:۔ ان احادیث کا شمار تو مشکل ہے ہاں بعض کتابوں کا نام تبلا دیتے ہیں۔ جن میں اکثر یہ احادیث یا اس قسم کے اقوال پائے جاتے ہیں۔ جیسے:
معانی الآثار۔ طحاوی۔ کتاب الآثار امام محمدؒ۔ مؤطا امام محمدؒ۔ مسند امام ابو حنیفہؒ۔ ان کے علاوہ بعض احادیث یا اقوال صحاح ستّہ میں بھی ہیں لیکن حنفیہ اور اہلحدیث کے اختلاف کی اصل وجہ یہ ہے کہ حنفیہ قیاس زیادہ کرتے ہیں۔ اور حدیث کے صحت ضعف کا پورا امتیاز نہیں کرتے۔ اور بعض دفعہ رائے کے زیادہ دخل دینے کی وجہ سے احادیث کے اصل مطلب کو نہیں پہنچتے۔ اور قیاس کے زیادہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ احادیث کی خدمت میں انہوں نے کم حصّہ لیا ہے۔ جیسے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے "انصاف" میں لکھا ہے۔

مولوی عبدالحیؒ حنفی لکھنوی نے "النافع الکبیر فی شرح الجامع الصغیر کے مقدمہ میں اور بعض دیگر علماء نے اپنی تصانیف میں مذہب میں قیاس کے زیادہ ہونے کی وجہ یہی بیان کی ہے۔"

سوال:۔ کیا ہمارا مذہب عقل پر مبنی ہے کیا دیگر مذاہب کی تردید ہم عقل سے کر سکتے ہیں؟
ایک سائل

جواب:۔ عقل، نقل دونوں پر مبنی ہے۔ کیونکہ پیغمبر کو پیغمبر معلوم کرنا عقل سے ہوتا ہے۔ اس کے بعد جو کچھ پیغمبر کہے وہ ماننا پڑتا ہے۔ اور دیگر مذاہب کی تردید بھی عقل، نقل دونوں سے کی جاتی ہے جیسے روح مادہ قدیم نہیں عالم حادث ہے۔ اس قسم کے مسائل کو ہم عموماً عقلی دلائل سے ثابت کرتے ہیں اور شیعہ وغیرہ کی تردید اکثر نقلی دلائل سے کرتے ہیں جیسے قرآن و حدیث۔

سوال:۔ کیا وجہ ہے کہ ایک شخص اندھا، لولا یا چوروں، ڈاکوؤں یا سخت غریب گھر میں پیدا ہوتا ہے۔ کسی کو دس دن کی زندگی دی جاتی ہے کسی کو سینکڑوں دنوں کی۔ اگر ایک شخص نیک خاندان میں پیدا ہوتا ہے، اس کو نیک صحبت، نیک تعلیم، نیک کاموں کے وسائل بہم پہنچائے جاتے ہیں۔ اور دوسرا اس کے برعکس ہر دو کی آزمائش یکساں کیسی؟

اگر ایک حالت میں پیدائش و پرورش ہو، تو کوئی آزمائش ہو سکتی ہے؟ ایک سائل

جواب:۔ اسلام کو دیگر مذاہب پر کئی طرح سے فضیلت ہے۔ ایک یہ کہ قرآن مجید کا اعجاز کا دعویٰ ہے۔ اس کے دعویٰ کو آج تک کسی نے نہیں توڑا۔ دوسرے اسلام میں پورے احکام ہیں۔ اسلام کے سوا کسی مذہب میں پُورے احکام نہیں۔ مثلاً وید میں رشتوں کی بابت کوئی تفصیلی احکام نہیں کہ کونسا کرنا چاہیئے اور کونسا نہ کرنا چاہیئے۔ بہت سی کتب تحریف ہو چکی ہیں۔ قرآن مجید بدستور قائم ہے۔ قرآن کو خدا نے سینوں میں جگہ دی ہے۔ دوسری کتب صرف کاغذات میں ہیں۔ اور لنگڑا لولا ہونے یا کسی اور مصیبت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو آزماتا ہے کہ مصیبت میں صبر کرتے ہیں یا نہیں اور مال و دولت اور صحت و تندرستی اگرچہ ظاہر میں نعمت ہیں۔ لیکن حقیقت میں یہ بھی آزمائش ہیں۔ کہ بندہ مال و دولت وغیرہ سے زیادہ محبت کرتا ہے یا خُدا سے۔ اور کیا اللہ کے راستہ میں اس کو خرچ کرتا ہے یا عیاشی میں پڑتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ.

"ہم ان کو نیکیوں، بدیوں سے آزماتے ہیں شاید کہ وہ (خدا کی طرف) رجوع کریں۔"

اور جیسے انسان کا قصد ارادہ ہوتا ہے اسی کے موافق اللہ کی طرف سے توفیق ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرمایا ہے۔ فَاَمَّا مَنْ اَعْطٰى وَاتَّقٰى وَصَدَّقَ بِالْحُسْنٰى فَسَنُيَسِّرُهٗ لِلْيُسْرٰى۔ جو اللہ کی راہ میں دے اور تقویٰ کرے اور سچ بولے اس کو ہم نیک کاموں کی توفیق دیتے ہیں۔"

جیسی جیسی طبائع ہوتی ہیں ویسی ویسی آزمائش ہوتی ہے۔ کسی کو مال دے کر آزمایا جاتا ہے۔ کسی کو حکومت دے کر کسی کو غربت وغیرہ کے ساتھ جیسے مختلف جماعتوں کے لڑکوں کو مختلف سوالات دیئے جاتے ہیں۔ اسی طرح بندوں کی مختلف حالتوں کو سمجھ لینا چاہیئے۔

سوال:۔ مولانا روم کے متعلق آپ کا کیا خیال؟ کیا ان کی تعلیم حضرت کی تعلیم کے مطابق ہے؟

جواب:۔ کچھ مطابق ہے کچھ خلاف بھی ہے۔ مثلاً یہ کہنا ہر شئے میں (حق) ہے۔ یعنی خدا ہے۔ یہ ٹھیک نہیں۔ کیونکہ قرآن و حدیث میں ہے کہ اللہ عرش پر ہے۔ ہاں اگر حق سے مراد یہ ہو جس کی طرف مندرجہ آیت میں اشارہ ہے۔ تو پھر ہر شئے میں حق کا ہونا ٹھیک ہے۔

وَمَا خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا اِلَّا بِالْحَقِّ۔ ہم نے آسمان، زمین اور جو

پھر ان دونوں کے درمیان ہے سب کو صرف حق کے ساتھ پیدا کیا ہے۔ یعنی ان اشیاء کی پیدائش لغو نہیں بلکہ کسی فائدہ کے لئے ہے یا یہ اشیاء وہم اور خیال نہیں۔ جیسے ایک گمراہ فرقے (سوفسطائیہ) کا مذہب ہے بلکہ یہ سچ مچ ہیں اور ہر شے اپنے اندر ایک حقیقت رکھتی ہے۔

سوال:۔ کیا احادیث کے صحت وضعت میں اقوال محدثین کو ماننا تقلید ہے؟

غلام رسول از راہوں ضلع جالندھر

جواب:۔ مسلم الثبوت میں جو حنفیہ کے فقہ اصول کی معتبر کتاب ہے اور درس میں داخل ہے اس میں تقلید کی یہی تعریف کر کے لکھا ہے۔

لَيْسَ الرُّجُوْعُ إِلَى الرَّسُوْلِ وَالْإِجْمَاعِ وَالْعَامِيِّ إِلَى الْمُفْتِيْ وَالْقَاضِيْ إِلَى الْعُدُوْلِ بِتَقْلِيْدٍ لِقِيَامِ الْحُجَّةِ۔

یعنی رسول اور اجماع کی طرف رجوع کرنا اور عامی کا مفتی کی بات کو ماننا اور حاکم کا گواہوں یا گواہوں کی توثیق کرنے والوں کی بات کو ماننا تقلید نہیں۔ بوجہ قائم ہونے دلیل کے۔

پس اہل حدیث کا کتب اسماء الرجال کو راویوں کی توثیق کے لئے دیکھنا تقلید نہ ہوا کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے حاکم گواہوں یا گواہوں کی توثیق کے لئے معتبر آدمیوں سے دریافت کرتا ہے پس جیسے حاکم گواہوں کا یا ان معتبر آدمیوں کا مقلد نہیں کہلاتا اس طرح اہل حدیث کو سمجھ لینا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم از روپڑ ۷ جون ۱۹۴۰ء

سوال:۔ کیا شاگرد استاد سے مسائل میں اختلاف کر سکتا ہے؟ اس اختلاف کی بنا پر استاد شاگرد کو عاق کہنے کا مجاز ہے؟

سائلین انجمن اہل حدیث بڑین۔ ڈاک خانہ سلطان پور علاقہ میر پور براستہ اسٹیشن دینا ریاست جموں

المرقوم ۲۲ ستمبر ۱۹۳۹ء

جواب:۔ مسائل کے اختلاف سے شاگرد عاق نہیں بنتا بلکہ یہ ایک لازمی شے ہے اس لئے ہمیشہ شاگرد اپنے اساتذہ کی مخالفت کرتے رہے۔ امام شافعیؒ امام مالکؒ کے شاگرد ہیں مگر بہت سے مسائل میں ان کے خلاف ہیں۔ اس لئے یہ دو مذہب الگ الگ قرار پائے۔ اسی طرح امام احمدؒ۔ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ مگر مذہب ان کا بھی الگ الگ ہے امام ابوحنیفہؒ کے بڑے دونوں شاگرد امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ

اپنے استاد سے قریباً دو تہائی مذہب میں خلاف ہیں۔ امام مسلمؒ۔ امام بخاریؒ کے شاگرد ہیں۔ مگر بعض مسائل میں ایسے خلاف ہیں۔ کہ استاد کے حق میں سختی پر اُتر آئے ہیں۔ مقدمہ مسلم پڑھ کر دیکھئے اسی طرح امام بخاریؒ بواسطہ امام حمیدیؒ۔ امام شافعیؒ کے شاگرد ہیں۔ لیکن مسائل میں امام شافعیؒ کی ذرا پرواہ نہیں کرتے۔ جو کچھ اپنی تحقیق ہے اس کے پابند ہیں۔ خیر قرون میں اس قسم کے اختلافات بہت ہیں مگر کسی استاد نے شاگرد کو اس بنا پر عاق نہیں کہا۔

جس شخص نے مسئلہ کے اختلاف کی وجہ سے اپنے شاگرد کو عاق کہا ہے وہ خود شریعت کا عاق ہے۔ کیونکہ شریعت اندھی تقلید کی اجازت نہیں دیتی۔ اس قسم کی تقلید شریعت میں ایک امر مُحْدَث ہے۔ جو ایسی تقلید کرانی چاہتا ہے وہ ایک امر مُحْدَث کا مرتکب ہوا ہے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ وشر الامور محدثاتها وكل محدث بدعة وكل بدعة ضلالة۔ پس اس شخص کو لازم ہے کہ اس بات سے توبہ کرے اور آئندہ اس قسم کے مسائل میں اختلاف کی وجہ سے اپنے کسی شاگرد کو عاق نہ کہے ورنہ خود شریعت سے عاق سمجھا جائے گا۔ فقط

عبداللہ امرتسری روپڑ مورخہ ۱۳ر رمضان المبارک ۱۳۵۸ھ

سوال: نسیان۔ غلط۔ جہالت و خطاء میں از روئے لغت کیا فرق ہے؟ اور مسئلہ طلاق بطور نسیان کی صُورت کیا ہے؟

ابو محمد عبدالجبار مدرس مدرسہ مسجد کلاں صدر بازار دہلی

جواب: نسیان کا معنی شے کا ذہن میں آکر نکل جانا غلط اور خطاء کے معنٰی ایک ہی ہیں ضد الصواب یعنی درست بات کو نہ پہچاننا جہالت علم کی ضد ہے۔

بخاری میں غلط سے مراد یہ ہے کہ عمداً نہ ہو جیسے بولنا چاہتا تھا تجھ پر نطاق ہے نکل گیا "طلاق ہے" اور نسیان سے مراد یہ ہے کہ ذاکراً (یاد کی حالت میں) نہ ہو جیسے منہ سے طلاق کا لفظ نکل گیا اس کو پتہ ہی نہیں کہ نکلا ہے یا نہیں فتح الباری میں یہی مراد بتائی ہے۔ فقط والسّلام

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ، جمادی الاوّل ۱۳۵۹ھ

سوال: امام ترمذیؒ اپنی جامع میں فرماتے ہیں وعليه عمل اهل العلم۔ اس سے کون اہل العلم مراد ہیں۔ سلف اُمّت یا تابعینؒ وغیرہ اور مقصود امام ترمذیؒ کا اس قول سے کیا ہے جلال الدّین سیوطیؒ تعقبات علی الموضوعات میں لکھتے ہیں۔

قلت الحدیث اخرجه الترمذی وقال حسین ضعفه احمد وغیرہ والعمل علی ھذا الحدیث عند اھل العلم فاشار بذالک الی ان الحدیث اعتضد بقول اھل العلم وقد صرح غیر واحد بان من دلیل صحۃ الحدیث قول اھل العلم به وان لم یکن له اسناد یعتمد علیه

اس قول سے معلوم ہوتا ہے کہ جو حدیث ضعیف الاسناد ہو وہ معمول بہ ہونے کی وجہ سے صحیح اور قابلِ عمل ہے۔ لیکن اہل حدیث مطلقاً ضعیف کو قابلِ عمل نہیں ٹھہراتے گو اس پر اہل علم کا عمل ہو؟

جواب:۔ اہل علم سے صحابہؓ وتابعینؒ وغیرہ مراد ہیں۔ چنانچہ امام ترمذیؒ نے کئی جگہ اس کی تصریح کی ہے اور جس مسئلہ کی بابت امام ترمذیؒ والعمل علی ھذا عند اھل العلم کہتے ہیں۔ اگر اس مسئلہ میں اختلاف نہ ہو تو پھر حدیث کی صحت میں کوئی شبہ نہیں۔ اگر اختلاف ہو تو کچھ تقویت پہنچ جاتی ہے۔ بشرطیکہ اس حدیث کے مقابل کوئی حدیث نہ ہو۔ فقط

عبداللہ روپڑی ۱۱ ربیع الاول ۱۳۸۳ھ

سوال:۔ کیا شاہ ولی اللہؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ مقلد تھے؟

جواب:۔ شاہ ولی اللہؒ آخر میں ادھر ہی مائل ہو گئے۔ شاہ عبدالعزیزؒ نے چار مصلوں کی مذمت لکھی ہے جو بیت اللہ میں قائم کئے گئے تھے۔ ملاحظہ ہو تفسیر عزیزی زیر آیت کریمہ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۔ نیز شاہ ولی اللہؒ کا وصیت نامہ دیکھئے۔ انہوں نے اولاد کو تقلید سے روکا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۲ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

سوال:۔ مولینا محمد حسین بٹالوی مرحوم اپنے آپ کو حنفی اہل حدیث کہلاتے تھے۔ اس کی کیا وجہ ہے کیا مولینا نذیر حسین محدث دہلوی بھی تقلید شخصی کو صحیح سمجھتے تھے؟

جواب:۔ مولینا محمد حسین بٹالوی مرحوم جس معنیٰ سے حنفی اہل حدیث کہلائے اس معنیٰ سے تقلید شخصی کی شرعی حیثیت کچھ نہیں رہتی۔ کیونکہ اہل حدیث کے ساتھ حنفیت کے اضافہ کا صرف یہ مطلب ہے کہ جو مسئلہ قرآن وحدیث سے ملے اس میں اپنی رائے سے کسی امام کا قول لینا بہتر ہے اور ہندوستان میں چونکہ حنفی مذہب زیادہ مروج ہے اس لئے انہی کی موافقت ان کو انسب معلوم ہوئی۔ اس کا حاصل یہ

ہے کہ کوئی اور زیادہ مذہب مروج ہوتا. تو اس کی موافقت کرتے گویا تقلید شخصی شرعاً کوئی شے نہیں. صرف رواجی شے ہے اور وہ بھی صرف اس وقت جبکہ قرآن وحدیث سے کوئی مسئلہ نہ ملے۔ اگرچہ ہم اس میں بھی مولانا محمد حسین مرحوم کو غلطی پر سمجھتے ہیں۔ کیونکہ رواج سے متاثر ہونا علم کی شان نہیں۔ بلکہ جس امام کا قول کسی وجہ سے راجح اور انسب معلوم ہو لے لیا جائے۔ نیز ہمیشہ ایک قول لینے میں عوام کو غلط فہمی ہوتی ہے کہ شاید ہر مسئلہ میں یہی مذہب حق ہے۔ چنانچہ تقلید شخصی دُنیا میں اس طرح پھیلی پھولی اور آپ کو بھی مولوی محمد حسین مرحوم کی حنفیّت کے اضافہ سے دھوکا لگا ہے۔ اس لئے ہمارا کہنا تو یہی ہے کہ مولوی محمد حسین مرحوم نے غلطی کی. لیکن اگر آپ یا دیگر حنفی مولوی محمد حسین مرحوم کی روش اختیار کرلیں تو قریباً سارے مرحلے طے ہو جائیں۔ اور صرف اُنیس بیس کا فرق رہ جائے۔

عبداللہ امرتسری

مولانا ابوالکلام آزادؒ

سوال:۔ مولانا ابوالکلام آزاد مرحوم نے اپنی تفسیر ترجمان القرآن میں سامری اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی گفتگو متعلقہ بچھڑا سورہ طٰہٰ میں لکھا ہے کہ قرآن میں جہاں کہیں بغیر اضافت و اسناد کے "الرَّسُول" کا لفظ آیا ہے وہاں فرشتہ کا مطلب مُراد نہیں ہوگا، کیا مرحوم کا یہ کلیہ درست ہے؟ والسلام!

بشیر احمد نواں کوٹ۔ لاہور۔

الجواب:۔ یہ اصطلاح سلف کے خلاف ہے، علماء سلف نے اس سے فرشتہ ہی مراد لیا ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ جب کسی کا خیال اُلٹ جاتا ہے تو وہ اصطلاح بھی اُلٹی بنا لیتا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے مرزا قادیانی لکھتے ہیں:۔

"جب توفّی کا فاعل اللہ ہو اور مفعول ذی روح ہو تو اس کے معنی پُورا لینے کے نہیں ہوتے بلکہ قبض رُوح کے ہوتے ہیں۔"

مرزا قادیانی نے اپنے کلیہ کا خلاف ثابت کرنیوالے کیلئے ایک ہزار روپیہ انعام بھی رکھ دیا۔ مرزا صاحب نے دیکھا کہ دُنیا میں ایک ہی ایسا واقعہ ہوا ہے جس میں مسلمانوں کا خیال ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ذی روح شئی کو پُورا لیا اور وہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا واقعہ ہے۔ پس انہوں نے یہ

اصطلاح بناکر انعام رکھ دیا تاکہ نہ کوئی اس کو دوسری جگہ اس کو ثابت کر سکے اور نہ انعام لے سکے چنانچہ ان کا یہ افسوں ایسا کارگر ہوا کہ سینکڑوں لوگ گمراہ ہو گئے اور یہ بات کسی کی سمجھ میں نہ آئی کہ جب دُنیا بھر میں ایسا واقعہ ہی ایک ہے تو دوسری جگہ سے کوئی اس کی مثال کس طرح لائے گا!

لیکن بحکم: اَلحَقُّ یَعْلُوْ وَلَا یُعْلیٰ (حق غالب رہتا ہے، مغلوب نہیں ہوتا)

علمائے اسلام نے مرزا صاحب کو ہر رنگ میں لیا ــــــ چنانچہ مرزا صاحب کی اصطلاح کے مقابلہ میں علمائے اسلام نے اسی قسم کی ایک اصطلاح بناکر پیش کر دی اور وہ یہ کہ:۔

"جب رفع کا فاعل "اَللہ" ہو اور مفعول ذی رُوح ہو اور اس کے بعد کلمہ اِلیٰ آئے جس کا مجرور ضمیر اَللہ کی طرف لوٹے تو اس کے معنی طبعی موت یا رفع درجات کے نہیں ہوتے بلکہ رفع جسمانی کے ہوتے ہیں۔"

لیجئے: ــــــ ع "روٹی کے بدلے روٹی کیا چھوٹی کیا موٹی"

سو ایسے ہی سامری کے قصہ میں مولنٰا ابوالکلام آزاد مرحوم کا خیال چونکہ سلف صالحینؒ کے خلاف تھا اور انہوں نے دیکھا کہ صرف ایک ہی واقعہ میں "الرّسُول" سے مراد فرشتہ آیا ہے۔ اس لئے انہوں نے "الرّسُول" کی ایک اصطلاح بناکر سلف کے معنی کو رد کر دیا۔

اگر اس طرح اصطلاح بن سکتی ہے تو ہم بھی اس کے جواب میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ:۔

"یہ اصطلاح اس وقت ہے، جب اس کے ساتھ "اثر" کا لفظ نہ ہو یہاں چونکہ "اثر الرّسُول" فرمایا ہے اس لئے یہاں یہ اصطلاح جاری نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ "الرّسُول" میں "الف لام" خود اضافت کا کام دے رہا ہے۔ یہ کہنا کہ اضافت نہیں کس قدر غفلت ہے بلکہ رسُول کے معنی ہی میں اضافت موجود ہے کیونکہ رسول کے معنی مُرسَل کے ہیں اور مُرسَل بغیر مُرسِل کے نہیں ہوتا، پس جیسے موقعہ ہوگا ویسے مراد لیا جائے گا۔"

حضرت یوسف علیہ السّلام کے قصّہ میں بادشاہ کا مُرسَل ہے، اور سورہ یٰسین کے شروع میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کا مُرسَل ہے اور عام طور پر قرآن مجید میں اللہ کا رسُل مرسل ہوتا ہے پھر اس سے کبھی بشر رسُول مراد ہوتا ہے اور کبھی فرشتہ۔

نیز یہاں ایک اور بات بھی غور طلب ہے وہ یہ کہ رسُول کے معنی مُرسل کے ہیں۔ اور قرآن مجید میں کئی جگہ ایک کی جگہ دوسرا لفظ استعمال ہوتا ہے، جیسے دوسرے پارہ کے اخیر میں فرمایا۔

اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ (یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) بیشک تُو پیغمبروں میں سے ہے)

اس کے متصل فرمایا۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ۔

(یعنی یہ پیغمبر (جن سے ایک آپؐ بھی ہیں ان میں سے) بعض کو بعض پر ہم نے فضیلت دی ہے)

یہاں پہلے جن کے حق میں مُرسَل کہا ہے۔ پھر انہی کو "رسُول" کہہ کر خطاب فرمایا اور بشر رسُول ہیں اسی طرح پارہ ۱۲ رکوع ۷ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت لوط علیہ السلام کا قصّہ ذکر کیا ہے اس میں بھی مُرسَل کا لفظ ہے اور یہی قصّہ پارہ ۱۴ رکوع ۴-۵ اور پارہ ۲۶ رکوع اخیر میں ذکر فرمایا اور وہاں بھی مُرسَل کا لفظ آیا ہے اور مراد دونوں جگہ فرشتے ہیں۔ پس جب قرآن مجید میں دونوں ایک ہیں تو جیسے المرسل سے مراد قرآن مجید میں فرشتہ آیا ہے۔ اَلرَّسُوْل سے مراد بھی فرشتہ ہو سکتا ہے۔

خلاصہ یہ کہ ہم تو ایک ہی بات جانتے ہیں وہ یہ کہ سلف کا خلاف جائز نہیں کیونکہ وہ لغت اور اصطلاحات سے غافل نہ تھے ہماری اصطلاحات، سلف صالحینؒ کے مقابلہ میں محض "ڈھکوسلے" ہیں اور کچھ نہیں۔ ۷۳ فرقوں میں سے ایک ہی فرقہ حق ہے اور وہ "ما انا علیہ واصحابی" ہے (یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ ناجی فرقہ وہ ہے جس پر میں اور میرے صحابہؓ ہیں)

ملاحظہ ہو مشکوٰۃ باب الاعتصام ص۳۰) عبداللہ امرتسری روپڑی ۵ رجولائی ۱۹۶۳ء

خاکساری فتنہ!

عنایت اللہ "مشرقی" کی بعض تحریرات اور ان کے انکشاف حقیقت کے متعلق سوال بخدمت شریف جناب حافظ صاحب مدظلہ

السّلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔ مندرجہ ذیل اقتباسات عنایت اللہ مشرقی کے اخبار "الاصلاح"، "دعوت" وغیرہ سے لئے گئے ہیں۔ ان پر روشنی ڈالیں کہ یہ صحیح ہیں یا غلط۔ اور ان کی

حقیقت کیا ہے؟ (سائل یکے از شملہ)

(۱) من مات ولم یجد امامہ فقد مات (حدیث)

(ترجمہ علامہ مشرقی) "یعنی جو مر گیا اور اس نے اپنے امام کو نہیں دیکھا یعنی اپنے سردار کو نہیں بتایا۔ وہ جاہلیت یعنی کافروں کی موت مرا۔" (دعوۃ ص ۶)

(۲) (ترجمہ حدیث) (نماز میں) اگر تم نے ذرا پہلے اور پیچھے اپنا سر زمین سے اٹھا لیا تو تم وہ بدبخت ہو جس کا سر قیامت کے دن گدھے کا ہوگا۔

(۳) "ایک شخص کے کفر پر ۹۹ دلائل ہوں گے مگر ایک دلیل اس کے ثبوت اسلام پر ہو تو مفتی پر لازم ہے کہ وہ اس شخص کے حکم اسلام پر حکم کرے۔" (رسائل ابن عابدین جزء اوّل ص ۳۲۶)

(۴) (ترجمہ) "کفر ایک امر عظیم ہے۔ علمائے اسلام میں سے کسی ایک نے بھی کفر مسلم پر حکم کرنیکی دلیری نہیں کی۔" (رسائل ابن عابدین ص ۳۶۶)

(۵) اگر ایک مسلمان دوسرے مسلمان کو کافر کہے تو اُسے تعزیر نہ دی جائے جب تک وہ اس شخص کو "کافر باللہ" نہ کہے کیونکہ وہ مسلمان جسے کافر کہا گیا ہے تو بتوں پر وہ فی الحقیقت کافر ہے تو قائل کا لفظ "یا کافر" دو معنوں پر متحمل ہے۔ یعنی کافر باللہ کا اور کافر بتوں کا۔" (شامی جلد سوم ص ۲۵۳)

(۶) وہ لفظ جو موجب تکفیر ہو مگر ساتھ اس کے دوسرے معنی کا احتمال بھی رکھتا ہو تو فقہاء و محققین کے ضابطہ موافق جس لفظ میں احتمالات ہوں تو وہ استدلات کفر کو ساقط کر دیتے ہیں۔"

(رسائل ابن عابدین جزء اوّل ص ۳۶۷)

(۷) "خطبہ جمعہ کے وقت از روئے حدیث ثابت کرتے ہیں کہ رسولِ خدا صلعم کا پاخانہ صحابہ کرامؓ (معاذ اللہ) تناول کرتے تھے۔۔۔۔ الغرض ان خدا کے مقرب بندوں نے میرے اچھرہ پہنچتے ہی مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا میں جب ان کی مسجد میں نماز جمعہ کے لئے گیا اور مناقب رسولؐ کے عنوان کے ماتحت اُوپر کی پاخانہ والی حکایت ان کے مُلّا سے سُن رہا تھا ان کے بڑے مُلّا نے مجھے دجّال اور۔۔۔۔ کہا۔" (الاصلاح ۵ اپریل ۱۹۳۵ء صفحہ ۶ ک ۱)

(۸) "تکفیر مسلم کا جو مسئلہ ہے اگر اس میں ۹۹ احتمالات کفر کے ہوں اور ایک احتمال کفر کے نفی میں ہو تو مفتی و قاضی کے لئے بہتر یہی ہے کہ اس احتمال پر جو مانع کفر ہے، عمل کرنے اس لئے ہزار کافروں زندہ چھوڑ جانے کی خطا بہت کم ہے اس خطا سے جو ایک مسلمان کے فنا ہونے میں سرزد ہو جائے۔"

(مُلّا علی قاری ص۱۹۹)

(۹) "علیکم بالجماعۃ والسمع والطاعۃ (ترجمہ حدیث از علامہ مشرقی) اے مسلمانو! تم پر فرض ہے کہ جماعت کو قائم کرو۔ پھر اپنے امیر کے حکموں کو سنو اور اس کی بے چون وچرا اطاعت کرو۔"

(دعوت ص۵)

(۱۰) (۱) تم کچّی روٹی پر ایمان رکھتے ہو۔ اب نہ رکھو؛ (۲) تم اس کے اس مسئلہ پر کہ شہوت کے وقت (معاذ اللہ) مشت زنی جائز ہے ایمان رکھتے ہو۔ (۳) تم مولویوں کے اس مسئلہ پر کہ رسولِ خداؐ کا پاخانہ معاذ اللہ صحابہ کرام کھاتے تھے۔ (ایمان رکھتے ہو)"

(۱۱) ابوذر غفاریؓ ایک دفعہ مسجد میں معتکف تھے۔ تسبیح ہاتھ میں تھی، وظیفہ کا ورد فرما رہے تھے۔ فاروقؓ نماز کو آئے ہاتھ سے تسبیح چھین کر پھینک دی اور فرمایا کہ تم عیسائیوں کی طرح اسلام میں بھی ڈھونگ رچانا چاہتے ہو۔ اسلام حرکت کا نام ہے اُٹھو، خدمتِ خلق کرو۔ بزرگوں کا قول ہے ؎

عبادت بجز خدمتِ خلق نیست
بہ تسبیح و سجّادہ و دلق نیست — سعدیؒ

(بحوالہ "ہمدم" لکھنؤ از اخبار "الاصلاح")

جوابات :- (۱) اصل حدیث یوں ہے:۔

مَنْ مَاتَ وَلَيْسَ فِيْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيْتَةً جَاهِلِيَّةً (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ص۳۲۰)

(ترجمہ) "جو شخص مر جائے اور اس کی گردن میں بیعت نہیں وہ جاہلیت کی موت مر گیا۔"

اس حدیث میں بیعت سے امام کی بیعت مراد ہے۔ اور امام سے مراد دوسری حدیث میں امامِ قتال بتایا ہے (یعنی صاحب حکومت جو جنگ کر سکے) (مشکوٰۃ کتاب الامارۃ ص۳۱۸) اگر ایسا امام موجود نہ ہو تو پھر حکم ہے کہ سب فرقوں سے الگ رہو، خواہ درخت کی جڑ کھانی پڑے۔ (مشکوٰۃ کتاب الفتن ص۴۶۱)

نوٹ:۔ جاہلیت کی موت سے کفر کی موت مراد نہیں بلکہ بغاوت ہے۔

(۲) اصل حدیث یوں ہے:۔

اما يخشى الذى يرفع راسه قبل الامام ان يحول الله راسه راس حمار۔

(مشکوٰۃ باب ما علی الماموم من المتابعۃ ص۱۰۲) جو شخص اپنا سر امام سے پہلے

اٹھاتا ہے کیا وہ اس بات سے نہیں ڈرتا کہ خدا اس کا سر گدھے کا بنا دے۔"
اس میں نہ قیامت کا ذکر ہے نہ اس میں قطعی فیصلہ ہے کہ اس کا سر گدھے کا ہو جاتا ہے بلکہ صرف خوف دلایا ہے۔

(۳۔۴۔۵) شامی جلد سوم وغیرہ کے حوالہ سے جو کچھ لکھا ہے وہ ٹھیک ہے مگر اس کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو یا زیادہ معانی ہوں اور یہ معلوم نہ ہو سکے کہ متکلم کی مراد کونسا معنیٰ ہے بعض معانی کی بنا پر کفر لازم آتا ہے۔ بعض معانی کی بنا پر کفر لازم نہیں آتا۔ ایسی صورت میں کفر کا فتویٰ نہیں ہو سکتا کیونکہ متکلم کی مراد میں شک ہے، شاید متکلم کی مراد وہ معنی ہو جس سے کفر لازم نہیں آتا چنانچہ خود شامی جلد ۳ ص ۳۱۲ میں اس کی تصریح کی ہے، لکھا ہے:۔

وفی الخلاصة وغیرها اذا کان فی المسئلة وجوه توجب التکفیر ووجه واحد یمنعه فعلی المفتی ان یمیل الی الوجه الذی یمنع التکفیر تحسینا للظن بالمسلم زاد فی البزازیة الا اذا صرح بارادة موجب الکفر ولا ینفعه التاویل۔

یعنی "جب مسئلہ میں کئی احتمال ہوں جو موجب کفر ہوں اور ایک احتمال کفر سے مانع ہو تو مفتی کو اس ایک کی طرف جھکنا چاہئے کیونکہ مسلمان پر حسن ظن رکھنے کا حکم ہے ہاں جب متکلم اپنی مراد کی تصریح کر دے جو موجب کفر ہے تو پھر تاویل کا کوئی فائدہ نہیں۔"

اس سے معلوم ہوا کہ یہ شک کی صورت میں ہے جبکہ متکلم کی مراد متعین نہ ہو اگر متکلم کی مراد کا علم ہو جائے تو پھر ایک ہی وجہ کفر کے فتوے کے لئے کافی ہے خواہ دوسری کتنی اشیاء اس میں ایمان کی موجود ہوں، ان کا اعتبار نہ ہوگا۔ مثلاً کوئی شخص قرآن کی ساری سورتوں پر ایمان رکھے صرف ایک سورۃ کا منکر ہو تو وہ بالاتفاق کافر ہے۔ اسی طرح کوئی سارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لائے۔ تمام کتب سماوی کو مانے، صرف محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر اور قرآن مجید پر ایمان نہ رکھے تو وہ بھی بالاتفاق کافر ہے۔

سیاسیات میں اس کی مثال ایسی ہے جیسے ایک شخص انگریز کے سارے قوانین کا پابند ہو صرف ایک قانون سے حکم عدولی کرے تو وہ اس کا باغی کہلاتا ہے۔ ٹھیک اسی طرح ایمان اور کفر کا معاملہ ہے

(۷) اس قسم کی کوئی روایت ثابت نہیں کہ معاذ اللہ صحابہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پاخانہ کھاتے تھے

یہ بالکل غلط ہے۔"

(۸) اس کا جواب نمبر ۳-۴-۵-۶ میں ہو چکا ہے۔

(۹) یہ الفاظ کسی خاص حدیث میں مجھے یاد نہیں پھر ان کا ترجمہ بھی غلط کیا ہے۔ بنانا اس کا ترجمہ نہیں اگرچہ جماعت کا بنانا اور امیر مقرر کرنا حسب طاقت ضروری ہے لیکن ان الفاظ کا یہ ترجمہ بنانا نہیں بلکہ ان کا ترجمہ صرف یہ ہے کہ جماعت کو لازم پکڑو یعنی جماعت موجود ہو تو اس سے جدا نہ ہو۔ پھر جماعت بھی شریعت کے مطابق ہو نہ کہ خاکساری جن کے عقاید سراسر شریعت کے خلاف ہیں۔

(۱۰) مشت زنی کا مسئلہ حدیث کے خلاف ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص نکاح کی طاقت رکھے وہ روزے رکھے یہ اس کے لئے خصی ہونا ہے۔" (مشکوٰۃ کتاب النکاح)

(۱۱) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اعتکاف بیٹھتے تھے۔ قرآن مجید میں بھی اعتکاف بیٹھنے کا ذکر ہے ارشاد ہے۔ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عَاكِفُوْنَ فِي الْمَسَاجِدِ (پ۲ ع ۷) یعنی عورتوں سے اعتکاف کی حالت میں مباشرت نہ کرو۔"

نیز ارشاد ہے۔ وعهدنا الی ابراهیم واسماعیل ان طهر بیتی للطائفین والعاکفین والرکع السجود۔ یعنی ہم نے ابراہیم اور اسماعیل علیہم السلام کو وصیت کی کہ میرے گھر کو طواف کرنے۔ اعتکاف کرنے اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لئے صاف کرو۔"

پس جب اعتکاف اتنی اہمیت رکھتا ہے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایسے شخص اسکو اس حقارت کی نظر سے کسطرح ٹھکرا سکتے ہیں جسکا سوال میں ذکر ہے۔ یہ روایت بالکل غلط ہے۔ عبداللہ امرتسری "مدیر تنظیم" روپڑ ضلع انبالہ

سوال :۔ کیا خاکساری تحریک قرآن وحدیث کے تحت ہے۔

جواب :۔ ان کا فوجی سلام اور بیلچہ کو اسلامی شعار سمجھ کر اٹھائے پھرنا اس کا کوئی ثبوت نہیں۔ بلکہ قرآن وحدیث کے خلاف ہے۔ کیونکہ ان کا فوجی سلام تشبیہہ بالنصاریٰ ہے اور حدیث میں ہے مَنْ تَشَبَّهَ بِقَوْمٍ فَهُوَ مِنْهُمْ یعنی جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان سے ہے اور بیلچہ کو اسلامی شعار سمجھنا احداث فی الدین ہے۔ اور حدیث میں ہے مَنْ اَحْدَثَ فِي اَمْرِنَا هذا ما لیس منه فهو رد یعنی جو ہمارے دین میں ایسی شے پیدا کرے جو اس سے نہ ہو وہ مردود ہے۔ ۲۔ ان کے ساتھ میل جول سلام کلام قطع کر دینا چاہیئے۔ ہاں تبلیغ کے طور پر گفتگو کرتے رہنا چاہیئے شاید خدا کسی کو ہدایت کر دے۔

اعتقاد کے متفرق مسائل

سوال:۔ اعمال صالحہ ایمان کا عین ہیں یا اس کے اجزاء۔ نماز ایمان میں داخل ہے یا نہیں؟
محمد حسن پنجابی الہ آبادی متعلم مدرس دارالحدیث کھنڈیلہ جے پور

جواب:۔ سوال عربی میں ہے۔ جواب بھی عربی میں دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اعمال صالحہ اس کے اجزاء ہیں۔ مگر ان اجزاء کو یہ اہمیت حاصل نہیں۔ کہ ان کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے۔ ہاں۔ نماز ایسا رکن ہے کہ اس کے نہ پڑھنے سے ایمان ہی نہیں رہتا۔ عبداللہ امرتسری ۲ محرم الحرام ۱۳۶۰ھ

نوٹ:۔ محدث روپڑیؒ کے غیر اُردو فتاویٰ کا تذکرہ آخر کتاب میں کیا جائیگا۔ انشاء اللہ مرتب

سوال:۔ اصل ایمان میں کمی زیادتی ہوتی ہے یا کمال ایمان میں۔ خوارج اور محدثین کے درمیان تعریف ایمان میں امتیازی کیا فرق ہے؟

جواب:۔ قرآن مجید میں کلمہ شہادت کو شجرہ طیبہ (درخت) سے تشبیہ دی گئی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ تَرَكَيْفَ ضَرَبَ اللّٰهُ مَثَلًا كَلِمَةً طَيِّبَةً الآیہ حدیث شریف میں آیا ہے۔ الایمان بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ شُعْبَةً اَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ الحدیث۔ ایمان کی مثال درخت سے دی گئی ہے جس طرح درخت کی جڑ زمین کے اندر پوشیدہ رہتی ہے اور اوپر اس کا تنا اور ڈالیاں اور شاخیں ہوتی ہیں اسی طرح ایمان بھی ظاہر و باطن اندر اور باہر کے مجموعہ کا نام ہے۔ ——— ایمان کی جڑ یا تو مومن کے قلب میں یقین و اذعان کی صورت میں ہوتی اور پوشیدہ رہتی ہے۔ اور اس کا اعلیٰ شعبہ یعنی تنہ زبان کی شہادت ہے۔ اور بقیہ اعمال اس جڑ و تنہ کی شاخ اور ڈالیاں ہیں۔ جس طرح اندر سے باہر تک درخت کے مجموعی حصّہ کو درخت کہتے ہیں۔ اگرچہ تفصیل کے وقت کسی کو جڑ کسی کو شاخ اور تنے سے تعبیر کرتے ہیں اسی طرح ایمان اعتقاد و عمل کے مجموعہ کا نام ہے۔ اور جس طرح بعض شاخ یا تنے کے نکل جانے سے اصل درخت کا وجود باقی رہتا ہے۔ مگر اس میں نقص آجاتا ہے۔ اس طرح بعض اعمال کے نہ پائے جانے سے اصل ایمان کے اندر نقص آجاتا ہے۔ اور اگر کل اعمال متروک ہو جائیں۔ تو اس کی مثال اس درخت کی ہے۔ جو صرف جڑ ہی جڑ ہے۔ اور درخت کی کوئی حیثیت اس کے اندر موجود نہیں۔ ایسی صورت میں

پھر اصل درخت ہی کالعدم بلکہ معدوم ہوجاتا ہے۔ یہی حال ایمان کا ہے۔ اس اسلامی تعریف کو مدنظر رکھتے ہوئے جزو کامل وغیرہ کو جس طرح چاہیں تعبیر کرلیں ؎

عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ
وَكُلٌّ اِلٰی ذَالِكَ الْجَمَالِ يُشِيْرُ

شرعی ایمان

پھر ایمان کی یہ تعریف شرعی معنی سے ہے یعنی شریعت کے نزدیک یقین وعمل کے مجموعہ کا نام ایمان ہے۔ لغوی معنی ایمان کے ایک تو امن دینے کے ہیں جس کا مفہوم ان لفظوں میں بتلایا گیا ہے۔ اَلْمُؤْمِنُ مَنْ اٰمِنَ النَّاسُ بَوَائِقَهٗ دوسرے معنی یقین وتصدیق کے ہیں۔ جیسے اخوان یوسفؑ نے حضرت یعقوبؑ سے کہا تھا کہ وَمَا اَنْتَ بِمُؤْمِنٍ لَّنَا وَلَوْ كُنَّا صَادِقِيْنَ۔ کیونکہ مومن کے لئے کتاب وسنت کی باتوں اور ان کی خبروں پر یقین کرنا ضروری ہے۔ اور یہی چیز انسان کو عذاب سے امن میں رکھنے والی ہے۔ لہذا اس لفظ کو اس موقع پر دونوں معنی ملحوظ رکھتے ہوئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور چونکہ تصدیق کا ثبوت اعمال سے ہوتا ہے۔ جیسے درخت کا وجود اس کے تنا و شاخوں سے۔ اس لئے حکیم کامل نے اس کو درخت سے تشبیہہ دی اور جس طرح درخت کی ڈالیاں مختلف حیثیت رکھتی ہیں۔ کوئی بہت بڑی جو قائم مقام درخت کے قرار دی جاتی ہے۔ تو کوئی بالکل معمولی اسی طرح اعمال کی نوعیّت ہے۔ اور جس طرح درخت کی شاخ اور پتیاں کبھی درخت سے الگ ہوجاتی ہیں۔ اور کبھی صرف ٹہنیوں اور پتوں کی تازگی اور رونق مفقود ہوجاتی ہے۔ اسی طرح اعمال کا اثر کبھی تو نفس ایمان پر پڑتا ہے۔ کبھی اس کی رونق اور رنگت پر لہذا کبھی اصل ایمان میں نقص آتا ہے۔ کبھی کمال یعنی اس کی رونق و بہجت پر۔

محدثین وخوارج کا تعریف ایمان میں امتیازی فرق

محدثین اعتقاد واعمال کو ایمان کی تعریف میں لیتے ہوئے پھر بھی ترک عمل کو کفر نہیں کہتے۔ بخلاف خوارج کے ان کے نزدیک انسان باوجود یقین واعتقاد کے ترک عمل سے کافر ہوجاتا ہے۔ اور محدثین کے نزدیک ایسے شخص کا شمار کافر میں نہیں بلکہ فاسق میں ہوگا۔ خوارج آیت وَاَمَّا الَّذِيْنَ فَسَقُوْا

فَمَاْوٰهُمُ النَّارُ كُلَّمَا اَرَادُوْا اَنْ يَّخْرُجُوْا مِنْهَا اُعِيْدُوْا فِيْهَا۔ خلود فی النار لیتے ہوئے اس کو کافر قرار دیتے ہیں مگر حضرات محدثین کہتے ہیں۔ کہ یہاں فسق سے مراد ہی کفر ہے۔ کیونکہ اس کے بعد آتا ہے وقیل لھم ذوقوا عذاب النار الذی کنتم بہ تکذبون اس سے معلوم ہوا ان کے اندر تصدیق ہی سرے سے نہیں تھی۔ کیونکہ عذاب کے مستحق دوزخ کے منکر اور اس کے مکذب تھے۔ اب رہا موحدین مؤمنین تارکین اعمال کا کافر نہ ہونا اس کی دلیل قولہ عزوجل اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَيَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ ہے۔ کیونکہ یہاں غیر مشرک کے لئے مغفرت مقید بمشیت کا اظہار کیا گیا ہے اگر صرف توحید سے مومن نہیں اور ترک اعمال سے کافر ہو گیا تو اس کی مغفرت کے لئے صحیح مشیتِ الٰہی بھی نہیں ہوگی۔ اس لئے محدثین کے نزدیک باوجود اعمال کے داخل ایمان ہونے کے ان کے ترک سے آدمی کافر نہیں ہوتا اور خوارج کے نزدیک کافر ہو جاتا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۴ ذی قعدہ ۱۳۵۳ھ

ایمان کی تعریف

سوال:۔ کیا ایمان ایک قسم کی کیفیت ہے یا اس کا تعلق کم (مقدار وعدد) سے ہے؟

جواب:۔ ایمان شرعی اعتقاد بالقلب۔ نطق باللسان۔ عمل بالارکان ان تین اجزاء کا نام ہے۔ اور یہ تینوں اس کے لئے اجزاء حقیقیہ ہیں۔ جیسے درخت کے لئے اس کی شاخیں اور پتے اور نماز کے لئے اس کے واجبات اور سنن۔ ایمان کسی ایک مقولہ کے تحت میں نہیں۔ بلکہ کئی مقولوں سے مرکب ہے۔ اس لئے کہ اس کا ایک جزء (اعتقاد) مقولہ کیف سے ہے۔ اور دوسرا جزء (نطق) مقولہ فعل سے ہے۔ اور احادیث شفاعت کے بعض الفاظ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ ایمان مقولہ کم سے بھی ہے۔ ایمان کے تین اجزاء میں سے پہلے دونوں جزء اعتقاد اور نطق تو اس کے لئے رکن ہیں۔ یعنی ان کے فوت ہونے سے ایمان ہی فوت ہو جائے گا۔ لیکن تیسرا جزء (اعمال صالحہ) ایسا نہیں ہے۔ یعنی اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوگا۔ اِلَّا الصَّلٰوةَ فَاِنَّهَا كَرُكْنٍ لِلْاِيْمَانِ كَالْاِعْتِقَادِ وَالنُّطْقِ۔

عبداللہ امرتسری ۲ محرم ۱۳۶۰ھ

محدث روپڑی کے جواب کا خلاصہ ذکر کر کے مولوی آفتاب احمد نے اعتراض کیا ہے۔

اعتراض ۱:۔ سوال یہ ہے کہ ایمان محض فرضی و اعتباری شے ہے۔ یا کوئی واقعی اور نفس الامری حقیقت ہے؟ ظاہر ہے۔ کہ شق اول باطل ہے۔ اس لئے جب وہ ایک واقعی نفس الامری حقیقت ہے تو اس کا کئی مقولوں سے مرکب ہونا دو وجہوں سے محال ہے۔ اولاً اس لئے کہ کسی حقیقت واحدہ واقعیہ کا اندراج تحت مقولتین ممتنع ہے۔ فضلاً عن المقولات کی تقرر فی مقرہ اور ثانیاً اس لئے کہ آپ نے ایمان کو مقولہ کیف سے مان کر اس کے مقولہ کم سے ہونے کے احتمال کو بھی صحیح مانا ہے۔ تو گویا آپ کے نزدیک اجتماع النقیضین جائز ہے اس لئے کہ کم کا معنی ہے عرض یقبل القسمۃ بالذات اور کیف کا معنی ہے عرض لا یقبل القسمۃ بالذات تو ایک ہی شے بالذات قابل قسمت ہے بھی اور نہیں بھی کیا یہ اجتماع النقیضین نہیں؟

جواب:۔ سوال کی بسم اللہ ہی غلط ہے۔ علم ہیئت کا موضوع دوائر وغیرہ یہ سب اعتبارات ہیں۔ اسی طرح ہر فن کے مصطلحات اعتبارات ہیں۔ جو اعتبار معتبر پر موقوف ہوئے ہیں۔ یہ باطل اس لئے نہیں کہ ان پر بڑے بڑے فوائد مرتب ہوتے ہیں۔ اور حقائق واقعیہ اور فی نفس الامر اس لئے نہیں کہ اعتبارِ معتبر پر موقوف ہیں فی نفسہا ان کا کوئی اپنا وجود نہیں جب آپ کی تمہید ہی غلط ہو گئی تو ان پر جن محالات کی آپ نے تفریع کی ہے۔ وہ خود ہی کافور ہو گئے۔

علاوہ اس کے آپ کا یہ کہنا بھی غلط ہے کہ حقیقت نفس الامری کا اندراج دو مقولوں کے تحت ممتنع ہے۔ ذرا صدرا وغیرہ میں بحث اثبات ہیولیٰ دیکھیں کہ اشراقیین جسم کا تقوم جوہر اور عرض سے مانتے ہیں حالانکہ عرض عرض میں اتنا بعد نہیں۔ جتنا جوہر عرض میں ہے۔ تو پھر ایک حقیقت کے دو مقولوں کے تحت درج ہونے سے آپ کو کیوں تعجب ہوا۔ اور اس نے آپ کے "ثانیاً" کی حقیقت بھی واضح ہو گئی کیونکہ کیا حرج ہے کہ ایک شے ایک جزء کے اعتبار سے ایک مقولہ کے تحت ہو اور دوسرے جزء کے اعتبار سے دوسرے مقولہ کے تحت ہو۔ پھر آپ کا اجتماع نقیضین کہنا بھی غلط ہے۔ اجتماع متنافیین کہنا چاہیئے۔ جو عام ہے کیونکہ متنافیین نقیضین کو بھی شامل ہے۔ اور نقیض اور اس کے اخص کو بھی شامل ہے۔ اور یہاں ثانی صورت ہے۔ کیونکہ لا یقبل القسمۃ بالذات نفی مقید ہے۔ اور نقیض نفی مقید نہیں۔ بلکہ رفع مطلق ہے۔ کتب منطق کا مطالعہ کریں سچ ہے ؎ وَكَمْ مِنْ عَائِبٍ قَوْلًا صَحِيحًا وَآفَتُهُ مِنَ الْفَهْمِ السَّقِيمِ۔

اعتراض ۲:۔ اہل فن کے نزدیک یہ مقدمات مسلّم ہیں۔

اوّل یہ کہ یہ مقولات اپنی ماتحت ماہیات مرکبہ کے لئے جنس عالی بنتے ہیں۔

ثانی یہ کہ جس ماہیّت کے لیئے کوئی جنس ہوگی۔ اس کے لئے کوئی فصل ممیز بھی ضرور ہوگی۔

ثالث یہ کہ کسی ماہیت کی جنس و فصل اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء ہیں۔

رابع یہ کہ کسی ماہیّت کی جنس و فصل کا تحقق اس کی جمیع ذاتیات کا تحقق ہے۔

خامس یہ کہ کسی ماہیّت کی جمیع ذاتیات کا تحقق بعینہٖ ذات اور ماہیّت کا تحقق ہے۔

ورنہ مجعولیتہ ذاتی لازم آئے گی۔ جیسے حیوان اور ناطق کا تحقق بعینہٖ انسان کا تحقق ہے۔ ان مقدمات کی تمہید کے بعد میں کہتا ہوں۔ کہ جب ایمان اپنے ایک جزء مثلاً اعتقاد بالقلب کے اعتبار سے مقولہ کیف سے ہوا تو یہ اس کے لئے جنس ہوا اور جب اس کے لئے جنس ثابت ہوئی تو اب اس جنس میں جو چیزیں ایمان کے ساتھ شریک ہیں۔ ان سے امتیاز دینے والی کوئی فصل بھی اس کے لئے ضرور ہوگی۔ اور مسلم ہے کہ وہ فصل جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔ تو جب یہ جنس اعتقاد بالقلب اس فصل ممیز کے ساتھ کسی شخص میں متحقق ہوگی تو گویا ایمان کی جمیع ذاتیات اور اس کے پورے اجزاء متحقق ہوگئے اور جب اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء کا تحقق ہوگیا تو اب ایمان کا تحقق بھی لازمی ہے اور ورنہ لازم آئیگا تخلف ذات کا ذاتیات سے کل کا اپنے جمیع اجزاء سے والازم باطل فالملزوم مثلہ

اس اعتراض کو دوسرے واضح لفظوں میں یوں سمجھئے کہ اگر ایمان چند مقولوں سے مرکب ہو تو لازم آئے گا۔ کہ اگر کسی شخص کو جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پر دل سے اعتقاد ہو۔ لیکن زبان سے ان کا اقرار نہ کرے بلکہ انکار کرتا ہو اور عمل صالح بھی نہ کرتا ہو۔ تب بھی وہ عند اللہ مومن ہے۔ کیونکہ اس صورت میں ایمان کی جنس و فصل یعنی اس کی جمیع ذاتیات اور پورے اجزاء کا تحقق پایا جاتا ہے۔ پس ایمان کا تحقق بھی لازم ہے۔

اعتراض کی یہی تقریر نطق باللسان کے اعتبار سے بھی جاری ہوسکتی ہے۔ یعنی جب نطق کے اعتبار سے ایمان مقولہ فعل سے ہوا تو یہ اس کے لئے جنس بنا اب اس جنس کے اعتبار سے اس کے لئے کوئی فصل ممیز بھی ضرور ہوگی۔ جب ان دونوں کا تحقق ہوجائے گا۔ تو

ایمان کا تحقق بھی ضروری ہے تو گویا دوسرے لفظوں میں یہ کہنا چاہیئے کہ اگر کوئی شخص زبان سے جمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کا اقرار تو کرتا ہو۔ لیکن نہ اس پر اعتقاد رکھتا ہو اور نہ اس کے مطابق اچھے اعمال کرتا ہو۔ تب بھی وہ عنداللہ مومن ہو۔ اس اعتراض کے سمجھ لینے کے بعد صاحب ذوق اس لطیف نکتہ سے ضرور محظوظ ہوں گے۔ کہ فاضل مجیب نے جس مقصد سے جواب کی یہ صورت اختیار کی تھی اس کا بالکل اُلٹ ہو گیا اور یہ دلیل ان کے مدعا کی مثبت ہونے کی بجائے مبطل ہو گئی۔ فتفکر۔

جواب:۔ نام تو آپ کا آفتاب احمد ہے لیکن باتیں آپ ظلمت کی کر رہے ہیں۔ صغریٰ کبریٰ پڑھے ہوئے بچے بھی جانتے ہیں۔ کہ جنس بعید اور فصل سے جمع ذاتیات کا تحقق نہیں ہوتا۔ بلکہ جنس قریب اور فصل قریب سے جمیع ذاتیات کا تحقق ہوتا ہے۔ اور اجناس عالیہ اپنے ماتحت کے لئے اجناس بعید ہیں۔ اس بناء پر اخیر کے تین مقدمات باطل ہوئے اب تفریعات کا حال خود ہی سمجھ لیں فتامل فیہ۔

علاوہ اس کے جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو فصل کہنا گویا ایمان میں اعمال کو داخل ماننا ہے کیونکہ جمیع ماجاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم میں اعمال داخل ہیں۔ نیز فصل کا مرکب ہونا لازم آیا۔ حالانکہ فصل مرکب نہیں ہوتی۔ اور یہی اعتراض جار مجرور لجمیع ما جاء بہ صلی اللہ علیہ وسلم مجموعہ کو فصل بنانے کی صورت میں ہے۔ نیز جنس و فصل تو ذات پر محمول ہوتی ہیں۔ یہاں حمل نہیں فتامل

اعتراض ۳:۔ ایمان جن مقولوں سے مرکب ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ مقولے عرض سے ہیں تو ایمان جو ان سے مرکب ہے۔ عرض ہو گا۔ اور عرض اپنے وجود فی نفسہ میں محل اور موضوع کا محتاج ہوتا ہے تو ایمان جو ایک ایسا عرض ہے۔ جو مختلف المحال اعراض سے مرکب ہے اس کا محل کیا ہو گا۔ اس کے اجزاء حقیقیہ میں سے کسی کا محل دل اور کسی کا زبان اور کسی کا جوارح۔ اب یا تو یہ کہا جائے کہ ایمان کا محل ان تینوں کے علاوہ کوئی اور چیز ہے تو یہ بداہتہً باطل ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ انہی تینوں میں سے کوئی ایک ہے تو ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔ اور یہ بھی باطل ہے۔ یا یہ کہا جائے کہ تینوں ہیں تو لازم آئے گا کہ ایک ہی چیز ایک ہی وقت میں مختلف محلوں کے ساتھ قائم ہو اور جب قیام العرض الواحد بمحلین مختلفین محال ہے تو بے محال مختلفہ بطریق اولیٰ محال ہو گا۔ جب ایمان کو مرکب ماننے کے بعد اس کے تحقق کی یہ تمام صورتیں باطل ہیں تو معلوم

ہوا کہ اس کا مرکب ہونا ہی باطل ہے۔

جواب:۔ نماز میں قرأۃ زبان وغیرہ سے قائم ہے۔ اور دوسرے ارکان باقی جوارح سے قائم ہے اور مجموعہ مل کر نماز ہے۔ اسی طرح ایمان کو سمجھ لیں۔ خدا جانیں آپ کی بدھی (سمجھ) کو کیا ہوا؟۔

اعتراض ۴:۔ ایمان جو جنس وفصل سے مرکب ہے۔ ماہیت جنسیہ ہے یا نوعیہ ماہیّت جنسیہ ہونا تو باطل ہے اولاً اس لئے کہ جنس اس کلی کو کہتے ہیں جو کثیرین مختلفین بالحقائق پر ما ہو کے جواب میں بولی جائے۔ اور ایمان ایسی کلی نہیں کیونکہ اس کے ماتحت ایسی مختلف الحقائق ماہیات نہیں ہیں۔ جن سے ما ہی کے ساتھ سوال کرنے پر ایمان واقع ہو اور ثانیاً اس لئے کہ یہ ایک ایسی کلی ہے جس کا تحصل افراد حصصیہ کے ضمن میں ہوتا ہے وکل حقیقة بالنسبة الی حصصها نوع کما قال الفاضل البهاری لہٰذا اس کا ماہیت جنسیہ ہونا باطل اور ماہیت نوعیہ ہونا متعین ہوا تو اب اسکے افراد میں نفس ماہیت کے اعتبار سے زیادت ونقصان کیساتھ تفاوت نہیں ہو سکتا جیسے ماہیت انسانیہ کے افراد میں نفس حقیقت کے اعتبار سے کوئی تفاوت نہیں بلکہ نفس انسانیہ میں سب برابر ہیں۔ اسی طرح نفس ایمان میں تمام مومنین برابر ہونگے اگر اختلاف ہوگا تو عوارض وآثار کے اعتبار سے ہوگا۔ اور اس کا کوئی منکر نہیں۔ حقیقت ایمان کے اعتبار سے افراد میں کمی زیادتی ماننا منطقی اصُول سے غلط ہے۔ خواہ شرعاً صحیح ہی ہو ہاں یہ وہم نہ کیا جائے کہ یہ اعتراض صرف ایمان کے ماہیّت نوعیہ ماننے کی بناء پر ہے۔ نہیں یہ اعتراض تو پہلی شق پر بھی قائم ہے۔ اس لئے کہ ماہیّت جنسیہ کے ماتحت انواع میں گو اختلاف نفس حقیقت کے اعتبار سے ہوتا ہے لیکن اس کی صورت اور ہے ماہیّت جنسیہ میں کمی زیادتی کے اعتبار سے نہیں ہوتا۔ فافهم

جواب:۔ اول یہ مسئلہ لا تشکیک فی الماهیات مختلف فیها ہے۔ اشراقیین اس کے قائل نہیں۔ دوم اجزاء دو طرح کے ہیں۔ ذہنیہ خارجیہ جن سے فصل اجزاء ذہنیہ ہیں اور ایمان میں کمی زیادتی اجزاء خارجیہ کے لحاظ سے ہے۔ چنانچہ درخت اور نماز کی مثال سے واضح ہے۔ میرے خیال میں آپ کو کوئی استاد نہیں ملا۔ ورنہ ایسی فاحش اغلاط میں واقع نہ ہوتے۔

اعتراض ۵:۔ احادیث شفاعت کے جن ظاہر الفاظ سے آپ نے ایمان کو مقولہ کم سے ہونا سمجھا ہے۔ یہ بھی محل نظر ہے اس لئے اگر احادیث میں مراد یہ ہے۔ کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ان کو

مجسم بنا کر ان میں مقدار اور کمیت پیدا کر دے گا۔ تو ان کو اس موقع پر پیش کرنا اور ان سے ایمان کے مقولہ کم سے ہونے پر استدلال کرنا بالکل بے محل اور غلط ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ اسی عالم میں جو ایمان موجود ہے۔ وہ مقولہ کم سے ہے تو بتایا جائے کہ یہ ایمان بقول آپکے اعتقادِ نطق۔ عمل تین اجزاء حقیقیہ سے مرکب ہے یا یہ مرکب من حیث ہو مرکب مقولہ کم سے ہے یا اس کا کوئی جزو اگر کسی جزء کے اعتبار سے ہے تو بتائیے۔ کہ ان تین اجزاء میں سے کونسا جزء مقولہ کم سے ہے۔ یا ان تین اجزاء کے علاوہ کوئی جزء ایسا بھی ہے۔ جو ایمان کی حقیقت میں داخل ہے اور وہ مقولہ کم سے ہے۔ اگر کوئی اور جزء حقیقی ہوگا۔ تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ اعتقاد نطق۔ عمل ان تینوں اجزاء کے متحقق ہونے کے بعد بھی ایمان متحقق نہیں ہوگا۔ کیونکہ مرکب کے جمیع اجزاء متحقق نہیں ہوگا ———— حالانکہ یہ بالاجماع باطل ہے۔ اور اگر ایمان کے یہی تین جزء ہیں۔ اور ان میں سے کوئی جزء بھی مقولہ کم سے نہیں۔ تو پھر مرکب من حیث ہو مرکب مقولہ کم سے کیسے ہوا۔ نیز یہ بھی بتایا جائے کہ ایمان اگر مقولہ کم سے ہے تو اس کی قسموں میں کونسی قسم میں داخل ہے۔ کم منفصل ہے یا متصل ان دونوں میں سے کوئی بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کم منفصل عدد کو کہتے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ ایمان عدد نہیں لہٰذا وہ کم منفصل بھی نہیں۔ اور کم متصل بھی نہیں ہو سکتا۔ اس لئے کہ کم متصل کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قارّ الذات دوسری غیر قارّ الذات۔ غیر قارّ الذات صرف زمانہ ہے اور قارّ الذات تین چیزیں ہیں خط۔ سطح۔ جسم تعلیمی۔ ظاہر ہے کہ ایمان ان تین چیزوں میں سے کوئی بھی نہیں پس معلوم ہو گیا کہ ایمان کم سے نہیں۔

جواب:۔ میں تو پہلے ہی کہہ چکا ہوں۔ کہ طوطی کی طرح جو کچھ آپ کو یاد ہے اسی پر اعتراضات کی بنا رکھدی ہے۔ ورنہ پتہ کچھ نہیں۔ کم منفصل کو آپ نے عدد میں منحصر مانا ہے۔ حالانکہ علم موسیقی کا موضوع نغمہ۔ خوش آوازی بھی کم منفصل ہے۔ عدد کم منفصل قار ہے اور نغمہ کم منفصل غیر قار ہے۔ اور جب عمل ایمان میں داخل ہوا تو نغمہ بھی داخل ہو گیا کیونکہ نغمہ بھی عمل کی قسم ہے۔ مثلاً قرآن مجید یا کوئی اور ذکر نماز یا غیر نماز میں خوش آوازی سے پڑھے یا وعظ وغیرہ میں کوئی نظم یا کوئی موزوں کلام خوش الحانی سے ادا کرے تو اس اعتبار سے ایمان مقولہ کم کے تحت آگیا۔ اسی طرح نماز غیر نماز میں حرکات کی مقدار اور اندازہ یہ کم متصل غیر قار ہے۔ جو عمل کی قسم ہے۔

اور عمل ایمان میں داخل ہے۔ تو اس اعتبار سے بھی ایمان مقولہ کم کے تحت آگیا فتامل فیہ لیجئے، اب تو ہم نے ہندی کی چندی کردی اب خوب سمجھ آگئی ہوگی۔ اصل میں ایسی کمزوری کے ساتھ آپ کی حیثیت شاگردانہ ہونی چاہیئے تھی مگر آپ نے خود کو علامہ فہامہ سمجھ کر مناظرانہ رنگ اختیار کر لیا۔ خیر آپ کی مرضی مگر اصل بات یہ ہے ؎

ہنوز طفلی و از نوشش و نیش بے خبری
ز حسن ما چہ تو از حسن خویش بے خبری

اعتراض ۶:۔ اسی طرح احادیث شفاعت کے بعد دوسرے ظاہر الفاظ کو دیکھ کر آپ نے ایمان کو کوئی وزن دار چیز سمجھ لیا اور پھر منطقی حیثیت سے اس کو مقولہ کیف سے مان کر اس پر تفریع بھی کردی فَبِزِیَادَتِہٖ وَنُقْصَانِہٖ مِنَ الْکَیْفِیَاتِ اور شروع نوٹ میں "توصاف طور پر تحریر ہے۔ کہ احادیث سے بظاہر ثابت ہوتا ہے۔ کہ ایمان ایک کیفیت ہے اور اس کی کیفیت کی نوعیت آپ کے بیان کے مطابق یہ ہے۔ کہ وہ ذی وزن چیز ہے۔ تو گویا آپ کے نزدیک اس میں زیادتی و نقصان کا مطلب یہ ہے کہ اس کا وزن گھٹتا بڑھتا ہے۔ اب یہاں بھی وہی سوال پیدا ہوتا ہے۔ جو اس سے پہلے نمبر میں گذر چکا ہے یعنی اگر ان احادیث میں مراد یہ ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کو وزن دار بنائے گا۔ اور کسی جسمانی شکل میں ہو کر تولا جائے گا۔ تو اس موقع پر ان حدیثوں کا ذکر بالکل بے محل اور خروج عن المبحث ہے اور اگر مراد یہ ہے کہ فی الحال جو ایمان اس دُنیا میں موجود ہے اور جس سے لوگ بالفعل متصف ہوتے ہیں۔ وہ وزن دار چیز ہے۔ اور اس میں کمی زیادتی وزن کے اعتبار سے ہوتی ہے تو اس کی صورت کیا ہے۔ اس لئے کہ جب ایمان۔ اعتقاد۔ نطق۔ عمل ان تین اجزاء سے مرکب ہے تو ان میں سے کونسا جزء ذی وزن ہے۔ اور جب مرکب اور مجموعہ کے اجزاء میں سے کوئی جزء بھی ذی وزن نہیں تو مرکب کیسے ذی وزن ہوگیا۔ اور اگر یہ تینوں اجزاء ایمان کے جمیع اجزاء نہ ہوں۔ بلکہ ان کے علاوہ کوئی ذی وزن جزء بھی ہو تو وہی استحالہ لازم آئے گا۔ جو ابھی نمبر ۵ میں گزرا ہے یعنی یہ اعتقاد بالقلب نطق باللسان۔ عمل بالارکان بجمیع ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم پائے جانے پر بھی ایمان نہ پایا جائے۔

فَاِنَّ الْکُلَّ لَا یَتَحَقَّقُ اِلَّا بِتَحَقُّقِ جَمِیْعِ اَجْزَائِہٖ وَھُوَ بَاطِلٌ اِجْمَاعًا فَتَامَلْ

جواب:۔ ایمان کا مقولہ کیف سے ہونا احادیث شفاعت پر موقوف نہیں۔ کیونکہ کتب منطق میں اصح مذہب پر اعتقاد کو مقولہ کیف سے لکھا ہے۔ اس اعتبار سے ایمان کا مقولہ کیف سے ہونا ظاہر ہے مزید براں ہم نے وزن کی جہت سے بھی مقولہ کیف سے ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اس پر جو کچھ آپ نے اعتراض کیا ہے وہ کوئی نیا نہیں۔ اس لئے ایسے کئی اعتراض ہیں جن سے بعض کا ذکر ہم تنظیم جلد دس نمبر ۲۲ مورخہ یکم صفر المظفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۴۱ء ص۶ میں کر چکے ہیں۔ یہ اعتراض بھی وہاں مذکور ہے۔ اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دنیا میں بھی وزن دار ہونا ثابت ہے۔ مشکوٰۃ باب فی المعراج میں متفق علیہ حدیث ہے۔

عَنْ مَالِکِ بْنِ صَعْصَعَۃَ اَنَّ نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَدَّثَھُمْ عَنْ لَیْلَۃِ اُسْرِیَ بِہٖ بَیْنَمَا فِی الْحَطِیْمِ وَرُبَمَا قَالَ فِی الْحِجْرِ مُضْطَجِعًا اِذْ اَتَانِیْ آتٍ فَشَقَّ مَا بَیْنَ ھٰذِہٖ اِلٰی ھٰذِہٖ یَعْنِیْ مِنْ ثُغْرَۃِ نَحْرِہٖ اِلٰی شِعْرَتِہٖ فَاسْتَخْرَجَ قَلْبِیْ ثُمَّ اُتِیْتُ بِطَسْتٍ مِّنْ ذَھَبٍ مَمْلُوًّا اِیْمَانًا فَغُسِلَ قَلْبِیْ ثُمَّ حُشِیَ ثُمَّ اُعِیْدَ وَفِیْ رِوَایَۃٍ ثُمَّ غُسِلَ الْبَطْنُ بِمَاءِ زَمْزَمَ ثُمَّ مُلِیَٔ اِیْمَانًا وَحِکْمَۃً

ترجمہ:۔ مالک بن صعصعہؓ سے روایت ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں معراج کا واقعہ سنایا کہ میں حطیم میں لیٹا ہوا تھا۔ کہ اس وقت میرے پاس ایک آنے والا آیا میرا پیٹ ہنسلی کے گڑھے سے زیر ناف تک پھاڑ دیا۔ پس میرا دل نکال لیا۔ پھر میرے پاس ایک سونے کا تھال لایا گیا۔ ایمان سے بھرا ہوا پس دل دھو کر ایمان سے بھر کر اپنی جگہ رکھ دیا گیا اور ایک روایت میں ہے۔ کہ آبِ زمزم سے دھو کر ایمان و حکمت سے بھرا گیا۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ قیامت کے دن جو شئے وزن دار ہوگی۔ وہ ابھی سے وزن دار ہے۔ چنانچہ تھال میں رکھ کر لانے سے ظاہر ہے۔ لیجئے اخیر تک آپ کی تقریر پر یک لخت پانی پھر گیا۔

اعتراض ۷:۔ ایمان جو حقیقۃ واحدہ ہے اگر کئی مقولوں سے مرکب ہو۔ تو ظاہر ہے کہ ان میں سے ہر مقولہ اس کے لئے جنس ہوگا۔ اور ہر ایک کا قرب اور بعد اس کے لئے ایک ہی درجہ پر ہوگا۔ یہ نہیں ہے۔ کہ ان میں سے کوئی قریب ہو اور کوئی بعید کیونکہ جنس قریب جنس بعید کے ماتحت ہوتی ہے۔ تو لازم آئے گا کہ ایک مقولہ دوسرے مقولہ میں داخل ہو۔ وھو محال

عند الحکماء۔ پس جب یہ تمام مقومے ایمان کے لئے ایک ہی مرتبہ کے لحاظ سے جنس بنیں گے۔ تو ماہیّت واحدہ کے لئے مرتبہ واحدہ میں کئی جنسیں ثابت ہوں گی۔ حالانکہ اس قسم کی دو جنسوں کا ہونا محال ہے۔ فضلا عن اجناس متعددۃ۔ چنانچہ مسلم میں ہے ومن ھھنا یقترح عدم امکان جنسین فی مرتبۃ واحدۃ لماھیۃ واحدۃ

جواب:- ایمان کا حقیقۃ واحدۃ ہونا نہ ہونا جواب نمبر ا سے معلوم ہو چکا ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ حقیقۃ واحدۃ فی نفسہا نہیں اعتبار شرع پر موقوف ہے کیونکہ مصطلحات شرع سے ہے اور ایک مرتبہ میں دو جنسوں کا نہ ہونا یہ بھی آپکی سمجھ میں نہیں آیا ایک قسم کی دو جنسیں ایک مرتبہ میں ہونی منع ہیں مگر جن کے نزدیک تقویم جوہر کا عرض سے ہو سکتا ہے۔ انکے نزدیک منع نہیں۔ فتامل میں آپ کو ذرا تفصیل سے سمجھاتا ہوں۔ اس میں شبہ نہیں کہ جسم حقیقۃ واحدۃ ہے اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جوہر جنس عالی ہے اب دیکھنا ہے۔ کہ اس کے نیچے انواع کون کون سے ہیں۔ کچھ شک نہیں۔ کہ ہیولی بھی اس کی ایک نوع ہے۔ صورت جسمیہ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ صورت نوعیہ بھی اس کی ایک نوع ہے۔ پھر عناصر اربعہ کا ہیولی ایک ہے اور افلاک کا ہیولی ہر ایک کا الگ ہے۔ نفس ناطق بھی جوہر کی ایک نوع ہے علی ھذا القیاس عقول عشرہ بھی اس کے انواع ہیں۔ فتامل۔ بغرض جوہر کے تحت بہت سے انواع درج ہیں اور یہ ان کی جنس ہے۔ اب ان انواع میں تمیز فصل سے ہوگی۔ نفس ناطق کی فصل الگ ہوگی۔ ہیولی کی الگ ہوگی۔ صورت جسمیہ کی الگ ہوگی۔ عقول عشرہ کی الگ ہوگی۔ بلکہ جن کے نزدیک عقول عشرہ سے ہر ایک نوع ہے اور اس کلی کی قسم سے ہے۔ جو ہر ایک فرد میں منحصر ہوتی ہے۔ ان کے نزدیک عقول عشرہ سے ہر ایک کی الگ فصل ہوگی۔ اب اس بناء پر لازم آیا کہ جسم دو نوع سے مرکب ہو۔ ایک ہیولی دوسرا صورت حالانکہ جسم حقیقۃ واحدۃ ہے اس سے معلوم ہوا کہ دو نوع سے حقیقت واحدۃ کی ترکیب ہو سکتی ہے۔ پس اگر ایک مرتبہ میں دو جنسیں ہوں تو اس سے بھی زیادہ سے زیادہ یہی بات پیدا ہوگی۔ کہ دو نوع کی ایک حقیقت ہو جائے۔ پس جیسے وہ جائز ہے یہ بھی جائز ہونی چاہیئے۔

اعتراض ۸:- آپ فرماتے ہیں کہ ایمان کے تین اجزاء میں سے پہلے دو جزء اعتقاد و نطق کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے گا۔ لیکن تیسرے جزء عمل کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہیں ہوتا الا الصلوٰۃ

میں کہتا ہوں کہ جب ایمان آپ کے نزدیک کئی مقولوں سے مرکب ہے تو ظاہر ہے کہ ہر

مقولہ اس کے لئے جنس ہے اور جنس اپنی نوع کے لئے اجزاء ذاتیہ میں سے ہوتی ہے تو جس طرح اعتقاد اور نطق مقولہ کیف اور مقولہ فعل سے ہیں۔ اسی طرح عمل بھی مقولہ فعل سے ہے تو جو نسبت پہلے دو اجزاء کو ایمان کے ساتھ ہے۔ بالکل وہی نسبت تیسرے جزء کی بھی اس کے ساتھ۔ یعنی جس طرح ان دونوں جزؤں کی نسبت ایمان کے ساتھ نسبت الجنس الی النوع یا نسبت الذاتی الی الذات ہے۔ بالکل اسی طرح اس تیسرے جزء کی نسبت بھی اس کے ساتھ ہے۔ پھر منطقی حیثیت سے اس فرق کی کیا وجہ ہے کہ پہلے دونوں کی جزء تو اس کے لئے ارکان ہوں اور ان کے فوت ہونے سے ایمان فوت ہو جائے لیکن تیسرا جزء محض جزء ہی رہ جائے اور اس کے فوت ہونے سے ایمان فوت نہ ہو۔

جواب:۔ اس کا جواب نمبر ۴ میں آ چکا ہے۔

اعتراض ۹:۔ آپ نے اعمال صالحہ کو ایمان کے لئے اجزاء حقیقیہ بتایا ہے۔ اور اس کی تشبیہ درخت کے پتوں اور اس کی شاخوں نیز نماز کے واجبات اور سنن کے ساتھ دی ہے۔ لیکن جو اعمال کی جزئیت کے منکر ہیں وہ تو اسی نظیر سے ان کی عدم جزئیت ثابت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اعمال کی نسبت ایمان کی طرف نسبت الجزء الی الکل نہیں۔ بلکہ نسبت الفرع الی الاصل ہے۔ چنانچہ مولوی شبیر احمد صاحب عثمانی دیوبندی اس مسئلہ پر ایک مبسوط بحث کرتے ہوئے اخیر میں اپنے مذہب کی توضیح کے ضمن میں لکھتے ہیں:۔

وَعِنْدَ الْفَرِيْقِ الثَّانِيْ (ای المنکرین الجزئیۃ الاعمال) اَلْاَعْمَالُ لَيْسَتْ مِنْ اَجْزَاءِ الْاِيْمَانِ بَلْ هِيَ فُرُوْعٌ نَابِتَةٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ الَّذِيْ هُوَ التَّصْدِيْقُ وَالْاِنْقِيَادُ الْقَلْبِيُّ كَمَا اَشَارَ اِلَيْهِ الشَّيْخُ وَلِيُّ اللهِ الدهلوی فَنِسْبَةُ الْاَعْمَالِ اِلَى الْاِيْمَانِ عِنْدَنَا لَيْسَتْ نِسْبَةَ الْجُزْءِ اِلَى الْكُلِّ بَلْ نِسْبَةُ الْفَرْعِ اِلَى الْاَصْلِ اَوْ نِسْبَةُ الْبَدَنِ اِلَى الرُّوْحِ الْمُدَبِّرَةِ لَهٗ الخ

(فتح الملهم جلد ۱ ص ۱۵۷)

اسی طرح جزئیت حقیقی کی تائید و تشبیہ میں نماز کے واجبات اور سنن کو پیش کرنا بھی محل نظر ہے۔ اس لئے یہ لوگ واجبات و سنن کو نماز کے لئے اجزاء حقیقیہ تسلیم نہیں کرتے بلکہ

ان کو متممات وکلمات صلوٰۃ کہتے ہیں۔ اگر کسی نے ان پر جزئیت کا اطلاق کیا ہے تو وہ علی سبیل المجاز ہے۔ کَمَا یَظْهَرُ بَعْدَ الرُّجُوْعِ إِلٰى أُمَّهَاتِ الْكُتُبِ مِنَ الْفِقْهِ۔

جواب:۔ نماز کے واجبات اور سنن اگر نماز سے خارج ہوں تو پھر ان میں اگر انسان ننگا ہو جائے یا منہ قبلہ رُخ نہ رہے یا کوئی اور شرط فوت ہو جائے تو نماز فاسد نہ ہونی چاہیئے۔ کیونکہ نماز میں ان کی شرط ہے نماز سے خارج کے لئے ان کی شرط ہونے کی کونسی دلیل ہے۔ دیکھئے خُطبہ جمعہ دو رکعت کے قائم مقام ہے اس کو حنفیہ بے وضو جائز کہتے ہیں۔ تو واجبات اور سنن تو بہت ہلکے ہیں۔ جب یہ نماز سے خارج ہیں تو ان کے لئے شرائط نماز بطریق اولیٰ ضروری نہ ہوئے پھر لازم آئے گا۔ کہ نماز پڑھتے پڑھتے انسان کئی دفعہ نماز میں داخل ہو اور کئی دفعہ خارج ہو۔ پس یہ نماز کے متممات کیا ہوئے حقیقت میں نماز کی ادھیڑ بنت ہوئی نیز اخیر میں سلام کی کیا ضرورت ہے۔ کیونکہ یہاں تو جس رکن کو ذرا لمبا کیا۔ سلام پھر گیا۔ نیز قومہ جلسہ درمیانہ تشہد وغیرہ یہ سب سلام ہوئے خدا کی شان حنفیہ کی نماز پہلے ہی نیچ اونچ اور دو برگ سبز تھی اب سونے پر سہاگہ ہو گئی کہ ہر وقت سلام پھرتا رہتا ہے فتامل پھر درخت کی مثال میں آپ نے شاخوں پتوں کو فرع بتلایا ہے پھر یہ بتلایئے کہ تمام ٹہنے کاٹ دیئے جائیں اور صرف منارہ جائے تو کیا اس کو درخت کہتے ہیں ہرگز نہیں پھر اصل فرع کی نسبت کیسی ہوئی۔ اور جب مجموعہ ٹہنے جزء ہوئے تو اس مجموعہ کی جزئیں ایک ایک ٹہنا بھی جزء ہو گیا۔ حالانکہ ایک ٹہنے کی نفی سے درخت کی نفی نہیں ہوتی پھر اصل فرع کی نسبت شاخوں اور پتوں کی جزئیت کے منافی نہیں کیونکہ فرعیت تنے کے لحاظ سے ہے اور جزئیت درخت کے لحاظ سے ہے جو تنے اور شاخوں سے مرکب ہے۔ پس ایمان کی مثال درخت سے بالکل صحیح ہے۔ علاوہ اس کے اگر ان مثالوں میں آپ کو تردد ہے۔ تو دیوار کی مثال لیجئے یا مکان کی لیجئے ہر ایک اینٹ اس کی جزء ہے۔ لیکن اس کے نہ ہونے سے مکان کی یا دیوار کی نفی نہیں ہوتی۔

اعتراض ۱۰:۔ سائل نے اعمال کا تعلق ایمان کے ساتھ معلوم کرنے کے لئے اعضاء انسانیہ اور حقیقت انسانیہ کی جو نظیر پیش کی ہے آپ نے اس سے نفیا یا اثباتا کوئی تعرض کیوں نہیں کیا۔ اور بجائے اس کے دوسری دو نظیروں کی طرف عدول کرنے کی کیا وجہ ہے حالانکہ بظاہر جو صورت شاخوں کی درخت کے ساتھ ہے۔ وہی اعضاء انسانیہ کی انسان کے ساتھ ہے تلک عشرۃ کاملۃ ۱۹ محرم الحرام سنہ ۱۳۶۰ھ

جواب:۔ عدول کی وجہ زیادہ وضاحت ہے۔ فتامل۔ ہمارے مضمون کا جواب دیتے وقت ذرا اسلام

دین وغیرہ پر بھی روشنی ڈال دیں کہ اعتقاد۔ تعلق۔ اعمال ان میں داخل ہیں یا نہیں مگر یہ یاد رہے سے

نکتہ چین ہے غم دل اس کو سُنائے نہ بنے
کیا بنے بات جہاں بات بنائے نہ بنے

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین عبداللہ امرتسری ۱۱ ربیع الثانی ۱۳۶۰ھ

سوال :۔ اور حدیث من قال لا الہ الا اللہ کیا معنیٰ ہے۔ کلمہ گو بے نماز بے زکوٰۃ کا کیا حکم ہے؟

محی الدین بن محمد علی لکھنوی

جواب :۔ جس نے لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ کہا وہ بے شک جنت میں داخل ہوگا۔ مگر مراد اس سے یہ ہے کہ لا الہ الا اللہ اس کی آخری کلام ہو مثلاً مرنے کے وقت اس کی زبان پر لا الہ الا اللہ جاری ہو اس کے بعد اس نے کوئی کلام نہ کی اور لا الہ الا اللہ پر خاتمہ ہوگیا۔ وہ ضرور کسی نہ کسی وقت جنت میں جائے گا۔ کیونکہ اس وقت لا الہ الا اللہ پڑھنا یا تو نئے سرے سے ایمان لانا ہے یا پہلے ایمان کو تازہ کرنا ہے پس دونوں صورتوں میں دنیا سے بہتر حالت پر رخصت ہوا۔

جو لوگ بے نماز اور بے زکوٰۃ ہیں اور ان کو نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے کی ترغیب دی جاتی ہے لیکن وہ اس امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی پرواہ نہیں کرتے ان سے قطع تعلق ضروری ہے۔ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ جب بنی اسرائیل نافرمانیوں میں مبتلا ہوئے۔ ان کے علماء نے ان کو روکا جب وہ باز نہ آئے تو علماء نے ان سے قطع تعلق نہ کیا بلکہ بدستور ان کے ساتھ بیٹھتے اُٹھتے کھاتے پیتے رہے پس خدا نے سب کے دلوں کو یکساں بنا کر داؤد علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ان پر لعنت کر دی یہ اس لئے کہ انہوں نے نافرمانی کی اور حد سے تجاوز کرتے تھے۔

عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تکیہ لگائے بیٹھے تھے۔ پھر سیدھے بیٹھ گئے اور فرمایا خدا کی قسم یا تو تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کروگے اور ظالم کا ہاتھ پکڑوگے اور اس کو حق پر روکوگے اور ظلم سے بند کروگے ورنہ خدا تمہارے دل بھی یکساں بنا کر انہی کی طرح تمہیں لعنتی کرے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ

۱۸ شعبان ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۱ ستمبر ۱۹۴۰ء

ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے تو کافروں کو وعظ بیکار ہے

سوال:۔ سورۃ بقرہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

اِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَیْھِمْ ءَاَنْذَرْتَھُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْھُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ہ

یعنی کافروں کو ڈرانا نہ ڈرانا برابر ہے۔ وہ ایمان نہیں لائیں گے۔

اس کے آگے ہے۔ خَتَمَ اللّٰہُ عَلٰی قُلُوْبِھِمْ وَعَلٰی سَمْعِھِمْ وَعَلٰٓی اَبْصَارِھِمْ غِشَاوَۃٌ وَّلَھُمْ عَذَابٌ اَلِیْمٌ

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر کردی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردہ ہے اور ان کے لئے عذاب دردناک ہے۔ اس آیت سے ظاہر ہے کہ زمین و آسمان کا ٹل جانا ممکن ہے مگر ان کا ایمان لانا ناممکن ہے مگر تاریخ بتا رہی ہے کہ حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فوت نہیں ہوئے کہ وہ سب منکرین حضور پر ایمان لے آتے ہیں۔ جب یہ مسلّم امر ہے کہ تمام اہل مکہ اور مدینہ حضور پر ایمان لے آئے تو پھر ختم اللہ علیٰ قلوبہم کا کیا معنیٰ ہے۔ دوسرا سوال یہ ہے کہ ختم کے معنیٰ ہمیشہ کے واسطے مسدود کر دینا منقطع کر دینا کہاں سے نکالے گئے۔ قرآن مجید میں ختم کے مشتقات مختلف مقامات میں استعمال ہوئے ہیں۔ مگر ایک جگہ بھی اس معنوں میں استعمال نہیں ہوئے تفسیر القرآن بالقرآن کے اصول پر جب اس آیت الیوم نختم کو ہم وسیق الذین کفروا الی جھنم زمرا کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ کہ قیامت کے روز جب جہنم کے چوکیدار جہنمیوں سے دریافت کریں گے کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آیا تھا تو الیوم نختم کے قول کے خلاف نظر آ رہے ہیں۔ علاوہ ازیں نختم علیٰ قبلک یطبع علیٰ قبلک بھی قرآن مجید میں ہے جس سے ثابت ہوا کہ طبع اور ختم مترادف الفاظ ہیں۔ پھر ختم کے معنی ہمیشہ کے لئے مسدود کرنا کہاں سے نکالے گئے۔

سید حسنات احمد۔ عابد منزل۔ بلی ماراں دہلی ۱۲ جولائی ۱۹۴۰ء

جواب:۔ اس سوال کا حل اختصار کے ساتھ ہم عرض کرتے ہیں۔ تفصیل دیگر علماء پر چھوڑتے ہیں سائل نے مابعد کی آیات دیکھی ہیں۔ ماقبل کی نہیں دیکھی۔ اس سے قبل خدا فرماتا ہے ھُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ۔ یعنی

قرآن مجید پرہیزگاروں کے لئے ہدایت ہے۔ پرہیزگاروں سے مراد یہاں مراد وہ ہیں۔ جن کا خاتمہ پرہیزگاری پر ہونے والا ہے۔ کیونکہ اعتبار خاتمہ کا ہے۔ پہلے خواہ کوئی حالت ہو۔ اگر ساری عمر پرہیزگاری میں گزری ہو اور مرنے کے قریب مرتد ہوگیا ہو تو اس کی پہلی پرہیزگاری فائدہ نہیں دے سکتی۔

قرآن مجید میں ہے:۔ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (پارہ ۲ رکوع)

ترجمہ:۔ جو تم سے اپنے دین سے پھر جائے۔ پس اسی حالت کفر میں مر جائے۔ تو ان کے اعمال دنیا اور آخرت میں حبط ہوگئے اور یہ لوگ ہمیشہ جہنم میں رہنے والے ہیں۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ پہلے خواہ مدت دینداری اور پرہیزگاری میں گزر جائے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔ اسی طرح اگر پہلے کفر کی حالت ہو اور اخیر میں تائب ہو جائے تو اس کے متعلق بھی خدا تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

فَاُولٰٓئِكَ يُبَدِّلُ اللّٰهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا پ ۹ ع

ترجمہ:۔ خدا تعالیٰ ان لوگوں کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دیتا ہے اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔

پس جب مدار خاتمہ پر ہوا۔ اور اس آیت سے وہی مراد ہوئے جن کا خاتمہ پرہیزگاری پر ہونے والا ہے تو ان الذین کفروا سے مراد بھی وہی کافر ہوں گے جن کا خاتمہ کفر پر ہونیوالا ہے جو خدا کے ہاں ابلیس کی طرح ازلی شقی ہیں۔ پس ان کے حق میں ختم سے مراد یہی ہوگا کہ ان کا راستہ ہمیشہ کے لئے مسدود ہے اور ختم کے معنیٰ ہمیشہ ایک نہیں ہوتے بلکہ جیسا مقام ہے ویسے ہوتے ہیں۔ یہاں چونکہ ارشاد ہے کہ ان لوگوں کو ڈرانا نہ ڈرانا یکساں ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اس لئے یہاں یہی مراد ہوگی۔ کہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ مسدود ہے۔ اور یہ ازلی شقی ہیں۔ پس اب کسی قسم کا اعتراض نہیں رہا۔ کیونکہ اگر مکہ والے یا دوسرے لوگ ایمان لائے ہیں۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کے لئے ہدایت کا راستہ مسدود نہیں ہوا اور وہ ازلی شقی ہو کر ان الذین کفروا الاٰیۃ کے تحت داخل نہ تھے بلکہ ھدی للمتقین کے تحت تھے پس ان کو ہدایت ہونی ضروری تھی۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سے ابوجہل وغیرہ خاص کافر مراد ہیں۔ اور ان الذین کفروا میں موصول کی تعریف عہد خارجی کی قسم سے ہے چنانچہ بیضاوی وغیرہ میں اس طرح لکھا ہے پس اس صورت میں بھی کوئی جھگڑا نہیں رہتا۔ کیونکہ اگر مکہ مدینہ والے ایمان لاتے ہیں۔ تو خاص

[illegible] جو اس آیت سے مراد ہیں۔ جیسے ابوجہل وغیرہ ان کو ایمان نصیب نہیں ہوا بلکہ وہ کفر کی حالت میں رخصت ہو گئے۔ پس آیت اپنی جگہ ٹھیک رہی اور ختم کے معنیٰ بھی یہی ہوئے کہ ان کے لیے ہدایت کا دروازہ ہمیشہ کے لیے مسدود ہے۔ خدا تعالیٰ اس حالت سے بچائے۔ آمین ثم آمین۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

سوال:- ہاروت ماروت فرشتے تھے یا شیطان بعض علماء کہتے ہیں کہ وہ شیطان تھے با دلائل بیان فرمائیں۔ منیر الدین احمد ڈاکخانہ دہلی دیوان گنج ضلع پورنیہ وسائل عبداللطیف علوی

جواب:- ہاروت ماروت فرشتے تھے چنانچہ قرآن مجید کے الفاظ اس بات کو واضح کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوتَ وَمَارُوتَ۔ اس آیت میں ہاروت و ماروت ملکین سے بدل ہے اور معنی یہ ہے کہ اہل کتاب نے اس شئے کی تابعداری کی جو بابل شہر میں دو فرشتوں ہاروت ماروت پر اتاری گئی اور جو شیطان کہتے ہیں۔ بعض لوگ ولکن الشیاطین میں شیاطین سے بدل بناتے ہیں۔ حالانکہ اگر اس سے بدل ہوتا تو اس کے ساتھ ذکر ہوتا نیز کفروا وغیرہ صیغے جمع کے اس کے خلاف ہیں۔ غرض قرآنی روش صاف بتا رہی ہے کہ ہاروت ماروت فرشتے تھے۔

علاوہ ازیں وہ جادو سے روکتے تھے اور کہتے تھے کہ کفر نہ کرو اگر وہ شیطان ہوتے تو کفر سے کیوں روکتے۔

تیسری وجہ یہ ہے کہ بعض اس قسم کی احادیث بھی آتی ہیں۔ جن میں ذکر ہے کہ فرشتوں نے خدا سے عرض کی کہ اگر انسانوں کی جگہ ہم ہوں تو گناہ نہ کریں۔ اس بنا پر اللہ تعالیٰ نے ہاروت و ماروت کو خواہشات نفسانی لگا کر بھیجا مگر وہ گناہ سے بچ نہ سکے چنانچہ جامع صغیر اور تفاسیر وغیرہ میں اس قسم کی روائتیں موجود ہیں۔ بیضاوی ہو یا رازی یا کوئی اور جس کا قول مذکور بالا بیان کے خلاف ہو وہ صحیح نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۳ ذی قعدہ ۱۳۵۷ھ و

۲۵ رجب ۱۳۸۰ھ لاہور

مسئلہ تقدیر

سوال:- مسئلہ تقدیر کی کیا اصلیت ہے۔ اور کسب اور خلق میں کیا فرق ہے؟ یعنی جن اشخاص کو خدا تعالیٰ نے دوزخی بنا دیا ہے اور ان کو اسی کے لئے پیدا کیا تو پھر ان پر کیا الزام ہے؟

اور پھران سے انبیاء کی اتباع و تصدیق کا مطالبہ کرنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟

جواب:۔ مسئلہ تقدیر کی اصلیت دو چیزیں ہیں ایک علم ایک قدرت، علم اس طرح کہ بندے کو جب خدا نے پیدا کیا تو اس نے نیکی کرنی تھی یا بدی۔ اس کا علم اللہ تعالیٰ کو پہلے ہی تھا سو اس کو لوحِ محفوظ کی صورت میں پہلے ہی لکھ دیا۔ لوگ جو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے لکھا۔ اس لئے بندے نے کیا یہ غلط ہے بلکہ یوں کہنا چاہیئے۔ کہ بندے نے کرنا تھا۔ اس لئے اللہ نے لکھا ہے چنانچہ حدیث میں ہے قلم کو حکم ہوا "اکتب" لکھ قلم نے کہا "ما اکتب" (میں کیا لکھوں) حکم ہوا۔

"اُكْتُبِ الْقَدْرَ فَكَتَبَ مَا كَانَ وَمَا هُوَ كَائِنٌ إِلَى الْأَبَدِ"

ترجمہ:۔ تقدیر لکھ! پس قلم نے جو کچھ ہو چکا تھا اور جو کچھ ہونا تھا لکھ دیا۔

بتلایئے! اس میں اللہ کیا قصور؟ ہاں اگر اللہ کا لکھنا بندے کیلئے رکاوٹ ہوتی۔ تو پھر اعتراض کرنے والا اعتراض کر سکتا تھا۔ کہ بندے کا کیا قصور؟ لیکن جب ایسا نہیں بلکہ بندے نے جو کچھ کرنا تھا قلم نے خدا کے حکم سے وہی لکھا۔ پھر اتنے پر بھی بندے کو نہیں پکڑا۔ بلکہ بندے نے جب فعل کر لیا اس وقت پکڑا۔ پس جب علم کے لحاظ سے کوئی اعتراض نہ رہا۔ زیادہ وضاحت کے لئے۔ اس کو یوں سمجھئے کہ اگر بالفرض خدا کو علم نہ ہوتا تو بھی بندے نے نیکی یا بدی کرنی تھی۔ تو اللہ کو علم ہونے سے کونسا جبر آ گیا۔

رہا قدرتِ کاملہ، سو یہ نہایت نازک ہے بڑے بڑے عقلاء اس میں حیران ہیں۔ خدا تعالیٰ بندوں کو ہر طرح سے آزماتا ہے۔ بدنی آزمائشیں بھی آتی ہیں، عقلی بھی۔ تقدیر کا مسئلہ عقلی آزمائش ہے مگر اس کو ایسا بھی نہیں کیا کہ بالکل مبہم رکھا ہو۔ بلکہ ایمان کے لئے جس قدر ضرورت تھی اتنا پردہ اٹھا دیا تفصیل اس کی یہ ہے کہ ہر مخالف موافق اس بات کو تسلیم کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر نقص و عیب سے پاک ہے اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جبر جیسا کوئی نقص نہیں۔ ایک تو اس میں حکمت کا خلاف ہے کہ خود ہی ایک فعل کرے اور اس پر سزا دے۔ دوسرے اس میں بندے کو ناحق تکلیف دینا ہے جس کو ادنیٰ سے ادنیٰ عقل والا بھی اچھا نہیں سمجھتا۔ ایک کی جان دکھ میں ہو۔ دوسرے کا تماشہ، اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ قادرِ مطلق ہے جس کا اثر اس کا خالق ہونا ہے۔ اگر بندہ بھی خالق ہو تو یہ شرک فی الربوبیت ہے جو بڑا شرک ہے۔ پس معلوم ہوا کہ بندہ مجبور بھی نہیں اور مختارِ مطلق بھی نہیں۔ بلکہ اس کی حالت بین بین ہے۔ جس کو کسب اور اکتساب سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ پس ایمان کے لئے اتنی معرفت کافی ہے۔ کیونکہ ایمان کے لئے

یہ ضروری نہیں کہ حقیقت شے کا علم ہو تب ایمان لائے۔ دیکھئے روح کی حقیقت ہم نہیں جانتے لیکن اس کے آثار کی وجہ سے ہم مانتے ہیں۔ اسی طرح خدا کی ذات و صفات پر ہم ایمان رکھتے ہیں۔ لیکن کنہ وحقیقت کا علم نہیں۔ ٹھیک اسی طرح کسب و اکتساب کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اس سے آگے بحث میں خیر نہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مسئلہ تقدیر میں بحث سے منع فرمایا ہے۔ میرے ذہن میں اس کے متعلق بہت سے مضامین ہیں۔ کوئی موقع ہوا تو تفصیل ہوگی۔ انشاء اللہ العزیز

حدیث کل مولودٍ یولد علی الفطرۃ

سوال:۔ حدیث کل مولودٍ یولد علی الفطرۃ کا کیا مطلب ہے۔ فطرت سے مراد طبیعت سلیمہ ہے یا ملّتِ اسلام اگر اس سے مراد ملتِ اسلام ہے تو پھر ایک غیر مسلم کے بچّہ کا شرعی طور سے جنازہ پڑھ سکتے ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ حدیث "کل مولود" میں فطرت سے مراد اسلام ہے۔ لیکن پیدائشی اسلام جزا سزا کا حقدار نہیں۔ بلکہ کسب پر انسان جزا سزا کا مستحق ہوتا ہے۔ بچّوں کا جنّت میں جانا بھی خدا کا ابتداءً احسان ہے کسی عمل کی وجہ سے نہیں۔ جیسے جنت کی حور و غلمان کسی عمل کی وجہ سے جنّت میں نہیں۔ لیکن چونکہ دنیا میں بچّوں کی دنیوی تکلیفیں پہنچتی ہیں اس لئے ان کا درجہ حور و غلمان سے بڑا ہوگا۔ جس کی بناء پر ماں باپ کی سفارش بھی کریں گے۔ اور دیگر خصوصیتیں بھی ان کی ہوں گی۔

رہا جنازہ تو اس میں ماں باپ کے تابع ہیں۔ اگر ماں باپ مسلم ہیں۔ تو جنازہ ہوگا ورنہ نہیں کیونکہ ظاہری احکام میں وہ ماں باپ کے تابع ہیں۔ اسی لئے جنگ میں غلام لونڈیاں بنائے جاتے ہیں

سوال:۔ حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ اور حدیث اَلَاۤ اِنَّ بَنِیْ اٰدَمَ خُلِقُوْا عَلٰی طَبَقَاتٍ شَتّٰی فَمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ مُؤْمِنًا وَیَحْیٰی مُؤْمِنًا ویموت مؤمنا وَمِنْھُمْ مَنْ یُّوْلَدُ کَافِرًا وَیَحْیٰی کَافِرًا وَیَمُوْتُ کَافِرًا (الحدیث) رواہ الترمذی فی باب ما اخبر النبی صلی اللہ علیہ وسلم اصحابہ بما ھو کائن الی یوم القیامۃ (ترمذی مع تحفۃ الاحوذی جلد ۳)

مولانا! آپس میں دونوں حدیثیں متعارض ہیں۔ ان میں تطبیق کی کیا صورت ہے؟ نیز بخاری

شریف سے تمام بچوں کا ..... جنتی ہونا معلوم ہوتا ہے۔ جس میں ذکر ہے کہ آپ نے اپنے رویاء میں اولاد مشرکین کو ابراہیم علیہ السلام کے پاس دیکھا۔ لیکن حدیث ترمذی کی تبلا رہی ہے کہ بعض مولود کی فطرت اور خلقت ہی کفر پر ہوتی ہے۔ تو وہ جنتی کیسے ہو سکتے ہیں۔ ذرا تدبر سے جواب دیں۔

حدیث کل مولود یولد علی الفطرۃ پر حافظ ابن قیمؒ اور حافظ ابن حجرؒ نے بڑی بسط سے بحث کی ہے۔ مگر دونوں صاحبوں نے صرف مذاہب مقرر کر دیئے ہیں۔ فیصلہ کچھ نہیں فرمایا۔ حافظ ابن القیمؒ نے اپنی کتاب شفاء العلیل فی القدر والتعلیل میں خوب لکھا ہے۔ آپ ایک نظر اس کو بھی دیکھ لیں۔ یہ کتاب مصر میں چھپ گئی ہے۔ مسئلہ تقدیر میں ایک عجیب تصنیف ہے؟

جواب: حدیث ومنہم من یولد کافراً میں بھی یہی کفر مراد ہے کیونکہ کافروں کے بچے ظاہر کافر ہی شمار ہوتے ہیں اور یہ بھی احتمال ہے کہ کفر پر پیدا ہونے سے یہ مراد ہو کہ سن تمیز کو جب پہنچتے ہیں تو کافر ہوتے ہیں۔ یعنی کفر کے کام کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اسی حالت میں بالغ ہو جاتے ہیں اور سن تمیز سے پہلے کا زمانہ چونکہ بے خبری کا زمانہ ہے۔ اس لئے اس سن تمیز کے تابع سمجھا جاتا ہے۔ اگر سن تمیز کا زمانہ کفر کا ہے تو پہلا بھی کفر کا ہے۔ اگر سن تمیز کا زمانہ ایمان کا ہے تو پہلا بھی ایمان کا ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے سونے کا وقت بیداری کے تابع ہے۔ اگر بیداری میں عبادت کرتا ہے تو نیند میں بھی عابد ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور شاید اسی وجہ سے حدیث میں چار صورتوں پر اکتفاء کی ہے۔ ورنہ صورتیں اور بھی نکل سکتی ہیں۔ مثلاً پیدا[1] مومن ہو زندہ کافر رہے۔ مرے[2] مومن پیدا کافر ہو، زندہ مومن رہے۔ مرے کافر اور پیدا[3] مومن ہو زندہ کافر رہے، مرے کافر اور پیدا[4] کافر ہو، زندہ مومن رہے۔ مرے کافر۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ چار صورتیں اس لئے ذکر کی ہوں۔ کہ دو ایمانوں کے درمیان کفر کالعدم ہے۔ جیسے صحابی کی تعریف میں مشہور ہے کہ درمیان ارتداد آجائے تو وہ کالعدم ہے اور دو کفروں کے درمیان ایمان کالعدم ہے۔ بلکہ نفاق پر دلالت کرتا ہے اور سن تمیز سے پہلے کا کفر اور ایمان بھی بغیر کفر اور ایمان سن تمیز کے کالعدم ہے۔ کیونکہ اس میں کسب کو دخل نہیں۔ پس اکیلا شمار کے قابل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ یولد کافراً میں یا تو ماں باپ کی اتباع میں کفر مراد ہے یا سن تمیز کی اتباع میں کفر مراد ہے اور باقی چار صورتیں نہ ذکر کرنے کی وجہ یا تو یہی ہے کہ سن تمیز کی اتباع کفر اور ایمان مراد ہے۔ ان چار صورتوں میں سن تمیز اور سن تمیز سے پہلی حالت ایک نہیں۔ تو پہلی حالت سن تمیز کے تابع کس طرح ہو۔ یا دو

ایمانوں کے درمیان کفر اور دو کفروں کے درمیان ایمان اور سن تمیز کے کفر او رایمان کے بغیر سن تمیز سے پہلے کا کفر اور ایمان کالعدم ہے اور کل مولود میں پیدائش اسلام مراد ہے۔ جس کو جزا سزا سے کوئی تعلق نہیں۔ اس میں نہ ماں باپ کی اتباع ہے نہ سن تمیز کی اتباع ہے۔ پس دونوں حدیثوں سے تعارض رفع ہو گیا۔ اور جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ بھی معلوم ہو گئی۔

عبداللہ روپڑی ۱۴ ربیع الآخر ۱۳۷۹ھ

طاعون سے موت طبعی واقعہ ہوتی ہے یا نہیں؟

سوال:۔ ایک شخص کہتا ہے۔ کہ جس جگہ طاعون واقع ہوتی ہے۔ وہاں کے باشندے اپنی طبعی موت سے نہیں مرتے۔ بلکہ طاعون جو غضب الٰہی کی شکل میں وارد ہوئی ہے۔ اس سے مرتے ہیں خواہ ان کی عمر باقی ہو یا پوری کر چکے ہوں۔ اور وہ اس کو بھی مانتا ہے۔ کہ عمر نیکیوں کے سبب بڑھتی ہے اور بداعمالیوں سے گھٹتی ہے۔ جیسا کہ سورۃ نوحؑ کی آیت ویؤخرکم الٰی اجل مسمّٰی سے واضح ہے۔ چونکہ طاعون عذابِ الٰہی ہے اور عذابِ الٰہی سوائے بدعملوں کے نہیں آتا۔ لہذا طاعون سے جو متواتر مرتے ہیں۔ یہ سب معذب ہوتے ہیں۔ اور وہ عذاب سے قبل از وقت مر جاتے ہیں۔ اور وہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ تقدیر الٰہی میں کسی کے متعلق یہ نہیں لکھا گیا کہ وہ جنتی یا ناری ہے۔ متقی یا سعید ہے۔ اگر ایسا ایمان رکھا جائے تو اعمال کا کیا فائدہ۔ جو عمل کیا جاتا ہے بعد وقوع وہ لکھا جاتا ہے۔

دوسرا شخص کہتا ہے۔ کہ طاعون سے جو شخص مرتا ہے۔ اس کی عمر اس سے زیادہ نہیں ہوتی۔ اور جس کی عمر باقی ہوتی ہے وہ طاعون سے نہیں مرتا۔ عمر کا کم و بیش ہونا عام اور کلیہ نہیں۔ ہاں بعض نیک عمل اور بدعمل عمر کی بیشی اور کمی کا سبب ہوتے ہیں۔ مگر یہ بھی تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے قضاءً مبرم میں نہ معلق میں اور ہر آدمی کے متعلق تقدیر میں لکھا ہوا ہے کہ وہ جنتی ہے یا ناری ہے۔ شقی ہے یا سعید ہے۔

ان ہر دو شخصوں میں کون حق پر ہے۔ جو تحقیقات کے بعد حق کو نہ مانے اس کو امام بنانا درست ہے۔

سائل احمد دین از بستی ماں ڈاکخانہ مخدوم رشید ضلع ملتان ۲۷ شوال ۱۳۴۲ھ

جواب:۔ آپ نے جو کچھ سوال کیا ہے۔ اس کا جواب خیر القرون میں دیا جا چکا ہے۔ تاریخ ابن جریر

جلد ۴ صفحہ ۱۹۹ میں ہے۔ کہ حضرت عمرؓ جب ملک شام کو گئے رستہ میں خبر ملی کہ شام میں طاعون کا زور ہے۔ تو لوگوں نے جمع ہو کر مشورہ کیا۔ کہ شام کو جائیں یا نہ پہلے مہاجرین کو بلایا۔ ان کا اختلاف ہوگیا۔ کسی نے کہا جانا چاہیئے۔ کسی نے کہا نہ جانا چاہیئے۔ پھر انصار کو بلایا۔ ان کا بھی اس طرح اختلاف ہوگیا۔ پھر پرانے پرانے مہاجرین کو بلایا۔ ان سب نے بیک زبان یہی کہا۔ کہ نہ جانا چاہیئے۔ آپ نے واپسی کا اعلان کر دیا۔ ابو عبیدہ بن جراح جو شام میں فوجوں کے سپہ سالار تھے جن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اُمّت کے امین کا خطاب فرمایا ہوا تھا انہوں نے حضرت عمرؓ پر اعتراض کیا۔ کہ آپ اللہ کی تقدیر سے بھاگتے ہیں۔ (اس لئے کہ شام میں جا کر مریں گے تو تقدیر الٰہی سے مریں گے) حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ کاش یہ کلمہ تیسرے جیسے سمجھدار کی زبان سے نہ نکلتا۔ ہاں ہم اللہ کی تقدیر سے اللہ کی تقدیر کی طرف بھاگتے ہیں۔ یعنی جیسے شام میں جا کر مرنا اللہ کی تقدیر سے ہوگا۔ اسی طرح واپسی کا معاملہ بھی اللہ کی تقدیر سے ہوگا۔ پھر حضرت عمرؓ حضرت ابو عبیدہ بن جراح سے تنہائی میں کچھ باتیں کرنے لگے۔ اتنے میں حضرت عبدالرحمٰن بن عوف آ گئے۔ جو مشورہ کے وقت موجود نہ تھے۔ کہا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا ہے۔ کہ جہاں طاعون ہو وہاں نہ جاؤ۔ اگر تمہاری زمین میں پڑ جائے۔ تو وہاں سے بھاگ کر نہ نکلو حضرت عمرؓ نے خدا کا شکر ادا کیا۔ کہ میری رائے حدیث کے موافق ہوگئی۔ انتہی

اس سے معلوم ہوا کہ طاعون وغیرہ میں مرنا یا بچنا یہ سب تقدیر الٰہی سے ہوتا ہے۔ اور کسی کا سعید یا شقی لکھا ہونا اس کی بابت تو مشکوٰۃ وغیرہ میں کثرت سے احادیث موجود ہیں اور عمل کی بابت بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہو چکا ہے۔ جس کا جواب آپ نے یہ دیا۔ کہ فَكُلٌّ مُيَسَّرٌ لِمَا خُلِقَ لَهُ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں یہ حدیث موجود ہے۔

غرض سب معاملہ تقدیر سے ہے۔ لیکن تقدیر جبر کا نام نہیں۔ بلکہ خدا نے اپنا علم لکھ دیا ہے اور ظاہر ہے کہ علم ایک چیز ہے اور فعل الگ مثلاً مجھے کشف والہام سے معلوم ہو جائے کہ فلاں شخص کل چوری کرے گا۔ اور میں اس بات کو لکھ دوں یا لوگوں کو اطلاع کر دوں پھر وہ شخص چوری کرے تو یہ چور ہی کا قصور سمجھا جائے گا۔ کیونکہ فعل چوری کا مجھ سے صادر نہیں ہوا پس اللہ تعالیٰ کسی کو مجبور نہیں کرتا۔ جان لینا یا لکھ دینا الگ چیز ہے۔ اور جو تقدیر پر ایمان نہ رکھے وہ فرقہ قدریہ سے ہے۔ جو گمراہ فرقہ ہے۔

عبداللہ امرتسری مورخہ ۱۵ ذی قعدہ ۱۳۴۲ھ

سوال: کسب اور خلق میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ خلق نیست سے ہست کرنا اور عدم سے وجود میں لانا۔ کسب کسی امر کا قصد اور ارادہ کرنا اور اس کے قصد ارادے کے مطابق خدا تعالیٰ کا اس کے اعضاء میں حرکت پیدا کر دینا۔
کسب میں کچھ احتیاجی کا بھی شائبہ بھی ہے یعنی کسی اپنی کمی اور ضرورت کو پورا کرنے کے لئے یہ قصد ارادہ ہوتا ہے اس لئے اس کی نسبت بندے کی طرف ہوتی ہے خدا کی طرف نہیں ہوتی۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۶ شعبان ۱۳۵۲ھ

جب جنّ اور انسان عبادت کیلئے پیدا کئے گئے تو پھر اسکے خلاف کیوں؟

سوال:۔ اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے کہ ہم نے جنّ اور انسان کو اپنی عبدیت کے لئے پیدا کیا تو پھر کیا وجہ کہ اس کے خلاف بہت کچھ ہو رہا ہے کیوں نہیں علت غائی کا پورے طور پر ظہور ہوا۔

جواب:۔ جنّ و انسان کی پیدائش کی غرض و غایت اگرچہ عبدیت اور عبادت ہے مگر فعل پر جو غایت مرتب ہوتی ہے کبھی وہ اختیاری ہوتی ہے اور کبھی غیر اختیاری۔ ثانی الذکر چونکہ طبعی شئے ہے اس لئے سنت اللہ کے مطابق وہ ضرور مرتب ہوتی ہے اور اول الذکر کے متعلق خدا نے بندے کو اختیار دیا ہے۔ اس لئے اگر وہ اپنا اختیار موافق برتنے یا خلاف برتنے ہر طرح برت سکتا ہے۔ اور اسی قسم کا اس پر نتیجہ مرتب ہوتا ہے۔ مثلاً عبدیت اور عبادت کے لئے پیدا کیا ہے، اگر اس نے ایسا عمل کیا جو عبدیت اور عبادت کی قسم سے ہے تو اس کی پیدائش کی غایت حاصل ہو گئی اگر اس نے اس کے خلاف عمل کیا تو غایت فوت ہو گئی اور اسی لئے وہ مجرم کہلایا اور خدا پہ ناکامی کا الزام اس لئے نہیں آ سکتا کہ خدا نے خود بندے کو اختیار دیا ہے ہاں اگر خدا بندے کو اختیار نہ دیتا تو پھر خدا پہ ناکامی کا الزام آ سکتا تھا اب نہیں۔

جب دو شخص عمر اور جرم میں برابر ہوں تو انکی سزائیں کیوں فرق ہے

سوال:۔ زید اوّل آفرینش دُنیا میں پیدا ہوا اور پچاس ساٹھ برس کی عمر پا کر مر گیا اور عمرو وقوع قیامت سے پچاس ساٹھ برس پہلے پیدا ہوا اور اتنی ہی عمر پا کر یہ بھی مر گیا اور دونوں گناہ میں برابر ہیں۔ لہذا اسلام کی رو سے زید کو قبر کا عذاب عمرو سے ہزاروں برس زیادہ دیا گیا حالانکہ جرم میں دونوں برابر ہیں۔ یہ کیوں ہے؟

جواب:۔ زید کو جتنا عذاب قبر قیامت سے پہلے ہو چکا ہے اُسی قدر میدانِ محشر میں اور دوزخ میں عذاب کی تخفیف ہو جائے گی۔ یعنی زید کا عذاب ہلکا ہوگا۔ اور عمر کا عذاب سخت ہوگا۔ آپ نے کمی بیشی عذاب صرف مدت کی کمی بیشی میں سمجھی ہے اس لئے اعتراض کیا ہے۔ حالانکہ نفسِ عذاب میں بھی تخفیف اور سختی کے لحاظ سے فرق پڑ جاتا ہے۔ سو جتنی مدت زید کو زیادہ عذاب ہوا اسی انداز سے پر عمر کا عذاب سخت ہوگا اور زید کا ہلکا۔

موحد غیر مسلم عابد زاہد اور مسلمان بدکردار ہر دو کے ساتھ خدا کا کیا برتاؤ ہوگا

سوال:۔ خدا تعالیٰ اپنی کلام میں فرماتا ہے کہ میری رحمت ہر ایک چیز کو پہنچتی ہے اور میری تسبیح و تہلیل زمین و آسمان کی ہر ایک چیز کرتی ہے ایک شخص موحد مخبر اپنے مذہب کے موافق متقی و پرہیزگار عابد و زاہد غیر اسلام پر مرتا ہے اور ایک شخص جو رسالت کا قائل ہے اور الوہیت کے ماننے میں اس کے برابر ہے لیکن وہ نہ عابد ہے اور نہ زاہد اور نہ متقی ہے نہ پرہیزگار نہ نیکوکار ہے ان دونوں کے ساتھ خدا کا کیا برتاؤ ہوگا؟

جواب:۔ جس آیت میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے کہ میری رحمت ہر ایک چیز کو پہنچتی ہے اُسی میں یہ بھی ہے کہ یہ وسعت آگے چل کر مومن کے لئے خاص ہو جائے گی چنانچہ پوری آیت یہ ہے۔

وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ فَسَاَكْتُبُهَا لِلَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَالَّذِیْنَ هُمْ بِاٰیٰتِنَا یُؤْمِنُوْنَ۔

"میری رحمت نے ہر شئے کو گھیر لیا ہے۔ عنقریب میں اس رحمت کو ان لوگوں کے لئے لکھ دونگا خاص کر دوں گا جو پرہیزگاری کرتے ہیں، زکوٰۃ دیتے ہیں اور ہماری آیتوں پر ایمان لاتے ہیں"

اس سے معلوم ہوا کہ جب تک قرآن مجید پر اور رسالت پر ایمان نہ ہو نجات کا مستحق نہیں کیونکہ آگے اس کے آیت میں ان کی صفت میں ارشاد ہے:۔

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰىهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ كَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْۤ اُنْزِلَ مَعَهٗۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ۔

"متقی، پرہیزگار اور ہماری آیتوں پر ایمان رکھنے والے وہ لوگ ہیں جو رسول نبیؐ ان پڑھ کے

تبیع ہیں جس کا ذکر توراۃ اور انجیل میں ہے ان کو نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے اور ان سے انکے بوجھ اور طوق رکھتا ہے جو ان پر تھے پس جو لوگ اس کے ساتھ ایمان لائیں اسکو تائید دیں اور اسکی مدد کریں اور اس نور کی تابعداری کریں جو اسکے ساتھ نازل کیا گیا ہے۔ یہ لوگ ہی نجات پانے والے ہیں"۔

اس آیت نے معاملہ بالکل صاف کر دیا کہ متقی و پرہیز گار وہی ہے جو اُن پڑھ رسول پر اور قرآن مجید پر ایمان رکھے اور وہی مستحق نجات ہے۔ غیر مذہب نہ تو متقی و پرہیز گار ہے نہ وہ نجات کا اہل ہے رہا مسلمان جو رسالت کا قائل ہے اور الوہیت کو مانتا ہے لیکن پرہیزگار نہیں تو اس کے متعلق قرآن و حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ آخر نجات پائے گا۔ چنانچہ شفاعت کی حدیث میں ہے کہ اہلِ توحید دوزخ سے نکالے جائیں گے۔

گناہ کی زندگی محدود اور سزا لامحدود

سوال:۔ زید کافر سو برس زندہ رہا۔ اس عرصہ میں گناہ بھی کئے زندگی محدود میں محدود گناہ کئے پھر کیا وجہ کہ اس کافر کو لاالی نہایت دوزخ میں ہمیشہ رہنا پڑے گا؟

جواب:۔ آپ کے اس اعتراض کی بناء اس پر ہے کہ جتنی مدت گناہ کی ہو اتنی مدت سزا کی ہونی چاہیئے حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ ایک شخص تھوڑی دیر میں چوری کرتا ہے اور عمر بھر قید کر دیا جاتا ہے یا ہمیشہ کے لئے اس کو کالا پانی کی سزا دیجاتی ہے۔ پس محدود عمر کی سزا غیر محدود ہونے پر کوئی اعتراض نہیں۔ اس کے علاوہ جس نے ایمان نہیں لانا ہوتا اگر وہ ہمیشہ زندہ رہے تو ہمیشہ گناہ میں ترقی کرے گا۔ اور یہ بات ظاہر ہے کہ جس شخص کا قصد ہمیشہ جرم کا ہو وہ اپنے قصد کے لحاظ سے ہمیشہ کا مجرم سمجھا جاتا ہے۔ اس کی مثال یوں سمجھئے کہ ایک شخص کو حاکم کہے کہ اس جرم سے توبہ کر، تو وہ حاکم کو آگے سے جواب دے کہ میں ہمیشہ اسی طرح ہی کروں گا اب تبلائیے وہ ہمیشہ کا مجرم سمجھا جائے گا یا صرف اُسی وقت کے لئے جس وقت وہ یہ کلمہ کہہ رہا ہے ٹھیک اسی طرح خدائی مجرم کو سمجھ لیں۔ جس کا قصد ہمیشہ کے لئے جرم کے ارتکاب کا ہے۔

نو مسلم کا کسی وجہ سے اسلام کا اظہار نہ کرنا

سوال:۔ ایک ہندو خفیہ طور پر اسلام کو مانتا ہے الوہیت اور رسالت کا قائل ہے دو مسلمانوں کو اپنی زبان سے کلمہ طیب سُنا کر گواہ بناتا ہے لیکن اظہار اسلام اس لئے نہیں کرتا کہ میں اس

حالت میں شریف القوم ہوں اگر اسلام ظاہر کردوں تو نومسلم بھنگی چماروں کے برابر داخل اسلام ہو کر سمجھا جائے گا اور میری اولاد کا تعلق یا شادی بیاہ کا رشتہ چھوٹی قوموں میں کرنا پڑے گا۔ اس حالت میں اگر یہ شخص مرجائے تو اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ کیا برتاؤ ہوگا؟

جواب:۔ اس ہندو کی مثال بالکل ابو طالب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا کی مثال ہے وہ بھی قومی عار کی وجہ سے اسلام کا اظہار نہیں کرتا تھا۔ اور ویسے کہتا تھا کہ اسلام سچا دین ہے اور سب دینوں سے بہتر ہے چنانچہ اس کا یہ شعر ہے ؎

وَلَقَدْ عَلِمْتُ بِاَنَّ دِيْنَ مُحَمَّدٍ مِنْ خَيْرِ اَدْيَانِ الْبَرِيَّةِ دِيْنًا

(میں نے جان لیا کہ محمدؐ کا دین تمام دینوں سے بہتر ہے یعنی توحید جو لا الٰہ اللہ کا مضمون ہے)

اس شعر میں ابو طالب کا کلمہ کی بابت اقرار ہے لیکن اس کا اظہار نہیں کیا جس کی وجہ اگلے شعر میں بیان کی ہے جو یہ ہے ؎

لَوْلَا الْمَلَامَةُ اَوْحِذَارُ مَسَبَّةٍ لَوَجَدْتَنِيْ سَمْحًا بِذَاكَ مُبِيْنًا

(اگر ملامت اور لوگوں کے طعن وتشنیع کا ڈر نہ ہوتا تو میں تیرے دین کا خوشی سے اظہار کرتا)

لوگوں کی ملامت اور طعن وتشنیع سے یہی مراد ہے کہ لوگ کہیں گے اتنا بڑا ہو کر اپنے بھتیجے کے پیچھے لگ گیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ابو طالب نے آپؐ کی اتنی امداد کی آپؐ نے اس کو کیا فائدہ پہنچایا؟ آپؐ نے فرمایا جس کا حاصل یہ ہے کہ میں اس کو نجات تو نہیں دلا سکا لیکن عذاب میں سب کافروں سے ہلکا ہوگا۔ اس کو آگ کا جوتا پہنایا جائے گا جس سے اس کا دماغ ہنڈیا کی طرح اُبلے گا۔ اگر میں نہ ہوتا تو جہنم کے نچلے طبقہ میں ہوتا۔

جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا چچا صرف قومی طعن کی وجہ سے اسلام کے اظہار نہ کرنے پر ہمیشہ کے لئے جہنمی ہوگیا تو دوسرا کس طرح اُمیدوارِ نجات ہوسکتا ہے؟

حدیث کے صحت وضعف میں اختلاف

سوال:۔ صحت وضعف حدیث میں جب محدثین کا اختلاف ہو تو ترجیح اصحاب صحاح ستہ محدثین کے قول کو دینا باصول محدثین متاخرین کے قول پر صحیح ہے یا نہیں؟ اور اس پر محدثین کا کلیہ

قاعدہ کیا ہے۔ کیونکہ ہر ایک مذہب والا اپنی مستند روایت کو صحیح ثابت کرنے کے لئے کسی نہ کسی محدّث کی تصحیح و توثیق کو ذکر کرتا ہے جس سے طبیعت میں اُلجھن پیدا ہوتی ہے ؟

جواب:۔ آپ کے سوالات کے جوابات مندرجہ ذیل ہیں:۔

۱۔ شرح نخبہ میں ہے:۔

الجرح مقدم على التعديل ان صدر مبينا من عارف باسبابه فان خلا المجروح قبل الجرح مجملا على المختار (شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

یعنی جرح تعدیل پر مقدم ہے۔ بشرطیکہ اس کی وجہ بیان کی جائے۔ اور جرح کرنے والا اس میں پورا ماہر ہو۔ اگر راوی مجروح کی کسی نے تعدیل نہ کی ہو تو پھر مختار مذہب یہ ہے کہ جرح مبہم بھی قبول کی جائے گی۔

اس عبارت میں آپ کے سوال کا جواب ہے کہ اختلاف کے موقعہ پر ہر ماہرِ فن کا قول اس بارہ میں معتبر ہے مگر مبہم نہیں۔ بلکہ اس کے ساتھ ضعف کی وجہ بھی بیان کرے ہاں اگر اختلاف نہ ہو تو پھر وجہ بیان کرے یا نہ کرے دونوں صورتوں میں ماہرِ فن کا قول معتبر ہوگا گویا اختلاف نہ ہونے کے وقت صرف ایک شرط ہے۔ کہ اس فن میں پوری مہارت رکھتا ہو۔ اور اختلاف کے وقت دو شرطیں ہیں۔ پوری مہارت اور وجہِ ضعف کا بیان۔ جب پوری مہارت شرط ہوئی تو جتنا کوئی زیادہ ماہر ہوگا اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابل قبول ہوگا۔ خواہ وہ اصحاب صحاح ستہ سے ہو۔ جیسے امام احمدؒ علی بن مدینی، یحییٰ بن سعید قطان اور ان کے مثل، یہ اصحاب ستہ نہیں، مگر اصحاب ستہ خود ان کے قول پر اعتماد رکھتے ہیں۔ جو لوگ اصحاب ستہ کو ان بزرگوں پر ترجیح دیتے ہیں۔ وہ جادۂ مستقیم پر نہیں۔ یہ وہ ہستیاں ہیں کہ اصحاب ستہ ان کے خوشہ چین ہیں ایک امام بخاریؒ ان کی صف میں کھڑے ہو سکتے ہیں۔ باقی سب ان سے نیچے ہیں۔"

ایک بات یہاں یہ بھی یاد رکھنے کے لائق ہے، کہ فنِ حدیث کی بنا چونکہ رائے قیاس پر نہیں بلکہ واقعات پر ہے۔ اس لئے اس فن کے ماہروں میں کوئی زیادہ اختلاف نہیں ہوتا یہی وجہ ہے کہ امام ذہبیؒ کہتے ہیں:۔

لم يجتمع اثنان من علماء هذا الشان على توثيق ضعيف ولا على تضعيف ثقة (شرح نخبہ بحث جرح تعدیل)

"یعنی دو محدث بھی کسی ضعیف راوی کی توثیق پر اور ثقہ راوی کی تضعیف پر جمع نہیں ہوئے۔"

جب دو محدث بھی ضعیف کے ثقہ اور ثقہ کے ضعیف کہنے پر متفق نہیں ہوتے تو اختلاف کا دائرہ بہت محدود ہو گیا ایسی حالت میں جس کو خدا نے تھوڑی بہت علمی قابلیت عنایت کی ہو اور اس کی نیّت میں اخلاص اور طبیعت میں انصاف ہو تو اس کے لئے یہ معمولی اختلاف کوئی رکاوٹ پیدا نہیں کر سکتا۔ اوّل تو وہ خود ہی فریقین کے کلام سے راجح مرجوح معلوم کرے گا۔ ورنہ اپنے سے اعلم کی طرف رجوع کرے گا۔ اصحابِ ستہ کو اس بارہ میں معیار مقرر کرنا اور ہر اختلاف کے موقعہ پر انہی کے قول کو ترجیح دینا یہ اسی تقلیدی جمود سے مشابہت ہے جو مقلدین ائمہ میں پایا جاتا ہے۔ مثلاً حنفیہ نے اپنے مذہب کی بناء زیادہ تر تین اصحاب (امام ابو حنیفہؒ اور صاحبین) پر رکھی ہے۔ اب جو صرف چھ کو مانے اور ان کے برابر یا ان سے بڑوں کی پرواہ نہ کرے وہ انہی سے مشابہت کنندہ ہوا یا نہ؟ یہی وجہ ہے۔ کہ اُصول حدیث میں اصحاب ستہ کو دیگر امامانِ حدیث پر کوئی ترجیح نہیں دی۔ بلکہ اصولِ حدیث میں ان کے خلاف موجود ہے۔ دیکھئے! اصحاب ستہ میں امام بخاریؒ سب سے اوّل نمبر ہیں۔ ان کا دوسرے اماموں کے ساتھ اصح الاسانید میں اختلاف ہے یعنی اس بارے میں اختلاف ہے کہ سب سے زیادہ صحیح اسناد کونسی ہے امام اسحٰق بن راہویہؒ کہتے ہیں سب سے زیادہ صحیح زُهْرِی عَنْ سَالِمٍ عَنْ اَبِیْہِ اور امام احمد بن حنبلؒ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ اور امام عمرو بن علی فلاسؒ کہتے ہیں۔ مُحَمَّدُ بْنُ سِیْرِیْنَ عَنْ عَبِیْدَۃَ عَنْ عَلِیٍّ ہے اور امام بخاریؒ کے استاذ امام علی بن مدینیؒ بھی اسی طرح کہتے ہیں۔ اور بعض دیگر محدثینؒ بھی یہی کہتے ہیں پھر بعض نے کہا ہے کہ یہ اصح الاسانید اس وقت بنے گی جب کہ محمد بن سیرینؒ سے ایوب سختیانیؒ روایت کریں۔ اور بعض نے کہا ہے ابن عونؒ روایت کریں۔ اور امام یحییٰ بن معینؒ کہتے ہیں۔ کہ اصح الاسانید اَعْمَشْ عَنْ اِبْرَاهِیْمَ عَنْ عَلْقَمَۃَ عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ ہے۔ اور امام ابو بکرؒ بن ابی شیبہؒ کہتے ہیں۔ کہ اصح الاسانید زُهْرِی عَنْ عَلِیِّ ابْنِ الْحُسَیْنِ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ عَلِیٍّ رض ہے اور امام بخاریؒ کہتے ہیں۔ اصح الاسانید مَالِکٌ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرؓ ہے۔ اور امام ابو منصور عبد القادر بن طاہر تمیمی اسی پر بناء رکھتے ہوئے کہتے ہیں۔ سب سے بڑھ کر اسناد شَافِعِی عَنْ مَالِکٍ عَنْ نَافِعٍ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض مقدمہ ابن الصلاح کے ص۸ میں اس اختلاف کو اضطراب کہا ہے۔ اور اضطراب وہ اختلاف ہے جس میں کسی جانب کو ترجیح نہیں ہوتی۔ اور حافظ ابن حجرؒ شرح نخبہ میں اس کی تصریح کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

والمعتمد عدم الاطلاق لترجمة معينة منها (شرح نخبہ بحث خبر صحیح)

یعنی قابلِ اعتماد بات یہ ہے کہ (بوجہ اختلاف ائمہ حدیث) ان اسانید سے کسی کو معین کر کے اصح الاسانید

نہیں کہہ سکتے۔

خیال فرمائیں کہ امام بخاریؒ کا اس بارے میں کوئی خاص لحاظ نہیں کیا گیا۔ اگر اصحاب ستہ کے قول کو ترجیح ہوتی تو اوّل نمبر اس میں امام بخاریؒ تھے جب ان کے قول کو ترجیح نہ ہوئی تو باقی کو بطریق اولیٰ نہ ہوئی پس اصحابِ ستہ کو اس بارے میں کوئی خصوصیت نہیں بلکہ جتنا کوئی اس فن میں زیادہ ماہر ہوگا اتنا ہی اس کا قول زیادہ قابلِ اعتماد ہوگا۔ ہاں اصحابِ ستہ کو ایک اور وجہ سے ترجیح ہو سکتی ہے۔ وہ یہ کہ ان کی چھ کتابیں دوسری کتب پر ترجیح رکھتی ہیں۔ یعنی ان چھ کتب کی احادیث بلحاظ صحت دیگر کتب پر مقدم ہیں۔ مثلاً جیسے بخاری کی احادیث مسلم کی احادیث پر اور مسلم کی ترمذی وغیرہ پر مقدم ہیں۔ اسی طرح ترمذی وغیرہ کی صحیح احادیث دیگر کتب پر مقدم ہیں۔ اگر تعارض کے وقت موافقت نہ ہو سکے تو ان کے مقابلہ میں دیگر کتب کی احادیث متروک العمل ہوں گی۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ کتب کثرت تداول اور علماءِ اُمّت میں عام قبولیّت کی وجہ سے غلطی سے مامون و مصئون ہیں۔ نہ کسی کو ان میں دست اندازی کی گنجائش ہے۔ قریب قریب ایسی ہیں جیسے قرآن مجید حد تواتر کو پہنچ گیا ہے۔ گویا ان کی احادیث کو محدثین کے ہاں خوب چھان بین ہو چکی ہے اس لئے ان کی صحیح احادیث دوسری کتب کی صحیح احادیث پر مقدم ہوں گی۔ ہاں بعض دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ دوسری کتب کی کوئی حدیث دیگر قرائن کی وجہ سے صحت میں بڑھ جاتی ہے۔ مثلاً کئی صحیح سندوں سے مروی ہو یا ایسی اسناد سے مروی ہو جس کو کسی بڑے محدث نے اصح الاسانید کہا ہے اور ان چھ کتابوں کی حدیث میں یہ بات نہ ہو یا کسی اور وجہ سے ترجیح ہو تو ایسی حالت میں دوسری کتب کی حدیث مقدم ہو گی۔ چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں صحیح حدیث کے درجات بیان کرتے ہوئے تصریح کی ہے۔ کہ ایسے موقعہ پر مسلم کی احادیث بخاری کی احادیث پر اور بخاری مسلم کی احادیث پر دیگر کتب کی احادیث مقدم ہوں گی۔ ٹھیک اسی طرح ترمذی ابو داؤد وغیرہ کو سمجھ لینا چاہیئے۔ غرض دیگر وجوہ سے ترجیح ہو جائے تو دوسری کتب کی احادیث مقدم ہو سکتی ہیں۔ ورنہ اصل یہی ہے۔ کہ ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہو۔ لیکن ان چھ کتب کی صحیح احادیث کو ترجیح ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اب ان اصحابِ ستہ کی دوسری کتب کو یا ان کی ہر ایک بات کو ترجیح ہو۔ کیونکہ چھ کتب کی ترجیح کی وجہ کثرت تداول اور علماءِ اُمّت میں عام قبولیّت اور غلطی سے مامون و مصئون ہونا ہے۔ لیکن ان کی دوسری کتب میں یہ بات نہیں نہ ان کی ذات کو بلحاظ تبحر علمی کے دوسرے تمام ائمہ حدیث پر ترجیح ہے بلکہ کئی اور ان سے بڑھ کر ہیں۔ یا ان کے برابر ہیں۔ چنانچہ اُوپر بیان ہو چکا ہے۔

ایک بات یہاں پر یہ بھی یاد رکھنی چاہیئے۔ کہ فن حدیث چونکہ واقعات پر مبنی ہے اور محض نقل کی قسم سے ہے اس لئے زیادہ ماہر اس میں وہی ہو سکتا ہے۔ جو قرب کے زمانہ میں ہو اور رائے قیاس کو اس میں دخل نہ دے۔ اگر ان دونوں شرطوں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کی مہارت بھی کالعدم ہو گی یا کم ہو گی۔ مثلاً ایک راوی کے حالات جیسے اس کے ہمعصر علماء کو یا اس کے قرب والوں کو معلوم ہو سکتے ہیں۔ ہمیں معلوم نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کے مقابلہ میں ہماری مہارت کا کچھ اعتبار نہیں ہو گا۔ اسی طرح ایک شخص واقعات اور حالات فراہم کرنے کے لئے اپنی زندگی کا یا ساری وقف کر دیتا ہے اور ایک شخص گھر بیٹھا ایک واقعہ کو دوسرے واقعہ پر اور ایک حالت کو دوسری حالت پر قیاس کر کے نتائج اخذ کرتا ہے یہ دونوں برابر نہیں ہو سکتے۔ پہلے کے مقابلہ میں دوسرے کی بات کا کوئی اعتبار نہیں ہو گا۔ مثلاً محدثین کا اصول ہے کہ مرسل حدیث حجت نہیں خاص کر متصل کے مقابلہ میں، کیونکہ مرسل حدیث یہ ہے کہ تابعی کہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یوں فرمایا۔ اور درمیان صحابی کا نام نہ لے اور واقعات سے ثابت ہو چکا ہے کہ بہت دفعہ تابعی صحابی سے روایت نہیں کرتا بلکہ دوسرے تابعی سے کرتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے شرح نخبہ میں مرسل کی بحث میں لکھا ہے۔ کہ تفتیش حالات سے معلوم ہوا ہے کہ ایک تابعی دوسرے سے وہ تیسرے سے وہ چوتھے سے اس طرح سات تک روایت پائی گئی ہے! اور تابعی سارے کے سارے ثقہ نہیں بلکہ ان میں بہت ضعیف بھی ہیں۔ اس لئے مرسل حجت نہیں۔ ہاں اگر تابعی کے حالات سے معلوم ہو جائے کہ وہ ثقہ ہی سے روایت کرتا ہے۔ جیسے سعید بن مسیبؒ تو ایسے تابعی کی روایت کو امام شافعیؒ وغیرہ معتبر کہتے ہیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو معتبر نہیں۔ جیسے زہری وغیرہ کی روایت۔ غرض یہ اصول تو جیسا کچھ ہے واقعات اور حالات پر مبنی ہیں۔ اس کے مقابلہ میں حنفیہ کا اصول ہے، کہ تابعی تو کجا تبع تابعی اگر قال رسول اللہ وغیرہ کہہ دے (جس کو محدثین کی اصطلاح میں مقطوع کہتے ہیں) تو وہ بھی حجت ہے۔ حجت ہی نہیں بلکہ متصل (جس میں تابعی صحابی سے روایت کرے اور صحابی قال رسول اللہ وغیرہ کہے) پر بھی مقدم ہے۔ دلیل اس کی یہ ہے کہ تابعی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام لے گا تو ساری ذمہ داری تابعی پر عائد ہو گی۔ اس لئے جب تک اس کو پوری تسلی نہیں ہو گی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام نہیں لے سکتا۔ ورنہ خطرہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر مفتری ٹھہرے برعکس اس کے جب صحابی کا نام لے گا۔ کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس طرح روایت کیا ہے۔ تو اس صورت میں تابعی نے صحابی پر ساری ذمہ داری ڈال دی۔ اور جب ذمہ داری دوسرے پر ہوتی ہے۔ تو انسان کو اتنا فکر نہیں ہوتا۔ بلکہ بے پرواہی سے نقل کر دیتا ہے۔ اس لئے مرسل تو کجا مقطوع بھی صرف حجت

ہی نہیں بلکہ منفصل پر مقدم ہے۔ ملاحظہ ہو نور الانوار بیان اقسام السنہ ص۱۸۵

حنفیہ نے جو کچھ دلیل دی ہے بظاہر تو بڑی آراستہ پیراستہ ہے مگر جب واقعات اس کے خلاف پائے گئے اور بہت تابعین کو دیکھا گیا کہ وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی طرف نسبت کرتے ہیں۔ اور درمیان واسطے کمزور ہوتے ہیں جیسے زُہری تابعیؒ وغیرہ کے حالات سے معلوم ہُوا تو پھر حنفیہ کی قیاسی دلیل یہاں کیا کر سکتی ہے۔ اور حنفیہ کا یہ ایک اصُول نہیں بلکہ اکثر اسی طرح رائے قیاس کے تابع ہوتے ہیں۔ جیسے یہ اصُول کہ غیر فقیہ صحابی (مثلاً ان کے نزدیک ابوہریرہؓ اور انسؓ) کی حدیث اگر قیاس کے خلاف ہو تو قیاس کو ترجیح ہو گی۔ اور ایک حدیث کو دو حدیث پر کثرت راویوں سے ترجیح نہیں ہو گی۔ اسی طرح کتاب اللہ کے عام حکم کی یا حدیث مشہور کی تخصیص خبر واحد نہیں ہو سکتی۔ خواہ بخاری مسلم کی ہو وغیرہ وغیرہ۔ غرض اس طرح رائے قیاس سے اصُول وضع کر کے احادیث کو رد کرتے ہیں۔ اور امام کے مذہب کی پاسداری کرتے ہیں۔ اور ان کا نام اصولِ اجتہاد رکھتے ہیں۔ ایسے اصُولوں کو مہارت حدیث سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ یہ فن حدیث سے کمزوری کی علامت ہے۔ خاص کر جب کہ ایسے اصُول وضع کرنے والوں کا زمانہ بھی سلفؒ سے بہت دور ہو۔ تو ایسی حالت میں ان کے اصولوں سے حدیث کی جان پہچان کس طرح ہو سکتی ہے۔ بلکہ صحت وضعف، حجیت، عدم حجیت کا معیار محدثین کے اصُول ہیں۔ جو واقعات پر مبنی ہیں خاص کر وہ محدثین جن کا زمانہ قرب کا ہے۔ جیسے اصحاب ستہ اور امام احمدؒ، امام مالکؒ، امام شافعیؒ۔ امام اسحاق بن راہویہؒ امام علی بن مدینیؒ۔ امام یحییٰ بن سعیدؒ۔ وغیرہ ان کے اصول اصل اصول ہیں۔ اور انہی کے اصولوں سے احادیث کے صحت وضعف حجیت عدم حجیت کی پڑتال ہو گی۔ اور ان کا احادیث کے صحت وضعف پر حکم لگانا سب پر مقدم ہو گا۔ بلکہ مقدمہ ابن الصلاح میں تو لکھا ہے کہ صحت وضعف کا حکم انہی ائمہ حدیث کا معتبر ہے۔ اس وقت کا اعتبار نہیں۔ مقدمہ ابن الصلاح کی اصل عبارت یہ ہے:۔

اذا وجدنا فیما نروی من اجزاء الحدیث وغیرها حدیثا صحیح الاسناد ولم نجده فی احد الصحیحین ولا منصوصا علی صحته فی شیء من مصنفات ائمة الحدیث المعتمدة المشهورة فانا لا نتجاسر علی جزم الحکم بصحته فقد تعذر فی هذه الاعصار الاستقلال بادراک الصحیح بمجرد اعتبار الاسانید لانه ما من اسناد من ذالک الا وتجد فی رجاله من اعتمد فی روایته علی ما فی کتابه عریا عما یشترط فی الصحیح من الحفظ والضبط والاتقان فال الامر اذاً فی

معرفة الصحيح والحسن الى الاعتماد على مانص عليه ائمة الحديث فى تصانيفهم المعتمدة المشهورة التى يومن فيها لشهرتها من التغيير والتحريف وصار معظم المقصود بما يتداول من الاسانيد خارجاً عن ذالك المهم سلسلة الاسناد التى خصت بها هذه الامة زادها الله شرفا آمين۔

(مقدمہ ابن الصلاح ص۷)

یعنی جن کتب حدیث کے اجزاء کی ہم روایت کرتے ہیں ان میں اگر کسی حدیث کی اسناد ہم صحیح پائیں اور صحیحین سے کسی میں وہ حدیث نہ ہو اور نہ کتب متداولہ معتبرہ مشہورہ میں اس کی صحت کی تصریح ہو تو ہم صرف اسناد صحیح پاکر حدیث کی صحت کا حکم لگانے پر دلیری نہیں کر سکتے۔ کیونکہ ان اسانید سے ہر ایک اسناد میں ایسے راوی ہیں۔ جن کی روایت پر اس کتاب کے موافق اعتماد کر لیا گیا ہے۔ جو شرائط صحت حفظ ضبط اتقان سے خالی ہے۔ پس اب دارومدار صحت اور حسن کا ائمہ حدیث کی تصریحات پر ہوا۔ جو ان کی تصانیف معتبرہ مشہورہ میں پائی جاتی ہیں۔ جو بوجہ شہرت تغییر و تحریف سے محفوظ ہیں۔ اور اسانید متداولہ کا اہم مقصد صحت و ضعف سے بے تعلق ہو کر صرف یہ ٹھہرا کر سلسلہ اسناد جس کے ساتھ اس امّت کو خاص کیا گیا ہے قائم رکھا جائے خدائے تعالیٰ اس امّت کو شرف میں اور زیادہ کرے۔ ابن الصلاحؒ ۶۴۳ھ میں فوت ہوئے ہیں۔ جب اس وقت یہ حالت تھی تو اب اس سے بھی معاملہ نازک ہے پس مشہور ائمۂ حدیث کی طرف ہمیں زیادہ احتیاجی ہوئی۔ خلاصہ یہ کہ جتنا قرب کا زمانہ ہوگا اور جتنا کوئی فن حدیث میں پیش پیش ہوگا اتنا ہی صحت و ضعف اور جرح و تعدیل کے متعلق اس کا قول اوّل نمبر ہوگا۔ نہ رائے قیاس والوں کا اس میں دخل ہے نہ اصحاب ستہ کی اس میں تخصیص ہے رائے قیاس والوں کو دخل کرنا افراط ہے اور اصحاب ستہ کی تخصیص تفریط ہے افراط تفریط سے بچنا چاہیئے۔ اور متوسط راستہ اختیار کرنا چاہیئے۔ اگر اصحاب ستہ کا کسی حدیث کے صحت و ضعف میں اختلاف ہو جائے تو وہاں فیصلہ کی یہی صورت ہے کہ "جرح تعدیل پر مقدم" کے اصول پر فیصلہ یہی تو راستہ ہے جو افراط و تفریط سے خالی ہے پس اس کی پابندی چاہیئے۔ واللہ الموفق۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ صفر ۱۳۷۹ھ

سجدۂ تعظیمی

سوال: سجدۂ تعظیمی غیر اللہ کو یعنی انبیاء، اولیاء کو کرنا شرک اکبر ہے یا حرام کبیرہ گناہ؟ اور آدم علیہ السلام

کو جو ملائکہ سے سجدہ کرایا گیا وہ سجدۂ تعظیمی تھا یا تعبدی ؟ اور خدا نے ملائکہ سے سجدہ کیوں کرایا جب کہ اس نے شرک کو کسی شریعت میں جائز نہیں کیا ؟

دوسرے حضرت یوسف علیہ السلام اور ان کے بھائیوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا تھا۔ قال اللہ تعالیٰ:۔ ورفع ابویہ علی العرش وخروا لہ سُجّدًا۔ (سورہ یوسف) اس سے ظاہر ہے کہ شریعت یوسفی تک سجدۂ تعظیمی جائز تھا اگر شرک ہوتا تو کسی شریعت میں جائز نہ ہوتا کیونکہ شرک تمام شرائع انبیاء میں حرام تھا۔ جو لوگ سجدۂ تعظیمی کو شرک اکبر کہتے ہیں۔ وہ اسلام میں غلو کرتے ہیں یا نہیں ؟

جواب:۔ بے شک شرک کفر کسی شریعت میں جائز نہیں مگر اس کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں مثلاً آدم علیہ السلام کے وقت بہن بھائی میں نکاح جائز تھا۔ اب کوئی شخص جائز کہے تو وہ کافر ہے اور بحکم آیہ کریمہ اَفَرَاَیْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰھَهٗ ھَوَاهُ مشرک ہے۔ ٹھیک اسی طرح سجدۂ تعظیمی کہو یا تعبدی کہو جب خدا کے حکم سے ہو تو وہ غیر کی عبادت نہیں جب خدا کے حکم کے خلاف ہو تو وہ غیر کی عبادت ہے کیونکہ قرآن مجید میں ہے اِنِ الْحُکْمُ اِلَّا لِلّٰهِ۔ نیز قرآن شریف میں ہے اَمْ لَھُمْ شُرَکٰٓؤُا شَرَعُوْا لَھُمْ مِّنَ الدِّیْنِ مَا لَمْ یَاْذَنْ بِهِ اللّٰهُ۔ یعنی حکم صرف خدا ہی کے لئے ہے کیا ان کے لئے شریک ہیں جنہوں نے ان کے لئے دین مقرر کیا ہے جس کی خدا نے اجازت نہیں دی۔

قرآن مجید میں ہے:۔

لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ۝

یعنی "سورج چاند کو سجدہ نہ کرو بلکہ اس ذات کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا اگر تم اس کی عبادت کرتے ہو۔"

اس آیت میں مطلق سجدہ سے نہی فرمائی ہے اور ساتھ ہی یہ فرمایا ہے کہ اس ذات کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ حکم سورج چاند پہ بند نہیں بلکہ سجدہ خالق کا حق ہے مخلوق کا نہیں خواہ سورج چاند ہو یا کوئی اور مخلوق ہو۔ اور اِنْ کُنْتُمْ اِیَّاهُ تَعْبُدُوْنَ سے مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی سجدہ غیر کو ہو گیا تو پھر خاص خدا کے عابد نہیں رہو گے بلکہ مشرک ہو جاؤ گے۔ اس

کی مثال ایسی ہے جیسے قرآن مجید میں ہے :-

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ "یعنی کہہ دے اگر تم مجھ سے محبت رکھتے ہو تو میری اتباع کرو۔"

اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر میرے مقابلہ میں کسی اور کی اتباع کرو گے خواہ کسی طرح سے ہو تو پھر خدائی محبت کا دعوی جھوٹا ہے۔ ٹھیک اسی طرح آیت بالا کا مطلب سمجھ لینا چاہیئے کہ جب غیر کو سجدہ ہوا (خواہ اس کا نام سجدہ تعظیمی رکھو یا کچھ اور) تم خاص خدا کے عابد نہیں رہ سکتے بلکہ مشرک ہو جاؤ گے۔ گویا ہماری شریعت میں سجدہ مطلقاً حرام کر دیا گیا ہے خواہ اس کا نام کوئی کچھ رکھے۔ اور اس کی تائید احادیث سے بھی ہوتی ہے۔

فتاویٰ ابن تیمیہ میں ہے :-

اما تقبیل الارض ووضع الراس ونحو ذلك مما فیه السجود مما یفعل قدام بعض الشیوخ وبعض الملوك فلا یجوز بل لا یجوز الانحناء كالركوع كما كانوا النبی صلی الله علیه وسلم الرجل منا یلقی اخاه اینحنی له قال قال لا۔ ولما رجع معاذ من الشام سجد للنبی صلی الله علیه وسلم فقال ما هذا یا معاذ قال یا رسول الله رأیتهم فی الشام یسجدون لاساقفتهم ویذكرون ذلك عن انبیاءهم فقال كذبوا علیهم لو كنت اٰمرا احداً ان یسجد لاحد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها من اجل حقه علیها یا معاذا نه لا ینبغی السجود الا لله۔ واما فعل ذلك تدینا وتقربًا فهذا من اعظم المنكرات ومن اعتقد مثل هذا اقربة ودینا فهو منال مفتر بل یبین له ان هذا لیس بدین ولا قربة فان امر علی ذلك استیب والا قتل۔

(فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد اوّل ص۱۱۶)

"یعنی زمین کو بوسہ دینا اور سر زمین پر رکھنا اور مثل اس کے جس میں سجدہ ہے جو بعض مشائخ اور بعض بادشاہوں کے سامنے کیا جاتا ہے یہ جائز نہیں بلکہ جھکنا مثل رکوع کے بھی جائز نہیں، چنانچہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا کہ ہم سے کوئی اپنے بھائی سے ملتا ہے تو کیا اس کے لئے جھکے؟ تو فرمایا نہ۔ اور جب معاذ رضؓ سفر شام سے واپس آئے تو رسول اللہ

صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا۔ فرمایا۔ اے معاذ! یہ کیا؟ کہا، میں نے اہل کتاب کو دیکھا کہ وہ اپنے علماء کو سجدہ کرتے ہیں۔ فرمایا یہ جھوٹ ہے۔ اگر میں کسی کو کسی کے لئے سجدہ کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ خاوند کو سجدہ کرے بوجہ حق اس کے کہ اس پر۔ اے معاذ! سوا خدا کے کسی کے لئے سجدہ لائق نہیں اور دین اور ثواب سمجھ کر سجدہ کرنا بڑے کبائر[1] سے ہے جو اس کا اعتقاد رکھے وہ گمراہ مفتری ہے۔ اس کے لئے بیان کیا جائے کہ یہ دین اور ثواب نہیں اگر اصرار کرے تو اس سے توبہ طلب کی جائے۔ اگر توبہ نہ کرے تو قتل کیا جائے۔"

قریب قریب اسی قسم کی روایتیں مشکوٰۃ باب عشرۃ النساء وغیرہ میں موجود ہیں۔ کہ سجدہ غیر کو جائز نہیں اگر جائز ہوتا تو عورت کو خاوند کے لئے سجدہ کا حکم ہوتا۔ اور مشکوٰۃ کے اسی باب میں آپ کی قبر کو سجدہ کی ممانعت مذکور ہے اور جب آپ کو یا آپ کی قبر کو سجدہ کی اجازت نہیں تو غیر کے لئے کس طرح اجازت ہوگی۔ بلکہ مشکوٰۃ باب القیام میں قیام تعظیمی سے بھی آپ نے منع فرمایا ہے تو سجدہ کس طرح جائز ہوگا؟

خلاصہ یہ کہ نماز کی مشابہت کسی غیر کے لئے جائز نہیں نہ قیام نہ رکوع نہ سجدہ۔ یہی وجہ ہے کہ نماز کی قبروں میں ممانعت ہے تاکہ عبادِ قبور سے مشابہت نہ ہو اور جب مشابہت منع ہے تو حقیقتہً قیام یا رکوع یا سجدہ غیر کے لئے کیونکر جائز ہوگا۔

مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود

سوال: مسئلہ وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی صوفیاء کے نزدیک کیا تعریف ہے؟ اور محققین علماء اس کے کیا معنیٰ مراد لیتے ہیں؟ اور یہ توحید وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کی زمانہ سلف میں تھی یا نہیں؟

جواب: مولینا جامیؒ نے اپنی کتاب "نفحات الانس من حضرات القدس فارسیؒ کے صفحہ ۱۷ تا صفحہ ۲۰ میں بحوالہ ترجمۃ العوارف باب اوّل توحید کے چار مراتب لکھے ہیں۔ اصل عبارت نقل کر کے اس کا ترجمہ کرنے سے تو بات بہت طویل ہو جائے گی۔ اس لئے کسی قدر توضیح کے ساتھ اردو خلاصہ پر اکتفاء کی جاتی ہے جس کو

[1] یعنی اگر قتل وغیرہ کے ڈر سے کیا جائے تو وہ اس گناہ میں شامل نہیں بلکہ بعض کے نزدیک جائز ہے۔ ۱۲

زیادہ تفصیل کا شوق ہو وہ اصل کتاب ملاحظہ کرے۔

اوّلؔ توحید ایمانی، دوّمؔ توحید علمی، سوّمؔ توحید حالی، چہارمؔ توحید الٰہی

توحیدِ ایمانی عوام کی توحید ہے یعنی کتاب و سنت کے مطابق خدا کو وحدہ لاشریک سمجھنا اور اس کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا۔ دل میں اس کا اعتقاد رکھنا اور زبان سے اقرار کرنا۔ اور یہ توحید مخبر صادق ؐ کی خبر کے تصدیق کرنے کا نتیجہ ہے اور ظاہری علم سے حاصل ہے۔ اور صوفیاء کرام اس توحید میں عام مومنوں کے ساتھ شریک ہیں اور باقی قسموں میں ممتاز ہیں۔

توحیدِ علمی باطنی علم سے حاصل ہوتی ہے جس کو علم الیقین کہتے ہیں۔ اور وہ اس طرح ہوتی ہے کہ انسان کا یقین اس حد تک پہنچ جائے کہ موجود حقیقی اور مؤثر مطلق بجز خدا کسی کو نہ جانے۔ تمام ذوات صفات اور افعال کو خدا کی ذات، صفات اور افعال کے سامنے ہیچ سمجھے۔ ہر ذات کو اس کی ذات کا اثر خیال کرے اور ہر صفت کو اس کی صفت کا پرتو جانے۔ مثلاً جہاں علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سُننا دیکھنا پائے ان سب کو خدا تعالیٰ کے علم۔ قدرت۔ ارادہ۔ سُننے دیکھنے کے آثار سے سمجھے۔ اسی طرح باقی صفات و افعال کو خیال کرے گویا ظاہری اسباب کا پردہ درمیان نہ دیکھے۔ اور سب کچھ مؤثر حقیقی کی طرف سے سمجھے یہاں تک کہ ظاہری اسباب سے متاثر نہ ہو۔ مگر چونکہ اس مرتبہ میں حجاب باقی رہتا ہے اس لئے اکثر اوقات نظر ظاہری اسباب کی طرف چلی جاتی ہے جو شرک خفی کی قسم ہے۔

توحیدِ حالی یہ ہے کہ قریب قریب تمام حجابات درمیان سے اُٹھ جاتے ہیں۔ اور موحد مشاہدہ جمال وجود واحد کا کرتا ہے جیسے ستاروں کا نُور آفتاب کے نُور میں غائب ہو جاتا ہے اسی قریب قریب تمام وجودات موحد کی نظر سے غائب ہو جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ توحید کی صفت کو بھی اسی وجود واحد کی صفت دیکھتا ہے اور اپنے مشاہدہ کو بھی اسی وجود واحد کی صفت دیکھتا ہے غرض اس کی نظر میں وحدت ہوتی ہے۔ دوئی کا وہاں دخل نہیں رہتا۔ اس طریق سے موحد کی ہستی بحر توحید کا ایک قطرہ ہو کر اس میں مضمحل ہو جاتی ہے اور ایسی گھُل مل جاتی ہے کہ وہاں انتشار نہیں رہتا۔ اسی بناء پر جنید بغدادیؒ (سرتاج صوفیاء) نے کہا ہے:۔

التوحید معنی یضمحل فیہ الرسوم ویندرج فیہ العلوم یکون اللّٰہ کما لم یزل

یعنی توحید ایک معنیٰ ہے جس میں رسمی وجود حقیقی وجود میں گھل مل جاتے ہیں اور علوم اس میں

مندرج ہوجاتے ہیں. گویا خدا ویسے کا ویسا ہے. کوئی چیز پیدا ہی نہیں کی"

یہ توحید مشاہدہ سے پیدا ہوتی ہے اور توحید علمی مراقبہ سے. مراقبہ ظاہر کی طرف سے توجہ ہٹا کر جمالِ محبوب کی انتظار ہے اور مشاہدہ محبوب کا دیدار ہے. توحیدِ علمی میں اکثر لوازم بشریہ باقی رہتے ہیں اور توحیدِ عالی میں تھوڑے باقی رہتے ہیں. جس کی وجہ یہ ہے کہ انسان دنیا میں ترتیب افعال اور تہذیب اقوال کے ساتھ مکلف ہے اور مکلف اسی صورت میں رہ سکتا ہے کہ اس کے ساتھ کچھ لوازم بشریہ رہیں جن کا اس کو مقابلہ کرنا پڑے اسی بناء پر ابوعلی دقاق رحہ نے کہا ہے :-

التوحید غریم لا یقضی دینه وغریب لا یؤدی حقه.

" یعنی توحید ایسا قرض خواہ ہے کہ اس کا قرض پورا نہیں ہو سکتا! اور ایسا مسافر ہے کہ اس (کی مہمانی) کا حق ادا نہیں ہو سکتا"

دُنیا کی کبھی کبھی خالص حقیقتِ توحید جس میں یکبارگی آثار اور رسمی وجود گم ہو جاتے ہیں بجلی کی چمک کی طرح نمودار ہوتی ہے اور فی الفور بجھ جاتی ہے اور رسمی وجودات کا اثر دوبارہ لوٹ آتا ہے اور اس حالت میں شرکِ خفی کا نام نشان نہیں رہتا. انسان کے لئے توحید میں اس سے بڑھ کر اور کوئی مرتبہ ممکن نہیں.

توحیدِ الٰہی یہ ہے کہ خدا تعالیٰ خود اپنی ذات میں بغیر اس کے کہ دوسرا اس کی طرف وحدت کی نسبت کرے ازل میں ہمیشہ وحدت سے موصوف رہا چنانچہ حدیث میں ہے کان الله ولم یکن معه شئ یعنی "خدا تعالیٰ تھا اور اس کے ساتھ کوئی دوسری شئے نہ تھی" اور اب بھی اسی طرح ہے اور ابدالاباد اسی طرح رہے گا. چنانچہ قرآن مجید میں ہے کل شئ ھالك الا وجھه. یعنی "ہر شئے ہلاکت والی ہے مگر خدا کی ذات" اس آیت میں یہ نہیں کہا کہ ہر شئے ہلاک ہو جائے گی. بلکہ "ہالک" کہا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس وقت بھی ہلاکت والی ہے یعنی نیست اور فانی ہے اس کی مثال اس طرح ہے جیسے رسّی جلا دی جائے تو اس کے بٹ بدستور نظر آتے ہیں اور معلوم ہوتا ہے کہ رسّی قائم ہے حالانکہ حقیقت میں رسّی فنا ہو چکی ہوتی ہے اور اس حالت کے مشاہدہ کے لئے قیامت کا حوالہ دنیا یہ محجوبوں کے لئے ہے ورنہ اربابِ بصیرت اور اصحابِ مشاہدہ جو زمان ومکان کے تنگ کوچہ سے گذر کر خلاصی پا گئے یہ وعدہ ان کے حق میں قیامت تک اُدھار نہیں بلکہ نقد ہے یعنی محجوبوں کے لیئے جو مشاہدہ قیامت کو ہوگا. اربابِ بصیرت کے لئے اس وقت ہو رہا ہے۔

یہ توحیدِ الٰہی نقص و عیب سے بری ہے۔ بر خلاف توحیدِ مخلوق کے وہ بوجہ نقص وجود کے ناقص ہے۔

یہ چار قسمیں توحید کی صوفیاء کے ہاں مشہور ہیں۔ اخیر کی دو وہی ہیں جن کے متعلق آپ نے سوال کیا ہے یعنی توحید حالی "وحدۃ الشہود" ہے اور توحید الٰہی "وحدۃ الوجود" ہے۔ یہ اصطلاحات زیادہ تر متاخرین صوفیا (ابن عربی وغیرہ) کی کتب میں پائی جاتی ہیں۔ متقدمین کی کتب میں نہیں۔ ہاں مراد ان کی صحیح ہے۔ توحید ایمانی اور توحید علمی تو ظاہر ہے توحید حالی کا ذکر اس حدیث میں ہے:۔ ان تعبد اللہ کانک تراہ فان لم تکن تراہ فانہ یراک۔ یعنی "خدا کی اس طرح عبادت کر گویا کہ تو اُس کو دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تُو نہ دیکھے تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے" یہ حالت چونکہ اکثر طور پر ریاضت اور مجاہدہ سے تعلق رکھتی ہے۔ اس لیے یہ عقل سے سمجھنے کی شئے نہیں ہاں اس کی مثال عاشق و معشوق سے دی جاتی ہے۔ عاشق جس پر معشوق کا تخیّل اتنا غالب ہوتا ہے کہ تمام اشیاء اس کی نظر میں کالعدم ہوتی ہیں۔ اگر دوسری شئے کا نقشہ اس کے سامنے آتا ہے تو محبوب کا خیال اس کے دیکھنے سے حجاب ہوجاتا ہے گویا ہر جگہ اس کو محبوب ہی محبوب نظر آتا ہے خاص کر خُدا کی ذات سے کسی کو عشق ہوجائے تو چونکہ تمام اشیاء اس کے آثار اور صفات کا مظہر ہیں اس لیے خدائی عاشق پر اس حالت کا زیادہ اثر ہوتا ہے یہاں تک کہ ہر شئے سے اس کو خدا نظر آتا ہے وہ شئے نظر نہیں آتی ہے جیسے شیشہ دیکھنے کے وقت چہرے پر نظر پڑتی ہے نہ کہ شیشہ پر۔

شیخ مخدوم علی ہجویریؒ معروف بہ "داتا گنج بخش" جن کا لاہور میں مزار مشہور ہے۔ انہوں نے اپنی کتاب "کشف المحجوب" باب مشاہدہ میں صوفیاء کے اقوال اس قسم کے بہت لکھے ہیں جن کا خلاصہ یہی ہے جو بیان ہوا ہے کہ غلبۂ محبت اور کمال یقین کی وجہ سے ایسی حالت ہوجاتی ہے کہ غیر خدا پر نظر ہی نہیں پڑتی۔ اسی طرح دوسرے بزرگوں نے اپنی تصانیف میں لکھا ہے۔ مگر یہ بات یاد رکھنی چاہیئے کہ خواص کی دو حالتیں ہیں جلوت اور خلوت۔ جلوت لوگوں سے اختلاط اور میل جول کی حالت ہے اور خلوت علیحدگی اور تنہائی کی حالت ہے جس میں ظاہراً باطناً خدا کی طرف توجہ ہوتی ہے۔ جلوت میں تبلیغ کا کام ہوتا ہے اور خلوت میں نفس کی اصلاح اور دل کی صفائی ہوتی ہے۔ قرآن مجید میں سورۃ مزمل کے شروع میں ان دونوں حالتوں کا بیان ہے چنانچہ ارشاد ہے:۔

اِنَّ نَاشِئَةَ الَّيْلِ هِيَ اَشَدُّ وَطْـًٔا وَّاَقْوَمُ قِيْلًا اِنَّ لَكَ فِي النَّهَارِ سَبْحًا طَوِيْلًا

یعنی "رات کا قیام نفس کے لتاڑنے کے لیے سخت ہے اور زبان کو بہت درست رکھنے والا ہے۔ بے شک تجھے دن میں طویل شغل ہے۔"

ان دونوں آیتوں میں ان دونوں حالتوں کا ذکر ہے جن کی یہ دونوں حالتیں قائم ہیں ان کی توریس ہی نہیں اوّل نمبر ان میں انبیاء علیہم السلام کا ہے پھر درجہ بدرجہ ان کے جانشینوں کا ہے۔ جو لوگ ساری عمر خلوت میں گذارتے ہیں اگرچہ ان کی حالت مشاہدہ زیادہ ہوتی ہے مگر چونکہ یہ چیز صرف ان کی ذات سے تعلق رکھتی ہے اس میں متعدی فائدہ نہیں اس لئے وہ علماء ربانیین کا مقابلہ نہیں کر سکتے اسی لئے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، عالم کی فضیلت عابد پر ایسی ہے جیسے چودھویں رات کے چاند کی ستاروں پر" اور دوسری حدیث میں ہے "جیسی میری تمہارے ادنیٰ پر" (مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲)

پس انسان کو چاہیئے کہ توحید حالی حاصل کرتے ہوئے افضل مرتبہ ہاتھ سے نہ دے۔ جو محض گوشہ نشینی کو بڑا کمال سمجھے ہوئے ہیں اور اپنی عمر اسی میں گذار دیتے ہیں وہ علمائے ربانی کی نسبت بڑے خسارہ میں ہیں۔ اگرچہ ذاتی طور پر ان کی طبیعت کو اطمینان وسکون زیادہ ہو۔ اور ذوقِ عبادت اور حلاوتِ ذکر میں خواہ کتنے بڑھے ہوئے ہوں مگر علمائے ربانی کا متعدی فائدہ اس سے بڑھ جاتا ہے۔ کیونکہ شیطان کا اصل مقابلہ کرنے والی یہی (علمائے ربّانی) کی جماعت ہے۔ عابد ریاضت اور مجاہدہ سے صرف اپنی خواہشات کو دباتا ہے اور یہ جماعت ہزاروں کی اصلاح کرتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔

"ہزار عابد سے شیطان اتنا نہیں ڈرتا جتنا ایک عالم سے (ڈرتا ہے") مشکوٰۃ کتاب العلم فصل ۲)

خدا ہمیں بھی ربانی علماء سے کرے اور انہی کے زمرہ میں اُٹھائے آمین

اب رہی "توحید الٰہی" سو اس کے متعلق بہت دنیا بہکی ہوئی ہے۔ بعض تو اس کا مطلب "ہمہ اوست" سمجھتے ہیں یعنی ہر شئے عین خدا ہے۔ جیسے برف اور پانی بظاہر دو معلوم ہوتے ہیں مگر حقیقت ایک ہے اسی طرح خدا اور دیگر موجودات ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ تمام موجودات وحدتِ حقیقی کا عکس ہیں۔ جیسے ایک شخص کے ارد گرد کئی شیشے رکھ دیئے جائیں تو سب میں اس کا عکس پڑتا ہے ایسے ہی خدا اصل ہے اور باقی اشیاء اس کا عکس ہیں۔ اور بعض کہتے ہیں کہ کُلی، جزئی کی مثال ہے جیسے انسان اور زید عمر بکر ہیں حقیقت سب کی خدا ہے اور یہ تعیُّنات حوادث ہیں۔ غرض دُنیا عجیب گھور کھدھندے میں پڑی ہوئی ہے کوئی کچھ کہتا ہے کوئی کچھ۔

صحیح راستہ اس میں یہ ہے کہ اگر اس کا مطلب یہ سمجھا جائے کہ سوا خدا کے کوئی شئے حقیقۃً موجود نہیں اور یہ جو کچھ نظر آرہا ہے یہ محض توہمات ہیں جیسے "سوفسطائیہ" فرقہ کہتا ہے کہ آگ کی گرمی اور پانی کی برودت وہمی اور خیالی چیز ہے تو یہ سراسر گمراہی ہے۔ اور اگر اس کا یہ مطلب ہے کہ یہ موجودات انسانی ایجادات کی طرح نہیں

کہ انسان کے فنا ہونے کے بعد بھی باقی رہتی ہیں بلکہ یہ ان کا وجود خدا کے سہارے پر ہے اگر اُدھر سے قطع تعلق فرض کیا جائے تو ان کا کوئی وجود نہیں۔ تو یہ مطلب صحیح ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسے بجلی کا کرنٹ (برقی رو) قمقموں کے لئے ہے۔ گویا حقیقت میں اس وقت بھی ہر شئے فانی ہے مگر ایک علمی رنگ میں اس کو سمجھنا ہے اور ایک حقیقت کا سامنے آنا ہے۔ علمی رنگ میں تو سمجھنے والے بہت ہیں مگر حقیقت کا اس طرح سامنے آنا جیسے آنکھوں سے کوئی شئے دیکھی جاتی ہے یہ خاص ارباب بصیرت کا حصّہ ہے گویا قیامت والی فنا اس وقت ان کے سامنے ہے۔ پس آیہ کریمہ کل شئ ھالک الا وجھہ۔ ان کے حق میں نقد ہے نہ اُدھار۔

نوٹ:۔ ابن عربیؒ۔ رومیؒ اور جامیؒ وغیرہ کے کلمات اس توحید میں مشتبہ ہیں۔ اس لئے بعض لوگ ان کے حق میں اچھا اعتقاد رکھتے ہیں بعض بُرا۔ ابن تیمیہؒ وغیرہ ابن عربیؒ سے بہت بدظن ہیں۔ اسی طرح رومیؒ اور جامیؒ کو کئی علماء بُرا کہتے ہیں مگر میرا خیال ہے کہ جب ان کا کلام محتمل ہے جیسے جامیؒ کا کلام اُوپر نقل ہو چکا ہے اور وہ درحقیقت ابن عربیؒ کا ہے۔ کیونکہ ابن عربی کی کتاب "عوارف المعارف" سے ماخوذ ہے تو پھر ان کے حق میں سُوء ظنی ٹھیک نہیں۔ اسی طرح رومیؒ کو خیال کر لینا چاہیئے، غرض حتی الوسع فتویٰ میں احتیاط چاہیئے۔ جب تک پوری تسلی نہ ہو فتویٰ نہ لگانا چاہیئے خاص کر جب وہ گذر چکے۔ اور ان کا معاملہ خدا کے سپرد ہو چکا تو اب کُرید کی کیا ضرورت؟ بلکہ صرف اس آیت پر کفایت کرنی چاہیئے۔

تلک امۃ قد خلت لھا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا تعملون

نوٹ:۔ ابن عربیؒ وغیرہ کا کچھ ذکر "تنظیم" جلد ۹ نمبر ۲۲ مورخہ ۲۹ مارچ ۱۹۴۰ء مطابق ۲۰ صفر المظفر ۱۳۵۹ھ میں بھی ہو چکا ہے اور رسالہ "تعریف اہلسنت" کے صفحہ ۲۶۵ و ۲۶۶ میں بھی ہم اس کے متعلق کافی لکھ چکے ہیں زیادہ تفصیل مطلوب ہو تو وہاں ملاحظہ ہو۔

انبیاء اولیاء سے بعد وفات فیوضاتِ روحانی

سوال:۔ انبیاء اولیاء سے بعد وفات فیوضاتِ روحانی حاصل ہوتے ہیں یا نہیں؟ بہت مرتبہ خوابات کے ذریعہ اہل اللہ نے فیوضِ روحانی پہنچائے ہیں۔ اور کیا اس کا انکار ایک تواتر کا انکار ہے؟ اور کیا اس کا امکان شرعاً ہو سکتا ہے؟ اموات کے لئے سماع وادراک احادیث سے ثابت ہے یا نہیں؟

جواب:۔ فیض روحانی جس کے اہلِ بدعت قائل ہیں کہ ان سے استمداد وغیرہ کی جائے یہ غلط ہے ہاں خوابات

میں ملاقات سے انکار نہیں۔ خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات ہوتی ہے۔ مسائل بھی دریافت کر لئے جاتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے بزرگ بھی ملتے ہیں مگر یہ شئے اختیاری نہیں۔ جب خدا چاہتا ہے ایسا ہو جاتا ہے۔ جیسے عام طور پر خوابوں کی حالت ہے۔ ——— اور بعض دفعہ شیطانی دھوکے بھی ہوتے ہیں اس لئے یہ کوئی پوری اعتماد والی شئے نہیں۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں اگرچہ شیطان نہیں بن سکتا مگر پورا حلیہ کس کو محفوظ ہوتا ہے کہ وہ تمیز کر سکے اور اگر شاذونادر کسی کو محفوظ ہو اور اس کو پوری تسلی ہو جائے کہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہیں تو پھر اعتماد ہو سکتا ہے مگر خدا جن کو یہ درجہ دیتا ہے وہ عموماً اپنی حالت کو چھپاتے ہیں۔ اس لئے عام دعویٰ کرنے والوں کے دھوکہ میں نہ آنا چاہیئے

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۶ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۲۵ مارچ ۴۰ء

شیاطین کا جکڑے جانا اور ستاروں کا ٹوٹنا

سوال:۔ قرآن شریف میں آتا ہے کہ تارے شیطانوں کے لئے راجم ہیں۔ چھوڑے مارے جاتے ہیں اور حدیث میں آتا ہے کہ رمضان میں سب شیطان قید کئے جاتے ہیں۔ مگر تارے اسی طرح بدستور ٹوٹتے رہتے ہیں۔ ان کے ٹوٹنے کی وجہ بیان کی جائے؟

اللہ دین چک ۱۷/۱-A-L ڈاک خانہ خاص ضلع منٹگمری

جواب:۔ حدیث میں ہے سرکش شیطان جکڑے جاتے ہیں۔ سارے نہیں ملاحظہ ہو مشکوٰۃ کتاب الصوم پس اب کوئی اعتراض نہیں۔

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۷ محرم الحرام ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۰ اپریل ۱۹۳۶ء

استخارہ اور الہام

سوال:۔ الہام اور استخارہ میں کیا فرق ہے اور یہ دونوں دلیل ظنی ہیں یا یقینی اور ان کی بناء پر کسی شخص کے متعلق نیک یا بد کا حکم لگانا کس طرح ہے؟ سائل فتح دین

جواب:۔ جو استخارہ سے معلوم ہوتا ہے وہ بیداری میں ہو تو الہام ہی ہے اور غیر نبی کا الہام دلیل ظنی ہے اور اس میں شیطان کا دخل بھی ممکن ہے اس لئے شریعت کے خلاف ہو تو معتبر نہیں اور کسی پر نیک بد کا

حکم بھی اسی درجہ کا ہوگا جس درجہ کا الہام ہے اگر کسی کامل بزرگ کا ہے تو وہ زیادہ قابل اعتماد ہے ورنہ معمولی ہے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم ۷ محرم الحرام ۱۳۵۷ھ مطابق ۹ مارچ ۱۹۳۸ء

مُباہلہ

سوال:۔ کیا مباہلہ میں اس کے نتیجہ کے لئے مدّت مقرر کرنی جائز ہے اور کیا نتیجہ وہ معتدبہ ہے جو مدّت مقررہ کے دوران میں واقع ہو؟

جواب:۔ روایات مباہلہ جو آیت مباہلہ کے تحت مفسرین نے ذکر کی ہیں۔ان سے زیادہ سے زیادہ ایک سال مدت مفہوم ہوتی ہے اور جب مدت مقرر ہو جائے تو معتدبہ نتیجہ بھی وہی ہے جو اس مدت کے اندر ہو اور اگر مدت گزر کر کوئی نتیجہ نکلے تو اس میں یہ احتمال پیدا ہوتا ہے کہ یہ اتفاقیہ ہے کیونکہ اتفاقات سے بھی دُنیا خالی نہیں ہے اگر خدا کو اس سے صداقت کا اظہار مقصود ہوتا تو وہ مدت مقررہ میں اس کو ظاہر کر سکتا تھا۔

سوال:۔ کیا فریق کاذب کے تمام مباہلین کی ہلاکت ضروری ہے یا بعض کی؟ اور اگر فریق صادق سے چند آدمی جو فریق مخالف کے ہلاک شدگان سے کم ہوں ہلاک ہو جائیں تو کیا یہ ضروری بات تو نہیں؟

ابو سعید عبدالرحیم مدرسہ شمسیہ عربیہ ویروال

جواب:۔ دراصل قطعی طور پر فیصلہ کن مباہلہ نبی کا ہوتا ہے اس کے بعد درجہ بدرجہ جیسے کوئی صاحب کمال ہو اس کا مباہلہ صدق کذب کا معیار بن سکتا ہے۔عوام کے مباہلہ کا چنداں اعتبار نہیں۔کیونکہ مباہلہ دربار الٰہی میں ذمہ داری کی حاضری ہے۔اور جس کی اپنی عملی حالت پست ہو وہ خدا کے ہاں ذمہ داری کا اہل نہیں کہ خدا اس کی رعایت کرتا ہو؟ دین جیسی اہم شے کو اس سے وابستہ کر دے۔

عبداللہ امرتسری ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ

کچّا حمل

سوال:۔ جو روح داخل ہونے سے پہلے ساقط ہو جاتے ہیں۔ان کا روح پیدا کیا گیا ہے یا نہیں اور وہ روزِ حساب زندہ ہو کر جنّت یا دوزخ میں جائیں گے یا نہیں؟ اگر ان کا روح پیدا کیا گیا تو جسم طفل جو بعض دفعہ قریب قریب پورا ہو چکا ہوتا ہے اس کے لغو پیدا کرنے سے کیا فائدہ

اور کیا وہ اکارت جائے گا؟ خاکسار محمد خریدار تنظیم ۱۸۴۷

جواب:۔ اس کا جواب قرآن مجید نے دیدیا ہے۔

وَبَلَوْنَاهُمْ بِالْحَسَنَاتِ وَالسَّيِّئَاتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔

ترجمہ:۔ ہم ان کو نعمتوں اور مصیبتوں سے آزماتے ہیں تاکہ وہ خدا کی طرف رجوع کریں۔

سمعلونا کا دم

سوال:۔ سمعلونا کس زبان کا لفظ ہے اور اس کے کیا معنیٰ ہیں۔ درد دانت والے کو اس سے بہت فائدہ ہوتا ہے۔ کیا یہ جائز ہے۔ اس کو پڑھ کر دم نہیں کیا جاتا بلکہ یا سمعلونا لکھ کر اس پر کیل گاڑے جاتے ہیں؟ محمد سائل

جواب:۔ یہ لفظ اسماعیل کے لفظ سے مشابہ ہے جو عبرانی ہے نون زیادہ معلوم ہوتا ہے۔ اسماعیل کے معنیٰ مطیع اللہ کے ہیں۔ اس کے معنیٰ بھی اسی قسم کے ہیں۔ کسی بزرگ کا نام معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کا دم جائز نہیں۔ عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم ۱۷ ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ مطابق ۸ فروری ۱۹۲۹ء

خدا کا مخلوق کی قسم کھانا

سوال:۔ خداوند عالم قرآن شریف میں جگہ جگہ اپنی ذات یا دن رات وغیرہ کی قسم کھاتا ہے مگر اپنی مخلوق کو اپنے اور اپنی صفات کے سوا اوروں کی قسم کھانے سے منع کا ارشاد فرماتا ہے۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

محمد عبداللہ چک ۱۵۱/۴ گ ب تحصیل سمندری ضلع لائل پور

جواب:۔ ہم غیراللہ کی قسم کھائیں تو غیراللہ کی تعظیم کا شبہ ہوتا ہے۔ جو عبادت کی قسم سے ہے اس لئے ہمارے لئے منع ہے اور خدا کے قسم کھانے سے اس تعظیم کا شبہ نہیں ہوتا کیونکہ خدا ہر شئے کا خالق ہے اور ہر شئے اس کی محتاج ہے اور محتاج غیر محتاج کی تعظیم کیا کرتا ہے نہ کہ غیر محتاج محتاج کی پس خدا پر یہ شبہ نہیں آسکتا مثلاً ایک آدمی دوسرے آدمی کے پیر چوم لے تو اس پر تعظیم کا شبہ ہو سکتا ہے۔ اگر ماں بچہ کے پیر چوم لے تو یہ تعظیم نہیں سمجھی جا سکتی ٹھیک اسی طرح خدا اور مخلوق کو سمجھ لینا چاہیئے۔ تفصیل کیلئے اقسام القرآن حافظ ابن قیمؒ ملاحظہ ہو۔

نیکی کا معیار

سوال:۔ عمرو زید سے سوال کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اطمینان دلانے کیلئے دُنیائے فانی میں نیکی کا کچھ معیار مقرر کیا ہے یا نہیں اگر کیا ہے تو کس مقدار پر؟ سائل مذکور

جواب:۔ اگر ضروری احکام شرعیہ کی ادائیگی تسلی بخش ہو تو یہ چیز قابلِ اطمینان ہے اور کوئی چیز نہیں۔
عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۱۷ اگست ۱۹۶۲ء

کرامات و عملیات میں فرق

سوال:۔ ایک پیر نے کہا کبھی میرے آباؤ اجداد نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے چلے آئے ہیں یہ کیا ہے؟ نیز کرامات وعملیات میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ اس قسم کا دیکھنا بیداری میں توکہیں رہا خواب میں بھی خدا کی طرف سے نہیں ہوتا خیر قرون میں اور بعد میں بہتیرے بزرگ گزرے ہیں۔ مگر کبھی کسی کو مقررہ طور پر ہمیشہ اس طرح خواب نہیں آیا۔ یہاں تک کہ موروثی ہوگیا ہو بلکہ بغیر موروثی ہونے کے بھی اس طرح نہیں آیا۔ ہاں لوگوں کے حیلے اور عملیات ایسے ہوسکتے ہیں تفسیر ابن کثیر جلد ۴ صہ ۲۴۹ میں ایک لمبی حدیث ذکر ہوئی ہے۔ ہشام بن عاصؓ اموی کہتے ہیں کہ میں اور ایک شخص اور ابو بکرؓ کی طرف سے ان کی خلافت کے دنوں میں ہرقل بادشاہ روم کے پاس قاصد ہو کر گئے تو اس دربار میں زبان سے کلمہ "لا الہ الا اللہ و اللہ اکبر" نکلا۔ یہ کلمہ نکلتے ہی وہ محل اس طرح ہلنے لگا۔ جیسے آندھی سے درخت ہلتا ہے دو دو مرتبہ اسی طرح ہوا۔ ہرقل نے کہا اپنے گھروں میں جب تم یہ کلمہ پڑھتے ہو ہمیشہ اس طرح ہوتا ہے کہا۔ نہیں۔ کہنے لگا۔ اگر تمہارے میں ہمیشہ ایسا ہوتا تو میں اپنا نصف ملک خوشی میں لٹا دیتا ہے۔ ہم نے کہا کیوں؟ کہا اگر ایسا ہوتا تو یہ نبوّت کا اثر نہ ہوتا بلکہ لوگوں کے حیلوں اور عملیات کی قسم سے ہوتا (جس کا مجھے خطرہ نہ تھا) ——— دیکھئے اہل کتاب بھی اس بات سے واقف تھے کہ جو باتیں خدا کی طرف سے بندے کی بزرگی اور کرامت کے اظہار کے لئے ظاہر ہوتی ہیں۔ وہ اتفاقی ہوتی ہیں۔ چنانچہ صحابہؓ وغیرہم کے حالات سے ظاہر ہے۔ موروثی طور پر خواب کا چلے آنا یہ عملیات کی قسم سے ہے پھر اعتبار نہیں۔ کہ کہنے والا پیر سچ کہتا ہے یا جھوٹ۔ اگر سچ کہتا ہے تو اس کا کیا پتہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ وسلم کی شکل ہے یا کسی اور کی۔ عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۲۲ جولائی ۱۹۳۲ء

عرش کو کتنے فرشتوں نے اٹھایا ہوا ہے؟

سوال:۔ سورہ حاقہ میں آیا ہے وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَةٌ۔ مستدرک حاکم میں صحیح سند سے آیا ہے کہ اب اللہ تعالیٰ کا عرش چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اور قیامت کے دن چار بڑھا کر آٹھ فرشتے اٹھائیں گے اور ابن جریر میں ابو زید سے مرفوعاً روایت ہے یحمله الیوم ویوم القیمة ثمانیة (حاشیہ جامع ص۱۸۵) اور ابو داؤد مع عون المعبود ص۳۶۹ میں ہے ثم فوق ذالک ثمانیه اوعال بین اظلافهم ورکبهم مثل مابین سماء الی سماء ثم علی ظهورهم العرش

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش اب آٹھ فرشتوں کی پشت پر ہے اور پہلی دو آیتوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اب چار فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ دونوں کی تطبیق کیا ہے؟

عبداللہ از کھپیانوالی ڈاک خانہ مکستر ضلع فیروز پور

جواب:۔ ابو داؤد کی حدیث میں یہ تصریح نہیں کہ آٹھ فرشتوں کی پیٹھ پر عرش ہے مگر جب دوسری صحیح روایتوں میں چار کی تصریح ہے تو ضمیر سے مراد بعض ہوں گے پس اب کوئی مخالفت نہیں۔

عبداللہ امرتسری مورخہ ۱۲ شعبان ۱۳۵۶ھ مطابق ۲۷ اکتوبر ۱۹۳۷ء

لوح محفوظ

سوال:۔ لوح محفوظ کون سے آسمان پر ہے اور کس چیز کی بنی ہوئی ہے۔ عرش عظیم کے اوپر ہے یا نیچے ہے؟

ایک خریدار تنظیم

جواب:۔ بخاری باب قول اللہ تعالیٰ بَلْ هُوَ قُرْآنٌ مَّجِيدٌ فِي لَوْحٍ مَّحْفُوظٍ میں ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَمَّا قَضَى اللّٰهُ الْخَلْقَ كَتَبَ كِتَابًا عِنْدَهُ غَلَبَتْ أَوْ قَالَ سَبَقَتْ رَحْمَتِي غَضَبِي وَهُوَ عِنْدَهُ فَوْقَ الْعَرْشِ۔

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق پیدا کرنے کا فیصلہ کیا تو ایک کتاب لکھی کہ میری رحمت میرے غضب پر غالب آگئی وہ کتاب اللہ تعالیٰ کے پاس عرش کے اُوپر ہے۔

فتح الباری میں اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے۔

وَالْعَرْشُ مِنْهُ اِلَى اِشَارَةٌ اِلَى اَنَّ اللَّوْحَ الْمَحْفُوْظَ فَوْقَ الْعَرْشِ (فتح الباری جز ۲ ص ۷۹۵)

یعنی اس حدیث سے امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی غرض یہ ہے کہ یہ کتاب لوح محفوظ ہے اور عرش کے اُوپر ہے

تفسیر ابن کثیر میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ لوح محفوظ سفید موتی ہے جس کا طول آسمان وزمین کے فاصلے کے برابر ہے اور عرض مشرق اور مغرب کے فاصلے برابر ہے اس کے کنارے موتی اور یاقوت کے ہیں۔ اس کے پٹھے (گتے) کے ساتھ بند ہے اور اس کا اصل فرشتہ کے آگے ہے۔ مقاتل سے روایت ہے کہ عرش کے دائیں طرف ہے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت ہے کہ لوح محفوظ سفید موتی کی ہے اس کے صفحات سُرخ یاقوت کے ہیں۔ اس کا قلم اور اس کا نوشتہ نور ہے ہر دن اللہ تعالیٰ اس میں چھتیس مرتبہ نظر کرتا ہے۔ کسی کو پیدا کرتا ہے۔ کسی کو رزق دیتا ہے۔ کسی کو مارتا ہے کسی کو زندہ کرتا ہے۔ کسی کو غربت دیتا ہے۔ کسی کو ذلت۔ جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ ابن کثیر جلد ۱ ص ۲۰۱ یَمْحُوا اللّٰهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ ابن کثیر جلد ۵ ص ۲۷۱

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ مطابق ۲ اگست ۱۹۳۴ء

معصوم بچوں کو تکلیف کی وجہ

سوال:۔ چھوٹے بچوں کو بیماری ام الصبیان وغیرہ کیوں آتی ہے؟

خریدار تنظیم نمبر خریداری ۱۸۲۲

جواب:۔ دُنیا میں بیماریوں اور تکلیفوں کا سلسلہ غیر معصوموں کے ساتھ خاص نہیں۔ چھوٹے بچے کیا حیوانات میں بھی جاری ہے۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ کبھی ان کی تکلیف دوسرے کی تکلیف کا باعث ہوتی ہے جیسے بچے یا مویشی کی تکلیف ماں باپ یا مالکوں کی تکلیف ہے اور کبھی ایک کی تکلیف دوسرے کی عبرت کا باعث بنتی ہے۔ اور بعض دفعہ اور فوائد بھی مدنظر ہوتے ہیں۔ جیسے انبیاء علیہ السلام اور نیک بندوں پر امتحانات آتے ہیں۔ تاکہ خدا کے محبوب ہونے کی وجہ سے کوئی یہ خیال نہ کرے کہ ان کو خدائی اختیارات مل

گئے۔ نیز ان کی حالت دیکھ کر یہ سبق ملتا ہے کہ دُنیا آرام کا گھر نہیں۔ اگر ایسا ہوتا تو خدا کے پیارے یا معصوم اس کے زیادہ اہل تھے۔ بعض دفعہ کوئی دوسرے اعمال سے ایک درجہ کو نہیں پہنچ سکتا۔ خدا مصیبت کے ذریعہ اس کو بڑے درجہ تک پہنچا دیتا ہے۔ چنانچہ احادیث میں صراحۃً آیا ہے۔ اسی طرح معصوموں کو بھی مصیبت کے عوض کچھ نہ کچھ ملے گا۔ بکریاں آپس میں بھڑ جائیں تو حدیث میں ان کے متعلق انصاف کا ذکر آیا ہے کہ جس نے زیادتی کی ہے۔ اس سے دوسری کو بدلہ دیا جائے گا۔ اگر ماں باپ کی شامت اعمال بچّہ کی تکلیف کا باعث بنی ہے تو ماں باپ کی نیکیوں میں ضرور کمی ہوگی اور بچّہ کا درجہ اس سے بلند ہوگا یا خُدا اپنے پاس سے بچّہ کو راضی کر دے گا۔

بہرصُورت دنیا تکلیف کا گھر ہے اس میں دانہ دُنکہ کی طرح جو آیا چکی میں پس گیا اگر اور تکالیف سے بچ گیا تو موت کے گھاٹ ضرور اُترے گا۔ جو اس دار تکلیف کی آخری گھاٹی ہے بلکہ انسان کا دُنیا میں داخل ہونا ہی بڑی مصیبت کے ساتھ ہے ماں کو دردِ زہ کی اتنی تکلیف نہیں ہوتی جتنی بچّہ کو ہوتی ہے کیونکہ بچّہ کا وجود ماں سے زیادہ نازک ہوتا ہے۔ غرض دُنیا میں امتیاز نہیں اس لئے ایک دوسرا دن مقرر ہے۔ جس کا نام قیامت ہے اس دن امتیاز بھی ہوگا اور انصاف بھی۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۱۲ شعبان ۱۳۵۵ھ مطابق ۳۰ اکتوبر ۱۹۳۶ء

ہبوطِ آدم

سوال: کیا آدم علیہ السلام بوجہ خطا کرنے کے آسمان سے اتارے گئے تھے یا زمین پر کسی باغ میں تھے؟

ابو سعید عبدالرحیم متعلم شمسیہ عربیہ ویروال ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء

جواب: مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ میدانِ محشر میں اوّلین و آخرین جب آدم علیہ السلام کے پاس آکر شفاعت کی درخواست کریں گے اور کہیں گے کہ ہمارے لئے جنّت کا دروازہ کھلوائیے۔ تو آدم علیہ السّلام عذر کریں گے۔ کہ میرے ہی گناہ نے تو تمہیں جنّت سے نکالا ہے تو اب میں دخولِ جنّت کے لئے کس طرح سفارش کر سکتا ہوں۔ یہ حدیث اس بات کی واضح دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنّت میں تھے جس میں اہل ایمان جانے والے ہیں۔

قرآن مجید میں ہے ولکم فی الارض مستقر یعنی جنّت سے اُترنے کا حکم دیکر فرمایا کہ تمہارا زمین

میں ٹھکانا ہے یہ آیت بھی اس بات کی دلیل ہے کہ آدم علیہ السلام اسی جنّت میں تھے اگر پہلے ہی سے زمین پر ہوتے تو یوں کہتے ولکم فی موضع آخر مستقر یعنی تمہارا ٹھکانا اب دوسری جگہ ہے۔ اہل سنّت کا بھی یہی مذہب ہے کہ آدم علیہما السّلام اسی جنّت میں تھے معتزلہ ایک گمراہ فرقہ گزرا ہے۔ اس کا خیال ہے کہ آدم علیہ السلام جس جنّت میں تھے وہ زمین پر کوئی باغ تھا۔ اور اب نیچریوں مرزائیوں کا بھی یہی خیال ہے۔

عبداللہ امرتسری ۴ ذی الحجہ ۱۳۵۴ھ مطابق ۲۸ فروری ۱۹۳۶ء

حضرت آدمؑ کا حضرت داؤدؑ کو زندگی کا کچھ حصّہ دیکر انکار کرنا یہ جھوٹ ہے یا نہیں؟

سوال:۔ حدیث ابوہریرہؓ میں آیا ہے کہ عالم ازل میں جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السّلام کو پیدا کیا تو اس کی اولاد بھی اس سے پیدا کی۔ اور ان کو نور دیا۔ آدم علیہ السلام نے جب حضرت داؤدؑ کا نور دیکھا۔ تو اپنی عمر ہزار برس سے چالیس برس اسکو دے دیئے۔ اور فرمایا رَبِّ زِدْہُ مِنْ عُمْرِی اَرْبَعِیْنَ سَنَۃً۔ مگر بعد میں آدم نے عمر دینے سے انکار کر دیا۔ فجحد آدم فجحدت ذریتہ الحدیث رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب القدر ص۲۲) اب دریافت طلب امر یہ ہے کہ آدمؑ نے باوجود نبی ہوکر اپنی عمر چالیس برس دینے سے دیدہ دانستہ کیسے انکار کر دیا۔ حالانکہ فرشتہ نے بھی یاد دلایا۔ انبیاء علیہ السّلام تو کذب بیانی سے منزہ اور معصوم عن الخطا ہیں۔ اور اس حدیث سے آدم علیہ السّلام کی کذب بیانی تو صریح ظاہر ہے۔ اس کا معقول جواب دیں۔

جواب:۔ دینے سے انکار جھوٹ نہیں۔ ہاں اگر یوں کہتے کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں۔ تب جھوٹ ہوتا۔ جحد سے مراد یہاں دینے سے انکار ہے۔ کہ میں نہیں دیتا اس سے یہ مسئلہ نکلا کہ اولاد کو کوئی شے دے کر واپس لے سکتا ہے۔

اور اگر جحد سے مراد یہ ہو کہ میں نے دینے کو کہا ہی نہیں۔ تو اس کا یہ مطلب ہوگا کہ میری یادداشت میں اور یہ کوئی ضروری نہیں کہ دوسرے کے یاد دلانے سے بات یاد آجائے۔ رہی یہ بات کہ پھر عملدرآمد کیا ہوا۔ تو اس صورت میں اس کا حدیث مذکور میں کوئی ذکر نہیں ممکن ہے کہ فرشتہ کے یاد دلانے سے دینا منظور کر لیا ہو اور ممکن ہے نہ کیا ہو۔

عبداللہ روپڑی ۲۰ ربیع الاوّل ۱۳۶۰ھ

تبلیغ کی حد

سوال:۔ تبلیغ کس حد تک ہونی چاہیئے؟

جواب:۔ تبلیغ کی حد استطاعت ہے جتنی طاقت ہو کرے جن قوموں کو دعوت پہنچی ہے ان کو تبلیغ ضروری نہیں۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کئی قوموں پر شبخون کرتے اور اس وقت تبلیغ نہ کرتے۔

عبداللہ امرتسری یکم رمضان ۱۳۵۹ھ

رفیق اللہ تعالیٰ کا نام ہے

سوال:۔ کیا رفیق اللہ تعالیٰ کا نام ہے۔ کیا عبدالرفیق نام رکھنا درست ہے؟

محمد عبداللہ امام مسجد اہل حدیث چک نمبر ۱ نہر فتح ڈاک خانہ چک نمبر ۱۴۰ ٹوبہ جمال جیوا ریاست بہاول پور

جواب:۔ مشکوٰۃ شریف میں ہے۔ عَنْ عَائِشَہ رض اِسْتَاْذَنَ رَھْطٌ مِنَ الْیَھُوْدِ عَلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا اَلسَّامُ عَلَیْکُمْ فَقُلْتُ عَلَیْکُمُ السَّامُ وَاللَّعْنَۃُ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنَّ اللّٰہَ رَفِیْقٌ یُحِبُّ الرِّفْقَ فِی الْاَمْرِ کُلِّہٖ قُلْتُ اَوَلَمْ تَسْمَعْ مَا قَالُوْا قَالَ قَدْ قُلْتُ وَعَلَیْکُمْ وَفِیْ رِوَایَۃٍ عَلَیْکُمْ وَلَمْ یَذْکُرِ الْوَاوَ متفق علیہ

(مشکوٰۃ باب السلام فصل اوّل ص ۳۹۸)

عائشہ رض فرماتی ہیں۔ ایک جماعت یہود نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنیکی اجازت مانگی۔ آپ کے پاس آکر السلام علیکم بجائے السام علیکم کہا جس کے معنی ہیں تم پر موت ہو حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ میں نے کہا تم پر موت ہو اور لعنت ہو آپ نے فرمایا اے عائشہ رض بے شک اللہ رفیق ہے ہر امر میں نرمی کو دوست رکھتا ہے میں نے کہا کہ آپ نے سنا نہیں۔ انہوں نے کیا کہا؟ فرمایا جواب میں وعلیکم یا علیکم کہہ دیا ہے جس کے معنی ہیں تم پر بھی موت ہو یا ہم پر نہیں تم پر ہو۔ بخاری مسلم نے اس کو روایت کیا ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ رفیق اللہ پر بولا جاتا ہے۔ اس بنا پر اگر کوئی عبدالرفیق نام رکھے تو منع نہیں

ہاں بہتر ہے کہ نہ رکھے کیونکہ رفیق کا لفظ ایک جنس کے دو ساتھیوں پر بہت بولا جاتا ہے جس سے عبودیت غیر کا زیادہ خیال آتا ہے افضل یہ ہے کہ مشہور ناموں پر کفایت کرے۔

عبداللہ روپڑی ۱۸ رشعبان ۱۳۵۹ھ ۲۱ ستمبر ۱۹۴۰ء

غیبت کی حقیقت

سوال: غیبت کرنی تو بڑا گناہ ہے۔ مگر ہم یہ نہ سمجھے کہ غیبت کسے کہا جاتا ہے مثلاً ایک بھائی اپنے حقیقی بھائی یا رشتہ دار کی دینی یا دنیاوی غلطی اپنے کسی دوست سے بیان کرتا ہے کہ اس نے یہ کیا وہ کیا یہ کہا وہ کہا۔ ایسا ہے ویسا ہے کیا یہ غیبت میں شمار ہے یا نہیں واقعہ بھی صحیح ہو۔ اگر غیبت ہے تو کوئی صورت جو جائز ہو بیان فرمائیں یا منع فرمائیں۔ تاکہ اس سے پرہیز کیا جائے۔

حکیم محمد حسین چک ۲۷/۱۱ اے۔ ایل ضلع منٹگمری

جواب: مشکوٰۃ میں ہے۔ (اول) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَدْرُوْنَ مَا الْغِيْبَةُ قَالُوْا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ قَالَ ذِكْرُكَ اَخَاكَ بِمَا يَكْرَهُ قِيْلَ اَفَرَاَيْتَ اِنْ كَانَ فِيْ اَخِيْ مَا اَقُوْلُ قَالَ اِنْ كَانَ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدِ اغْتَبْتَهٗ وَاِنْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ مَا تَقُوْلُ فَقَدْ بَهَتَّهٗ رواہ مسلم وفی روایۃ اذا قلت لاخیك ما فیہ فقد اغتبتہ واذا قلت ما لیس فیہ فقد بھتہ (مشکوٰۃ باب حفظ اللسان والغیبتہ الخ)

"ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے دریافت کیا کہ کیا جانتے ہو غیبت کسے کہتے ہیں؟ صحابہ رضا نے عرض کیا، اللہ و رسول زیادہ جانتے ہیں۔ فرمایا غیبت یہ ہے کہ اپنے بھائی کے متعلق تو وہ بات ذکر کرے جس کو وہ بُرا سمجھے۔ کسی نے کہا۔ اگر وہ بات اس میں موجود ہو فرمایا یہی تو غیبت ہے اگر وہ بات جو تُو کہتا ہے تیرے بھائی میں نہ ہو تو یہ بہتان ہے"

(دوم) عَنْ عَائِشَةَ رضؓ قَالَتْ قُلْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسْبُكَ مِنْ صَفِيَّةَ كَذَا وَكَذَا تَعْنِيْ قَصِيْرَةً فَقَالَ لَقَدْ قُلْتِ كَلِمَةً لَوْ مُزِجَ بِهَا الْبَحْرُ لَمَزَجَتْهُ

رواہ احمد والترمذی وابو داؤد (مشکوٰۃ باب حفظ اللسان والغیبۃ الخ)
حضرت عائشہ رضؓ کہتی ہیں، میں نے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو کہا (آپ کی بیوی) صفیہؓ (اگرچہ شکل کی اچھی ہے مگر اس) میں اتنا ہی عیب کافی ہے کہ قد کی چھوٹی ہے۔ فرمایا (اے عائشہؓ) تُو نے ایسا کلمہ کہہ دیا کہ سمندر میں ملا دیا جائے تو اس پر غالب آ جائے۔"

(سوم) عن ابی سمۃ عن فاطمۃ بنت قیس ان ابا عمرو بن حفص طلقها البتۃ وهو غائب فارسل الیها وکیلہ الشعیر فسخطتہ فقال واللّٰہ مالك علینا من شیٔ فجاءت رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم فذکرت ذلك فقال لیس لك نفقۃ فامرها ان تعتد فی بیت ام شریك ثم قال تلك امرأۃ یغشاها اصحابی اعتدی عند ابن ام مکتوم فانہ رجل اعمی تضعین ثیابك فاذا حللت فاذنینی قالت فلما حللت ذکرت لہ ان معاویۃ بن ابی سفیان وابا جهم خطبانی فقال اما ابو الجهم فلا یضع عصاہ عن عاتقہ واما معاویۃ فصعلوك لا مال لہ انکحی اسامۃ بن زید فکرهتہ ثم قال انکحی اسامۃ فنکحتہ فجعل اللّٰہ فیہ خیرًا واغتبطت وفی روایۃ عنها فاما ابو جهم فرجل ضراب للنساء رواہ مسلم وفی روایۃ ان زوجها طلقها ثلاثًا فاتت النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم فقال لا نفقۃ لك الا ان تکونی حاملًا (مشکوٰۃ باب العدۃ فصل اوّل)

ابو سلمہؓ فاطمہ بنت قیسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ اس کے خاوند عمرو بن حفصؓ نے اس کو بتہ (فیصلہ کُن) طلاق دیدی، اور وہ غیر حاضر تھا۔ اس کے وکیل نے نفقہ کے لئے جَو بھیجے۔ فاطمہ ناراض ہوگئی، وکیل نے کہا خدا کی قسم! تیرا ہمارے ذمہ کوئی حق نہیں، وہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی آپؐ نے فرمایا، تیرے لئے نفقہ کا کوئی حق نہیں، پھر آپؐ نے فاطمہؓ کو ام شریک کے گھر عدّت بیٹھنے کا حکم دیا۔ پھر فرمایا کہ ام شریک کے گھر میرے صحابہؓ کی آمد و رفت ہے تو ابن ام مکتومؓ کے گھر عدّت بیٹھ۔ یہ نابینا ہے تو کپڑے اُتار سکے گی جب تیری عدّت پوری ہو جائے تو مجھے اطلاع دے۔ فاطمہ کہتی ہے جب میری عدّت پوری ہوگئی تو میں نے آپؐ کے پاس ذکر کیا کہ معاویہ بن ابی سفیان اور ابو جہمؓ نے نکاح کی خواہش کی ہے۔ فرمایا ابو جہمؓ تو اپنی لاٹھی کندھے

سے نہیں رکھتا اور معاویہؓ غریب ہے اس کے پاس مال نہیں تو اسامہ بن زیدؓ سے نکاح کرے میں نے اس کو مکروہ جانا۔ آپؐ نے پھر فرمایا، اسامہ سے نکاح کرے۔ میں نے اسامہؓ سے نکاح کر لیا۔ خدا نے اس میں برکت کر دی اور میں رشک کے قابل ہوگئی۔ اور ایک روایت میں ہے۔ ابو جہمؓ عورتوں کو بہت مارتا ہے اس کو مسلم نے روایت کیا اور ایک روایت میں ہے کہ اس کے خاوند نے اس کو تین طلاقیں دے دیں۔ وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئی۔ آپؐ نے فرمایا تیرے لئے نفقہ کا کوئی حق نہیں مگر اس صورت میں کہ حاملہ ہوتی۔"

ان تین احادیث سے غیبت کا حال واضح ہو گیا۔ پہلی حدیث غیبت کی حقیقت کو بیان کرتی ہے کہ جو عیب کسی میں ہو اس کا ذکر غیبت ہے اور جو عیب موجود نہ ہو اس کا ذکر بہتان ہے۔ دوسری حدیث سے معلوم ہوا کہ پیدائشی عیب کا ذکر بھی اسی حکم میں ہے تیسری حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں عیب کا ذکر غیبت نہیں بلکہ شرعاً اس کا ذکر ضروری ہے مثلاً کسی کو صلاح مشورہ دینا ہو جیسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہؓ بنت قیسؓ کو مشورہ دیتے ہوئے فرمایا کہ ابو جہمؓ عورتوں کو مارتا بہت ہے اور معاویہؓ فقیر ہے اس کے پاس کچھ نہیں اور اسی قسم سے راویوں کے حالات ہیں یعنی جن راویوں کی معرفت احادیثِ نبویہؐ اور آثارِ سلف ہم تک پہنچے ہیں محدثین نے ان حالات میں کتابیں لکھی ہیں اور جو جو کسی میں عیب تھا بیان کر دیا۔ یہ دین کی حفاظت کے لئے اور ہماری خیر خواہی کے لئے۔ ورنہ ہمیں دین کا پتہ لگانا مشکل ہو جاتا۔ اور اہلِ بدعت کی تردید اور کسی کے غلط مسائل کا تذکرہ بہ نیّت حفاظتِ دین بھی اسی قسم سے ہے۔ اسی طرح مظلوم کو اجازت ہے کہ اپنی دادرسی کے لئے ظالم کے عیب بیان کرے اور اگر کوئی شخص دوسرے کے پاس اس نیّت سے کسی کا عیب ذکر کرے کہ یہ اس کو نصیحت کرے تاکہ وہ اس برائی سے باز آ جائے اور اس کو امید ہو کہ اس کی نصیحت اس کو مفید ہو گی تو یہ بھی غیبت میں داخل نہیں۔

خلاصہ یہ کہ عیب والے کی یا دوسرے کی خیر خواہی کی نیّت ہو تو اس صورت میں عیب کا ذکر غیبت نہیں ورنہ غیبت ہو گا۔

گناہ سے تائب پر طعن کرنا کیسا ہے؟

سوال: گناہ سے تائب پر طعن کرنا کیسا ہے؟ ایک مولوی صاحب نے ایک گناہ سے اعلانیہ توبہ کی ہے مگر بعض لوگ پھر بھی طعن کرتے ہیں؟

جواب:۔ حدیث میں ہے اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَہٗ یعنی گناہ سے توبہ کرنے والا ایسا ہے جیسے گناہ نہ کرنے والا۔ اور یہ بھی حدیث میں ہے جو کسی پر کسی جرم کا طعن کرے اور وہ اس سے بری ہو۔ تو وہ طعن اس پر لوٹ آتا ہے۔ پس جیسے مولوی صاحب مجرم تھے۔ اب یہ مجرم ہے۔

عبداللہ امرتسری ۲۸ شعبان ۱۳۵۵ھ

خدا کی عبادت اور مخلوق کی خدمت دونوں میں کونسی افضل

سوال:۔ کیا خدا کی عبادت افضل ہے یا مخلوق کی خدمت؟

ایک شخص کہتا ہے کہ خدا ہماری عبادت کا بھوکا نہیں ہے مخلوق ہماری خدمت کی بھوکی اور حاجتمند ہے۔ خدا کی عبادت۔ روزہ۔ حج۔ زکوٰۃ۔ خیر خیرات سب ایک کونے میں رکھ دیں اور مخلوق کی خدمت شروع کر دیں۔

عبداللہ بن محمد سلیمان از بنگلور رسٹی

جواب:۔ خدا بے شک ہماری عبادت کا بھوکا نہیں۔ لیکن ہم تو خدا کی عبادت کے بھوکے ہیں۔ جیسے کھائے پئے بغیر ہماری جسمانی حیات قائم نہیں رہ سکتی۔ اسی طرح ہماری روحانی بقاء عبادت کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ روحانی بقاء وصال الٰہی سے ہے اور وصال الٰہی عبادت الٰہی سے ہے۔ پس اس حیثیت سے عبادت الٰہی کی ہمیں زیادہ ضرورت ہے۔ مگر حقیقت امر یہ ہے کہ مخلوق کی خدمت عبادت الٰہی سے الگ شئے نہیں۔ کیونکہ قرآن مجید میں ہے وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ یعنی میں نے جنوں اور انسانوں کو صرف اپنی عبادت کے لئے پیدا کیا ہے۔ اگر خدمت مخلوق کو عبادت الٰہی سے خارج کر دیا جائے۔ تو لازم آتا ہے کہ انسان ہمدردی کے لئے پیدا نہ ہو۔ حالانکہ اگر انسان کی پیدائش ہمدردی کے لئے نہ ہوتی تو پھر خدا انسان کو اس کا حکم کیوں دیتا؟ اس سے صاف ثابت ہوتا ہے کہ خدمت مخلوق بھی عبادت الٰہی میں داخل ہے۔ ہاں اگر سوال میں عبادت سے مراد بدنی عبادت ہو تو اس صورت میں بے شک خدمت مخلوق عبادت الٰہی سے الگ شمار ہو سکتی ہے۔ مگر جب پیدائش انسان کی دونوں کے لئے ہے تو دونوں ضروری ہوئیں۔ اور ایک کو غیر ضروری کہنا غلطی ہوئی اور مندرجہ ذیل شہادت سے بھی دونوں کا ضروری ہونا ثابت ہے۔

قرآن مجید میں ہے۔

وَاعْبُدُوا اللّٰہَ وَلَا تُشْرِکُوْا بِہٖ شَیْئًا وَّبِالْوَالِدَیْنِ اِحْسَانًا وَّبِذِی الْقُرْبٰی

وَالْيَتَامٰى وَالْمَسَاكِيْنَ وَالْجَارِ ذِى الْقُرْبٰى وَالْجَارِ الْجُنُبِ وَالصَّاحِبِ بِالْجَنْبِ وَابْنِ السَّبِيْلِ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ مَنْ كَانَ مُخْتَالًا فَخُوْرًا ۝

یعنی خدا کی عبادت کرو۔ اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرو۔ ماں باپ قرابتی کے ساتھ احسان کرو۔ نیز یتیموں مسکینوں کے ساتھ سلوک کرو۔ نیز ہمسایہ قرابتی۔ ہمسایہ بیگانہ۔ اپنے پہلو کا ساتھی۔ مسافر مملوک ان سب کے ساتھ احسان کرو۔ تکبر کرنے والے فخر کرنے والے کو خدا بالکل دوست نہیں رکھتا۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا کی عبادت بھی ضروری ہے اور مخلوق کے ساتھ احسان و سلوک کرنا بھی ضروری ہے۔ دونوں پر عمل کرنا چاہیئے۔ صرف ایک کو افضل سمجھ کر دوسرے میں سستی کرنا جائز نہیں۔

عبداللہ امرتسری ۱۸ رجب ۱۳۵۴ھ مطابق ۱۸ اکتوبر ۱۹۳۵ء

امی ہو کر فتویٰ دینا

سوال:۔ ایک آدمی تمام گاؤں کے اہلِ اسلام کو جو کہ نماز روزہ جمعہ اور جماعت کرنے والے ہیں۔ منافق اور کافر کہتا ہے۔ لیکن مرد مذکور ہے بھی امی ایسے شخص کے متعلق شرع محمدی اور آیت و حدیث کا کیا اشارہ ہے؟

عبدالعزیز گھل کلاں تحصیل موگہ ضلع فیروز پور

جواب:۔ مشکوٰۃ شریف باب حفظ اللسان والغیبت والشتم فصل اول صفحہ ۴۰۳ میں بخاری کی حدیث ہے۔

عَنْ اَبِىْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرْمِىْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفِسْقِ وَلَا يَرْمِيْهِ بِالْكُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَيْهِ اِنْ لَّمْ يَكُنْ صَاحِبُهٗ كَذَالِكَ

یعنی حضرت ابو ذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی شخص کسی شخص کی طرف فسق اور کفر کی نسبت نہیں کرتا مگر وہ فسق اور کفر اس نسبت کرنے والے پر عائد ہوتا ہے جبکہ اس کا ساتھی ایسا نہ ہو۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو شخص کسی کو ناحق فاسق۔ کافر۔ منافق کہے۔ وہ خود فاسق۔ کافر۔ منافق ہو جاتا ہے پس اس مرد مذکور کو اپنی فکر کرنی چاہیئے۔ کیونکہ جن کو وہ کافر کہتا ہے اگر وہ کافر نہیں ہیں۔ تو اس

حدیث کی رو سے یہ خود کافر ہے نیز امی کا حق فتویٰ کا نہیں۔ تو ایسی حالت میں جس پر اس نے فتویٰ لگایا ہے وہ کافر ہو یا نہ فتویٰ لگانے والا خود کافر ہو جائے گا۔

مشکوٰۃ میں حدیث ہے کہ جو شخص قرآن میں اپنی رائے میں دخل دے وہ خواہ درست کہے پھر بھی وہ دخل دینے والا ہے۔ (کتاب العلم فصل ۲ صفحہ ۲۷)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جو بغیر علم کے کوئی بات کہے اگر وہ اس کی بات درست ہو تو بھی غلط ہے کیونکہ وہ جو کچھ کہتا ہے علم سے نہیں بلکہ اپنی رائے سے کہتا ہے۔ جب اس کا فتویٰ اس شخص کے حق میں غلط ہوا جس پر اس نے لگایا ہے تو ضرور وہ فتویٰ اس پر لوٹے گا چنانچہ مشکوٰۃ باب حفظ اللسان فصل اول صفحہ ۴۱۲ میں ہے۔
اَیُّمَا رَجُلٍ قَالَ لِاَخِیْہِ کَافِرٌ فَقَدْ بَاءَ بِھَا اَحَدُھُمَا۔ یعنی جو اپنے بھائی کو کافر کہے تو دونوں میں سے ایک پر یہ کلمہ ضرور لوٹتا ہے۔ پس جب اس کے بھائی پر نہ لگا۔ تو اس پر لگے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۹ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۲ اپریل ۱۹۳۷ء

کیا صحابہؓ حوضِ کوثر سے روکے جائیں گے؟

سوال: مسلم شریف "باب استحباب اطالۃ الغرۃ والتحجیل فی الوضوء" میں ایک حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک گروہ روکا جائے گا میرے پاس آنے سے۔ اور میں کہوں گا کہ یہ میرے صحابہؓ ہیں۔ اور صحابی کی تعریف یہ ہے کہ جس نے باایمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا اور جس نے حضورؐ کو باایمان دیکھا اس کے لئے جنّت کا وعدہ ہے۔ اس مسئلہ کو حل فرمائیں۔

ابو اشفاق محمد اسحٰق

جواب: جس صحابیؓ سے جنّت کا وعدہ ہے اس کی یہ تعریف نہیں جو آپ نے کی ہے بلکہ صحابیؓ وہ ہے جس نے ایمان کے ساتھ آپ کی ملاقات کی ہو اور وہ اخیر تک اس ایمان پر قائم رہا ہو۔ اور حدیث مذکور میں جن کا ذکر ہے وہ ایمان پر قائم نہیں رہے۔ لیکن حضور کو اس کا علم نہیں ہو گا۔ کہ یہ قائم نہیں رہے۔ اس لئے آپ کہیں گے کہ یہ میرے صحابہؓ ہیں شاید کہا جائے کہ جو اخیر وقت ایمان پر قائم رہا ہو۔ وہ خواہ صحابی نہ بھی ہو تو بھی اس سے جنّت کا وعدہ ہے تو پھر صحابیؓ کی خصوصیّت کیا ہوئی؟

اس کا جواب یہ ہے کہ خصوصیّت دو طرح سے ہے۔ ایک تو ابتداءً جنّت میں جانا۔ دوم صحابیت کی

شرف سے کوئی خاص عہدہ عطا ہونا وغیرہ۔

ایک اعتراض یہاں اور پڑتا ہے وہ یہ کہ مسلم کے اسی مقام پر ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ میں دوست رکھتا ہوں کہ اپنے بھائیوں کو دیکھ لوں۔ صحابہؓ نے کہا کیا ہم آپ کے بھائی نہیں ؟ فرمایا تم میرے صحابہؓ ہو۔ ——— بھائی وہ ہیں جو بعد آئیں گے۔ صحابہؓ نے کہا۔ بعد والوں کو آپ کس طرح پہچانیں گے ؟ فرمایا ان کے منہ اور ہاتھ پاؤں آثار وضو سے چمکیں گے۔ اور میں حوض پر ان کا پیشرو ہوں گا۔ خبردار! کئی لوگ حوض سے روکے جائیں گے۔ میں ان کو آواز دوں گا۔ آؤ۔ مجھے کہا جائے گا۔ کہ انہوں نے آپ کے بعد دین کو بدل دیا۔ میں کہوں گا۔ دور ہوں۔ دور ہوں۔"

ایک اور روایت ابو ہریرہؓ سے ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کہ میری اُمّت میرے پاس حوضِ کوثر پر آئے گی۔ اور میں دوسرے لوگوں کو حوض سے اس طرح ہٹاؤں گا جس طرح کوئی بیگانے اونٹ اپنے اونٹوں سے ہٹاتا ہے۔ صحابہؓ نے کہا یا رسولُ اللہ! کیا آپ ہمیں پہچانیں گے ؟ فرمایا ہاں۔ تمہارے لئے نشانی ہوگی جو کسی اور کے لئے نہ ہوگی۔ تم میرے پاس آؤ گے۔ تمہارے ہاتھ پاؤں آثارِ وضو سے چمکیں گے۔ اور ایک جماعت تم سے روکی جائے گی۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میرے صحابہؓ ہیں۔ فرشتہ جواب دے گا کہ کیا آپ جانتے ہیں کہ انہوں نے تیرے بعد کیا بدعت نکالی"۔

پہلی حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بعد والوں کو آپؐ آثار وضو سے پہچانیں گے۔ اور اس دوسری روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صحابہؓ کو بھی آپ آثارِ وضو سے پہچانیں گے مگر ان سے وہ صحابہؓ مراد ہوں گے جن سے آپ کا زیادہ تعارف نہیں ہُوا۔ یا جنہوں نے آپ کو دیکھا ہے۔ آپ کی نظر اُن پر نہیں پڑی۔ جیسے حجۃ الوداع کے موقعہ پر ہزاروں مخلوق ایسی تھی۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صحابہؓ کا کہنا "کیا آپ ہمیں پہچانیں گے" اس سے مراد اُمّت ہو جس سے مراد بعد والے ہوں خیر کچھ ہو یہاں اعتراض پڑتا ہے کہ جب ان کے ہاتھ پاؤں چمکیں گے تو وہ حوضِ کوثر سے کیوں ہٹائے جائیں گے ؟

امام نوویؒ نے شرح مسلم میں اس کے تین جواب دیئے ہیں۔ کہا ہے کہ علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ ان سے کون لوگ مراد ہیں۔ پھر تین قول ذکر کئے ہیں۔ جن کا خلاصہ مع زیادت درج ذیل ہے:۔

ایک یہ کہ منافق اور مُرتد ہوں گے۔ ان کو نور ملے گا مگر پھر بجھ جائے گا جیسے قرآن مجید کی سورۃ حدید میں ہے) دوسرا جواب یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہیں۔ جن سے آپؐ کا تعارف ہے۔ ان

پر وضوء کا نشان نہیں ہوگا۔ تیسرا جواب یہ کہ اس سے مجرم اور اہل بدعت مراد ہیں۔ جو حد کفر کو نہیں پہنچے۔ پھر ان میں دو احتمال ہیں ہو سکتا ہے کہ ان کے ہاتھ پاؤں چمکیں۔ مگر حوضِ کوثر سے روکے جائیں گے (آخر کسی وقت ان کی نجات ہو جائے گی۔ جیسے حدیث میں ہے کہ جو لوگ دوزخ سے نکالے جائیں گے۔ ان کی سجدہ کی جگہ نہیں جلے گی۔ پس حوضِ کوثر پر جانے کے وقت ہی کسی طرح کا یہ چمکنا ہو سکتا ہے) اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ مجرم اور اہل بدعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کے لوگ ہوں۔ جو آپؐ کے بعد بھی رہے اور خراب ہو گئے ان کو آپؐ شکلوں سے پہچانیں گے۔ نہ کہ آثارِ وضوء سے۔ (لیکن اس پر یہ اعتراض پڑتا ہے کہ یہ صحابہؓ ہیں یا نہیں۔ اگر نہیں تو پھر انکے متعلق یہ کہنا کہ حد کفر کو نہیں پہنچے۔ غلط ہوا کیونکہ اگر حد کفر کو نہیں پہنچے تو ایمان والے ہوئے اور جو ایمان کیساتھ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملا ہو اور اسی پر اس کا خاتمہ ہوا ہو تو وہ صحابیؓ ہوتا ہے اور اگر یہ صحابہؓ ہوں تو معاذ اللہ لازم آئے گا کہ صحابہؓ بھی ہوں اور اہل بدعت اور مرتکب کبائر بھی ہوں۔ جیسے بہت شیعہ یہی خیال رکھتے ہیں حالانکہ اس صورت میں پھر ان احادیث کا بھی اعتبار نہیں رہتا۔ پس صحیح یہ ہے کہ آپ کے زمانہ کے جو لوگ روکے جائیں گے۔ وہ منافق مرتد ہوں گے! اور جو بعد والوں سے روکے جائیں گے وہ منافق بھی ہو سکتے ہیں۔ اور وہ مجرم اور اہل بدعت بھی ہو سکتے ہیں۔ جو حد کفر کو نہیں پہنچے۔ فقط

عبد اللہ روپڑی ۱۴ محرم ۱۳۷۹ھ ۱۹ اسی ماڈل ٹاؤن لاہور

حضرت عیسیٰ کونسا کلمہ پڑھیں گے؟

سوال: حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام جب دُنیا میں دوبارہ تشریف لائیں گے تو بطور امتی کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھیں گے یا کوئی اور کلمہ؟

سائل محمد صدیق۔ بی۔ اے ٹیچر ہائی سکول سندیانوالی ضلع لائلپور

جواب: قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ ۭ قَالَ ءَاَقْرَرْتُمْ وَاَخَذْتُمْ عَلٰي ذٰلِكُمْ اِصْرِيْ ۭ قَالُوْٓا اَقْرَرْنَا ۭ قَالَ فَاشْهَدُوْا وَاَنَا مَعَكُمْ مِّنَ الشّٰهِدِيْنَ (پ۳)

ترجمہ:۔ اور جب اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام سے وعدہ لیا کہ جو کچھ میں تم کو کتاب وحکمت سے عطا کروں پھر تمہارے پاس رسول آجائے جو کچھ تمہارے پاس ہے وہ رسول اسکی تصدیق کرے البتہ تم ضرور اس کے ساتھ ایمان لاؤ گے اور البتہ ضرور اسکی مدد کرو گے۔ فرمایا کیا تم نے اقرار کیا اور کیا تم نے اس شرط پر میرے عہد کا بوجھ اٹھایا انہوں نے کہا ہم نے اقرار کیا۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا اب تم گواہ رہو اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی دینے والوں سے ہوں۔

یہ وعدہ گذشتہ انبیاء سے لیا گیا جن میں حضرت عیسیٰ علیہ السّلام بھی شامل تھے جو جیسے باقی انبیاء علیہم السّلام کو آخرالزمان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا کلمہ پڑھنا ضروری تھا۔ ایسے ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر بھی ضروری ہوا۔

نتیجہ یہ کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دنیا میں تشریف لائیں گے تو کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں گے۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اپنی اُمّت کے لئے رسُول تھے۔ لیکن نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے اُمّتی ہوں گے اور اس آیت سے یہ بھی معلوم ہوا کہ ایک حیثیّت سے رسُول ہونا اور ایک حیثیت سے اُمّتی ہونا اس میں کوئی منافات نہیں۔

حدیث میں ہے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لَوْ کَانَ مُوْسیٰ حَیًّا مَّا وَسِعَہٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ (مشکوٰۃ باب الاعتصام بالکتاب والسنۃ فصل ۲)

اگر موسیٰ علیہ السلام زندہ ہوتے تو ان کو میری اتباع کے بغیر کوئی چارہ نہ ہوتا۔

اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوا کہ

"جب حضرت موسیٰ علیہ السلام پر سیّد الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع ضروری ہے۔ تو حضرت عیسیٰ بن مریم علیہ السلام پر بطریق اولیٰ ضروری ہوگی۔ پس حضرت عیسیٰ علیہ السلام دوبارہ دُنیا میں تشریف لائیں گے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلّم کی اتباع کریں گے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ہی کلمہ پڑھیں گے۔"

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور

۱۰ر شعبان ۱۳۸۲ھ مطابق ۲۷ر دسمبر ۱۹۶۳ء

حضرت خضر علیہ السلام

سوال:۔ کیا حضرت خضر علیہ السلام زندہ ہیں اُن کے زندہ ہونے کی کیا نوعیّت ہے ان کی زندگی

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں کیا فرق ہے کیا خضر معہ جسد خاکی زندہ ہیں؟

عبدالمجید متعلم بی۔اے ڈائمنڈ بیکری نزد چھوٹکی گھٹی

شاہی بازار حیدر آباد (سندھ)

جواب: حضرت خضر علیہ السلام کی حیات کے متعلق کوئی صاف روایت نہیں۔ کہ وہ زندہ ہیں صرف آپ حیات کی جگہ رہنے سے بعض لوگوں کا خیال ہے کہ وہ زندہ ہیں۔ اس قسم کی بعض اور روایتیں بھی ہیں۔ جیسے حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت آواز آئی جس میں گھر والوں کو صبر کی تلقین کی گئی۔ اس موقع پر حضرت علی رضؓ نے کہا۔ یہ آواز دینے والے حضرت خضر علیہ السلام ہیں۔

(مشکوٰۃ باب وفات النبی صلی اللہ علیہ وسلم فصل ۳ صفحہ ۵۵)

لیکن یہ حدیث بالکل ضعیف ہے۔ قابلِ استدلال نہیں۔ اگر اس کو تسلیم بھی کیا جائے تو اس سے زندگی ثابت نہیں ہوتی۔ کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ معراج کی رات انبیاء کرام علیہم السلام کی گفتگو ہوئی ہے حالانکہ سوائے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے باقی انبیاء بالاتفاق فوت ہو چکے تھے سو ایسے ہی اگر فوت شدہ کی آواز زندہ نے سُنی ہو تو یہ کوئی انوکھی بات نہیں بلکہ یہ چیز کرامت کی قسم سے ہو سکتی ہے۔

عبداللہ روپڑی۔ لاہور

نیکی اور بدی کا خالق

سوال: نیکی اور بدی کا خالق کون ہے؟ قرآن مجید میں ہے کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرّہ بھی نہیں ہلتا تو بدی کرنے میں گرفت کیسی؟

جواب: قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت نہیں جس کا یہ معنیٰ ہو کہ خدا کے حکم کے بغیر ایک ذرّہ بھی نہیں ہلتا ہاں کفار سے قرآن مجید نے یہ حکایت کی ہے۔

لَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكْنَا وَلَآ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمْنَا مِنْ شَيْءٍ (پ ۸)

"اگر خدا چاہتا تو نہ ہم شرک کرتے نہ کسی شئے کو حرام کرتے۔"

خدا تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:۔

كَذٰلِكَ كَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ حَتّٰى ذَاقُوْا بَاْسَنَا قُلْ هَلْ عِنْدَكُمْ مِّنْ عِلْمٍ

فَتُخْرِجُوْهُ لَنَا اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وَاِنْ اَنْتُمْ اِلَّا تَخْرُصُوْنَ ۔ (پ ۸)

ترجمہ:۔ "پہلے لوگوں نے بھی اسی طرح تکذیب کی یہاں تک کہ انہوں نے ہمارے عذاب کا مزا چکھا۔ اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) کہہ دے کیا تمہارے پاس اس بات پر کوئی دلیل ہے؟ اگر ہے تو اس کو ہمارے سامنے پیش کرو۔ تم محض گمان کی تابعداری کرتے ہو اور محض اٹکل کے پیچھے جاتے ہو۔"

اس آیت میں خدا نے کتنے زور سے تردید کی ہے کہ جو کچھ تم کرتے ہو خدا نہیں کراتا بلکہ یہ محض تمہارا خیال اور محض تمہاری اٹکل ہے اس پر تمہارے پاس کوئی دلیل نہیں لیکن خالق ہونا اور شئے ہے اور کاسب (کمانے والا) ہونا اور شئے ہے۔ خدا خالق ہے۔ بندہ کاسب (کمانے والا) ہے۔ ان دونوں میں جو کچھ فرق ہے۔ اس کو ہم پہلے واضح کر چکے ہیں۔

خدا حاضر ناظر ہے تو وحی کہاں سے آتی ہے؟

سوال:۔ خدا ہر جگہ حاضر ناظر ہے اور نحن اقرب من حبل الورید بھی ہے تو وحی کہاں سے اترتی تھی؟

جواب:۔ خدا علم قدرت کے ساتھ ہر جگہ ہے بذاتہ عرش پر ہے اور آیہ کریمہ ونحن اقرب من حبل الورید میں علم مراد ہے یا فرشتے جیسے کہتے ہیں، فلاں بادشاہ فلاں بادشاہ سے لڑ رہا ہے حالانکہ لڑنے والی فوج ہوتی ہے۔ آگے فرشتوں کا ذکر بھی ہے جو اعمال لکھتے ہیں چنانچہ ارشاد ہے اِذْ يَتَلَقَّى الْمُتَلَقِّيَانِ عَنِ الْيَمِيْنِ وَعَنِ الشِّمَالِ قَعِيْدٌ یعنی "ہم اس وقت شاہ رگ سے زیادہ قریب ہوتے ہیں جب دو لینے والے بیٹھے ہوتے لیتے ہیں۔"

روح پاک ہے یا پلید؟

سوال:۔ روح پاک چیز ہے یا پلید؟ اگر پاک ہے تو کافروں کو نجس کیوں کہا گیا؟ کیونکہ ان میں بھی روح ہے۔ اگر پلید ہے تو پاک کوئی بھی نہیں؟

جواب:۔ حدیث میں ہے كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ فَاَبَوَاهُ يُهَوِّدَانِهٖ اَوْ يُنَصِّرَانِهٖ اَوْ يُمَجِّسَانِهٖ

ترجمہ:۔ "ہر بچہ اسلام پر پیدا ہوتا ہے پھر اس کے ماں باپ یہودی بناتے ہیں یا نصرانی یا مجوسی"۔
قرآن مجید میں بھی اس کا اشارہ موجود ہے۔ ارشاد ہے:۔

فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِیْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیْهَا لَا تَبْدِیْلَ لِخَلْقِ اللّٰهِ

ترجمہ:"خدا کی فطرت (توحید) کو لازم پکڑو جس پر لوگوں کو پیدا کیا اس کو نہ بدلو"۔
اس آیت و حدیث سے معلوم ہوا کہ پیدائش کے وقت رُوح پاک ہوتی ہے پھر شرک سے نجس ہو جاتی ہے۔

جب ہر نفس کو موت ہے تو جنّت دوزخ کس کے لئے؟

سوال:۔ ہر چیز کی خواہش کرنے والا ہے اور نفس ہی کو موت ہے تو بہشت و دوزخ کس کے لئے ہیں۔ كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ؟

جواب:۔ موت کے چکھنے سے مراد یہ ہے کہ بدن سے جان قبض کی جاتی ہے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔
اللہ یتوفی الانفس حین موتہا (پ۲۴) (ترجمہ) "خدا موت کے وقت جانوں کو قبض کرتا ہے"۔
نیز جب بہشت دوزخ میں داخل ہونے کا وقت ہوگا۔ روحیں بدنوں میں لوٹائی جائیں گی۔ قرآن مجید میں ہے۔
وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ (پ۳۰) (ترجمہ) جب جانیں (بدنوں سے) ملائی جائیں"۔
نیز خدا خالق ہے وہ نیست سے ہست کر سکتا ہے تو پھر "بہشت و دوزخ کس کے لئے" کہنے کا کیا مطلب؟

آنحضرتؐ بندہ ہیں یا خدا

سوال:۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم بندہ تھے یا خدا؛ قرآن میں ہے۔ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ اور رسول کا نام محمدؐ ہے جو مفعول کا صیغہ ہے یعنی حمد کیا گیا۔ اور حمد کیا گیا تو خدا ہے۔ معلوم ہوا کہ محمدؐ خدا تھا؟

جواب:۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو جن کمالات کی بناء پر "محمدؐ" کہا گیا ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے ہیں اس لئے محمدؐ کی حمد عارضی ہے اور حقیقۃً "حمد خُدا کے لئے ہے۔ پس محمدؐ خدا نہ ہوا کیونکہ اس کے لئے حقیقی حمد نہیں قرآن مجید میں ہے:۔
عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَكَ رَبُّكَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا (پ۱۵) (ترجمہ) "امید ہے خدا تجھے مقام محمود میں اٹھا

اس آیت میں مقام کو محمود کہا ہے تو کیا وہ بھی خدا ہے؟

اگر اس کو منطقی پیرایہ میں ادا کریں تو مخالف کا دعویٰ یوں ہوگا مُحَمَّدٌ مَحْمُوْدٌ وَکُلُّ مَحْمُوْدٍ اللّٰہُ فہو اللّٰہُ جواب کا خلاصہ یہ ہے کہ حد اوسط مکرّر نہیں کیونکہ صغریٰ میں محمود سے مراد ہے جس کے لئے عارضی حمد ہو اور کبریٰ میں مراد ہے جس کے لئے حقیقی حمد ہو اور اگر کبریٰ میں بھی عارضی حمد ہو تو پھر کبریٰ کاذب ہے۔

اس کے علاوہ یوں بھی کہہ سکتے ہیں اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ کا حاصل اَللّٰہُ مَحْمُوْدٌ ہے اس صورت میں مُحَمَّدٌ مَحْمُوْدٌ کو اس کے ساتھ ملائیں تو شکل ثانی بنے گی۔ اور شکل ثانی میں اختلاف فی الکیف شرط ہے جو یہاں مفقود ہے پس نتیج نہیں ہوگی۔ وفیہ نظرؔ

جب اللہ تعالیٰ ہر شے پر قادر ہے تو بندہ کو ہدایت کیوں نہ ہوئی؟

سوال:۔ اللہ تعالیٰ جس چیز کا ارادہ کرتا ہے تو کُن کہتا ہے کیا دُنیا کو ہدایت کرنے کا ارادہ کیا تھا یا نہیں؟

جواب:۔ ہدایت دو طرح کی ہے ایک اِرَاءَۃُ الطَّرِیْقِ یعنی رستہ دکھلا دینا۔ اور حق ناحق سمجھا دینا۔ اس کا ارادہ اللہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں ہے یُرِیْدُ اللّٰہُ لِیُبَیِّنَ لَکُمْ وَیَھْدِیَکُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (پ۵) (ترجمہ) ”خدا ارادہ کرتا ہے کہ تمہارے لئے بیان کرے اور تمہیں پہلے لوگوں کو طریقوں کی ہدایت کرے“۔ اس آیت سے معلوم ہوا کہ خدا بندوں کو ہدایت کا ارادہ کرتا ہے اور وہ ہو بھی جاتی ہے۔ یعنی بندہ کو حق ناحق کا بتلانے سے پتہ لگ جاتا ہے آگے خواہ قبول کرے یا نہ۔ چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

اِنَّا ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمَّا شَاکِرًا وَّاِمَّا کَفُوْرًا (پ ۲۹/۱۸)

”ہم نے انسان کو ہدایت کی آگے وہ شکر کرنیوالا ہے یا کفر کرنیوالا ہے“۔ یہ ایک طرح کی ہدایت ہوئی۔

دوم اَلدَّلَالَۃُ الْمُوْصِلَۃُ یعنی ”حق کو پہنچا دینا اور بندہ کے اختیار کے بغیر دل میں اس کو جگہ دیدینا“۔ اس کا اللہ ارادہ نہیں کرتا کیونکہ پھر بندہ فعل مختار نہیں رہتا، قرآن مجید میں ہے۔ فَلَوْ شَاءَ لَھَدٰکُمْ اَجْمَعِیْنَ (پ۸) (ترجمہ) خدا چاہتا تو تمہیں سب کو ہدایت کر دیتا“۔ یعنی تمہارے اختیار کے بغیر محض قدرت کے تصرف سے

ؔ فیہ اشارۃ الی ان معنی الحمد للہ رب العالمین ان کل حمد للہ ومختص بہ فحصل ان کل محمود اللہ فتامل۔ ۱۲

تمہیں ہدایت والے بنانا چاہتا، جیسے فرشتوں کو ایسے ہی کیا ہے تو تم سب ہدایت والے ہو جاتے لیکن وہ اسطرح نہیں کرتا بلکہ تمہیں اپنے اختیار پر چھوڑا ہے تاکہ اپنے اختیار سے نیکی بدی کر کے بدلے کے مستحق بنو۔ اگر جبراً ہدایت کر دیتا تو بندہ کے اختیار کو دخل نہ ہوتا تو پھر اس میں بندے کا کیا کمال تھا اور وہ انعام کا مستحق کس طرح ہو سکتا پس ضروری بات ہے کہ اللہ تعالیٰ اس طرح کا ارادہ نہ کرے۔

ابلیس جِنّ ہے یا فرشتہ

سوال:۔ ابلیس فرشتوں میں تھا یا کہ پہلے ہی الگ تھا؟

جواب:۔ قرآن مجید میں ہے کَانَ مِنَ الْجِنِّ (پ۱۵) یعنی "ابلیس جِنّوں سے تھا" اس میں دو قول ہیں بعض کہتے ہیں فرشتوں کی ایک جماعت ہے ان کو جِنّ کہتے ہیں، ابلیس ان سے تھا بعض کہتے ہیں یعنی جِنّوں سے تھا۔ پہلے قول کی بناء پر فرشتوں سے تھا۔ دوسرے قول کی بناء پر کثرت عبادت کی وجہ سے فرشتوں سے ملا دیا۔

خالق غالب یا مخلوق

سوال:۔ کیا خالق غالب ہے یا مخلوق؟

جواب:۔ خالق غالب ہے اگر وہ محض اپنی قدرت کا تصرف کرے تو نہ ابلیس کچھ کر سکتا ہے نہ کوئی اور۔ ہاں اگر وہ فعل مختار بنا دے تو پھر دوسرے کے اختیار کا بھی دخل ہو جاتا ہے خواہ نیکی کرے یا بدی، جیسے اوپر بیان ہو چکا ہے۔

جب ہر شئے تسبیح کرتی ہے تو پھر کافر کون

سوال:۔ قرآن کریم میں ہے یسبح للہ ما فی السمٰوات وما فی الارض یعنی "ہر چیز زمین آسمان کی اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے" تو کافر کون ہوا کیونکہ وہ بھی زمین کی چیز ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے انبتکم من الارض نباتاً؟

جواب:۔ تسبیح دو طرح ہے ایک زبان قال سے ایک حال سے ثانی الذکر تو سب کرتے ہیں، اوّل الذکر بعض کرتے ہیں بعض نہیں کرتے چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَسْجُدُ لَہٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَمَنْ

فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالشَّجَرُ وَالدَّوَابُّ وَكَثِيرٌ مِّنَ النَّاسِ وَكَثِيرٌ حَقَّ عَلَيْهِ الْعَذَابُ (پ ۱۷) ترجمہ:۔ آسمان وزمین والے اور سورج، چاند، ستارے، درخت اور بہت سے لوگ یہ سب اللہ کو سجدہ کرتے ہیں۔ اور بہت لوگوں پر (سجدہ نہ کرنے کی وجہ سے) عذاب الٰہی ثابت ہو گیا ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۲ شعبان ۱۳۵۷ھ

آفتاب کا کیچڑ کے چشمہ میں غروب اور شیطان کے سینگوں میں طلوع ہونا

سوال:۔ ایک شخص اعتراض کرتا ہے کہ نماز فجر کے متعلق مسلم کی ایک حدیث میں لکھا ہے کہ وقت نماز صبح کا فجر کے طلوع ہونے سے آفتاب کے طلوع ہونے تک ہے۔ پس جس وقت سورج طلوع ہو تو تو نماز سے ہٹ جا۔ کیونکہ وہ درمیان شیطان کے دو سینگوں کے طلوع ہوتا ہے۔" (اب اس پر حاشیہ لکھا ہے)۔ سورج کا شیطان کے دو سینگوں کے درمیان طلوع ہونا ملاحظہ ہو۔ اب اگر اس حدیث کی بنا پر آریہ، عیسائی اسلام پر ہنسی اڑائیں تو اس کا کیا قصور ہے۔ سورج بالاتفاق زمین سے بہت بڑا ہے۔ تو خیال کیجئے شیطان کے سینگ کتنے بڑے ہوں گے۔ جن کے درمیان خود اتنا بڑا سورج آجاتا ہے۔ اور خود شیطان کتنا بڑا ہو گا جس کے اتنے بڑے سینگ ہیں۔ پھر یہ شیطان اہلحدیث کے دلوں میں گھس جاتا ہے اور وسوسے بھی ڈالتا ہے۔ یہ نہیں بتایا گیا کہ شیطان کے سینگوں پر سورج کیوں لادا گیا کیسی معقول حدیث ہے اور پھر شرح کیسی معقول ہوئی۔ کیا یہ ممکن ہو سکتا ہے۔ کہ اللہ کا رسول جو کہ عقل و دانش ہر بات میں اپنے تمام لوگوں سے افضل ہوتا ہے ایسی لغو اور بے سر و پا باتیں کہے۔ ہرگز نہیں قطعاً ناممکن ہے۔ ہمارے پیارے نبیؐ کے ذمہ یہ خرافات کسی ایسے شخص نے گھڑ کر لگائے ہیں جو کہ عقل کا بودا اور آپؐ کا پکا دشمن ہے۔ کوئی یہودی یا عیسائی ہے ایسا قبیح کام کسی مسلمان با ایمان کا نہیں ہو سکتا۔ بیچارے امام مسلمؒ نے بے سوچے سمجھے کسی یہودی یا عیسائی کی حدیث کو جو کہ پیغمبر علیہ السلام کا پکا دشمن ہے اپنی کتاب میں درج کر دیا۔ ورنہ پیغمبر علیہ السلام کی شان نہیں جو ایسی باتیں کہے۔" اس کا مدلل جواب دیجئے؟

محمد اکرم خان ناظر سڑک توپ خانہ محلہ نمدہ گراں۔ دہلی

جواب:۔ انسان کو چاہیئے کہ جس بات پر اعتراض کرے پہلے اس کا صحیح مطلب سمجھے کیونکہ بے سمجھی سے اعتراض

درحقیقت اس بات پر اعتراض نہیں ہوتا بلکہ اپنی عقل کی خفت ہوتی ہے۔ مخالفین قرآن کو جھٹلاتے تھے تو اللہ تعالےٰ نے فرمایا بَلْ كَذَّبُوا بِمَا لَمْ يُحِيطُوا بِعِلْمِهِ یعنی "انہوں نے ایسی شئے کو جھٹلا دیا جس کے علم کا احاطہ نہیں کیا" سو جو اس حدیث پر اعتراض کرتا ہے اس کو اس حدیث کا اصل مطلب سمجھ لینا چاہیئے۔ ورنہ ویسے تو مخالف قرآن مجید پر بھی مذاق اڑاتے ہیں۔ مثلاً کہتے ہیں کہ قرآن میں ہے تَغْرُبُ فِي عَيْنٍ حَمِئَةٍ یعنی "آفتاب کیچڑ والے چشمے میں غروب ہوتا ہے" تو کیا اس مذاق سے قرآن مجید پر کچھ اثر پڑا؟ ہرگز نہیں۔ کیونکہ آیت کا مطلب وہ نہیں جو مخالف سمجھتے ہیں۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ذوالقرنین کو ایسا معلوم ہوا کہ اس کے علاوہ اس کی اور توجیہات بھی ہیں۔ اسی طرح اس حدیث کا مطلب صرف اتنا ہے کہ ہمارے لحاظ سے آفتاب شیطان کے سینگوں کے درمیان نکلتا ہے۔ جیسے قرآن میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ تَطْلُعُ عَلَىٰ قَوْمٍ لَّمْ نَجْعَل لَّهُم مِّن دُونِهَا سِتْرًا۔ یعنی "ذوالقرنین نے آفتاب کو ایک قوم پر نکلتے پایا۔ جن کے لئے آفتاب کے ورے ہم نے کوئی پردہ نہیں کیا"

کیا اس آیت کا مطلب یہ ہے کہ آفتاب اس قوم پر طلوع کرتا ہے ہم پر طلوع نہیں کرتا؟ ہرگز نہیں۔ بلکہ مطلب یہ ہے۔ کہ چونکہ وہ مشرق کی جانب ہماری نسبت سورج کے قریب ہیں۔ تو ہمارے لحاظ سے آفتاب ان پر نکلتا دکھائی دیتا ہے۔ اسی لئے فرمایا کہ ذوالقرنین نے ایسا پایا۔ نہ کہ حقیقت میں ایسا تھا۔ جیسے موسیٰ علیہ السلام کی بابت فرمایا يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِن سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ یعنی "موسیٰ علیہ علیہ السلام کو خیال آیا کہ جادوگروں کی سوٹیاں رسیاں دوڑتی ہیں"

ٹھیک اسی طرح حدیث کا مقصود ہے کہ ہمارے لحاظ سے سورج شیطان کے سینگوں میں نکلتا ہے۔ سینگوں سے مراد سر ہے۔ سورج نکلتے وقت اور غروب ہوتے وقت سورج کے پوجنے والے سورج کی پوجا کرتے ہیں تو شیطان اس وقت سورج کی طرف نزدیک ہوتا ہے۔ تاکہ وہ پوجا درحقیقت اس کی ہو۔ جیسے وہ پتھر اور درخت جن کی پوجا ہوتی ہے۔ ان میں شیطان قرب کرتا ہے۔ تاکہ اس کو سجدہ ہو۔ چنانچہ قرآن مجید ہے۔ إِن يَدْعُونَ مِن دُونِهِ إِلَّا إِنَاثًا وَإِن يَدْعُونَ إِلَّا شَيْطَانًا مَّرِيدًا۔ یعنی "یہ لوگ نہیں پکارتے مگر عورتوں کو

---

[1] جیسے معاویہ رضہ نے اپنی خلافت کو ثابت کرتے ہوئے کہا من يطلع لنا قرنه "کون ہمارے سامنے اپنا سینگ نکالتا ہے؟" یعنی ہمارے مقابلہ میں سر اٹھاتا ہے۔ ۱۲

جنیوں کو نہیں پکارتے مگر شیطان سرکش کو۔"

چونکہ اس دین میں توحید کامل ہے۔ اس لئے مشابہت شرک سے بھی منع فرما دیا۔ جیسے قبرستان میں نماز پڑھنا منع ہے۔ گھروں میں تصویریں رکھنا منع ہے۔ اسی طرح غروب اور طلوع کے وقت نماز منع ہے۔ تاکہ سورج کے پوجنے والوں سے مشابہت نہ ہو۔ بس اس حدیث کا صرف اتنا مطلب ہے۔ اس کے علاوہ بعض اور وجوہات بھی ہیں مگر کمی فرصت کی وجہ سے اسی پر اکتفا کی گئی ہے۔"

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۴ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

تبلیغ میں تشدّد اور نرمی؟ دونوں سے کونسی صورت بہتر ہے؟

سوال:۔ زید کہتا ہے ایک جماعت بندی ہو جائے جو کہ بے نمازوں سے بالکل قطع تعلقی پیدا کرے یعنی بے نمازوں کو اپنے معاملات دینی و دنیاوی بلکہ سلام و کلام سے بھی دُر کارا جائے۔ چنانچہ زید نے ایک تحریک اٹھائی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ عمرو جماعت سے اٹھ کھڑا ہوا کہ ایسا نہ ہونا چاہئے۔ اتفاق و اخلاق کے طور پر ہر ایک کو مرتبہ مرتبہ سمجھاؤ۔ جو خُلق سے کام فی زمانہ کامیاب ہو سکتا ہے وہ کسی کو دُر کارنے سے نہیں ہو سکتا۔ زید اس کے جواب میں من رای منکم منکراً حدیث کا ٹکڑا پیش کرتا ہے۔ عمرو کہتا ہے قطع تعلقی سے فتنہ بڑھ جانے کا خطرہ ہے کیونکہ حکومت غیر اسلام ہے (تم اپنا ایمان/تبلیغ) مذکورہ بالا حدیث کے اخیر کے دو ٹکڑا کے مطابق سمجھو یعنی دل سے بُرا جاننا۔ لہٰذا دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید کے ذہن کے پیچھے لگ کر سلسلہ مفارقت شروع کر دیا جائے یا کہ عمرو کی رائے کے مطابق خُلق سے کام لینا بہتر ہے؟ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

جواب:۔ یہاں پر کُل چار صورتیں ہیں۔ اوّل یہ کہ اپنا زور ہو اور جس کو تبلیغ کرنی ہے وہ باخبر ہو۔ دوم یہ کہ اپنا زور ہو لیکن جس کو تبلیغ کرنی ہے وہ بے خبر ہو۔ سوم یہ کہ اپنا زور نہ ہو اور جس کو تبلیغ کرنی ہے وہ باخبر ہو۔ چہارم یہ کہ اپنا زور نہ ہو اور جس کو تبلیغ کرنی ہے وہ بے خبر ہو۔

نوٹ:۔ زور سے مراد عام ہے خواہ حکومت یا پنچایت ہو خواہ ذاتی طور پر کوئی شخص بارعب ہو جس کی وجہ سے لوگوں کے دل میں خوف ہو کہ اگر ہم اس کی نہ مانیں گے تو ہمارا اس سے نقصان پہنچے گا۔

پہلی صورت کا حکم
جب ایک شخص مسئلہ سے واقف ہے اور دیدہ دانستہ عمل میں سستی کرتا ہے تو اس پر درجہ بدرجہ زور ڈالا جائے۔ مثلاً پہلے اس کو ویسے سمجھایا جائے اگر نہ سمجھے تو کسی قدر تاوان لگایا جائے یا زجر توبیخ کی جائے۔ اس کے بعد مار پیٹ چنانچہ قرآن مجید میں عورتوں کے متعلق ارشاد ہے:۔

وَالّٰتِیْ تَخَافُوْنَ نُشُوْزَهُنَّ فَعِظُوْهُنَّ وَاهْجُرُوْهُنَّ فِی الْمَضَاجِعِ وَاضْرِبُوْهُنَّ (پ۵ ع ۳)

"جن عورتوں کی بدگزرانی سے تم ڈرتے ہو ان کو پہلے وعظ کرو پھر بستروں میں چھوڑ دو۔ پھر مارو۔"
غرض درجہ بدرجہ مفید اور بہتر صورت اختیار کرنی چاہیئے؛

دوسری صورت کا حکم
مسئلہ سے ناواقف کو پہلے پیار سے واقف کرنا چاہیئے جس میں تالیف قلبی بھی داخل ہے جس کے متعلق قرآن مجید میں ارشاد ہے۔

والمؤلفة قلوبهم (پ۱۰ ع ۱۴) یعنی "نومسلم جن کی تالیف قلبی کی گئی ہے ان کا بھی زکوٰۃ میں حق ہے"۔

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلَامَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَفْقَهُوْنَ ۝ (پ۱۰ ع ۷)

اگر کوئی مشرک تجھ سے امن چاہے تو اس کو امن دیدے تاکہ وہ کلام الٰہی سنے پھر اس کو اس کی امن کی جگہ میں پہنچا دے کیونکہ وہ بے سمجھ قوم ہے (جن کو سمجھانا ضروری ہے)
اگر مسئلہ ذہن نشین ہونے کے بعد پھر وہ سستی یا بے پرواہی کرے تو اس کا علاج بھی اول الذکر صورت کا ہے

تیسری صورت کا حکم
جب اپنا زور نہیں اور مسئلہ سے باخبر ہے تو سوا وعظ نصیحت کے کوئی صورت نہیں مگر وعظ نصیحت کی ضرورت بھی تھوڑی بہت اُمید کے وقت ہے ورنہ پھر قطع تعلق ہے نیز قرآن میں ہے، فَذَكِّرْ اِنْ نَّفَعَتِ الذِّكْرٰى نصیحت کر اگر فائدہ دے۔ نیز قرآن مجید میں ہے۔

وَاِذْ قَالَتْ اُمَّةٌ مِّنْهُمْ لِمَ تَعِظُوْنَ قَوْمَا ۨاللّٰهُ مُهْلِكُهُمْ اَوْ مُعَذِّبُهُمْ عَذَابًا شَدِيْدًا قَالُوْا مَعْذِرَةً اِلٰى رَبِّكُمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ (پ۹ ع ۱۱)

یعنی جب ایک جماعت نے ہفتہ والوں سے دوسری جماعت کو کہا کہ تم ایسی قوم کو کیوں وعظ کرتے ہو جن کو خدا ہلاک کرنے والا ہے یا کوئی اور سخت عذاب دینے والا ہے؟ وعظ کرنے والوں نے جواب دیا کہ ہمارا وعظ دو وجہوں سے ہے۔ ایک خدا کے پاس ہمارا عذر ہوگا کہ ہم نے تبلیغ

کا فرض ادا کر دیا۔ دوم شاید یہ وعظ نصیحت کے اثر سے گناہ سے بچیں۔"
خدا تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو ہفتہ کے دن مچھلیوں کے شکار سے منع فرمایا وہ بٹ کر تین جماعتیں ہو گئے۔ (۱) ایک مچھلیاں پکڑنے لگ گئے۔ ایک (۲) ان کو روکتے رہے۔ ایک (۳) نہ روکتے نہ مچھلیاں پکڑتے، اس تیسری جماعت نے دوسری جماعت کو کہا کہ تم ان (پہلی جماعت) کو کیوں وعظ کرتے ہو؟ یہ ہلاک ہونے والے ہیں یا ان پر کوئی اور سخت عذاب آنے والا ہے۔ انہوں نے جواب میں دو وجہیں بیان کیں۔ ایک تبلیغی فرض کی ادائیگی دوم فائدہ کی اُمید۔ اگر فائدہ کی امید نہ ہوتی تو تبلیغی فرض بھی عاید نہ ہوتا کیونکہ تبلیغ وہیں ضروری ہے جہاں کچھ امید ہو چنانچہ پہلی آیت سورۃ اعلیٰ سے معلوم ہو چکا۔
خلاصہ یہ کہ زور نہ ہونے کی صورت میں مسئلہ سے ناواقف آدمی کو نرمی کے سوا سمجھانے کی کوئی صورت نہیں۔ جس کے لئے مختلف پہلو اختیار کئے جا سکتے ہیں جن کو وعظ تبلیغ کا لفظ شامل ہے قرآن مجید میں ہے:۔

اُدْعُ اِلٰى سَبِيْلِ رَبِّكَ بِالْحِكْمَةِ وَالْمَوْعِظَةِ الْحَسَنَةِ وَجَادِلْهُمْ بِالَّتِىْ هِىَ اَحْسَنُ (پ۱۴ ع اخیر)

"حکمت عملی۔ وعظ اچھی کے ساتھ خدا کے راستہ کی طرف دعوت دے۔ اور بہتر طریق سے ان سے مناظرہ کر۔"

چوتھی صورت کا حکم

یہ صورت سب صورتوں سے مشکل ہے کیونکہ ایک طرف مسئلہ سے ناواقفی ہے۔ دوسری طرف زور نہیں کہ زبردستی ان کے کان آواز پہنچا دی جائے۔ کسی کی مرضی ہو سنے کسی کی مرضی ہو نہ سُنے۔ تیسری صورت میں بوجہ ناواقفی مسئلہ کے تبلیغی فرض چنداں اہمیت نہیں رکھتا۔ چوتھی صورت میں بڑی ذمہ داری ہے کیونکہ اس میں مسئلہ سے ناواقفی ہے جس سے واقف کرانا ضروری ہے اگر زور ہوتا تو اس کے اثر سے واقف کرانا سہل تھا۔ اب بجز جفاکشی کے کیا صورت ہے انبیاء علیہم السّلام کا اکثر یہی منصب تھا اور ان کی تبلیغ عموماً اسی صورت میں ہوتی تھی۔ خاص کر ابتدائی حالات میں انبیاء علیہم السلام کو سخت ترین مصائب کا سامنا ہوتا اور بڑے بڑے روح فرسا آلام برداشت کرنے پڑتے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا نمبر اوّل ہے۔ چنانچہ مکّی زندگی آپؐ کی اس کا شاہدِ عدل ہے۔ یہ جو کچھ تکالیف ہیں مسائل کی واقفیت تک ہیں۔ اس کے بعد پھر وہی تیسری صورت کا حکم ہے۔"
اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بعض صورتوں میں زید سچا ہے بعض میں عمرو۔ نہ ہمیشہ سختی اچھی ہے نہ ہمیشہ

نرمی۔ شیخ سعدی مرحوم فرماتے ہیں کہ ؎

سختی و نرمی بہم در بہ است ❊ چو جراح کہ رگ زن و مرہم نہ است

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۸ جمادی الاوّل سنہ ۱۳۵۸ھ

کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر جادو ہوا ؟

سوال:۔ زید کہتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر کا اثر ہو گیا تھا چنانچہ بخاری شریف مصری باب السحر جلد ۴ صفحہ ۱۵ مسلم شریف باب السحر جلد ۲ صہ ۲۲۱ ۔ اور نیل الاوطار مصری باب ماجاء فی حد الساحر جلد ۷ صہ ۴۲ میں مفصل احادیث مسطور ہیں۔

بکر کہتا ہے کہ اپنا مطلب سیدھا کرنے کے لئے یہ بھی گھڑ لیا گیا ہے کہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر کسی یہودن نے سحر کیا تھا اور آپ نعوذ باللہ مسحور ہو گئے تھے۔ العیاذ باللہ پیغمبر علیہ السلام پر سحر کا عمل ہو جائے اور آپ مسحور ہو جائیں یہ کس طرح ممکن ہے ؟

(۱) زید اور بکر میں کون حق پر ہے ؟ (۲) کیا اس کو انکارِ حدیث کہہ سکتے ہیں جبکہ بکر کو حدیث بھی دکھائی گئی ہو۔ اور وہ تسلیم نہ کرے ؟ (۳) اس کے ساتھ اقتداء بالصلوٰۃ کا کیا حکم ہے ؟ (۴) اس کے اس رسالہ کے پڑھنے کے متعلق کیا حکم ہے۔ جس میں اُس نے اسی موضوع پر بحث کی ہو چنانچہ خط کشیدہ عبارت اس کے رسالہ مذکورہ کی ہے۔ (۵) ان تتبعون الا رجلا مسحوراً۔ الاٰیۃ (بنی اسرائیل) اس کا کیا جواب ہے ؟ بینوا الدلیل توجروا عند اللہ الجلیل۔

(المستفتی۔ قاضی محمد نواز ساکن واجل ضلع ڈیرہ غازیخاں (پنجاب)

جواب:۔ جو لوگ بخاری کی حدیث سے انکار کرتے ہیں اُن کی بڑی دلیل یہ آیت ہے۔ اِنْ تَتَّبِعُوْنَ اِلَّا رَجُلًا مَّسْحُوْرًا۔ یعنی کفار کہتے ہیں تم نہیں اتباع کرتے مگر ایک جادو کئے گئے کی "

آیت و حدیث میں کوئی تعارض نہیں۔ کفار کی مراد مسحور سے دیوانہ ہے جس کی عقل ٹھکانے نہ ہو اور حدیث بخاری میں حافظہ پر اثر مراد ہے چنانچہ حدیث میں تصریح ہے:۔

حَتّٰی اِنَّہٗ لَیُخَیَّلُ اِلَیْہِ اَنَّہٗ فَعَلَ الشَّیْءَ وَمَا فَعَلَہٗ

یعنی " یہاں تک کہ آپ کو خیال ہوتا کہ میں نے فلاں کام کر لیا ہے اور درحقیقت کیا نہ ہوتا "

ان الفاظ سے دو۲ باتیں ثابت ہوئیں ایک۱ یہ جادو کا اثر حافظہ پر تھا عقل پر نہ تھا کیونکہ کام کرنے نہ کرنے کے متعلق یاد نہ رہنا یہ حافظہ کا کام ہے اور حافظہ اور عقل دو قوتیں الگ الگ ہیں۔ دیکھئے بچپن میں حافظہ قوی ہوتا ہے اور عقل کم اور معمر ہو کر عقل بڑھ جاتی ہے اور حافظہ میں فرق آجاتا ہے۔ پس حافظہ پر اثر ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ عقل پر بھی اثر ہو۔

دوسری بات ان الفاظ سے یہ معلوم ہوئی کہ حافظہ پر اثر سے بھی یہ مراد نہیں کہ آپ کو معاذاللہ قرآن مجید بھول گیا ہو یا اس طرح کا کوئی اور نقصان ہوگیا ہو بلکہ یہ صرف اس حد تک تھا کہ جزدی فعل میں کبھی بھول چوک ہوجاتی اور جزوی فعل میں بھول چوک معمولی بات ہے۔ مثلاً نماز میں آپ کئی دفعہ رکعتیں بھول گئے اور فرمایا اَنسٰی کَمَا تَنْسَوْنَ۔ یعنی "جیسے تم بھول جاتے ہو میں بھی بھول جاتا ہوں"۔ تبلائیے! یہ بھولنا کوئی دین میں نقصان دہ تھا؟ پس اگر جادو کے اثر سے عام بھولنے کی نسبت کسی قدر زیادہ بھول چوک ہوجاتی ہو تو یہ بھی دین کے منافی نہیں۔ بلکہ بعض روایات میں اس جزوی فعل کی تعیین بھی آئی ہے۔ فتح الباری میں ہے:۔

قد قال بعض الناس ان المراد بالحدیث انہ کان صلی اللہ علیہ وسلم یخیل انہ وطیٔ زوجاتہ ولم یکن وطئھن وھذا کثیرًا ما یقع یخیلہ فی الانسان فی المنام فلا یبعد ان یخیل الیہ فی الیقظۃ قلت وھذا قد ورد صریحًا فی روایۃ ابن عُیینۃ فی الباب الذی یلی ھذا ولفظہٗ حتّٰی کان یری انہ یأتی النسآء ولا یأتیھن وفی روایۃ الحمیدی انہ یأتی اھلہ ولا یأتیھم۔

(فتح الباری باب السحر جزء ۲۴ صفحہ ۴۳۵)

بعض لوگ کہتے ہیں کہ حدیث میں مراد یہ ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں کے پاس جانے کا خیال آتا مگر آئے نہ ہوتے اور ایسا خیال خواب میں بہت آتا ہے۔ پس بیداری میں بھی کوئی بعید نہیں میں (صاحب فتح الباری) کہتا ہوں کہ جو کچھ بعض نے حدیث کی مراد بیان کی ہے یہ بعض روایتوں میں صریحاً آیا ہے کہ آپ کو اپنی بیویوں کے پاس آنے کا خیال آتا مگر آئے نہ ہوتے"۔

اور فتح الباری کے اسی صفحہ میں ہے:۔

وَفِی حَدِیْثِ اِبْنِ عَبَّاسٍؓ عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ مَرِضَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاُخِذَ عَنِ النِّسَاءِ وَالطَّعَامِ وَالشَّرَابِ فَھَبِطَ عَلَیْہِ مَلَکَانِ (الحدیث)

ترجمہ:۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیمار ہوگئے۔ اور عورتوں اور کھانے پینے سے روکے گئے۔ پس آپ پر دو فرشتے اُترے (جنہوں نے جادو کرنے والے کا نام اور جن اشیاء میں جادو کیا اور جہاں اُن کو دفن کیا سب بتلا دیا۔ آپؐ نے ان اشیاء کو نکلوایا خدا نے شفا دے دی)

اور فتح الباری میں اس سے چند سطر پہلے ایک روایت کے یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔ حَتّٰی کَادَ یُنْکِرُ بَصَرَہٗ
یعنی جادو کے اثر سے قریب تھا کہ آپؐ کی بصارت میں فرق آجائے"

ان روایتوں سے معلوم ہوا کہ جادو کا اثر آپؐ کے بدن پر ایسا ہی ہوا تھا جیسے ظاہری امراض سے بدن میں کمزوری آجاتی ہے۔ اور اعضاء ڈھیلے پڑجاتے ہیں اور اشیاء وغیرہ بند ہوجاتی ہیں۔
رہا عقل اور سمجھ کا معاملہ اور وحی تبلیغ کا سلسلہ اس میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اسی لئے فرشتے اُترے اور انہوں نے سب کچھ بتا دیا۔ یہاں تک کہ خُدا نے شفاء دے دی۔ اگر وحی میں فرق پڑجاتا تو فرشتے کس طرح اُترتے؟ پس واقعہ نبوّت کے منافی نہیں بلکہ یہ واقعہ آپؐ کی نبوت کی مزید تائید ہے۔

فتح الباری میں ہے۔

وَقَعَ فِی مُرْسَلِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ کَعْبٍ عِنْدَ ابْنِ سَعْدٍ فَقَالَتْ اُخْتُ لَبِیْدِ بْنِ الْاَعْصَمِ اَنْ یَّکُوْنَ نَبِیًّا فَسَیُخْبَرُ وَاِلَّا فَسَیُذْھِلُہٗ ھٰذَا السِّحْرُ حَتّٰی یُذْھِبَ عَقْلَہٗ۔ (فتح الباری جزء ۲۴ ص۴۳۵)

ترجمہ:۔ عبدالرحمٰن بن کعبؓ کہتے ہیں لبید بن اعصم (یہودی جس نے جادو کیا تھا اُس) کی بہن نے کہا، اگر یہ نبی ہوگا تو اس کو خدا کی طرف سے اطلاع مل جائے گی (کہ فلاں نے جادو کیا اور فلاں شئے میں کیا اور فلاں جگہ دفن کیا) اور اگر نبی نہ ہُوا تو یہ جادو اس کی عقل کو نقصان پہنچائے گا۔ یہاں تک کہ اس کی عقل کو لے جائے گا"

رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر چونکہ وحی آئی اور فرشتے اُترے اور سب حال کھول کر بتلا دیا کہ فلاں شخص نے جادو کیا اور فلاں فلاں شئے میں کیا اور فلاں کنوئیں میں دفن کیا۔ چنانچہ بخاری وغیرہ میں اس کی تفصیل ہے تو لبید بن اعصم کی بہن کے قول کے مطابق یہ واقعہ آپؐ کی نبوت کی دلیل ہوا۔ اور یہ بالکل ایسا ہے جیسے جنگ خیبر کے موقع پر آپؐ کو زہر دینے والی یہودیہ عورت نے بھی یہی کلمے کہے تھے کہ اگر یہ نبی ہوگا تو اس کو زہر نقصان نہیں دے گا

یعنی اس سے ہلاک نہیں ہوگا۔ ورنہ بدنی تکلیف آپؐ کو بہت ہوئی اور ہمیشہ رہی یہاں تک کہ آخر آپؐ نے اسی سے وفات پائی۔ مگر چونکہ یہ وفات آپؐ کی خلاف معمول معجزانہ رنگ میں تھی کیونکہ عادت کے مطابق تو آپ کو اسی وقت ہلاک ہو جانا چاہیئے تھا جبکہ زہر دیا گیا نہ کہ کئی سالوں کے بعد جبکہ نبوت کا مقصد پورا ہو چکا نیز اسی گوشت نے آپؐ کو خبر دی جس میں زہر ملایا گیا تھا، پس جیسے یہ واقعہ آپؐ کی نبوّت کی دلیل ہے ایسے ہی جادو کا واقعہ ہے؛

ناظرین خیال فرمائیں کہ جادو کرنے والے دشمن تو اس واقعہ کو آپؐ کی نبوّت کی دلیل بناتے ہیں اور آپؐ کے نام لیوا کلمہ گو مسلمان اس کو نبوت کے منافی سمجھ کر آپؐ کی احادیث پر ہاتھ صاف کر رہے ہیں۔ انا للہ۔ سچ ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم ٭ کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

ایسے لوگوں سے بالکل قطع تعلق چاہیئے اور امامت وغیرہ سے ہٹا دینا چاہیئے۔ مومن کی یہ شان نہیں کہ صحیح احادیث کا انکار کرے۔

اسماء الٰہی کی حقیقت

سوال:۔ ایک جگہ تفسیر فتح البیان میں الحمد کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔ اسماء اللہ تؤخذ باعتبار الغایات التی ہی افعال دون المبادی التی ہی انفعالات۔ اس کی پوری تشریح بیان کریں۔ یہ علم کلام کا مسئلہ ہے؟

جواب:۔ مثلاً اللہ تعالیٰ کو رحمٰن رحیم کہا جاتا ہے تو اس کے معنٰے یہ ہوئے۔ کہ خدا تعالیٰ رحمت سے موصوف ہے اور رحمت کے معنٰے رقت قلب کے ہیں۔ تو لازم آیا۔ کہ خدا تعالیٰ کے لئے قلب ہو اور قلب گوشت کا ایک لوتھڑا ہے۔ تو معاذ اللہ خدا بھی ایسا ہوگا۔ لیکن یہ خرابی اس صورت میں لازم آتی ہے۔ کہ خدا تعالیٰ کو باعتبار مبداء (مصدری معنٰی) کے رحمٰن رحیم کہا جائے اگر باعتبار غایت اور نتیجہ کے کہا جائے تو پھر کوئی اعتراض نہیں۔ رقت قلب کی غایت اور نتیجہ احسان ہے۔ یعنی جب کسی کی بابت انسان کا دل نرم ہوتا ہے۔ تو اس کے ساتھ احسان کرتا ہے۔ تو گویا خدا تعالیٰ کو رحمٰن رحیم کہنے کے یہ معنٰی ہوئے۔ کہ خدا اپنے بندوں سے احسان کرتا ہے یہ معنٰی ہیں فتح البیان کی عبارت کے۔ کہ خدا کے نام باعتبار غایت کے لئے جاتے ہیں۔ نہ باعتبار مبداء کے اس کی زیادہ تفصیل ہم نے آپ کے شاگرد مولوی عطاء اللہ کے رسالہ الاہتداء کی تقریظ میں کی ہے۔ جو نہایت مفید ہے۔

مولوی عطاء اللہ فرید کوٹ کپورہ بڑی مسجد اہل حدیث

قرآن مجید کے ساتھ دم وغیرہ کرنے سے فائدہ نہ ہو تو یہ کہنا جائز ہے کہ قرآن مجید سے فائدہ نہیں ہوا؟

سوال:۔ زید عرصہ سے نزلہ کھانسی۔ دمہ کی بیماری میں مبتلا ہے۔ ایک عامل نے قرآن مجید سے علاج کیا۔ سورۂ فاتحہ اور آیات شفا لکھ کر پلائیں۔ مگر اس سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ زید کا خیال ہے کہ ڈاکٹری علاج کرایا جائے۔ مگر عامل نے منع کر دیا کہ قرآن مجید کے دم کو ترک کر کے تم کافر ہو جاؤ گے دریافت طلب امر یہ ہے کہ آیا زید ڈاکٹری حکیمی علاج کروا سکتا ہے یا نہیں۔ جبکہ قرآن مجید سے کوئی فائدہ نہیں ہوا۔ قرآن مجید کی شفاء پر ایمان رکھتے ہوئے حالت کے مطابق یہ کہنا کہ اس سے کچھ فائدہ نہیں ہوا کیا اس سے کفر لازم آتا ہے؟

جواب:۔ کتب احادیث میں علاج معالجہ کی بابت بکثرت احادیث موجود ہیں جن میں مادی۔ روحانی ہر قسم کے معالجات مذکور ہیں۔ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود فرمائے اور کئے ہیں۔ اگر قرآن مجید کے علاوہ اور معالجات کفر ہوتے تو معاذ اللہ۔ معاذ اللہ یہ کفر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر عائد ہوتا رہا۔ فائدہ نہ فائدہ تو خدا تعالیٰ کے ہاتھ میں ہے۔ قرآن مجید کے ساتھ شفاء بھی خدا کی طرف سے ہے اور غیر قرآن کے ساتھ خدا تعالےٰ کی طرف سے ہے خدا تعالیٰ نے شہد کو شفاء للناس (۱۴) فرمایا ہے تو اگر کسی بیمار کو شہد سے فائدہ نہ ہو اور اس بات کو بیان کرتا ہوا کوئی شخص کہہ دے کہ شہد سے فائدہ نہیں ہوا تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ معاذ اللہ خدا تعالیٰ کا شفاء للناس کہنا غلط ہے بلکہ اس کا مطلب صرف یہ ہے کہ اس خاص موقعہ پر مشیت ایزدی سے اس کا اثر رک گیا سو اس طرح قرآن شریف کو سمجھ لینا چاہیئے جو شخص کسی خاص موقعہ پر فائدہ کی نفی سے قرآن مجید کے شفاء ہونے سے انکار سمجھ لیتا ہے یہ اس کی بے سمجھی ہے۔

• عبداللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۶ صفر ۱۳۵۷ھ، ۶ اپریل ۱۹۳۸ء

تعویذات

سوال:۔ آیات قرآنی سے تعویذ گلے میں ڈالنا یا بازو پر باندھنا جائز ہے یا نہیں؟ جواز یا عدم جواز پر قرآن و حدیث سے کیا دلیل ہے؟ السائل:۔ حاجی ابراہیم حسین سیٹھ بنگلور مورخہ ۱۲ جون ۲۳ء

جواب:۔ مشکوۃ میں ہے:۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا فزع احدکم فی النوم فلیقل اَعُوْذُ بِکَلِمَاتِ اللّٰہِ التَّامَّاتِ مِنْ غَضَبِہٖ وَعِقَابِہٖ وَشَرِّ عِبَادِہٖ وَمِنْ ھَمَزَاتِ الشَّیَاطِیْنِ وَاَنْ یَّحْضُرُوْنِ فانھا لن تضرہ وکان عبد اللہ بن عمرو یعلمھا من بلغ من ولدہ ومن لم یبلغ منھم کتبھا فی صک ثم علقھا فی عنقہ رواہ ابو داؤد والترمذی وھذا لفظہ (مشکوٰۃ باب الاستعاذۃ ص۲۱۷)

عمرو بن شعیب اپنے باپ وہ اپنے دادے (عبد اللہ بن عمرو رضہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، جو اپنی نیند میں گھبرائے وہ یہ کلمات پڑھے اَعُوْذُ الخ یعنی میں خدا کے پورے کلمات کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اس کے غضب سے اس کے عذاب سے اس کے بندوں کے شر سے اور شیاطین کے وسوسوں سے اور اس سے کہ میرے پاس حاضر ہوں۔ پس وہ خواب اس کو بالکل نقصان نہیں دے گی۔ اور (عبد اللہ بن عمرو رضہ کی اولاد سے جو بالغ ہو جاتا عبد اللہ بن عمرو رضہ اس کو یہ کلمات سکھا دیتے۔ اور جو نابالغ ہوتا کاغذ پر لکھ کر اس کے گلے میں ڈال دیتے۔ اس کو ابو داؤد اور ترمذی نے روایت کیا۔"

عموماً جواز کے لئے یہ دلیل پیش کی جاتی ہے مگر اس پر اعتراض ہوتا ہے کہ یہ صحابی کا فعل ہے اور صحابہؓ دوسری طرف بھی ہیں تو پھر فیصلہ کیا ہوا؟

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے "دین خالص" میں پہلے یہ حدیث ذکر کی ہے۔

ؔ بعض کہتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تعویذ ڈالنا ہو تو نابالغوں کو ڈالو۔ بالغوں کو نہ ڈالو مگر یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ اگر بالغوں کے لئے ناجائز ہونا تو نابالغوں کے لئے بھی ناجائز ہوتا جیسے سونا چاندی ریشم وغیرہ۔ کیونکہ عموماً چھوٹے بڑوں کے لئے اس قسم کے احکام یکساں ہوتے ہیں۔ خاص کر جہاں ان پڑھ اس بارہ میں بچوں کے حکم میں ہیں۔ کیونکہ ان کو پڑھنا مشکل ہے ہاں اس سے یہ ضرور نکلتا ہے کہ پڑھنا افضل ہے حتی الوسع اسی کی کوشش چاہیئے عموماً چھوٹوں بڑوں کے لئے اس قسم کے احکام یکساں ہوتے ہیں خاص کر جہاں ان پڑھ اس بارے میں بچوں ہی کے حکم میں ہیں کیونکہ اُن کو پڑھنا مشکل ہے ہاں اس سے یہ ضروری نکلتا ہے کہ پڑھنا افضل ہے حتی الوسع اسی کی کوشش چاہیئے۔ ۱۲ منہ

عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ رض قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ رواه احمد وابوداؤد۔

ابن مسعود رض سے روایت ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دم، تعویذ، عمل حب یہ شرک ہے۔"

اس کے بعد اس کی شرح کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

اَقُوْلُ اِنَّ الْعُلَمَاءَ مِنَ الصَّحَابَةِ وَالتَّابِعِيْنَ فَمَنْ بَعْدَهُمْ اِخْتَلَفُوْا فِیْ جَوَازِ تَعْلِيْقِ التَّمَائِمِ الَّتِیْ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَاَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰی وَصِفَاتِهٖ فَقَالَتْ طَائِفَةٌ يَجُوْزُ ذٰلِكَ وَهُوَ قَوْلُ ابْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ وَهُوَ ظَاهِرُ مَا رُوِیَ عَنْ عَائِشَةَ وَبِهٖ قَالَ اَبُوْ جَعْفَرِ نِ الْبَاقِرُ وَاَحْمَدُ فِیْ رِوَايَةٍ وَحَمَلُوا الْحَدِيْثَ عَلَى التَّمَائِمِ الَّتِیْ فِيْهَا شِرْكٌ وَقَالَتْ طَائِفَةٌ لَا يَجُوْزُ ذٰلِكَ وَبِهٖ قَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ رض وَابْنُ عَبَّاسٍ رض وَهُوَ ظَاهِرُ قَوْلِ حُذَيْفَةَ وَعُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ وَابْنِ عُكَيْمٍ وَبِهٖ قَالَ جَمَاعَةٌ مِّنَ التَّابِعِيْنَ مِنْهُمْ اَصْحَابُ ابْنِ مَسْعُوْدٍ وَاَحْمَدُ فِیْ رِوَايَةٍ وَاخْتَارَهَا كَثِيْرٌ مِّنْ اَصْحَابِهٖ وَجَزَمَ بِهِ الْمُتَاَخِّرُوْنَ وَاحْتَجُّوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ وَمَا فِیْ مَعْنَاهُ (دین خالص حصہ اوّل ص۳۴۴)

صحابہ، تابعین اور ان کے بعد کے علماء میں قرآن مجید اور اسماء اور صفاتِ الٰہی کے تعویذوں کے متعلق اختلاف ہے۔ ایک جماعت جواز کی قائل ہے اُن سے عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ اور حضرت عائشہؓ کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور ابوجعفر باقرؒ بھی اسی کے قائل ہیں۔ اور امام احمدؒ سے بھی ایک روایت اسی کے موافق ہے اور حدیث مذکور کو شرکیہ تعویذوں پر محمول کرتے ہیں۔ اور ایک جماعت عدم جواز کی قائل ہے اور عبداللہ بن مسعودؓ اور عبداللہ بن عباسؓ کا بھی یہی مذہب ہے اور حذیفہ رض اور عقبہ بن عامر رض اور ابن عکیمؓ کے قول سے بھی یہی ظاہر ہوتا ہے اور ایک جماعت تابعینؒ سے بھی اسی کی قائل ہے ان سے اصحاب ابن مسعودؓ ہیں۔ اور ایک روایت امام احمدؒ سے بھی اسی کے موافق ہے امام احمدؒ کے بہت سے اصحاب نے اسی کو اختیار کیا ہے اور متاخرین کا بھی یہی مذہب ہے اور دلیل اس کی حدیث مذکور اور اس کے ہم معنی دیگر روایتیں پیش کرتے ہیں۔"

(حاشیہ ص۱۹۱ پر ملاحظہ)

اس سے معلوم ہوا کہ مسئلہ مختلف فیہا ہے اور دونوں طرف صحابہؓ ہیں تو اب فیصلہ کسی اور دلیل سے ہونا چاہیے صرف کسی صحابیؓ کا قول و فعل پیش کر دینا کافی نہیں۔ پس اب سنیئے :۔

حدیث مذکور میں تین چیزیں ذکر ہوئی ہیں۔ رُقیہ[1]۔ تمیمہ[2]۔ تولہ[3]۔ یعنی دم۔ تعویذ اور عمل حُب۔ حدیث میں ان تینوں پر شرک کا حکم لگایا گیا ہے۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نفس ان تینوں کا شرک ہے یا ان کی کئی قسمیں ہیں جیسے بعض شرک ہیں بعض غیر شرک ہیں۔ کچھ شک نہیں کہ نفس دم یعنی ذاتِ دم کی یا ذاتِ تعویذ یا ذاتِ عمل حُب کی شرک نہیں بلکہ ان کی بعض قسمیں شرک ہیں اور اس کی تائید اس حدیث سے بھی ہوتی ہے جو مشکوٰۃ میں ہے :۔

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْأَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِي فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ كَيْفَ تَرٰى فِي ذٰلِكَ فَقَالَ اعْرِضُوا عَلَيَّ رُقَاكُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰى مَا لَمْ يَكُنْ فِيهِ شِرْكٌ

(مشکوٰۃ کتاب الطب صفحہ ۳۸۸)

"عوف بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ہم جاہلیت میں دم کیا کرتے تھے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہم نے اس کی بابت دریافت کیا تو فرمایا اپنے دم مجھ پر پیش کرو۔ جب دم میں شرک نہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔"

اس کی ہم معنی اور بھی کئی احادیث ہیں جو مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہیں۔ اور یہ صرف جاہلیت کے دموں کے متعلق ہیں اور جو دم قرآن و حدیث کے ہیں وہ ان کے علاوہ ہیں۔ ان سے معلوم ہوا کہ نفس دم مراد نہیں بلکہ اس کی بعض قسمیں (کلماتِ شرکیہ) مراد ہیں۔ اور جب اس کی بعض قسمیں مراد ہوئیں تو باقی دو میں بھی بعض مراد ہوں گی کیونکہ جیسے دم کی بعض قسمیں شرکیہ ہیں بعض غیر شرکیہ اسی طرح باقی دو کا حال ہے۔ پس تفریق کی کوئی وجہ نہیں۔ اسی لئے جو جواز کے قائل ہیں، انہوں نے حدیث مذکورہ کو شرکیہ تعویذوں پر محمول کیا ہے جیسے نواب صاحبؒ کی عبارتِ مذکورہ میں اس کی تصریح ہے۔

(حاشیہ بر صفحہ ۱۹۰) [1] بعض حدیث مَنْ تَعَلَّقَ شَيْئًا وُكِلَ إِلَيْهِ پیش کرتے ہیں یعنی جس نے کسی شئے سے تعلق پیدا کیا وہ اسی کی طرف سونپا جائیگا۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ تعلق دو طرح کا ہوتا ہے ایک دل سے ایک فعل سے چنانچہ نواب صاحبؒ نے دین خالص حصہ اول کے صفحہ ۲۴۵ میں اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اسکی تصریح کی ہے دل سے تعلق یہ ہے کہ غیر پر بھروسہ کر لے اور فعل سے یہ ہے کہ اس کے مطابق عملدرآمد کرے اسمیں ہر قسم کے اسباب معیشت اور دم تعویذ وغیرہ داخل ہیں پس یہ ممانعت خاص تعویذ سے تعلق نہیں رکھتی بلکہ ہر قسم کے اسباب سے ہے[2]۔

[2] جب کہ ان پر بھروسہ کر لیا جائے۔ ۱۲

اور تمیمہ اور تولہ کی تفسیر بھی اسی کی مؤید ہے چنانچہ نیل الاوطار جلد ۸ کتاب الطب باب ماجاء فی الرقی والتمائم صـ۲۲۴ میں ہے۔

اَلتَّمَائِمُ جَمْعُ تَمِیْمَۃٍ وَھِیَ خَرَزَاتٌ کَانَتِ الْعَرَبُ تُعَلِّقُھَا عَلٰی اَوْلَادِھِمْ یَمْنَعُوْنَ بِھَا الْعَیْنَ فِیْ زَعْمِھِمْ فَاَبْطَلَہُ الْاِسْلَامُ

"یعنی تمیمہ منکے ہیں جو نظر سے بچاؤ کے لئے عرب اپنے اعتقاد کی بناء پر اپنی اولاد کے گلے میں باندھتے تھے۔ پس اسلام نے اس کو باطل کر دیا۔"

اور تولہ کی تفسیر میں لکھا ہے۔

قَالَ الْخَلِیْلُ التِّوَلَۃُ شَبِیْہٌ بِالسِّحْرِ۔ یعنی "خلیلؒ کہتے ہیں تولہ جادو کے مشابہ ہے۔" اور حافظ ابن حجرؒ فتح الباری جزء ۲۴ باب باب الرقی بالقرآن الخ صـ۴۱۸ میں لکھتے ہیں۔

وَالتِّوَلَۃُ شَیْئٌ کَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَجْلِبُ بِہٖ مَحَبَّۃَ زَوْجِھَا وَھُوَ نَوْعٌ مِّنَ السِّحْرِ

یعنی "تولہ ایک شئے ہے جس کے ذریعے اپنے خاوند کی محبت کھینچ لیتی ہے اور وہ ایک قسم جادو ہے۔"

نیل الاوطار میں خلیلؒ کے قول کے بعد یہ بھی لکھا ہے۔

وَقَدْ جَاءَ تَفْسِیْرُہٗ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ کَمَا اَخْرَجَہُ الْحَاکِمُ وَابْنُ حِبَّانَ وَصَحَّحَاہُ اَنَّہٗ دَخَلَ عَلَی امْرَاَۃٍ وَفِیْ عُنُقِھَا شَیْئٌ مَعْقُوْدٌ فَجَذَبَہٗ فَقَطَعَہٗ ثُمَّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰی وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَۃَ شِرْکٌ قَالُوْا یَا اَبَا عَبْدِ اللّٰہِ[1] ھٰذَا التَّمَائِمُ وَالرُّقٰی قَدْ عَرَفْنَاھَا فَمَا التِّوَلَۃُ قَالَ شَیْئٌ یَصْنَعُہُ النِّسَاءُ یَتَحَبَّبْنَ اِلٰی اَزْوَاجِھِنَّ یَعْنِیْ مِنَ السِّحْرِ قِیْلَ ھُوَ خَیْطٌ یُقْرَاُ فِیْہِ مِنَ السِّحْرِ اَوْ قِرْطَاسٌ یُکْتَبُ فِیْہِ شَیْئٌ مِنْہُ یَتَحَبَّبُ بِہِ النِّسَاءُ اِلٰی قُلُوْبِ الرِّجَالِ اَوِ الرِّجَالُ اِلٰی قُلُوْبِ النِّسَاءِ فَاَمَّا

---

[1] اصل میں اسی طرح ہے مگر غلط معلوم ہوتا ہے کیونکہ عبداللہ بن مسعود رضؓ کی کنیت ابوعبدالرحمٰن مشہور ہے۔ اور نواب صاحب نے بھی دین خالص جلد اول فصل ردّ شرك الرقی والتمائم صـ۳۴۵ میں یہ روایت ذکر کی ہے اس میں یا اباعبداللہ کی بجائے یا اباعبدالرحمٰن ہے پس صحیح یہی ہے ۱۲

ما تحبب به المرأة الی زوجها من کلام مباح کما یسمّی الغنج وکما تلبسه للزینة او تطعمه من عقار مباح اکله او اجزاء حیوان ماکول مما یعتقد انه سبب الی محبة زوجها لما اودع الله تعالیٰ فیه من الخصیصة بتقدیر الله لا انه یفعل ذلک بذاته قال ابن رسلان فالظاهر ان هذا جائز لا اعرف الآن ما یمنعه فی الشرع انتھی۔

"اور تولہ کی تفسیر خود عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے آئی ہے جس کو حاکمؒ اور ابن حبانؒ نے روایت کیا ہے اور صحیح بھی کہا ہے۔ وہ یہ کہ انہوں نے اپنی بیوی کے گلے میں کچھ بندھا ہُوا دیکھ کر اس کو توڑ دیا اور کہا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے رُقی اور تمائم اور تولہ شرک ہے۔ لوگوں نے کہا اے ابوعبدالرحمٰن! رُقی اور تمائم کو تو ہم جانتے ہیں تولہ کیا شئے ہے؟ کہا، ایک شئے ہے جو عورتیں خاوندوں کی محبّت کے لئے بناتی ہیں یعنی جادو کی قسم ہے۔ کہا گیا وہ ایک تاگہ ہے جس پر جادو سے کچھ پڑھا جاتا ہے یا کاغذ ہے جس میں جادو سے کچھ لکھا جاتا ہے جس کے ذریعے عورتیں مردوں کو محبوب ہو جاتی ہیں یا مرد عورتوں کو محبوب ہو جاتے ہیں بہرحال کلام مباح سے عملِ حُب نزاکت[1] اور زینت کی طرح یا کوئی مباح جڑی بوٹی کھلا کر یا حلال جانور کے اجزاء کھلا کر جن کے متعلق اعتقاد ہو کہ ان میں تقدیرِ الٰہی کے ساتھ نہ ذاتی طور پر محبت پیدا کرنے کی خاصیّت ہے اس قسم کے عملِ حُب کی بابت ابن سلمان نے کہا ہے کہ ظاہر یہی ہے کہ یہ جائز ہے۔ شریعت میں اس کے منع کی کوئی دلیل میں نہیں جانتا۔"

اِس تفصیل سے معلوم ہُوا کہ صرف شرک والی صورتیں منع ہیں باقی جائز ہیں۔ ہاں پرہیز افضل ہے جس کی دو وجہیں ہیں۔ ایک یہ کہ اختلافی بات میں اختلاف سے نکل جانا بہتر ہے روحانی علاج میں زیادہ تر ان باتوں پر عملدرآمد چاہیئے جن پر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور عام طور پر سلفؒ کا عمل ہو یا احادیث میں ان کی ترغیب ہو کیونکہ روحانیات کا تعلق اعتقاد سے زیادہ ہے اور اعتقاد عموماً عمل سے ظاہر ہوتا ہے؛

نواب صاحبؒ نے بھی جائز قرار دیتے ہوئے آخر یہی فیصلہ کیا ہے کہ پرہیز افضل ہے چنانچہ عبارت

---

[1] اس سے امام شوکانیؒ دلیلِ جواز کی طرف اشارہ کر رہے ہیں۔ یعنی کلام مباح سے عملِ حُبّ کی مثال ایسی ہے جیسے وہ شئے جس کا نام "غنج" (نزاکت) رکھا جاتا ہے اور وہ شئے جو عورت زینت کیلئے پہنتی ہے کشش کا ذریعہ ہیں۔ ۱۲ منہ

مذکورہ بالا (جس میں سلف کا اختلاف ذکر کیا ہے) کے بعد لکھتے ہیں :۔

قال بعض العلماء وھذا (ای عدم الجواز) ھو الصحیح لوجوہ ثلثة تظھر للمتامل الاول عموم النھی ولا مخصص الثانی سد الذریعة فانه یفضی الی تعلیق من لیس کذلک الثالث انه اذا علق فلا بد ان یمتھنه بحمله معه فی حال قضاء الحاجة والاستنجاء ونحو ذلک قال وتامل ھذہ الاحادیث وما کان علیه السلف یتبین لک بذلک غربة الاسلام خصوصًا ان عرفت عظیم ما وقع فیه الکثیر بعد القرون المفضلة من تعظیم القبور واتخاذھا المساجد والاقبال الیھا بالقلب والوجه وصرف الدعوات والرغبات والرھبات وانواع العبادات التی ھی حق اللہ تعالیٰ الیھا من دونه کما قال تعالیٰ ولا تدع من دون اللہ مالا ینفعک ولا یضرک فان فعلت فانک اذا من الظالمین وان یمسسک اللہ بضر فلا کاشف له الا ھو وان یردک بخیر فلا راد لفضله ونظائرھا فی القرآن اکثر من ان یحصر انتھی۔

قلت غربة الاسلام شیٔ وحکم المسئلة شیٔ اٰخر والوجه الثالث المتقدم لمنع التعلیق ضعیف جدًا لانه لا مانع من نزع التمائم عند قضاء الحاجة ونحوھا لساعة ثم یعلقھا والراجح فی الباب ان ترک التعلیق افضل فی کل حال بالنسبة الی التعلیق الذی جوزہ بعض اھل العلم بناء علی ان یکون بما ثبت لا بما لم یثبت لان التقوی له مراتب وکذا الاخلاص وفوق کل رتبة فی الدین رتبة اخری والمحصلون لھا اقل ولھذا ورد فی الحدیث فی حق السبعین الفا یدخلون الجنة بغیر حساب انھم ھم الذین لا یرقون ولا یسترقون مع ان الرقی جائزة وردت بھا الاخبار والاثار واللہ اعلم بالصواب وللمتقی من یترک مالیس به ... خوفا مما فیه باس۔ (فصل رد شرک الرقی والتمائم صفحه ۳۴۴-۳۴۵)

"بعض علماء نے کہا ہے کہ عدم جواز ہی صحیح ہے جس کی تین وجہیں ہیں ایک یہ کہ حدیث مذکور عام ہے اور مخصص کوئی نہیں۔ دوم سدّباب کیونکہ تعویذ کی اجازت دی جائے۔ تو لوگ آہستہ آہستہ مشتبہ یا شرکیہ الفاظ والے تعویذ بھی استعمال کرنے لگ جائیں گے۔ سوم پاخانہ پیشاب کے وقت تعویذ

ساتھ لے جانے سے کلام الٰہی اور اسماء الٰہی کی توہین ہوگی۔ اور ان بعض علماء نے کہا ہے کہ ان احادیث میں اور روشِ سلف میں غور کر تاکہ تیرے لئے غربتِ اسلام واضح ہو جائے خاص کر جبکہ تو دیکھے کہ خیر قرون کے بعد لوگ کس قدر خرابیوں میں واقع ہو گئے قبروں کی تعظیم، ان کو مسجدیں بنانا دل وجان سے ان کی طرف آمد و رفت۔ قبر والوں کو پکارنا۔ ان سے اُمید و خوف رکھنا۔ کئی طرح کی عبادت کرنا جو خاص خدا کا حق ہے۔ قرآن مجید میں ہے۔ ایسی شئے کو نہ پکار جو نہ کچھ نفع دے سکے نہ نقصان اگر تو ایسا کرے گا تو ظالم ہو جائے گا۔ اور خدا اگر تجھے ضرر پہنچائے تو کوئی اُسے کھولنے والا نہیں اور اگر تیرے ساتھ خیر کا ارادہ کرے تو کوئی اس کے فضل کو ردّ کرنے والا نہیں۔ اس قسم کی آیتیں بہت ہیں۔ مَیں (نواب صدیق حسن) کہتا ہوں کہ غربتِ اسلام علیٰحدہ شئے ہے اور مسئلہ علیٰحدہ شئے ہے۔ اور تیسری وجہ بالکل کمزور ہے کیونکہ تھوڑی دیر کے لئے پاخانہ پیشاب کے وقت تعویذ کھولا جا سکتا ہے اور افضل ترکِ تعویذ ہے وہ تعویذ جس کو بعض علماء نے بوجہ ثبوت کے جائز قرار دیا ہے نہ کہ وہ تعویذ جس کا کوئی ثبوت نہیں۔ اور جو ثابت ہے اس کا ترک اس لئے افضل ہے کہ تقویٰ اور اخلاص کے کئی مراتب ہیں اور دین میں ہر مرتبہ کے اُوپر دوسرا مرتبہ ہے اور اس کے حاصل کرنے والے بہت کم ہیں۔ اسی واسطے ستّر ہزار آدمی جو بغیر حساب کے جنّت میں داخل ہوں گے۔ ان کے متعلق رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ وہ وہی ہیں جو نہ دَم کرتے ہیں نہ کرواتے ہیں حالانکہ دَم جائز ہے چنانچہ اخبار آثار میں آیا ہے۔ اور متقی وہ ہے جو اس شئے کی وجہ سے جس میں ڈر ہے اس شئے کو بھی چھوڑ دے جس میں ڈر نہیں۔"

نواب صاحب مرحوم نے اس عبارت میں بعض علماء کی پہلی وجہ کی طرف اس لئے توجہ نہیں کی کہ وہ ظاہر البطلان ہے کیونکہ دَم، تمیمہ، تِوَلہ کی ذات شرک نہیں بلکہ بعض قسمیں شرک ہیں چنانچہ اُوپر بیان ہو چکا ہے تو حدیث عموم پر کیسے محمول ہو سکتی ہے۔ دوسری وجہ کو نواب صاحبؒ نے یہ کہہ کر رد کر دیا ہے کہ غربتِ اسلام علیٰحدہ شئے ہے اور مسئلہ علیٰحدہ شئے ہے گویا سدِّ باب سے بعض علماء کا مطلب یہ تھا کہ جیسے قبروں کا معاملہ برائی کی طرف ترقی کر کے غربت اسلام کا باعث ہو گیا اسی طرح قرآن وحدیث کے الفاظ کے ساتھ تعویذ کرنے کرتے کہیں غیر مشروع الفاظ کے ساتھ بھی تعویذوں کا راستہ نہ کھل جائے جو غربتِ اسلام کا ذریعہ بن جائے۔ نواب صاحبؒ نے اس کا جواب دیا کہ اس طرح کی غربتِ اسلام اصل مسئلہ میں مخل نہیں۔ مثلاً قبروں میں خرافات ہونے سے مسنون طریق پر اُن

کی زیارت منع نہیں ہوسکتی۔ ٹھیک اسی طرح تعویذ کا معاملہ ہے۔ تیسری وجہ پر نواب صاحبؒ نے بہت کمزور ہونے کا حکم لگایا ہے۔ اور واقعی وہ بہت کمزور ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی پہنتے تھے۔ ٹٹی جانے کے وقت اتار دیتے تھے۔ پھر مڑھانے کی صورت میں شاید یہ بے ادبی بھی نہ رہے۔ بہر صورت جواز میں کوئی شبہ نہیں۔ مگر ان الفاظ کے ساتھ جو قرآن وحدیث سے ثابت ہوں۔ یا ان کے ہم معنی ہوں۔ مشتبہ نہ ہوں لیکن باوجود جواز کے نواب صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ترک افضل ہے کیونکہ حرام سے بچ کر جائز پر اکتفا کرنا اگرچہ تقویٰ ہے مگر تقویٰ اور اخلاص اسی پر ختم نہیں بلکہ اس کے بہت سے مراتب ہیں اور ہر مرتبہ کے اوپر ایک اور مرتبہ ہے جس کو کم لوگ پہنچتے ہیں۔ اسی لئے ۷۰ ہزار آدمی جو بغیر حساب کے جنت میں داخل ہوں گے ان کی نسبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ وہ ہیں جو نہ دم کرتے ہیں نہ کراتے ہیں حالانکہ دم کے جواز میں احادیث اور آثار سلف بہت آئے ہیں۔ تو اگر تقویٰ کی حد صرف جواز تک ہوتی تو پھر ترک دم[1] کے ساتھ ان ستر ہزار کی تعریف کیوں ہوتی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل تقویٰ جائز پر اکتفا کرنے میں نہیں بلکہ جائز کو بھی چھوڑ کر احتیاط والی صورت اختیار کرنے میں ہے پس افضل ترک ہے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ عبداللہ امرتسری مورخہ ۱۲/۵۹ ۲۸ھ مطابق ۷/۱ ۲۷ء

---

[1] اس حدیث میں دم سے مراد جاہلیت کے دم ہیں جو کلمات شرکیہ یا کلمات مشتبہ سے ہیں لیکن قرآن وحدیث کے الفاظ نہیں نہ قرآن وحدیث میں ان کی ترغیب یا تعریف آئی ہے ایسے دموں سے پرہیز کی یہ فضیلت ہے کہ بغیر حساب کے جنت کا وعدہ ہے۔ رہے وہ دم جن کی قرآن وحدیث میں تعریف یا ترغیب آئی ہے یا خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یا خاص صحابہؓ کا ان پر عمل رہا ہے تو ایسے دم کرنے والے کے مرتبہ میں کوئی کمی نہیں آتی مثلاً بخاری وغیرہ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت اخیر کی تین سورتیں پڑھ کر ہاتھوں پر پھونک کر بدن پر مل لیا کرتے تھے۔ تین دفعہ اسی طرح کرتے۔ اور مرض الموت میں حضرت عائشہ رضؓ انہی سورتوں کو پڑھ کر آپ کے ہاتھوں پر پھونک کر ہاتھوں کو بدن پر مل دیتیں۔ اسی طرح جبریل علیہ السلام کا آپ کو دم کرنا مسلم میں آیا ہے اس قسم کے دموں سے اگر مرتبہ کم ہوجاتا تو آپؐ ان پر کیوں عمل کرتے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ایسے دموں کے ترک میں کوئی فضیلت نہیں بلکہ ایسے دموں کی نسبت حافظ ابن حجر رحؒ نے فتح الباری جزء ۲۳ ص ۱۹۹ میں قرطبیؒ سے نقل کیا ہے کہ مستحب ہیں اور جزء ۲۴ ص ۴۲۸ میں ستر ہزار آدمیوں کے بغیر حساب جنت میں جانے کی حدیث پر لکھا ہے کہ سنت رسولؐ کی اتباع کرتے ہوئے ایسے اسباب کرنے میں توکل میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اسی طرح امام شوکانی رحؒ نے نیل الاوطار جلد ۸ ص ۲۳۲ میں ایسے دموں کو سنت کہا ہے اور ص ۲۴۷ میں قرطبیؒ

(باقی ص ۱۹۷)

قرآن مجید کی موجودہ ترتیب نزول کے مطابق کیوں نہیں،

سوال :۔ قرآن مجید کو نزول کے مطابق کیوں نہیں لکھا گیا؟ قرآن مجید آپ کے زمانہ میں اکٹھا کر کے نہیں لکھا گیا۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ شفیق الرحمن آثم مینگڑی (سیالکوٹ)

جواب :۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود ہی نہیں لکھا کیونکہ آیتیں اترتیں تو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے کہ فلاں آیت کو فلاں سُورت میں رکھ دو اور فلاں آیت کو فلاں سورت میں حالانکہ کوئی سوت پہلے اتری ہوتی اور کوئی پیچھے۔

چنانچہ مشکوٰۃ میں ہے کہ حضرت عثمانؓ سے سوال ہوا تو انہوں نے جواب دیا کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آیتوں کو مختلف سورتوں میں ترتیب دیتے تھے۔ اس بناء پر حضرت عثمانؓ نے قرآن مجید کی تالیف میں مناسبت کا لحاظ رکھتے ہوئے قرآن مجید کی موجودہ تالیف دی جو اس وقت عام ہے۔ عبداللہ بن مسعودؓ کی ترتیب اور ہے۔ یہ وجہ ہے کہ نزول کے موافق ترتیب نہیں ہوئی۔ اور طریقہ بھی یہی ہے مثلاً ڈاکٹر کے پاس مختلف بیماریوں کے بیمار آتے ہیں۔ اور وہاں کو حسب حال نسخے دینا ہے۔ لیکن جب کتابی صورت میں جمع کرے گا۔ تو سر کی بیماری یا پاؤں کی بیماری کی طرف سے شروع کرے گا۔ یا کوئی اور مناسب صورت دیکھے گا۔ ایسے ہی قرآن مجید کا حال ہے۔ سورۃ فاتحہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ ہی سے شروع میں رکھی گئی ہے۔ حالانکہ پہلے سورۃ اقرأ باسم ربک اتری ہے دوسری بات یہ ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں قرآن مجید اکٹھا کر کے لکھا گیا۔ لیکن لکھنے کی صورت اس وقت یہ تھی کہ کوئی حصّہ کاغذ پر لکھ لیا۔ کوئی ہڈی پر۔ کوئی پتھر پر کوئی کھجور کی چھڑی پر اب ظاہر ہے کہ اس کی کتابی شکل نہیں بن سکتی ہے۔ متفرق چیزوں پر اکٹھا ہی تھا۔ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں اس قسم کی روایات بہت ہیں۔ حضرت عثمانؓ نے جب کتابی صورت دی اور جن کے حوالہ یہ کام کیا انہوں نے ان مختلف اشیاء سے جمع کیا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۱۵ رمضان ۱۳۸۳ھ، ۷ فروری ۱۹۶۴ء

(بقیہ حاشیہ ص۱۹۶) مستحب ہونا نقل کیا ہے اور نواب صاحبؒ نے دینِ خالص حصّہ اوّل کے ص۲۴۳ میں جائز حسن اور مستحب لکھا ہے۔ خلاصہ یہ کہ ۷ ہزار آدمیوں کے بغیر حساب جنّت میں داخل ہونیکی حدیث میں اس قسم کے دم مراد نہیں بلکہ دوسرے دم مراد ہیں جو اپنے عملیات کی قسم سے ہیں جیسے جاہلیت میں یا زمانۂ حال میں بہت لوگ کرتے ہیں خواہ شرک سے وہ خالی ہوں پھر بھی ان کا ترک افضل ہے۔ ۱۲ منہ

قرآن مجید کی بات عقل کے خلاف ہونیکے وقت فیصلہ کی صورت

سوال: قرآن مجید میں ہے اَفَلَا یَعْقِلُوْنَ ۔ اَمْ عَلٰی قُلُوْبٍ اَقْفَالُھَا ۔ اِن آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید کو بھی عقل ہی سے پرکھنا چاہیئے اگر خدانخواستہ قرآن مجید کی کوئی بات ہماری سمجھ میں نہ آئے یا ہم اسے اپنی عقل کے خلاف سمجھیں تو فیصلہ کی کیا صورت ہوگی ؟

جواب: سوال دو ہیں۔ ایک یہ کہ سمجھ میں نہ آئے۔ ایک یہ کہ عقل کے خلاف ہو سمجھ میں نہ آنے سے کسی چیز کا انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کے متعلق قرآن مجید کا فیصلہ موجود ہے بَلْ کَذَّبُوْا بِمَا لَمْ یُحِیْطُوْا بِعِلْمِہٖ بلکہ انہوں نے اس چیز کو جھٹلا دیا جس کے علم کا انہوں نے احاطہ نہیں کیا۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے کہ جیسے ہم روح کو جھٹلا دیں صرف اس بنا پر کہ ہمیں اس کی حقیقت معلوم نہیں۔ تو یہ بالکل غلط ہے۔ کیونکہ جب تک کسی چیز کی حقیقت معلوم نہ ہو تو اس کا انکار عقل کی کمزوری ہے۔

دوسرا سوال یہ ہے۔ کہ قرآن مجید کی کوئی بات عقل کے خلاف ہو اس کا جواب یہ ہے کہ کئی دفعہ انسان اپنی کمزوری سے کسی بات کو اپنی عقل کے خلاف سمجھ لیتا ہے اور واقعہ میں وہ عقل کے خلاف نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے کفار کہتے تھے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ کہ ہڈی بوسیدہ ہو کر خاک میں مل جائے اور پھر وہ دوبارہ انسان بن جائے جیسے اللہ تعالیٰ سورہ یٰسین میں فرماتے ہیں۔ قَالَ مَنْ یُّحْیِ الْعِظَامَ وَھِیَ رَمِیْمٌ ۔ یعنی انسان کہتا ہے کہ ہڈیوں کو کون زندہ کر سکتا ہے جس حالت میں کہ وہ بوسیدہ ہو چکی ہوں ۔۔۔ البتہ کوئی بات ہر ایک کی عقل کے خلاف ہو تو اس کو جھٹلایا جا سکتا ہے۔ مگر قرآن مجید میں کوئی ایسی بات نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ جمادی الاول ۱۳۸۴ھ جامع قدس چوک دالگراں لاہور

اولیاء الرحمان اور اولیاء الشیطان میں فرق

سوال: احقر کو چند ایک شبہات نے ورطہ اضطراب میں ڈال رکھا ہے۔ یہ جب میرے دماغ میں انتہائی صورت میں مستحکم ہوتے ہیں تو میرا ایمان خطرے میں پڑ جاتا ہے۔ مبادا میں کہیں ہلاک ہو جاؤں۔ آپ میری پوری تشفی فرمائیں۔ ہمارے علاقہ میں ایک آدمی موسوم مہر شاہ گذرا ہے جس کی کرامات بین طور پر آج بھی ظاہر ہیں۔ جن کا شیطانی اولیاء سے ظہور پذیر ہونا ناممکن ہے اور یہ شخص شریعت

کا سخت دشمن تھا۔ شراب نوشی کا عادی۔ افیون کا رسیا۔ غرضیکہ کل منشیات اس کا معمول تھا۔ نماز روزہ ادا کرنا تو کجا بلکہ اس کی مخالفت کرتا تھا۔ کتّوں کے ساتھ ہمیشہ اکٹھا بیٹھ کر کھانا کھایا کرتا تھا۔ اس کے بغیر کھانا ہی نہ تھا خواہ کتنے روز فاقہ کشی کرنی پڑے۔ اب میں اس کی کرامات سلسلہ وار بیان کرتا ہوں۔

کرامت ۱:۔ پیر مہر شاہ ایک گاؤں سے گذر رہا تھا۔ دو عورتوں نے اُسے آگھیرا اور بہت منّت سماجت کی کہ ہمارے گھر اولاد نہیں۔ ہمیں اولاد دو۔ پیر صاحب نے اردگرد دیکھا۔ تو ایک کاغذ نظر پڑا۔ اس کو اٹھا کر ویسے ہی ایک کوئلہ سے لکھنے لگا۔ اور دو تعویذ تیار کئے۔ اور دونوں تعویذ اکٹھا کرتے وقت پھٹ گئے اور ایک ایک کرکے دونوں عورتوں کو بانٹ دیئے۔ اور کہا جاؤ تمہارے گھر سال کے اندر ایک ایک لڑکا پیدا ہوگا۔ مگر ایک ایک آنکھ سے اندھے ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا اور وہ دونوں لڑکے موجود ہیں جو اس وقت جوان ہیں۔ پیر کی زندہ کرامت دُنیا دیکھ رہی ہے اور اس نے کہا تھا تعویذ پھٹنے کی وجہ سے کانے ہوں گے۔ فافهم

کرامت ۲:۔ پیر صاحب مذکور ایک آدمی کے ہاں وارد ہوئے۔ اور اس کو کہنے لگے مجھے دودھ پلاؤ۔ اس نے نہایت عاجزی سے عرض کی۔ پیر جی میری بھینس بھی حاملہ ہے۔ جب جنے گی تو پلاؤں گا پیر صاحب خاموش ہو کر چلے گئے چند دنوں کے بعد پھر پیر صاحب تشریف لائے تو اس کی بھینس سوئی ہوئی تھی۔ اس نے پیر صاحب کو سیراب کرکے دُودھ پلایا۔ تو پیر صاحب نے دُعا دی کہ جاؤ تمہارے گھر بھینسیں ہمیشہ مادہ ہی جنا کریں گی۔ اور بہت بڑھیں گی چنانچہ اب اس کے پاس چالیس بھینسیں ہیں اور مادہ ہی جنتی ہیں۔ اس دُعا کے بعد کسی بھینس نے آج تک ایک نر بھی نہیں جنا۔ فافهم

کرامت ۳:۔ ایک مرید پیر صاحب کے پاس آیا اور کہا۔ فلاں گھر میری منگنی (نسبت) ہوئی ہے اور وہ مجھے اب رشتہ نہیں دیتے۔ پیر صاحب ان کے گھر گئے۔ انہوں نے نہ مانا۔ پیر صاحب نے بددعا دی کہ تمہاری لڑکی کو بے صبری کر دے۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا۔ اور اب وہ زندہ ہے۔ زنا کرانے سے سیراب ہی نہیں ہوتی جب دیکھو بازاروں میں پھرتی نظر آتی ہے۔ فافهم

کرامت ۴:۔ ایک گاؤں میں پیر صاحب گئے وہاں مچھر بہت کاٹتے تھے۔ لوگوں نے شکایت کی۔ پیر صاحب نے کہا مکانوں کے اندر سویا کرو۔ مچھر نہیں کاٹیں گے چنانچہ اب تک ایسے ہی ہوتا ہے جب لوگ اندر سوتے ہیں تو مچھر نہیں کاٹتے جب باہر سوتے ہیں مچھر ویسے ہی کاٹتے ہیں۔

اِسی طرح اور بہت سے واقعات خوارق عادات ہیں جن کو میں چھوڑتا ہوں۔ یہ چند بطور "مشتے از خروارے" پیش کر دیئے ہیں۔ خدا کے دشمنوں سے ایسی کرامتوں کا ظہور پذیر ہونا کیا حکمت ہے؟ نبی علیہ السّلام کے کلیات جو مقرر شدہ ہیں غلط ہیں؟ مفصل لکھیں اس میں کیا حکمت ہے؟

جواب:۔ آپ خدا کے فضل سے قرآن و حدیث سے واقف ہیں پھر ایسے توہمات میں کس طرح پڑ گئے قرآن مجید میں اولیاء اللہ کی علامت یہ نہیں بتلائی کہ ان سے خرق عادات صادر ہوں، بلکہ ان کی علامت ایمان تقویٰ اور پرہیزگاری بتلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

اَلَاۤ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللّٰهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَكَانُوْا يَتَّقُوْنَ (پ ۱۱)

ترجمہ:۔ "اولیاء اللہ کو کسی قسم کا خوف نہیں ہوگا۔ اور نہ وہ غم کھائیں گے۔ اولیاء اللہ وہ ہیں جو ایمان لائے اور پرہیزگاری کرتے تھے۔"

اس آیت کریمہ نے مسئلہ بالکل صاف کر دیا کہ ولایت کا معیار ایمان اور تقویٰ ہے نہ کہ خرق عادات۔ اگر خرق عادات سے ولایت حاصل ہو سکتی ہے تو پھر دجّال سب سے فوق المرتبہ ولی ہے کیونکہ آسمان و زمین اس کے تابع ہوں گے۔ زمین کو سبزہ اُگانے کا حکم دے گا وہ سبزہ اگائے گی۔ آسمان کو حکم دے گا وہ بارش برسائے گا۔ زمین کے خزانے اس کے پیچھے اس طرح چلیں گے جیسے شہد کی مکھیاں ایک طرف کو اکٹھی ہو کر جاتی ہیں جن پر چاہے گا قحط سالی کر دے گا جن پر چاہے گا خوش حالی کر دے گا۔ جنّت دوزخ اس کے ساتھ ہوگا۔ باوجود اس کے وہ اشد کافر ہے اور خدا کا دشمن ہے عیسیٰؑ اس کو اپنے ہاتھ سے قتل کریں گے۔

جو خرق عادات آپ نے ذکر کی ہیں۔ دجّال کے مقابلہ میں وہ کسی گنتی میں نہیں۔ ایک آدھ خرق عادت کسی سے ہو جائے یا کوئی پیش گوئی درست نکل آئے تو دجّال سے بہت کم ہے جب وہ خدا کا دشمن ہے تو دوسرا شرع کے خلاف چلنے والا محض خرق عادات سے کس طرح ولی ہو سکتا ہے؟ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں جن شیاطین زمین سے آسمان تک ایک دوسرے پر کھڑے ہو جاتے ہیں جب آسمان میں خدا کوئی فیصلہ کرتا ہے جو اہل زمین سے متعلق ہوتا ہے جیسے کسی کی موت و حیات کسی کی ہدایت ضلالت یا امیری غریبی یا اسی قسم کا کوئی اور فیصلہ تو فرشتے ایک دوسرے سے پوچھتے ہیں کیا فیصلہ کیا۔ اس موقعہ پر جن شیاطین کوئی بات سن لیتے ہیں اور زمین میں کاہنوں کے کانوں میں ڈال دیتے ہیں۔ اس کے ساتھ بہت سے جھوٹ ملا دیتے ہیں۔ آسمانی بات تو من و عن صحیح ہو جاتی ہے۔ اس کے ساتھ جھوٹ بھی سچ

سمجھے جاتے ہیں۔ حالانکہ شریعت کی رو سے کاہن کافر ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہؤا کہ خرق عادت پر ولایت کا مدار نہیں۔ ہاں ایمان اور پرہیزگاری کے بعد اگر کسی کے ہاتھ سے ایسا معاملہ ظاہر ہو جائے تو یہ اس کی کرامت ہے۔ اگر شریعت کا پابند نہیں اور پھر اس کے ہاتھ پر دجال کی طرح خرق عادت ظاہر ہو جائے۔ یا کاہنوں کی طرح اس کی پیش گوئی پوری ہو جائے یا خبر صحیح ہو جائے تو یہ کرامت نہیں بلکہ اس کو "استدراج" کہتے ہیں۔ یعنی آہستہ آہستہ پکڑنا۔ کیونکہ وہ سمجھتے ہیں کہ ہم پر خدائی انعام پورا ہو رہا ہے۔ اور در حقیقت وہ بوجہ سرکشی کے دوزخ کے قریب ہو رہے ہیں چنانچہ قرآن مجید میں ہے:۔

سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُونَ (۹/۱۲)

(ترجمہ) "ہم ان کو آہستہ آہستہ ایسے طریق سے پکڑتے ہیں کہ ان کو خبر نہیں ہوتی"

اس کے علاوہ اکثر اس قسم کے قصے جھوٹے اور مصنوعی ہوتے ہیں۔ ان کی اصلیت کچھ نہیں ہوتی۔ ڈاڑھی منڈے فقیر شرع کے مخالف ایسے قصے جوڑ جوڑ کر لوگوں کو گمراہ کرتے ہیں۔ عوام کالانعام سُن سُن کر فریفتہ ہو جاتے ہیں۔ آپ خود ہی اندازہ کر سکتے ہیں۔ کہ گدھی کے ساتھ بدفعلی کا قصہ کیسا افترا ہے ایسا فعل کر کے بھی پیر بنا رہے۔ اور اس کی دعا بھی تیر بہدف ہو۔ ایسے قصہ کی عامی سے عامی بھی تصدیق نہیں کر سکتا۔ آپ کے لئے یہ خطرہ کا باعث کس طرح بن گیا۔

اسی طرح پیر مہر شاہ کی کرامت جھوٹ ہے۔ اگر تعویذ کے پھٹنے کا اثر پڑتا تو نصف دھڑ پر پڑتا صرف آنکھ پر پڑنے کا کچھ مطلب نہیں۔ اصل میں وہ اتفاقیہ کانے ہو گئے۔ شہرت دینے والوں کو ایک بہانہ مل گیا۔ کہ تعویذ پھٹنے کا اثر ہے۔ آپ ہمارا رسالہ "سماع موتیٰ" ملاحظہ کریں۔ آپ کی پوری تسلی ہو جائے گی انشاء اللہ

امام ابن تیمیہؒ کا خاص اس موضوع پر ایک رسالہ ہے اس کا نام ہے "الفرقان بین اولیاء الرحمٰن واولیاء الشیطان" اس کا اردو ترجمہ بھی ہو چکا ہے وہ منگا کر ضرور مطالعہ کریں۔ عبداللہ امرتسری

غیر مسلم کے لئے قرآن مجید کا تعویذ

سوال:۔ غیر مسلم کو ایسا تعویذ دینا جائز ہے جس میں قرآن مجید کے الفاظ بسم اللہ وغیرہ ہوں؟

جواب:۔ اس سے پرہیز چاہیئے حدیث میں ہے کہ دشمن کی زمین میں قرآن مجید نہ لے جاؤ۔ ایسا نہ ہو وہ اسکی بے ادبی کرے اور آیت کریمہ لا یمسه الا المطهرون میں اسکی مؤید ہے کہ کافر کا ہاتھ قرآن مجید کو نہ لگنا چاہیئے میرا عمل اسی پر ہے آیت کی بجائے اس کا ترجمہ لکھ کر دیتا ہوں یا کچھ اور عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۹ جمادی الثانی ۱۳۵۹ھ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نوری محمدی کی پیدائش

سوال:- کیا فرماتے ہیں علماء دین اس حدیث کی صحت کے بارہ میں کہ اللہ عزّوجل نے سب سے اوّل آنجناب صلی اللہ علیہ وسلم کے نُور کو پیدا کیا۔
اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ نُوْرِیْ ۔ اور تمام مخلوق کو اس نور سے پیدا کیا۔
جیساکہ مدارج النبوت میں یہ وارد ہے۔

قولہ چنانچہ در حدیث صحیح وارد شدہ کہ اول ما خلق اللہ نوری وسائر مکنونات علوی وسفلی ازاں نور وازاں جوہر پاک پیدا شدہ وازارواح واشباح وعرش وکرسی ولوح وقلم وبہشت ودوزخ وملک وفلک وانس وجنّ وآسمان وزمین وبحار وجبال واشمار وسائر مخلوقات انور۔

کیا یہ اعتقاد اور ثانیاً یہ عقیدہ رکھنا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نُور اللہ عزّوجل کے نور سے پیدا ہُوا از روئے شریعت مطہرہ مذہب محدثینؒ کی رو سے یہ روایت صحیح ہے؟

عبدالغنی خریدار تنظیم

جواب:- حدیث اوّل ما خلق اللہ نُوری کے متعلق مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی حنفیہ کے ستراج الآثار المرفوعہ فی الاخبار الموضوعہ کے صہ ۲۷ میں لکھتے ہیں۔ کہ یہ الفاظ ثابت ہی نہیں۔ عبدالرزاق نے اپنی تصنیف میں یہ الفاظ ذکر کئے ہیں۔

یَاجَابِرُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ قَبْلَ الْاَشْيَاءِ نُوْرَ نَبِيِّكَ یعنی خدا نے اشیاء سے پہلے تیرے نبی کا نور پیدا کیا ـــــ یہ حدیث بہت لمبی ہے اس میں تمام علم علوی وسفلی کا اس نُور سے پیدا ہونا مذکور ہے ـــــ اس حدیث کے متعلق مولانا عبدالحی صاحب نے الآثار المرفوعہ کے صہ ۴۳ میں بحوالہ فتاوی ابن تیمیہؒ نقل کیا ہے کہ یہ حدیث بالاتفاق موضوع اور جھوٹ ہے۔ تاریخ ابن کثیر کا بھی حوالہ دیا ہے کہ اس میں ابن تیمیہؒ کی بات کو نقل کر کے قائم رکھا ہے گویا وہ بھی اس میں متفق ہیں۔ کہ یہ حدیث بالاتفاق موضوع ہے۔ اگر اس مسئلہ کی پوری تفصیل مطلوب ہو تو ہمارا رسالہ نُور محمدی کا مطالعہ کریں۔

عبداللہ امرتسری

۲ر جمادی الاوّل ۱۳۵۸ھ مطابق ۲۲ر جون ۱۹۳۹ء

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے ؟

سوال : حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ کا فتویٰ ہے کہ جو شخص یہ دعویٰ کرے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو دیکھا ہے وہ جھوٹا ہے اور دلیل آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ۔ یعنی اس کو آنکھیں دیکھ نہیں پاتیں۔ پیش کی ہے ــــــ اور حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت انسؓ کا مسلک یہ ہے کہ رَاٰی مُحَمَّدٌ رَبَّهٗ (محمدؐ نے اپنے رب کو دیکھا) اور دلیل اس کی آیت قَابَ قَوْسَیْنِ اَوْ اَدْنٰی (دو کمان قدر بلکہ اس سے نزدیک تر ہو گیا) پیش کی ہے حضرت عبداللہ بن مسعودرضؓ اس آیت سے مراد جبرئیل علیہ السلام لیتے ہیں۔

جو لوگ جواز رویت کے قائل ہیں۔ وہ آیت لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ کا معنٰی هُوَ الْاِحَاطَةُ بِالشَّیْءِ وَهُوَ قَدْرٌ زَائِدٌ عَلَی الرُّؤْیَةِ کے کرتے ہیں (شے کا احاطہ جو رویت سے زائد چیز ہے) لیکن بفحوائے وَاَصْحَابِیْ اَعْرَفُ بِالْمُرَادِ مِنْ غَیْرِهٖ (فتح جلد ۳ صا۲۹ مصری) آیت کی مراد سے زیادہ واقف ہے۔ عائشہرضؓ کی دلیل عدم جواز رویت کے لئے قوی ہے اور حدیث ابوہریرہ رضؓ جو کہ مرفوع ہے اس میں یہ لفظ فَیُقَالُ لَهٗ هَلْ رَاَیْتَ اللّٰهَ فَیَقُوْلُ مَا یَنْبَغِیْ لِاَحَدٍ اَنْ یَّرَی اللّٰهَ (مشکوٰۃ صـ۲۶) اس کو کہا جائے گا کیا تو نے خدا کو دیکھا ہے ـــــــــــــــ پس کہے گا کسی کو لائق نہیں۔ کہ خدا کو دیکھے) بھی قول عائشہرضؓ کی تقویت کرتی ہے۔

غرض یہ ہے کہ آپ ان تمام ادلہ پر غور فرما کر اصل حقیقت سے آگاہ فرمائیں۔

عبداللہ لائل پوری

جواب :۔ اس مسئلہ میں صحابہؓ کا اختلاف مشہور ہے ایک طرف حضرت عائشہرضؓ، حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ وغیرہ ہیں۔ دوسری طرف عبداللہ بن عباس رضؓ وغیرہ ہیں۔ لیکن عبداللہ بن عباس رضؓ سے مروی ہے۔ رَاٰهُ بِفُؤَادِهٖ۔ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خدا کو اپنے دل سے دیکھا ہے۔

دل کے دیکھنے سے بظاہر کشف مراد ہے۔ اس صورت میں صحابہؓ میں اختلاف نہیں رہتا کیونکہ جو انکار کرتے ہیں وہ رویت بصری سے انکار کرتے ہیں۔ اگر بالفرض اختلاف تسلیم کر لیا جائے۔ تو اس کا فیصلہ مرفوع حدیث

سے ہونا چاہیئے۔

فلما اختلف الصحابة وجب الرجوع الی المرفوع (فتح الباری جزء ۴ ص ۴۸۶)

جب صحابہؓ کا اختلاف ہوگیا۔ تو مرفوع کی طرف رجوع واجب ہُوا۔ اور مرفوع حدیث سے عدم رویت ہی ثابت ہوتی ہے۔

ابو ذرؓ کہتے ہیں۔

میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا۔ آپؐ نے اپنے رب کو دیکھا ہے فرمایا نُوْرٌ اَنّٰی اَرَاهُ (مشکوٰۃ باب رؤیۃ اللہ تعالیٰ) نور ہے میں کس طرح دیکھ سکتا ہوں۔ جو حدیث آپؐ نے سوال میں ذکر کی ہے وہ بھی اس کی مؤید ہے پس ترجیح اسی کو ہے۔ کہ دُنیا میں خدا کو کوئی نہیں دیکھ سکتا۔

عبداللہ امرتسری روپڑ انبالہ ۸ صفر ۱۳۵۹ھ مطابق ۱۷ مارچ ۱۹۴۰ء

کیا حضورؐ جو چاہیں کر سکتے ہیں؟

سوال:۔ کیا رسول اللہ علیہ وسلم رب کی رضاء کے بغیر خود بخود جو چاہیں کر سکتے ہیں۔ مثلاً آپؐ نے درختوں کو بلایا۔ جڑ سمیت حاضر ہوگئے۔ مٹھی میں روڑ بول اُٹھے پچاس نمازوں کے عوض پانچ کر دیں۔

محمد طاہر ولد مولوی صدرالدین سفیر مدرسہ غزنویہ

جواب:۔ خدا کی مرضی کے بغیر نبی کوئی کام نہیں کرتا نہ معجزہ نہ کوئی اور۔ درخت کی حدیث میں باذن اللہ کا لفظ ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۳ جمادی الثانی ۱۳۵۶ھ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا بستر سے گم ہونا

سوال:۔ ایک مولوی صاحب نے مسئلہ بیان کیا۔ کہ ایک رات بی بی حضرت عائشہؓ نے دیکھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بستر پر نہیں ہیں۔ سب بیبیوں کے گھر تلاش کیا نہ ملے۔ آخیر مسجد میں دیکھا تو حضور علیہ السلام پیروں میں رسی ڈال کر چھت سے لٹکے ہوئے ہیں۔ مائی صاحبہ نے انہیں اپنی مبارک گود میں اٹھالیا۔ دیر بعد حضورؐ نے پوچھا کہ تو کون ہے؟ جواب دیا کہ میں عائشہؓ۔ حضور نے فرمایا کون عائشہؓ؟ کہا صدیقؓ کی بیٹی فرمایا صدیقؓ کون؟ مائی صاحبہ نے صدیق کے والد کا نام لیا پھر

فرمایا کہ وہ کون؟ مائی صاحبہ نے کہا جناب کی بیوی۔ یہ مسئلہ صحیح ہے تو حال کھیلنے والوں پر کیا طعن ہے۔ اس مسئلہ کی وضاحت کی جائے؟۔

جواب:۔ یہ واقعہ جس طرح بیان کیا گیا ہے۔ بالکل جھوٹ ہے۔ اصل اس کی صرف اتنی ہے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک رات بستر سے گم پایا۔ میں نے تلاش کیا تو میرا ہاتھ آپ کے دونوں پاؤں کو لگا آپ (گھر کی) مسجد میں تھے۔ دونوں پاؤں کھڑے تھے یعنی آپ مسجد میں تھے۔ اور یہ دعا پڑھ رہے تھے۔ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ سَخَطِکَ وَبِمُعَافَاتِکَ مِنْ عُقُوْبَتِکَ وَاَعُوْذُ بِکَ مِنْکَ لَا اُحْصِیْ ثَنَاءً عَلَیْکَ اَنْتَ کَمَا اَثْنَیْتَ عَلٰی نَفْسِکَ رواہ مسلم مشکوٰۃ باب السجود ص ۷۶ یعنی اے اللہ! میں تیرے غصہ سے تیری رضامندی کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور تیرے عذاب سے تیری عافیت کے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں اور تجھ سے تیرے ساتھ پناہ پکڑتا ہوں کیونکہ تکلیف اور آرام دونوں تیری طرف سے ہیں۔ میں تیری ثناء کا احاطہ نہیں کر سکتا تو ایسا ہے جیسی تو نے خود اپنی ثناء کی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۸ جمادی الاول ۱۳۵۸ھ

علم غیب۔ آنحضرتؐ کو علم غیب ذاتی ہے یا وہبی۔ علم غیب کی تعریف

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب ذاتی تھا یا وہبی؟ اور علم غیب کی جامع مانع تعریف کیا ہے؟

جواب:۔ غیب معنی مُغیب ہے۔ جیسے خلق معنی مخلوق اس کے معنی پوشیدہ شئے کے ہیں۔ اس کے علم کی دو صورتیں ہیں۔ ایک یہ کہ اس کا علم اسباب عادیہ سے ہو۔ دوم یہ کہ اسباب غیر عادیہ سے ہو۔ ان دونوں کا ہم الگ الگ بیان کرتے ہیں۔ اس سے علم غیب کی تعریف بھی واضح ہو جائے گی۔ اور اس کے ضمن میں ذاتی وہبی کا مسئلہ بھی حل ہو جائے گا۔ انشاء اللہ۔

اوّل الذکر کا بیان | اوّل الذکر علم غیب نہیں۔ دلیل اس کی یہ ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ قُلْ لَا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰہُ (پ ۲۰ ع ۱) کہہ دے آسمان و زمین میں غیب کو خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ اس آیت میں فرمایا ہے۔ کہ پوشیدہ شئے کو صرف خدا ہی جانتا ہے۔ حالانکہ بہت سی پوشیدہ اشیاء ہیں۔ کہ ان کو خدا کے سوا دوسرے بھی جانتے ہیں۔ مثلاً کسی کے پیٹھ کے پیچھے کوئی شئے پڑی ہو۔ تو وہ اُس سے پوشیدہ ہے۔

اگر وہ اس کو مڑ کر دیکھ لے۔ تو اس کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ اس طرح کان میں سونا چاندی وغیرہ پوشیدہ ہوتا ہے جب انسان کان کھودتا ہے۔ تو اس کو اس کا علم ہو جاتا ہے۔ تو اگر پوشیدہ شئے کا علم مطلقاً علم غیب ہو تو پھر یہ بھی علم غیب ہونا چاہیئے۔ حالانکہ مندرجہ بالا آیت صاف ہے کہ پوشیدہ کا علم صرف خدا کو ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر پوشیدہ کا علم ایسے اسباب سے ہو جو عام عادت کے موافق ہیں۔ تو اس کو شرعاً علم غیب نہیں کہتے۔

ثانی الذکر کا بیان | قرآن مجید میں ہے:۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا عَالِمُ الْغَیْبِ فَلَا یُظْهِرُ عَلٰی غَیْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰی مِنْ رَّسُوْلٍ فَاِنَّهٗ یَسْلُکُ مِنْ بَیْنِ یَدَیْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا لِیَعْلَمَ اَنْ قَدْ اَبْلَغُوْا رِسٰلٰتِ رَبِّهِمْ وَاَحَاطَ بِمَا لَدَیْهِمْ وَاَحْصٰی کُلَّ شَیْءٍ عَدَدًا ۝

(پارہ ۲۹ رکوع ۱۲) کہہ دے کہ میں نہیں جانتا کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو وہ قریب ہے یا خدا اس کے لئے کوئی مدت کر دے۔ وہ عالم الغیب ہے۔ پس اپنے غیب پر کسی کو مطلع نہیں کرتا۔ مگر جس کو پسند کرے رسول سے پس بے شک خدا تعالیٰ اس کے آگے پیچھے پہرے دار چلاتا ہے۔ تاکہ جان لے کہ انہوں نے اپنے رب کے پیغامات پہنچا دیئے۔ اور خدا نے جو کچھ ان کے پاس ہے گھیر لیا ہے اور گنتی کی رو سے ہر شئے پر قابو پا لیا ہے۔

یہ آیت بظاہر پہلی آیت کے خلاف ہے کیونکہ اس میں ہے کہ علم غیب سوا خدا کے کسی کو نہیں۔ اور اس آیت سے ثابت ہوتا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہ السلام کو بذریعہ وحی غیب پر مطلع کر دیتا ہے ۔۔۔ دونوں آیتوں میں موافقت ۔۔۔ بریلوی فرقہ کہتا ہے کہ پہلی آیت میں علم غیب سے مراد ذاتی ہے۔ یعنی بغیر کسی کے دینے کے ہے۔ اور دوسری آیت میں وہبی ہے یعنی خدا کے دینے سے ہے ۔۔۔ ہم کہتے ہیں۔ وہبی سے کیا مراد ہے؟ اگر یہ مراد ہے۔ کہ جیسے ظاہری آنکھیں ہیں۔ اس طرح رسول کے لئے خدا تعالیٰ باطنی آنکھیں کر دیتا ہے جن سے ہمیشہ کے لئے رسول پر کلی غیب ظاہر ہو جاتا ہے۔ جیسے خدا تعالیٰ کے لئے سب کچھ ظاہر ہے۔ تو یہ اس پہلی آیت کے خلاف ہے۔ کیونکہ تفسیر خازن وغیرہ میں اس آیت کے تحت لکھا ہے۔

نزلت فی المشرکین حین سالوا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن وقت الساعۃ

(خازن جلد ۳ ص۱۴۱)

یہ آیت مشرکوں کے بارہ میں اتری ہے۔ جبکہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے قیامت کے

وقت سے سوال کیا ـــــ اس شانِ نزول سے معلوم ہُوا کہ آپ کو قیامت کے وقت کا علم نہ تھا۔ وہبی اور نہ غیر وہبی۔ کیونکہ سوال وہبی ذاتی نہ تھا۔ بلکہ ان کا سوال مطلقاً تھا۔ جس کے جواب میں کہا گیا، کہ خدا کے سوا کسی کو غیب کا علم نہیں۔ اور اس کی تائید حضرت عائشہ رضؓ کی حدیث سے بھی ہوتی ہے۔

مَنْ زَعَمَ اَنَّہٗ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ يُخْبِرُ النَّاسَ بِمَا يَكُوْنُ فِيْ غَدٍ فَقَدْ اَعْظَمَ عَلَى اللّٰہِ الْفِرْيَةَ وَاللّٰہُ يَقُوْلُ قُلْ لَّا يَعْلَمُ الاٰيَۃَ (تفسیر فتح البیان ج ۷ ص۵ بحوالہ بخاری مسلم وغیرہ)

جو شخص یہ کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کل کی بات کی خبر دیتے ہیں۔ اس نے خدا پر بڑا افتراء کیا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰہُ

یعنی آسمان و زمین میں خدا کے سوا کوئی غیب نہیں جانتا

ظاہر ہے کہ کل کی بات جاننے یا خبر دینے کے لئے وہبی علم کافی ہے۔ جس سے سب کچھ منکشف ہو جائے۔ ذاتی کی ضرورت نہیں۔ پس اس پہلی آیت سے معلوم ہُوا کہ اس قسم کا وہبی علم مراد لینا صحیح نہیں۔ بلکہ یہ دوسری آیت کے بھی خلاف ہے۔ کیونکہ دوسری آیت میں عذاب قریب یا دُور ہونے سے بے خبری کا ذکر ہے۔ نیز وحی کا ذکر ہے۔ جس کے ساتھ پہریدار ہوتے ہیں۔ گویا ویسے آپ بے خبر ہیں۔ جب کسی بات کی بابت وحی ہو جاتی ہے۔ تو علم ہو جاتا ہے ورنہ نہیں ـــــ اس کے علاوہ اور بہت سی آیات و واقعات کے خلاف ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔

اوّل:۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پ ۱۱ ع ۲)

کئی لوگ اہل مدینہ سے نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں۔

دُوم:۔ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْءُ (پ ۹ ع ۲)

اگر میں غیب جانتا تو بہت سی بھلائی جمع کر لیتا اور مجھے کوئی برائی نہ پہنچتی۔

سُوم:۔ عَفَا اللّٰہُ عَنْكَ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ (پ ۱۰ رکوع ۱۳)

خدا نے تجھے معاف کر دیا۔ تو نے اذن کیوں دیا؟ یہاں تک کہ تیرے لئے سچے ظاہر ہو جاتے اور جھوٹوں کو تو جان لیتا۔

اس قسم کی آیات و واقعات بہت ہیں۔ جیسے حضرت عائشہ رضؓ پر تہمت لگنے کا واقعہ جو سُورۃ نور میں مذکور

ہے۔ اور شہد وغیرہ کا واقعہ جو سورۃ تحریم میں مذکور ہے۔ یہ سب اس بات کی واضح دلیلیں ہیں۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کا وہبی علم نہیں۔ کہ خدا نے اس کے باطن کو اس طرح بنا دیا ہو۔ کہ جیسے خدا پر کوئی شئے پوشیدہ نہیں۔ اس پر بھی پوشیدہ نہ ہو۔

اور اگر وہبی سے یہ مراد ہے۔ کہ خدا تعالیٰ بذریعہ وحی رسُول کو مطلع کر دیتا ہے۔ تو یہ بے شک دوسری آیت کا مطلب ہے۔ لیکن اس صورت میں رسُول پر دوسرے انسانوں کی طرح غیب پوشیدہ ہوگا۔ ہاں جس بات کے متعلق وحی ہو جائے۔ اس کا علم ہوگا۔ اگر وحی نہ ہو تو کچھ بھی نہیں۔ اس قسم کا وہبی سب مانتے ہیں۔ نہ اہلِ حدیث کو اس سے انکار ہے نہ کسی اور کو پس اس میں نزاع ہی فضول ہے۔ ہاں نام کا جھگڑا ہو۔ کہ کوئی اس کا نام علمِ غیب رکھتا ہے اور کوئی نہیں رکھتا۔ تو یہ الگ بات ہے۔ یہ کسی گنتی میں نہیں۔ کیونکہ یہ محض لفظی اختلاف ہے۔ مطلب میں سب متفق ہیں۔ پس اس کو اہمیّت نہ دینی چاہیئے ——— خلاصہ یہ کہ خدا تعالیٰ کا علم ذاتی ہے۔ اور انبیاء کو جو کچھ معلوم ہوتا ہے۔ خواہ اس کا نام کوئی علم غیب وہبی رکھے یا علمِ غیب سے خارج کر کے صرف وحی سے موسوم کرے اگر اس کو علمِ غیب وہبی کہا جائے تو اس صورت میں علمِ غیب کی تعریف ہوگی ——— پوشیدہ شئے کا علم جو بذریعہ اسباب عادیہ نہ ہو اور اگر اس کو علمِ غیب وہبی نہ کہا جائے۔ تو پھر علم غیب کی تعریف مذکورہ میں اتنا اور اضافہ کرنا پڑے گا۔ کہ کسی کے بتلانے سے بھی نہ ہو خواہ بتلانے والا وحی ہو یا غیر وحی ——— بعض لوگ علم غیب کی تعریف کرتے ہیں۔ کہ پوشیدہ شئے کا علم جو بذریعہ حس وعقل نہ ہو۔ یہ تعریف اگرچہ صحیح ہو سکتی ہے۔ مگر جو لوگ بذریعہ وحی حاصل ہونے والے علم کو بھی علم غیب کہتے ہیں۔ ان کے نزدیک صحیح نہیں۔ کیونکہ وحی کے ذریعہ جو کچھ آتا ہے۔ اس کا طریق اکثر حس (سماع) وغیرہ ہے۔

علم مطلق یا مطلق علم

سوال :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مطلق تھا۔ یا مطلق علم؟ نیز آپ کا علم حضوری تھا یا حصُولی؟

جواب :۔ سوال اوّل میں گزر چکا ہے۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح سے علم نہیں۔ کہ خدا نے آپ کی طبیعت ہر شئے کے لئے شیشہ بنا دی۔ اور جیسے خدا پر ہر شئے روشن ہے۔ اسی طرح آپ پر بھی روشن ہو۔ بلکہ آپ کا علم بذریعہ وحی ہے جب وحی ہوتی ہے۔ تو آپ کو علم ہوتا ہے۔ اگر وحی نہ ہو تو علم نہیں ہوتا۔ مثلاً قیامت کا آپ کو علم نہیں کہ کب ہوگی۔ اس طرح اور کئی باتوں کا علم نہیں۔ چنانچہ نمبر اوّل میں بیان ہو چکا ہے۔ پس آپ کو مطلق علم ہے۔ یعنی ا[illegible]

کا علم ہے۔ نہ علم مطلق یعنی علم کلی۔

منطقی طریق | اگر منطقی طریق سے سمجھنا چاہیں۔ تو یوں سمجھئے کہ کلی کے تین مرتبے ہیں۔ (۱) بشرط شئی (۲) بشرط لا شئی۔ (۳) لا بشرط شئی۔ پہلا مرتبہ خصوص کا ہے۔ دوسرا عموم کا تیسرا جامع بین الخصوص والعموم ہے۔ پہلے کی مثال حیوان بشرط ناطق دوسرے کی مثال حیوان بشرط لا ناطق تیسرے کی مثال مطلق حیوان جس کے ساتھ ان دونوں شرطوں سے کوئی نہیں۔ اس تیسرے پر خصوص کے احکام بھی جاری ہوتے ہیں۔ اور عموم کے بھی مثلاً زید مر جائے۔ تو کہہ سکتے ہیں کہ حیوان مرگیا۔ اگر حیوان کے تمام افراد انسان وغیرہ مر جائیں تو بھی کہہ سکتے ہیں کہ حیوان مرگیا۔ یہی وجہ ہے۔ کہ یہ مرتبہ موہم اجتماع نقیضین کو ہے۔ مثلاً کہہ سکتے ہیں کہ حیوان زندہ بھی ہے اور نہیں بھی زندہ اس لئے کہ زید زندہ ہے اور نہیں اس لئے کہ عمرو مرگیا ہے۔ کیونکہ جب خصوص عموم دونوں کے احکام اس میں جاری ہوتے ہیں۔ تو ایک فرد کا ایک حکم اور دوسرے کا دوسرا حکم دونوں اس پر جاری ہوں گے۔ اور یہی وجہ ہے کہ جہاں محض عموم کا محل ہوتا ہے۔ بہت علماء وہاں اس کا اعتبار نہیں کرتے بلکہ بشرط لا شئی کو لیتے ہیں۔ مثلاً جب کسی شئے کی تعریف یا تقسیم کرنی ہو۔ تو معرف کو یا مقسم کو کس مرتبہ میں اعتبار کریں گے؟ میر زاہد وغیرہ کہتے ہیں۔ کہ بشرط لا (دوسرا مرتبہ) معتبر ہوگا۔ اور قاضی مبارک وغیرہ کہتے ہیں۔ بشرط لا تجرد کا مرتبہ ہے۔ جو قضیہ طبعیہ کا موضوع ہے اور قضیہ طبعیہ میں حکم افراد کی طرف منتقل نہیں ہوتا۔ اس لئے تقسیم وغیرہ کے موقع پر بشرط لا معتبر نہیں۔ بلکہ یہی تیسرا مرتبہ لا بشرط شئی معتبر ہوگا۔ اور موضوع علم جس کے عوارض ذاتیہ سے علم میں بحث ہوتی ہے۔ اس میں بھی یہی نزاع ہے۔ بلکہ ہر عموم کے محل میں یہی جھگڑا ہے ——— میری تحقیق اس میں کچھ اور ہے۔ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں۔ خلاصہ اس کا یہ ہے۔ کہ فریقین کی نزاع لفظی ہے۔ جیسے کلی کے حصّے فرد شخص میں فرق کرتے ہیں۔ کہ فرد میں قید تقیید دونوں داخل ہوتی ہیں۔ جیسے مطلق مقید اور حصّہ میں صرف تقیید داخل ہوتی ہے۔ جیسے ضرب زید اور شخص میں دونوں خارج ہوتی ہیں۔ جیسے زید اس طرح بشرط لا میں اگر قید عنوان میں داخل ہو۔ اور معنون سے خارج ہو تو اس صورت میں عموم کے موقع پر بشرط لا معتبر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ عموم کے موقعہ پر خصوصی احکام سے کوئی تعلق نہیں۔ کہ لا بشرط شئے کی ضرورت ہو۔ بلکہ صرف عمومی احکام کے افراد کی طرف منتقل ہونے کی ضرورت ہے۔ سو یہ اس صورت میں حاصل ہے اگر لا بشرط شئے کا اعتبار کریں۔ تو اس میں دلالت تضمنی کا شبہ ہوتا ہے۔ کیونکہ لا بشرط شئی خصوصی احکام کا بھی محتمل ہے۔ جو عموم کے موقعہ پر معتبر نہیں۔ اور اگر بشرط لا میں قید عنوان معنون دونوں میں داخل ہو۔ تو یہ تجرد کا مرتبہ ہے تو اس صورت میں عموم کے موقعہ پر لا بشرط شئی معتبر ہونا چاہیئے۔ کیونکہ اس وقت بشرط لا کے احکام افراد کی طرف

منتقل نہیں ہوں گے۔ جیسے الحیوان جنس والانسان نوع وغیرہ خیر فریقین کی نزاع کا ذکر تو یہاں بالتبع تھا۔ ہمارا اصل مقصد کلی کے تین مراتب کی توضیح ہے۔ سو اس تفصیل سے کافی ہو چکی ہے۔ اب علم کو لیجئے۔ یہ بھی ایک کلی ہے۔ اس کے لئے بھی یہی تین مرتبے ہیں۔ بشرط شئی تو ایک معین شئے کا علم ہے۔ جیسے قیامت کا علم یا کسی کی موت کا علم وغیرہ اور لابشرط شئی نفس علم جس میں احتمال ہے۔ کہ بعض کا علم ہو یا کل کا ہو گویا قضیہ مہملہ کا موضوع ہے۔ جو جزئیہ کی قوت میں ہے۔ کیونکہ بعض ہر صورت میں ضروری ہیں۔ اگر بعض ہوئے تو ظاہر ہے اگر کل ہوئے۔ تو اس کے ضمن میں بعض آگئے یہی مطلق الشئی ہے اور بشرط لاشئی کل اشیاء کا علم ہے۔ جو قضیہ کلیہ کا موضوع ہے اُوپر کی تفصیل سے معلوم ہو چکا ہے کہ:

"آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض اشیاء کا علم ہے۔ نہ کل کا۔ پس آپ کا علم مطلق العلم تھا۔ نہ العلم المطلق ہاں یہاں یہ شبہ ہوتا ہے۔ کہ ہمارا علم بھی مطلق العلم ہے۔ تو پھر آپ میں اور ہم میں کیا فرق ہوا؟ اس کا جواب یہ ہے۔ چونکہ مطلق العلم میں چونکہ علم بالوحی بھی داخل ہے۔ اس لئے آپ اور ہم میں فرق ہو گیا چنانچہ ارشاد ہے۔ قل انما انا بشر مثلکم یوحیٰ الی (پ۱۶ ع ۳) ترجمہ۔ کہہ دے میں تمہارے جیسا بشر ہوں۔ صرف میری طرف وحی ہوتی ہے۔

اس آیت سے حضوری اور حصولی کا سوال بھی حل ہو گیا۔ کیونکہ جب آپ ہماری طرح بشر ہیں۔ اور ہمارا علم اپنے نفس اور اس کے صفات سے حضوری ہے اور دیگر اشیاء سے حصولی ہے۔ تو آپ کا بھی اس طرح ہو گا صرف اتنی بات ہے۔ کہ باطن کی زیادہ صفائی ہونے کی وجہ سے آپ کو بذریعہ وحی بھی علم ہوتا تھا۔ ہمیں نہیں ہوتا۔ مگر زیادہ صفائی انسان کو بشریت سے خارج نہیں کرتی چنانچہ آیت مذکورہ اس کی شاہد عدل ہے۔ اور عقلاً بھی یہی بات صحیح ہے کیونکہ زیادہ صفائی کے صرف یہ معنی ہیں۔ کہ قوائے نفسانیہ پر قوت عقلیہ کا پورا تسلط ہو۔ اگر کسی وقت خواہش نفسانیہ سر اٹھائے۔ تو اس کو دبا سکے۔ پھر اس کے مختلف مراتب ہیں۔ اور انبیاء علیہ السلام اس کے اعلیٰ مرتبہ پر ہوتے ہیں۔ پھر انبیاء علیہم السلام میں بھی تفاوت ہے۔ آنحضورؐ سب سے فوق ہیں۔ ہاں اگر زیادتی صفائی کا یہ معنی ہوتا۔ کہ خواہشات نفسانیہ کا وجود ہی نہ ہو نہ دیگر لوازم بشریہ ہوں جیسے فرشتوں کا حال ہے۔ تو پھر بشریت کی نفی ممکن تھی۔ مگر یہ آیت مذکورہ کے خلاف ہے اور واقعات کے بھی خلاف ہے مثلاً آپ میں بھول چوک تھی۔ آپ کھاتے پیتے بھی تھے۔ آپ نے شادیاں بھی کیں۔ آدم کی اولاد تھے۔ آپ کے ماں باپ بھی تھے اور بدستور بشریت پیدا ہوئے۔ اولاد بھی جنی جو نسلاً بعد نسل بدستور بشریت پڑھی۔ جو اس وقت ہمارے سامنے پوری بشریت کے موجود ہے۔ اور ہمارے ان کے

آپس میں پوری بشریت کے تعلقات ہیں۔ بایں ہمہ اگر کوئی بھی کہتا جائے کہ وہ بشر نہیں۔ تو اس کی مثال اس کوّے کی ہے کہ جو کہتا جائے کہ یہ کالا نہیں۔ سچ ہے ؎

پھرے زمانہ پھرے آسماں، ہوا پھر جائے
بتوں سے ہم نہ پھریں ہم سے گو خدا پھر جائے

نوٹ:۔ علم حضوری اسے کہتے ہیں۔ کہ جس شئے کا علم ہو۔ وہ خود قوت مدرکہ کے سامنے ہو اور حصولی اسے کہتے ہیں کہ جس کا علم ہے وہ خود سامنے نہیں۔ بلکہ اس کی صورت یا اس کا عکس قوت مدرکہ میں حاصل ہو جیسے شیشہ میں زید کا عکس ہوتا ہے۔

آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ کا مطلب

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم مغیبات نہیں تھا۔ تو آیت کریمہ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ الایۃ (جن) کا کیا مطلب ہے اور آیت میں استثناء الا من ارتضی من رسول متصل ہے یا منقطع؟ اور آیت میں اضافت علی غیبہٖ کونسی اضافت ہے۔ عہدی یا استغراقی یا جنسی اور یہاں غیب سے کیا مراد ہے؟

جواب:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مغیبات کا علم بذریعہ وحی تھا۔ نہ کہ کل کا۔ ہاں یہ بات باقی رہی کہ بذریعہ وحی جو علم حاصل ہو اس کا نام علم غیب رکھ سکتے ہیں یا نہیں۔ سو اس کے متعلق پہلے سوال کے جواب میں تفصیل ہو چکی ہے لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ اس کا نام علم غیب ہو یا نہ آیت فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖۤ اَحَدًا میں مستثنیٰ منہ میں مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ مستثنیٰ داخل ہے۔ پس استثناء متصل ہو گئی۔ شاید کہا جائے کہ استثناء متصل کے یہ معنی ہیں کہ مستثنیٰ منہ کا حکم یہاں اظہار علی الغیب (غیب پر مطلع کرنا) کی نفی ہے۔ اس سے مستثنیٰ کو خارج کیا ہے۔ تو اظہار علی الغیب اس کے لئے ثابت ہو گیا ______ اور اظہار علی الغیب کو غیر پر مطلع ہونا لازم ہے اور غیب پر مطلع ہونا یہی علم غیب ہے۔ پس استثناء متصل ہونے کی صورت میں ضروری ہے۔ کہ اس کا نام علم غیب ہو۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جو اس کا نام علم غیب نہیں رکھتے ان کے نزدیک صرف علم غیب پر مطلع ہونا علم غیب نہیں بلکہ ان کے نزدیک یہ بھی شرط ہے کہ کسی کے بتلانے سے نہ ہو۔ دلیل ان کی یہ آیت کریمہ ہے قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ اِلَّا اللّٰهُ جو پہلے سوال کے جواب میں گزر چکی ہے۔ اس میں مطلقاً علم غیب کی نفی غیر سے کر دی ہے۔

خواہ رسُول ہو یا اور، اور خواہ علم دکلی ہو یا جزئی۔ اس سے ثابت ہُوا۔ کہ انبیاء علیہم السلام کو جو کچھ بذریعہ وحی علم ہوتا ہے اس کا نام علم غیب نہیں۔ اس کے علاوہ نورالانوار اصُولِ فقہ حنفیہ وغیرہ میں لکھا ہے۔ کہ مستثنیٰ میں کوئی حکم ثابت نہیں ہوتا بلکہ وہ مسکوت عنہ کے حکم میں ہوتا ہے۔ مستثنیٰ منہ کے حکم کا اس لئے نہ اثبات ہوتا ہے نہ نفی ملاحظہ ہو نورالانوار مبحث اقسام کا بیان صٓ۱۲۴ پس یہ کہنا کہ اظہار علی الغیب کی نفی سے مستثنیٰ کو خارج کیا۔ تو اظہار علی الغیب اس کے لئے ثابت ہوگیا۔ اصول فقہ حنفیہ کی رو سے غلط ہے اور اپنے اصُول سے نا واقفی پر مبنی ہے۔ ہاں شافعیہ کے اصُول سے مستثنیٰ میں حکم ثابت ہوتا ہے۔ مگر حنفیہ کو یہ مفید نہیں۔ پس ان کو کسی اور دلیل سے ثابت کرنا چاہیئے کہ انبیاء علیہم السلام کو بذریعہ وحی جو کچھ علم ہوتا ہے اس کو علم غیب کہتے ہیں۔ یہ تفصیل استثناء متصل کی بناء پر ہے۔ اور اگر منقطع بنائی جائے تو پھر معاملہ اور صاف ہو جاتا ہے۔ کیونکہ استثناء منقطع میں مستثنیٰ منہ میں مستثنیٰ داخل نہیں ہوتا۔ تو بذریعہ وحی حاصل شدہ علم کا نام علم غیب کس طرح ثابت ہوگا۔

اگر کہا جائے استثناء میں اصل متصل ہے نہ منقطع پس اس کو استثناء منقطع بنانا ٹھیک نہیں۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک استثناء متصل اصل ہے مگر یہاں استثناء منقطع کا قرینہ موجود ہے۔ وہ یہ کہ اس کے بعد کی عبارت فَاِنَّهٗ يَسْلُكُ مِنۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ رَصَدًا میں "ف" کو بعض سببیہ بناتے ہیں۔ لیکن سببیت کے معنی واضح نہیں۔ ہاں من ارتضیٰ کا من شرطیہ یا موصولہ متضمن معنی شرط بنایا جائے اور "ف" جزائیہ تو یہ بالکل ٹھیک ہے۔ اور اس کی مثال قرآن مجید میں موجود ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے لَسْتَ عَلَيْهِمْ بِمُصَيْطِرٍ اِلَّا مَنْ تَوَلّٰى وَكَفَرَ فَيُعَذِّبُهُ اللّٰهُ الْعَذَابَ الْاَكْبَرَ اے پیغمبر تو ان پر داروغہ نہیں۔ لیکن جو شخص پھر جائے اور کافر ہو جائے۔ پس خدا اس کو بہت بڑا عذاب دے گا۔ اس آیت میں الا استثناء منقطع ہے۔ اور آیت الا من ارتضیٰ بھی اسی قسم کی ہے۔ پس اس کو استثناء منقطع بنانا ہی ٹھیک ہے۔ رہا علی غیبہٖ کی اضافت کے متعلق سوال کہ یہ کیسی ہے سو اس کا جواب بھی نمبر اوّل میں نکل سکتا ہے۔ کیونکہ جب یہ ثابت ہوگیا۔ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بعض مغیبات کا علم بذریعہ وحی تھا تو معلوم ہُوا کہ یہ اضافت جنس ہے۔ کیونکہ جنس ایک فرد میں بھی ہو سکتی ہے۔ اور زیادہ میں بھی اور عہد ذہنی بھی ہو سکتی ہے عہد خارجی اور استغراقی نہیں ہو سکتی استغراقی اس لئے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کل مغیبات کا علم نہیں۔ اور عہد خارجی اس لئے کہ رسُول کو کسی معیّن شئے کی وحی نہیں ہوتی۔ بلکہ حسب ضرورت کبھی کسی شئے کی وحی ہوتی ہے کبھی کسی شئے کی۔ ہاں بایں معنیٰ عہد خارجی ہو سکتی ہے۔ کہ غیب کی دو قسمیں کر دی جائیں ایک وہ جس کو مخلوق میں سے بھی کوئی جانتا ہو جیسے ہر ایک کا مافی الضمیر غیب ہے۔ مگر وہ خود جانتا ہے (دوم) مخلوق میں سے بغیر اطلاع خداوندی

کوئی نہیں جانتا اور اضافت سے اس خاص کی طرف اشارہ ہو پس اس معنی سے یہ اضافت عہد خارجی ہو سکتی ہے۔

پیشینگوئی خبر غیب ہے یا نہیں؟

سوال :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم نے آئندہ کے واقعات اُمّت کو تبلائے ہیں۔ وہ مغیبات ہیں یا نہیں؟

جواب :۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو آئندہ کے واقعات اُمّت کو تبلائے ہیں۔ وہ مغیبات ہیں۔ مگر اس سے تو بجائے علم غیب ثابت ہونے کے الٹا اعتراض وارد ہوتا ہے۔ کہ پھر اُمّت بھی عالم الغیب ہوگئی۔ اگر کہا جائے کہ امّت عالم الغیب اس لئے نہیں۔ کہ ان کو نبی نے بتایا ہے۔ تو اس پر کہنے والا کہہ سکتا ہے کہ نبی کو وحی نے بتایا ہے۔ پس نبی بھی عالم الغیب نہ رہا۔

آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ الایۃ کا مطلب

سوال :۔ آیت کریمہ وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ الایۃ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ أَحَدًا إِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُولٍ الایۃ کے قبل نازل ہوئی یا بعد؟ دوسرے علم بالشئ لا یستلزم القدرۃ عَلَيْكَ مَا فِی قصۃ احد فانہ صلی اللہ علیہ وسلم کان عالما بانکسار المسلمین لرؤیا راھا کما فی کتب السیر مع انہ لم یقدر علی رد ما قدرہ اللہ (جمل ج ۲ ص ۲۱۷) ایضا فیحتمل ان یکون قالہ علی سبیل التواضع والادب تیسرے آیت وَلَوْ كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ میں لو شرطیہ ہے۔ تو وقوع جزا شرط کو مستلزم ہے یا نہیں؟ اور یہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں؟ اگر ہے تو آپ بصورت قیاس اقترانی اور منطق آپ اس کو بیان فرمائیں؟

جواب :۔ پہلی آیت سورۃ اعراف کی ہے۔ اور دوسری سورۃ جنّ کی دونوں سورتیں مکّی ہیں۔ تفسیر اتقان میں لکھا ہے۔ اعراف جنّ سے پہلے اتری ہے۔ اور ایک قول کی بنا پر آیت واسئلھم عن القریۃ مدینہ میں اتری ہے۔ اور ایک قول کی بنا پر واسئلھم سے لیکر وَإِذْ نَتَقْنَا الْجَبَلَ تک مدینہ میں اتری ہے۔ ملاحظہ ہو اتقان ص ۱۵ و ۲۱ اور تفسیر جامع البیان میں ایک قول واسئلھم سے وَأَعْرِضْ عَنِ الْجَاهِلِيْنَ تک مدنی ہونے کا نقل کیا ہے۔ مگر اس کو قیل کے ساتھ نقل کیا ہے خیر اگر یہ قول صحیح ہو تو پھر آیت وَلَوْ

كُنْتُ أَعْلَمُ الْغَيْبَ بھی مدنی ہوگی۔ کیونکہ یہ واستلهم اور وَاَعْرِضْ کے درمیان ہے۔ اس صورت میں آیت فلا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهِ پہلے ہوگی۔ مگر اس پہلے ہونے سے سائل کا اگر یہ مقصود ہے۔ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہلے غیب نہیں تھا پیچھے ہوگیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ آیت فَلَا يُظْهِرُ سے علم غیب کلی ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی بعض باتوں کا اظہار نبی پر کر دیتا ہے۔ سو اس سے کسی کو انکار نہیں۔ چنانچہ پہلے سوال میں ذکر ہوچکا ہے۔

اس کے علاوہ آیت کریمہ قُلْ لَّا يَعْلَمُ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَيْبَ سورۂ نمل کی آیت ہے اور نمل سورۂ جن کے بعد اتری ہے۔ چنانچہ تفسیر اتقان کے صـ۱۵ میں اس کی تصریح ہے۔ پس آیت قُلْ لَّا يَعْلَمُ آیت فَلَا يُظْهِرُ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور اس کے علاوہ دیگر آیات و واقعات سے بھی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کو علم غیب نہیں تھا۔ صرف بذریعہ وحی جس بات کا آپ کو پتہ لگ گیا۔ اس کا علم ہے۔ باقی باتوں میں آپ دیگر انسانوں کی طرح بے خبر تھے چنانچہ پہلے سوال کے جواب میں بیان ہوچکا ہے۔ اور بخاری صـ۹۷۴ جلد ۲ میں حدیث ہے کہ کئی لوگ حوض کوثر پر آئیں گے۔ فرشتے ان کو ہٹا دیں گے۔ میں کہوں گا۔ یہ تو میرے آدمی ہیں۔ ان کو کیوں ہٹایا جاتا ہے؟ میرے جواب میں کہا جائے گا۔ اِنَّكَ لَا تَدْرِيْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ یعنی تجھے علم نہیں۔ کہ انہوں نے تیرے بعد دین میں کیا کچھ بدعات پیدا کیں۔ پھر میں کہوں گا فَسُحْقًا لِّمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ یعنی لعنت ہو اس شخص کے لئے جس نے میرے بعد دین کو بدل دیا ــــ اس حدیث سے ثابت ہوا۔ کہ آپ کو وفات کے بعد بھی علم غیب نہیں۔ چہ جائیکہ زندگی میں ہو۔ ان آیتوں کے پہلے پیچھے ہونے کا سوال یہاں لایعنی سا ہے جس کا کچھ نتیجہ نہیں۔ اس طرح مسئلہ علم بالشئی قدرت کو مستلزم نہیں۔ اس کا تذکرہ بھی بے محل ہے۔ بلکہ سائل کو مضر ہے۔ ہم تفسیر جمل کی پوری عبارت نقل کئے دیتے ہیں۔ اس طرح ناظرین پر حقیقت حال واضح ہوجائے گی۔ انشاء اللہ۔

قَوْلُهٗ ــــ وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ الخ لِقَائِلٍ اَنْ يَّقُوْلَ لِمَ لَا يَجُوْزُ اَنْ يَّكُوْنَ الشَّخْصُ عَالِمًا بِالْغَيْبِ لٰكِنْ لَا يَقْدِرُ عَلٰى دَفْعِ السَّرَّاءِ وَالضَّرَّاءِ اِذَا الْعِلْمُ بِالشَّيْءِ لَا يَسْتَلْزِمُ الْقُدْرَةَ عَلَيْهِ كَمَا فِيْ قِصَّةِ اُحُدٍ فَاِنَّهٗ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَالِمًا بِانْكِسَارِ الْمُؤْمِنِيْنَ لِرُؤْيَا رَاٰهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهِ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمَا فِيْ كُتُبِ السِّيَرِ مَعَ اَنَّهٗ لَمْ يَقْدِرْ عَلٰى رَدِّ مَا قَدَّرَهُ اللّٰهُ وَاُجِيْبَ بِاَنَّ

استلزام الشرط للجزاءِ لایلزم ان یکون علقیا ولاکلیا بل یجوز ان یکون فی بعض الاوقات لزاومی فان قلت قد اخبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عن المغیبات وقد جاءت فی الصحیح بذالک وھو من اعظم معجزاتہ صلی اللہ علیہ وسلم فکیف الجمع بینہ وبین قولہ ولو کنت اعلم الغیب لا استکثرت من الخیر قلت یحتمل ان یکون قالہ علی سبیل التواضع والادب المعنی لا اعلم الغیب الا ان یطلعنی اللہ ویقدرہ لی ویحتمل ان یکون قال ذالک قبل ان یطلعہ اللہ عزوجل علی الغیب فلما اطلعہ اللہ اخبر بہ کما قال فلا یظہر علی غیبہ احدا الا من ارتضی من رسول او یکون خرج ھذا الکلام مخرج الجواب عن سوالہم ثم بعد ذالک اظہرہ اللہ تعالی علی اشیاء من المغیبات فاخبر عنہا لیکون ذالک معجزۃ لہ ودلالۃ علی صحۃ نبوتہ صلی اللہ علیہ وسلم

(راہ خازن تفسیر جمل جلد ۲ صفحہ ۲۵۸)

ترجمہ:۔ آیت کریمہ ولو کنت اعلم الغیب پر کوئی یوں اعتراض کر سکتا ہے کہ یہ کیوں جائز نہیں کہ ایک شخص کو غیب کی بات کا علم ہو۔ مگر خیر شر کے حاصل یا دفع کرنے کی اس کو قدرت نہ ہو۔ کیونکہ علم قدرت کو نہیں چنانچہ جنگ اُحد کے واقعہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو شکست کا علم[1] تھا۔ بوجہ خواب کے جو آپ نے دیکھی جیسے کتب سیر میں ہے۔ مگر باوجود اس کے تقدیر الٰہی کو رد نہیں کر سکے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ جزاء کا شرط کو لزوم ضروری نہیں۔ کہ عقلی ہو یا کلی ہو۔ بلکہ جائز ہے۔ کہ لزوم فی بعض الاوقات ہو۔ اگر تو کہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی غیب کی باتوں کی خبر دی ہے۔ اور اس بارہ میں صحیح احادیث وارد ہیں۔ اور یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اعظم معجزات سے ہے اور یہ آیت اس کی نفی کر رہی ہے۔ پس ان دونوں میں موافقت کس طرح ہوگی؟ میں کہتا ہوں۔ ہو سکتا ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا

[1] یہ کہنا بالکل غلط ہے۔ آپ کو خواب میں جنگ اُحد کی تعیین نہیں تبلائی گئی نہ کسی روایت میں یہ آیا ہے بلکہ یہ خواب حدیبیہ والے خواب کی قسم کا ہے جس کا ذکر سورۃ فتح کے اخیر رکوع میں ہے۔ ۱۲

یہ کہنا کہ میں غیب جانتا ہوں تو بہت بھلائی جمع کر لیتا۔ اور مجھے برائی نہ پہنچتی۔ یہ بطور تواضع اور ادب کے ہو مطلب یہ ہو۔ کہ میں غیب نہیں جانتا۔ مگر یہ کہ خدا مجھے مطلع کر دے اور میرے لئے مقدر کر دے اور احتمال ہے کہ آپ کا یہ کہنا اطلاع علی الغیب کے پہلے ہو۔ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اطلاع دی تو آپؐ نے اس کی خبر کر دی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖ اَحَدًا الآیۃ یا یہ کلام وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کفار کے سوال کے جواب میں واقع ہوئی ہے اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کئی غیب کی اشیاء پر مطلع کر دیا۔ پس ان کی خبر دی تاکہ یہ آپ کا معجزہ بن کر آپ کی نبوت کے صحیح ہونے پر دلیل ہو جائے۔

اس عبارت میں دو اعتراض کئے ہیں۔

ایک یہ کہ علم کو قدرت لازم نہیں۔ تو شرط و جزاء میں لزوم نہ ہوا۔ حالانکہ لزوم ضروری ہے۔ دوسرا اعتراض یہ کیا ہے۔ کہ یہ آیت آپؐ سے غیب کی نفی کرتی ہے حالانکہ آپؐ نے مَغِيْبَات سے خبر دی ہے چنانچہ احادیث میں آیا ہے۔

پھر ہر ایک اعتراض کا جواب دیا ہے کہ

لزوم فی بعض الاوقات کافی ہے۔ لزوم فی بعض الاوقات کی صورت یہ ہے کہ انسان کو خدا نے مکلّف بنایا ہے۔ نیکی بدی کی قدرت دی ہے۔ کسب معاش کرتا ہے۔ اپنی ضروریات کے لئے کوشاں رہتا ہے۔ اس قسم کی قدرت سب انسانوں کو حاصل ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی حاصل ہے۔ پس قدرت کے ساتھ اگر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خیر و شر کا علم ہوتا۔ تو بہت سی خیر آپؐ جمع کر لیتے اور برائی سے بچ جاتے۔ یہی وجہ ہے لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ "بہت سی خیر جمع کر لیتا" فرمایا۔ لَاسْتَوْعَبْتُ الْخَيْرَ "تمام خیر جمع کر لیتا" نہیں فرمایا۔ کیونکہ تمام خیر اس وقت جمع ہو سکتی ہے جب ہر شے پر قدرت ہوتی جیسے اللہ تعالیٰ کو ہر شئے پر قدرت ہے۔ اور اس وقت لزوم کلی ہوتا۔ نہ لزوم فی بعض الاوقات فتأمل فیہ۔

---

[1] اس سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہاں لزوم فی بعض الاوقات سے اگر مخصوص زمانہ مراد ہو۔ مثلاً نزول وحی سے لے کر اس آیت وَلَوْ كُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ کے اترنے تک یا کم و بیش جس میں اتنا استکثار خیر ہو کہ علم غیب نہ

(باقی صفحہ ۲۱۷ پر)

لو وقوع جزاء و شرط کو مستلزم ہے یا نہیں؟

سوال:۔ اس آیت میں "لو" شرطیہ ہے کیا لو وقوع جزاء و شرط کو مستلزم ہے یا نہیں اور یہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ اگر ہے تو آپ بصورت قیاس اقترانی در منطق اس آیت کو بیان فرمائیں۔

جواب:۔ اس اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔

ایک یہ کہ لوکنت اعلم الغیب کہنے کے وقت آپ کو بعض غیب کی باتوں کا علم تھا۔ مگر آپ نے بطور تواضع کے کلی طور پر علم غیب کی نفی کر دی۔

دوم یہ کہ لوکنت اعلم الغیب کہنے کے وقت اگرچہ آپ کو کسی غیب کی بات کا علم نہ تھا۔ پھر خدا نے آپ کو بعض باتوں کی خبر دی۔ جیسے آیۃ فَلَا یُظۡهِرُ سے ظاہر ہے۔

سوم یہ کہ آپ کا لَوۡ كُنۡتُ اَعۡلَمُ الۡغَيۡبَ کہنا اپنے طور پر نہیں۔ بلکہ کفار کے سوال کے جواب میں ہے اس

(بقیہ حاشیہ صد ۲۱۶) کی حالت میں آنا نہ ہو سکے تو اس صورت میں اس کو لزوم کلی کا مقابل بنانا ٹھیک نہیں۔ اور اگر مطلق بعض زمانہ مراد ہو۔ تو یہ لو کے معنی کے خلاف ہے کیونکہ لو سے انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم پر استدلال ہوتا ہے۔ اور مطلق بعض زمانہ مراد ہونے کی صورت میں لزوم جزئی ہوگا۔ اور لزوم جزئی کی صورت میں انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم ضروری نہیں۔ مثلاً قَدۡ يَكُوۡنَ اِذَا كَانَ الشَّيۡئُ حَيۡوَانًا كَانَ انسانًا۔ میں لزوم جزئی ہے۔ اس میں انتفاء لازم "انسان" سے انتفاء ملزوم (حیوان) ضروری نہیں۔ اس لئے اس جگہ لَوۡ كَانَ الشَّيۡئُ حیوانًا كَانَ اِنۡسَانًا کہنا غلط ہے۔ پس اس طرح آیت زیر بحث کو سمجھ لینا چاہیئے۔ پس صحیح جواب یہ ہے کہ یہاں لزوم کلی ہے اور صورت اس کی یہ ہے کہ جو قدرت عموماً ہر انسان کو حاصل ہے۔ اس قدرت کے ساتھ اگر آپ کو خیر و شر کا پورا علم ہوتا تو آپ بہت سی خیر جمع کر لیتے اور شر سے بچ جاتے۔ اور یہ لزوم کلی ہے۔ نہ فی بعض الاوقات۔ کیونکہ اس قسم کی قدرت کے ساتھ جب پورا علم بھی ہو تو پھر استکثار خیر اور احتراز شر سے کیا رکاوٹ؟ اور اس جواب سے یہ بھی معلوم ہوا کہ دوسرا اعتراض وارد نہیں ہوتا۔ کیونکہ اس آیت میں پورے علم کی نفی ہے یعنی تمام اشیاء کا علم نہیں بعض کا ہو تو ہو پس آپ کا مغیبات سے خبر دینا چنانچہ احادیث میں آیا ہے اور آپ کا بذریعہ وحی غیب پر مطلع ہونا جیسا کہ آیت کریمہ فَلَا يُظۡهِرُ سے ثابت ہوتا ہے یہ اس آیت لوکنت اعلم الغیب کے خلاف نہیں پس تفسیر جمل میں جو بحوالہ تفسیر خازن دوسرے اعتراض کے تین جواب دیئے ہیں۔ ان کی بھی ضرورت نہ رہی۔ اور آیت لوکنت اعلم الغیب اور آیت فَلَا يُظۡهِرُ میں تقدم تاخر کی بحث بھی اس محل میں بے کار ہوئی۔

وقت آپ کو کسی بات کی اطلاع نہ تھی۔ جب اس کے بعد خدا نے آپ کو بذریعہ وحی بعض باتوں کی خبر دی۔ تو یہ آپ کی نبوت کی دلیل بن گئی۔

پہلے اعتراض کے جواب سے دو باتیں حاصل ہوئیں۔ ایک یہ کہ آپ کو خدائی اختیارات نہ تھے۔ بلکہ جیسے اور انسانوں کی قدرت ہے۔ اس طرح کی قدرت آپ کی تھی۔ (دوم) یہ کہ آپ کو تمام باتوں کا علم نہ تھا۔ ورنہ اس قدرت کے ساتھ بہت سی بھلائی جمع کر لیتے اور برائی سے بچ جاتے۔

دوسرے اعتراض کے تینوں جوابوں سے معلوم ہوا کہ آپ کو بذریعہ وحی بعض پوشیدہ باتوں کا علم حاصل ہے خواہ لوکنت اعلم الغیب کہنے کے وقت ہوا اور بطور تواضع کے کلی طور پر نفی کر دی ہو۔ اور خواہ لَوْ کُنْتُ اَعْلَمُ الْغَیْبَ کہنے کے بعد ہوا ہو۔ اور بعد ہونے کی صورت میں خواہ کلام کفار کے سوال کا جواب ہو یا اپنے طور پر۔

خلاصہ یہ کہ دونوں اعتراضوں کے جوابوں سے توحید کا پورا نقشہ سامنے آجاتا ہے جس میں کسی کا اختلاف نہیں وہ یہ کہ نہ آپ کو خدائی اختیارات حاصل ہیں۔ نہ آپ کو علم غیب ہے۔ بجز اس کے کہ کوئی بات آپ کو خدا تعالیٰ بذریعہ وحی معلوم کرا دے۔

غرض تفسیر جمل کی عبارت فریق مخالف کو مفید نہیں۔ بلکہ انہی پر حجت ہے۔ مگر وہ بے سمجھے بن سوچے پیش کر رہے ہیں۔ اور عموماً ان کی یہی حالت ہے خدا ان کو سمجھ دے آمین۔

رہا شرط و جزاء کے وقوع کا مسئلہ اور یہ مسئلہ کہ آیت قیاس اقترانی ہو سکتی ہے یا نہیں۔ سو اب دونوں کی تفصیل سنیئے۔

تفصیل اوّل عموماً یہ مشہور ہے کہ شرط و جزاء کا وقوع ضرور نہیں۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے اور وہ یہ کہ کلمات شرط کئی ہیں۔ کسی میں وقوع ضروری ہے۔ کسی میں وقوع ضروری نہیں۔ مثلاً اِذا میں وقوع ضروری ہے اِن میں ضروری نہیں۔ اہل عربیت کے نزدیک اِن مشکوک کے لئے ہے اور چونکہ اِن شرط میں اصل ہے اور مشہور ہے۔ اس لئے یہ بات مشہور ہو گئی۔ کہ شرط جزاء کا وقوع ضروری نہیں۔ حالانکہ ضروری بھی ہے اور نہیں بھی۔ لو میں عدم وقوع ضروری ہے۔ نور الانوار میں ہے وھو بمعنی ان انتفاء الجزاء فی الخارج فی الزمان الماضی با نتفاء الشرط کما ھو عند اھل العربیۃ اوان انتفاء الشرط فی الماضی لاجل انتفاء الجزاء کما ھو عند ارباب المعقول (نور الانوار مبحث حروف شرط ص۱۴۰)

ترجمہ:۔ لَوْ اہل عربیت کے نزدیک انتفاء جزاء کے لئے ہے بوجہ انتفاء شرط کے اور ارباب معقول کے نزدیک انتفاء شرط کے لئے ہے۔ بوجہ انتفاء جزاء کے۔ قرآن مجید میں دونوں طرح استعمال ہوا ہے۔ آیت کریمہ لَوْ کَانَ

فِیْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا ارباب معقول کے موافق ہے۔ اس طرح آیت کریمہ وَلَوْ کُنْتَ فَظًّا غَلِیْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ (پ۴ رکوع ۷) اہل عربیت کے موافق آئی ہے۔ یعنی اگر تو سخت زبان سخت دل ہوتا ہے تو یہ لوگ تیرے ارد گرد سے منتشر ہو جاتے۔

اس طرح آیت کریمہ وَلَوْ اَنَّا کَتَبْنَا عَلَیْهِمْ اَنِ اقْتُلُوْآ اَنْفُسَکُمْ اَوِ اخْرُجُوْا مِنْ دِیَارِکُمْ مَّا فَعَلُوْهُ اِلَّا قَلِیْلٌ مِّنْهُمْ (پ۵ ع ۷) اہل عربیت کے موافق ہے یعنی اگر ہم ان پر لکھتے کہ اپنی جانوں کو قتل کر دیا اپنے گھروں سے نکل جاؤ۔ تو وہ یہ کام نہ کرتے مگر ان سے تھوڑے۔

نوٹ:۔ لو اہل عربیت کے موافق عربی محاورات میں کثرت سے استعمال ہوا ہے۔ اس لئے اہل عربیت نے اس معنی کو اختیار کیا ہے۔ اور ارباب معقول کا مقصد چونکہ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم پر استدلال کرنا ہے۔ اس لئے ان کے نزدیک دوسرا معنی معتبر ہے۔

تفصیل دوم | آیت کریمہ کی ظاہر صورت تو قیاس استثنائی کی ہے۔ اگر قیاس اقترانی بنانا چاہیں۔ تو شکل ثانی کی صورت میں بن سکتا ہے۔ ہم قیاس استثنائی اور قیاس اقترانی دونوں کا ذکر کرتے ہیں۔ مگر پہلے تھوڑی سی تمہید سُن لیں۔

تمہید | قیاس استثنائی میں اگر مقدمہ موضوعہ متصلہ ہو تو اس میں ملازمہ کلیہ شرط[1] ہے اور قیاس اقترانی کی شکل ثانی میں اختلاف مقدمتین فی الکیف اور کلیہ کبریٰ شرط ہے۔ پھر ملازمہ کی دو قسمیں ہیں۔ عقلی اور عرفی۔ عقلی جیسے طلوع شمس کو وجود النہار لازم ہے اور عرفی جیسے حاتم طائی کو سخاوت لازم ہے۔ علم الغیب اور استکثار من الخیر کے درمیان بھی عرفی لزوم ہے کیونکہ عموماً دستور ہے کہ جب انسان کو خیر و شر کا علم ہوتا ہے تو وہ خیر کو حاصل کرتا اور شر سے بچتا ہے خاص کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنی ذات سے خبر دے رہے ہیں۔ اگر مجھے علم غیب ہوتا تو میں ایسا کرتا۔ تو علم غیب کی صورت میں اس کا وقوع ضروری ہو گیا۔ ورنہ آپ کی کلام میں کذب لازم آئے گا۔ اور کلمہ لو کا استعمال بے محل ہو جائے گا جس سے خدا اور رسول دونوں پاک ہیں۔ شاید کہا جائے کہ لو۔ اِنْ۔ اِذَا مہملہ کا سُور ہیں۔ اور مہملہ جزئیہ کی قوۃ میں ہوتا ہے تو پھر ملازمہ کلیہ کس طرح ہوا؟ ——— اس کا جواب یہ ہے کہ لو مجازاً ان کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ اصول فقہ میں مسائل طلاق وغیرہ میں لکھا ہے (ملاحظہ ہو نور الانوار

---

[1] ملازمہ کلیہ سے مراد لزوم کلی ہے۔ ۱۲

مبحث حروف شرط صفہ ۱۴۱) اس وقت وہ مہملہ کا سور ہوگا۔ ورنہ وہ اپنے معنیٰ میں مہملہ کا سور نہیں بن سکتا۔ قرآن مجید میں ہے۔ لَوْكَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللّٰهُ لَفَسَدَتَا۔ اس میں ملازمہ کلیہ ہے اگر ملازمہ کلیہ نہ ہو تو یہ توحید کی دلیل نہیں بن سکتی۔ اس طرح آیت زیر بحث کو سمجھنا چاہیئے۔ خلاصہ یہ کہ لو کا اپنا معنیٰ انتفاء لازم سے انتفاء ملزوم جو ارباب معقول کے ہاں معتبر ہے ملازمہ کلیہ کو مستلزم ہے اس لئے اس حالت میں مہملہ کا سور نہیں ہوگا۔

قیاس استثنائی۔ لَوْكُنْتُ اَعْلَمُ الْغَيْبَ لَاسْتَكْثَرْتُ مِنَ الْخَيْرِ وَمَا مَسَّنِيَ السُّوْٓءُ وَلٰكِنِّيْ لَمْ اَسْتَكْثِرْ مِنَ الْخَيْرِ وَمَسَّنِيَ السُّوْٓءُ فَلَمْ اَكُنْ اَعْلَمُ الْغَيْبَ۔

قیاس اقترانی۔ انا لست مستكثر الخير ومَسَّنِيَ السُّوْٓءُ وَكُلُّ عَالِمِ الْغَيْبِ مُسْتَكْثِرًا لِّلْخَيْرِ وَلَمْ يَمَسَّهُ السُّوْٓءُ فَاَنَا لَسْتُ عَالِمَ الْغَيْبِ۔

آیت وَمَا هُوَ عَلَى الْغَيْبِ بِضَنِيْنٍ کا مطلب

سوال:۔ آیت وما ھو علی الغیب بضنین الایۃ کا کیا مطلب ہے؟

جواب:۔ مطلب اس کا یہ ہے کہ غیب پر آپ بخیل نہیں۔ یعنی آپ کو جو کچھ بذریعہ وحی معلوم ہوتا ہے۔ آپ اس کے پہنچانے میں بخل نہیں کرتے۔ بلکہ اس کو آگے پہنچا دیتے ہیں۔ جیسے شانِ نبوت سے ظاہر ہے اس آیت میں وہی غیب ہے۔ جو آیت فَلَا يُظْهِرُ میں مذکور ہے۔

علم مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن

سوال:۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم ما کان وما یکون تھا یا نہیں؟ حالانکہ ایک روایت میں آتا ہے۔ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلى الله عليه وسلم اِنِّيْ رَاَيْتُ رَبِّيْ عَزَّوَجَلَّ فِيْ اَحْسَنِ صُوْرَةٍ قَالَ فِيْمَ يَخْتَصِمُ الْمَلَاُ الْاَعْلٰى قُلْتُ اَنْتَ اَعْلَمُ فَوَضَعَ كَفَّهٗ بَيْنَ كَتِفَيَّ فَوَجَدْتُ بَرْدَهَا بَيْنَ ثَدْيَيَّ فَعَلِمْتُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ

الحدیث مشکوٰۃ جلد ۱ صفحہ ۶۹-۷۰

اس حدیث سے صریح ظاہر ہے۔ کہ آپ کو علم ما کان وما یکون تھا۔ اور آپ عالم غیب السمٰوٰت والارض تھے۔

جواب:۔ آپ کو علم مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ نہیں۔ اور حدیث فِیْمَ یَخْتَصِمُ الْاَعْلٰی سے صرف آسمان وزمین میں موجود اشیاء کا علم کلی معلوم ہوتا ہے۔ جو ہو چکی ہیں یا آئندہ ہونے والی ہے۔ ان کا علم ثابت نہیں ہوتا۔ اور اس کی مؤید بخاری کی حدیث کوثر بھی ہے۔ جو جواب نمبر ۵ میں گزر چکی ہے۔ اور آیات وواقعات اور دیگر احادیث سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔ کہ آپ کو بعض اشیاء کا علم ہے نہ کہ خدا کی طرح کل اشیاء کا۔ چنانچہ چند امثلہ جواب نمبر ا میں گزر چکی ہیں۔

خدا تعالیٰ کا علم اور نبی کا علم

سوال:۔ خدا تعالیٰ کے علم اور آنحضورؐ کے علم میں کیا فرق ہے؟

جواب:۔ فرق اوپر معلوم ہو چکا کہ خدا پر کوئی شئے مخفی نہیں۔ نہ گذشتہ نہ آئندہ نہ موجودہ۔ اس کے برخلاف رسولؐ کو بہت سی باتوں کا پتہ نہیں۔

خدا تعالیٰ کو عالم الغیب کہنے کی وجہ

سوال:۔ خدا کے نزدیک جب کوئی شے پوشیدہ وغائب نہیں ہے۔ تو خدا کو عالم الغیب کیوں کہا جاتا ہے؟

جواب:۔ خدا پر بے شک کوئی شئے پوشیدہ نہیں ہے۔ غیب صرف مخلوق کے لحاظ سے ہے۔ جیسا آیت کریمہ لعل السَّاعۃ تکُوْنُ قَرِیْبًا میں کلمہ لعل استعمال مخلوق کے لحاظ سے ہے۔

آیت اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ کا مطلب

سوال:۔ آیت اِنَّ اللہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ وَیَعْلَمُ مَا فِی الْاَرْحَامِ الآیۃ میں ان پانچ اشیاء کو کیوں خاص کیا گیا ہے؟ اس کی کیا وجہ ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ کو ان پانچ چیزوں کا علم خصوصی ہے؟ اور باقی اشیاء کا نہیں ہے؟

جواب:۔ ان پانچ کے علاوہ دیگر غیب بھی خدا کا خصوصی علم ہے پانچ کا ذکر خصوصیت سے اس لئے کیا ہے کہ ان پانچ کی علامات بہت ہیں قیامت کی علامات احادیث میں بکثرت آتی ہیں۔ بارش کے لئے موسم

مقرر ہونا خاص ہے۔ خاص قسم کی ہوا کا چلنا۔ بجلی کا چمکنا بادل کا گرجنا یہ سب علامات ہیں۔ اس طرح انسان کی رہائش گاہ ایک جگہ ہونا اور ہمیشہ اس جگہ آمد ورفت یہ اس بات کی علامات ہیں کہ موت اسی جگہ آئے۔ اور انسان کا مصمم ارادہ ہونا کہ میں کل فلاں کام کروں گا۔ اور اس کے لئے پوری تیاری اور اس کا سامان کرنا یہ اس بات کی علامت ہے۔ کہ کل یہی کام ہوگا۔ اور جو رحم میں ہے۔ اس کی گیارہ بارہ علامات اطباء اور ڈاکٹروں نے لکھی ہیں۔ کہ ایسا ہو تو لڑکا ہوگا۔ اور ایسا ہو تو لڑکی وغیرہ مگر باوجود ان سب علامات کے کسی کو ان پانچ چیزوں کے متعلق پورا علم نہیں ہوسکتا۔ بہت دفعہ خیال کچھ ہوتا ہے۔ اور ہو کچھ جاتا ہے۔ جب ان اشیاء کا یہ حال ہے جن کی بکثرت علامات موجود ہیں۔ تو جن کی علامات سرے ہی سے نہیں۔ یا بہت کم ہیں۔ ان کا علم بطریق اولیٰ مخلوق کو نہیں ہوسکتا۔ جیسے خدا کی ذات کی حقیقت کا علم اور اس بات کا علم کہ آئندہ وہ کیا پیدا کرنے والا ہے۔ اور پہلے کیا پیدا کرچکا ہے۔ چنانچہ ارشاد ہے۔ وَيَخْلُقُ مَالَا تَعْلَمُوْنَ۔ (پ ۲۳ رکوع ۲)

اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ کا مطلب؟

سوال:۔ ایک حدیث میں آتا ہے۔ "اِتَّقُوْا فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَاِنَّهٗ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ الحدیث" مومن کی فراست سے ڈرو کہ وہ اللہ کے نور سے دیکھتا ہے۔ تو کیا نبی صلی اللہ علیہ وسلم نورِ الٰہی کے ذریعہ سے علم مغیبات نہیں رکھتے حالانکہ آپ مجمع النورین تھے۔ ایک نور نبوت اور دوسرا نور الٰہی چنانچہ آپ نے اپنے چچا حضرت عباسؓ کو خاص بات جو انہوں نے اپنی بیوی ام الفضل سے کہی تھی۔ بدر کے دن بتلائی جبکہ انہوں نے فدیہ یوم بدر دینے سے عذر کیا۔ یہ واقعات تبلاتے ہیں۔ کہ آپ علم مغیبات رکھتے تھے اور آپ عالم الغیب تھے۔

جواب:۔ فراست کے معنیٰ ہیں۔ کہ کسی کے رنگ ڈھنگ سے کسی بات کا پتہ لگا لینا۔ سو یہ بہت محدود علم ہے۔ پھر علم غیب کی قسم سے بھی نہیں چنانچہ نمبر اوّل کے جواب میں علم غیب کی تعریف سے ظاہر ہے۔ قرآن مجید میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نسبت ارشاد ہے۔ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ (پ ۲۶ رکوع ۷) یعنی اے محمد! (صلی اللہ علیہ وسلم) تو منافقوں کو طرز بات میں پہچان لے گا۔

دوسری آیت میں ہے۔ وَاِذَا رَاَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ وَاِنْ يَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ (منافقون) اے محمد! جب تو منافقوں کو دیکھتا ہے۔ تو ان کے جثے تجھ کو تعجب

میں ڈالتے ہیں۔ اور اگر بات کرتے ہیں۔ تو ان کی بات کو سنتا ہے۔ گویا کہ وہ لکڑیاں (دیوار سے) اکھڑی کی گئی ہیں۔

تیسری آیت میں ہے۔ وَمِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ مَرَدُوْا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (پ ۱۱ ع ۳) یعنی اہل مدینہ سے کئی نفاق پر اڑے ہوئے ہیں۔ اے محمد! تو ان کو نہیں جانتا ہم جانتے ہیں پہلی آیت میں پہچان کا ذکر ہے۔ دوسری میں ذکر ہے۔ کہ تو ان کے جثے دیکھ کر ان کو شریف سمجھ کر ان کی بات توجہ سے سنتا ہے حالانکہ وہ نکمے ہیں۔ جیسے دیوار سے کھڑی ہوئی لکڑیاں بے کار ہیں۔ تیسری آیت میں صاف ہے کہ کئی منافقوں کا تجھے علم نہیں۔ حالانکہ وہ مدینہ میں رہتے ہیں۔ ان سب آیتوں کو ملا کر یہی نتیجہ نکلتا ہے۔ کہ وحی کے سوا عام حالات حضورؐ کے باقی انسانوں کی طرح ہیں صرف کمی بیشی کا فرق ہے۔ کسی کی فراست زیادہ تیز ہے۔ عقلوں اور بینائیوں وغیرہ میں فرق ہے مومن کی فراست نور ایمانی کی وجہ سے نسبتاً زیادہ تیز ہے اللہ کے نور سے نور ایمانی مراد ہے مگر اس کی بیشی سے کوئی بشریت سے متجاوز نہیں ہو سکتا۔ اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سمجھ لینا چاہیے۔ اگرچہ آپ کی فراست نسبتاً تیز ہے۔ مگر بعض دفعہ پتہ نہیں لگتا چنانچہ اوپر آیات سے واضح ہے۔

خلاصہ یہ کہ ایک تو یہ علم محدود ہے۔ ہر شے کا علم نہیں۔ دوم علم غیب کی قسم سے نہیں۔ بلکہ اسباب عادیہ سے حاصل ہے۔ سوم اس میں غلطی بھی ہو جاتی ہے۔ کیونکہ فراست ضروری نہیں کہ صائب ہو۔ چنانچہ یہ مشاہدہ ہے۔ عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قسم کے بہتیرے واقعات ہیں۔ چنانچہ سورۃ حشر کے شان نزول کا واقعہ اسی قسم کا ہے جس میں ذکر ہے۔ کہ یہود نے آپ کو ایک دیوار کے نیچے بٹھایا۔ اور اوپر سے پتھر پھینک کر آپ کا کام تمام کرنا چاہا۔ مگر جبرئیل نے آکر اطلاع کر دی۔ اس موقعہ پر بجز وحی کے آپ کی فراست اور آپ کے ساتھیوں کی فراست کچھ نہ کر سکی غرض اس قسم کے بہتیرے واقعات ہیں۔ پس اس کو علم غیب سے کوئی تعلق نہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ واصحابہ اجمعین۔

عبداللہ امرتسری ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۸۰ھ

مسئلہ حاضر و ناظر

سوال: ایک شخص آیت لَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ سے استدلال کرتا ہے کہ انبیاء کو علم غیب ہے اور وہ یہ بھی کہتا ہے۔ کہ رسول حاضر و ناظر ہے اور دلیل یہ دیتا ہے آیت ویکون الرسول علیکم شہیدا نیز رسولا شاھدا علیکم سے رسول شاہد، شہید ہیں۔

شہود بمعنی حضور اور شہادت بمعنی حضور اور شہادت بمعنی رؤیت ہیں۔ اس کا یہ کہنا کس حد تک درست ہے؟

جواب:- اس شخص نے لا تقربوا الصلوٰۃ پر عمل کیا ہے۔ وانتم سکاری چھوڑ دیا ہے آیت لا یظہر سے پہلے یہ الفاظ ہیں۔

قُلْ اِنْ اَدْرِیْٓ اَقَرِیْبٌ مَّا تُوْعَدُوْنَ اَمْ یَجْعَلُ لَهٗ رَبِّیْٓ اَمَدًا۔ ترجمہ:- اے محمد! کہدے مجھے کوئی پتہ نہیں۔ کہ جس عذاب کا تم وعدہ دیئے جاتے ہو۔ وہ نزدیک ہے یا میرے رب نے اس کے لئے کچھ مدت مقرر کردی ہے۔ ان الفاظ کو آیت لَا یُظْهِرُ سے ملاکر یہ مطلب ہوا کہ رسول کو کسی بات کا علم ہے۔ اور کسی بات کا پتہ نہیں۔ پس جتنا خدا نے وحی کر دیا۔ اتنا ہی علم ہے۔ اس سے زیادہ نہیں۔ اور یہ سب مسلمانوں کا عقیدہ ہے۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں۔

مجیب نے مسئلہ حاضر ناظر میں لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ والا طریقہ اختیار کیا ہے۔ شروع سے الفاظ چھوڑ دیئے ہیں پورے الفاظ یوں ہیں۔

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا۔

ترجمہ:- اس طرح ہم نے تمہیں بہتر امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر شہادت دو اور رسول تم پر شہادت دے۔

اگر شہادت کے معنی حاضر ناظر کے ہوں۔ تو لازم آتا ہے۔ کہ ساری اُمّت حاضر ناظر ہو جس میں ہم بھی داخل ہیں بلکہ لازم آتا ہے کہ ہم حاضر ناظر ہونے میں رسول سے بڑھ جائیں۔ کیونکہ رسول تو صرف ایک اپنی امت پر حاضر ناظر ہے۔ ہم ساری اُمتوں پر حاضر ناظر ہوں۔ اصل میں یہ لوگ قرآن مجید کا مطلب بیان نہیں کرتے بلکہ اس سے کھیلتے ہیں۔ احادیث اور ان کے مطابق معتبر تفاسیر میں اس آیت کا مطلب صاف لکھا ہے۔ کہ پہلی امتوں اور ان کے پیغمبروں میں نزاع ہوگی۔ پیغمبر کہیں گے۔ ہم نے پیغام پہنچائے۔ اُمتیں انکار کریں گی۔ پیغمبروں سے گواہ طلب کئے جائیں گے۔ وہ اس امّت کو پیش کریں گے یہ امّت گواہی دے گی کہ واقعی پیغمبروں نے پیغام پہنچائے۔ خُدا ان سے سوال کرے گا۔ کہ تم کس طرح گواہی دیتے ہو تم تو بہت بعد پیدا ہوئے یہ کہیں گے۔ کہ خدایا ہم نے تیرا کلام پڑھا۔ اس میں ایسا ہی لکھا پایا۔ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کی شہادت ہوگی۔ کہ یا اللہ! یہ جو کچھ کہتے ہیں۔ ٹھیک ہے۔ واقعی تیرے کلام میں ایسا ہی لکھا ہوا ہے۔ دیکھئے مطلب صاف ہے۔ حاضر ناظر ہونے کو اس سے کوئی تعلق نہیں۔ بلکہ

حاضر ناظر ہونے کی تردید ہے۔ ورنہ خدا کی طرف سے اعتراض کیوں ہوتا۔ کہ کس طرح گواہی دیتے ہو تم بہت بعد تھے۔ اس آیت کا یہی مطلب مولوی احمد رضا خان بریلوی کے مترجم قرآن مجید کے حاشیہ پر لکھا ہے پھر خدا جانے بریلوی عقیدہ کے مولوی کیوں خواہ مخواہ عام لوگوں کو دھوکہ دیتے ہیں۔

معراج جسمانی کا منکر مسلمان ہے یا کافر

سوال:۔ ایک آدمی کا عقیدہ ہے۔ کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو جسمانی معراج نہیں ہوا، صرف بذریعہ خواب معراج ہوا ہے اور عذاب قبر کوئی نہیں۔ منکر نکیر سوال و جواب نہیں کریں گے۔ نیز حضرت عیسیٰ علیہ السلام مُردے زندہ نہیں کرتے تھے۔ دوبارہ دُنیا میں تشریف نہیں لائیں گے۔ حضرت عزیرؑ دوبارہ زندہ نہیں ہوئے تھے۔ ایسا عقیدہ رکھنے والا شخص مسلمان ہے یا کافر ہے؟

جواب:۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج جسمانی حالت میں ہوا۔ جو شخص معراج جسمانی نہ مانے وہ بدعتی اور گمراہ ہے۔ اس کی امامت درست نہیں۔ معراج جسمانی کے ثبوت میں میرا ایک رسالہ ہے۔ جو اس وقت ختم ہے اس کا ملخص مولانا ابو السلام محمد صدیق صاحب سرگودھا نے رسالہ کی شکل میں چھاپ دیا ہے۔

معجزات اور کرامات

سوال:۔ معجزات کے دکھلانے سے حضرت کا انکار اور خلفاء راشدین کے حالات میں اتنی کرامات کا ذکر نہیں جتنی کرامات دوسرے بزرگوں کے متعلق بیان کی جاتی ہے اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ معجزات آپؐ نے بہت دکھلائے ہیں جن کی تفصیل قرآن و حدیث میں ہے۔ جنگ بدر میں ۳۱۳ کا بغیر سامان جنگ کے ہزار آدمی مسلح پر غالب آنا۔ پھر اسی جنگ میں مسلمانوں کا کافروں کو اپنے سے دوگنا نظر آنا اور مسلمانوں کو کافروں کا تھوڑے نظر آنا۔ یہ معجزہ قرآن میں ہے ہزار فرشتہ بلکہ پانچ ہزار فرشتہ کے اُترنے کا بھی ذکر ہے پھر مٹھی بھر کنکروں کا پھینکنا جو سب کفار کی نظر میں پڑ گئی اور چاند کا دو ٹکڑے ہونا یہ بھی قرآن میں موجود ہے احادیث میں بے حساب معجزات کا ذکر ہے اسطرح صحابہؓ کی کرامتیں بھی بے شمار ہیں۔ معجزات اور کرامات حسب ضرورت ظاہر ہوتے ہیں۔ انکی کمی بیشی روحانیت کی کمی بیشی سے نہیں ہوتی بلکہ جیسے جیسے موقع آ پڑتے ہیں خدا تعالیٰ خرق عادت کے ذریعہ سے ان موقعوں کو نبھانا چاہتا ہے تو خرق عادت ظاہر کر دیتا ہے۔ رہا بعض دفعہ معجزہ دکھلانے سے انکار تو اسکی وجہ بھی یہی ہے۔ کہ جب دیکھا کہ ضرورت نہیں یا اس کا نتیجہ اچھا نہیں ہوگا معجزہ دکھلانے سے انکار کر دیا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ

کتاب الطہارت

پانی کا بیان

کنوئیں میں بلّی گر کر مر گئی اس کے پھولنے سے پانی بدبُودار کا حکم

سوال:۔ مسجد کے کنوئیں میں بلّی گر گئی تھی جو کسی کو معلوم نہیں تھی، لوگ غسل اور وضو کرتے رہے۔ حتیٰ کہ کنوئیں میں سے بدبُو سخت پھیل گئی۔ لیکن کسی کو خبر نہ ہوئی کہ کہاں سے بدبُو آتی ہے۔ یہاں تک کہ کسی شخص غسل کرنے والے نے کہا کہ پانی سے بدبُو آتی ہے۔ تو کنوئیں میں دیکھ بھال کی گئی، اس میں بلّی مُردہ پھولی ہوئی دکھائی دی۔ یعنی دیر تک پانی میں رہنے کی وجہ سے سڑ گئی تھی۔ اب کنواں پاک کرایا گیا مگر پانی سے اب بھی بڑی سخت بدبُو آتی ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس بدبودار پانی سے غسل اور وضو کر کے جو نمازیں پڑھی ہیں ان کا کیا حکم ہے کیا پھر پڑھی جائیں؟ گذشتہ غسل اور جو کپڑے دھوئے جائیں ان کا کیا حکم ہے؟ ازمولوی محمد الدین ملکھانوالہ چک ۲۲۶ خریداری نمبر ۱۴۹۸۷

جواب:۔ کنوئیں کے پاک کرنے کی صورت یہ ہے کہ اس کا پانی اتنا نکالا جائے کہ بدبُو دور ہو جائے۔ حدیث میں ہے۔ کہ پانی کا رنگ، بُو، مزہ نجاست پڑنے کی وجہ سے بدل جائے تو پانی پلید ہو جاتا ہے خواہ قلتین (دو مشکوں) سے کم ہو یا زیادہ۔ اگر قلتین سے کم ہو تو پھر ہر صورت میں نجس ہو جاتا ہے۔ خواہ رنگ، بُو، مزہ بدلے یا نہ! اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کنوئیں کا پانی جب اس قدر نکالا جائے کہ بدبُو نہ رہے تو پاک ہو جائے گا۔ کیونکہ وہ قلتین سے زیادہ ہے نمازوں اور غسل کا حکم بھی اسی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ جب سے بدبُو پیدا ہوئی ہے اس وقت سے پانی پلید ہے۔ اندازاً اتنی نمازیں پڑھ لی جائیں۔ عموماً پانی میں مرا ہوا جانور تیسرے دن پھول جاتا ہے۔ اور پھولنے کے وقت سے بدبُو پیدا ہونی شروع ہوتی ہے۔ اس بناء پر کم از کم ایک دن کی نمازیں ضرور دُہرائی جائیں۔ اور غسل وغیرہ بھی لوٹا لیا جائے۔ اگر دو دن کی نمازیں، غسل وغیرہ دہرائی جائیں تو اور بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری مدیر تنظیم روپڑ ضلع انبالہ ۹ جنوری ۱۹۴۰ء

اگر کنوئیں میں کوئی شخص گر کر مر جائے تو کنوئیں کی طہارت کا حکم

سوال:۔ معروض آنکہ ہمارے ہاں ایک کنوئیں میں (جس کا پانی قریباً آٹھ فٹ گہرا ہے) ایک لڑکی (نو دس سال کی) گر کر مر گئی اور قریباً ڈیڑھ گھنٹہ کے بعد نکالی گئی۔ اب سوال یہ ہے کہ کنوئیں مذکور کا پانی پاک ہے یا پلید؟ سائل از آزاد کشمیر

جواب:۔ مذکورہ بالا کنوئیں کا پانی بالکل پاک ہے۔ اس میں لڑکی کے مرنے سے اس کا پانی پلید نہیں ہوا۔ کیونکہ خصوصاً مسلمان جس طرح زندہ پاک ہے۔ اسی طرح مردہ بھی پاک ہے۔ چنانچہ محدثین نے اس پہ باب منعقد کئے ہیں کہ مسلمان پلید نہیں ہوتا۔ چنانچہ صحیح بخاری میں ہے:۔

باب عرق الجنب وان المسلم لا ینجس۔

(یعنی یہ باب جنبی کے پسینہ کا حکم بیان کرنے اور یہ بات بیان کرنیکا ہے کہ مسلمان پلید نہیں ہوتا)

پھر اس میں مندرجہ ذیل حدیث لائے ہیں:۔

عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَقِیَهُ فِیْ بَعْضِ طَرِیْقِ الْمَدِیْنَةِ وَهُوَ جُنُبٌ فَانْخَنَسْتُ مِنْهُ فَذَهَبَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ اَیْنَ یَا اَبَا هُرَیْرَةَ قَالَ کُنْتُ جُنُبًا فَکَرِهْتُ اَنْ اُجَالِسَكَ وَاَنَا عَلٰی غَیْرِ طَهَارَةٍ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ اِنَّ الْمُسْلِمَ لَا یَنْجُسُ (بخاری مع فتح الباری صـ۳۱ج ۱)

یعنی ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں جنبی تھا۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے رستہ میں ملے، میں چپکے سے نکل گیا اور غسل کر کے آیا۔ آپ نے فرمایا۔ ابو ہریرہؓ کہاں گیا تھا؟ میں نے عرض کیا،" یا حضرت! میں جنبی تھا پس میں نے پلیدی کی حالت میں آپ سے ہم مجلس ہونا مکروہ جانا۔" آپ نے فرمایا: "سبحان اللہ! مسلمان تو پلید نہیں ہوتا۔"

امام بخاریؒ نے ایک باب یوں منعقد کیا ہے:۔

باب غسل المیت ووضوئہ بالماء والسدر،

یعنی یہ باب ہے میت کے وضوء اور غسل دینے کا ساتھ پانی اور بیری کے پتوں کے۔

اور اس میں لکھتے ہیں:۔

وَحَنَّطَ ابْنُ عُمَرَ رضی اللہ عنہما اِبْنًا لِسَعِيْدِ بْنِ زَيْدٍ وَحَمَلَهُ وَصَلّٰى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ ۔ وَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ رَضِیَ اللہ عَنْهُمَا الْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا وَقَالَ سَعْدٌ لَوْ كَانَ نَجِسًا مَا مَسِسْتُهٗ وَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ ۔ (بخاری مع فتح الباری صـ۹۵ ج ۳)

ابن عمر رضی اللہ عنہ نے سعید بن زید کے بیٹے کو (جو فوت ہوگیا تھا) خوشبو لگائی اور اس کا جنازہ اُٹھایا اور نماز پڑھی اور وضوء نہ کیا اور ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ مسلمان زندہ اور مُردہ کسی حال میں پلید نہیں ہوتا اور سعد بن ابی وقاص رضؓ نے فرمایا (کہ اگر میّت پلید ہوتی تو) میں اس کو ہاتھ بھی نہ لگاتا۔ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ مومن پلید نہیں ہوتا۔

یہ باب کا ترجمہ ہے اس کی تشریح بہت کچھ فتح الباری میں موجود ہے، میں کہاں تک لکھوں جو زیادہ تفصیل چاہے وہ فتح الباری ملاحظہ فرمائے۔

مختصر یہ کہ مومن، موت آنے سے پلید نہیں ہوتا جیسا کہ ابن عمرؓ، ابن عباسؓ، سعد بن ابی وقاصؓ کے قول وفعل اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کے فرمان سے ثابت ہے۔

بخاری کے بعد صحیح مسلم کو ملاحظہ فرمائیے۔ فرماتے ہیں:۔

بَابُ الدَّلِيْلِ عَلٰى اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ (مسلم صـ۱۶۱ ج ۱)

یعنی اس باب میں اس بات کے دلائل ہیں کہ مسلمان پلید نہیں ہوتا۔

پھر اس میں دو حدیثیں لائے ہیں۔ ایک ابوہریرہؓ کی جو بخاری شریف کے حوالہ سے اُوپر گذر چکی ہے، دوسری حذیفہؓ کی حدیث:۔

عَنْ حُذَيْفَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَهٗ وَهُوَ جُنُبٌ فَحَادَ عَنْهُ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ فَقَالَ كُنْتُ جُنُبًا قَالَ اِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ ،

یعنی حذیفہ رضؓ آپ کو جنابت کی حالت میں ملے، پس تنہا ہوئے اور غسل کیا، پھر حضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کی خدمت اقدس میں تشریف لائے اور عرض کیا کہ میں جنبی تھا۔ آپ نے فرمایا مسلمان پلید نہیں ہوتا۔ (مسلم صـ۱۶۲ ج ۱)

منتقیٰ میں بھی باب ایسا ہی باندھا ہے، فرماتے ہیں:۔

بَابٌ فِي أَنَّ الْآدَمِيَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ بِالْمَوْتِ وَلَا شَعْرُهُ وَأَجْزَاءُهُ بِالْانْفِصَالِ۔
یعنی یہ باب اس مسئلہ میں ہے کہ آدمی مُسلمان موت سے پلید نہیں ہوتا اور اس کے بال اور اعضا بھی جسم سے علیحدہ ہونے پر پلید نہیں ہوتے۔

پھر فرماتے ہیں:۔

قَدْ أَسْلَفْنَا قَوْلَهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ وَهُوَ عَامٌّ فِي الْحَيِّ وَالْمَيِّتِ قَالَ الْبُخَارِيُّ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَلْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا۔ (منتقی مع نیل ۱)

یعنی حدیث المسلم لا ینجس (جو پہلے ذکر ہو چکی ہے) وہ عام ہے زندہ اور مُردہ کو شامل ہے۔
یعنی مُسلمان زندہ اور مُردہ پاک ہے۔ چنانچہ ابن عباسؓ نے بھی یہی فتویٰ دیا ہے۔ کہ مُسلمان زندہ اور مُردہ پلید نہیں ہوتا۔

امام نُووی صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں:۔

هٰذَا الْحَدِيثُ أَصْلٌ عَظِيمٌ فِي طَهَارَةِ الْمُسْلِمِ حَيًّا وَمَيِّتًا فَالْحَيُّ طَاهِرٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ حَتَّى الْجَنِينُ إِذَا أَلْقَتْهُ أُمُّهُ وَعَلَيْهِ رُطُوبَةُ فَرْجِهَا قَالَ بَعْضُ أَصْحَابِنَا هُوَ طَاهِرٌ بِإِجْمَاعِ الْمُسْلِمِينَ وَلَا يَجِيءُ فِيهِ الْخِلَافُ الْمَعْرُوفُ فِي نَجَاسَةِ رُطُوبَةِ فَرْجِ الْمَرْأَةِ وَلَا الْخِلَافُ الْمَذْكُورُ فِي كُتُبِ أَصْحَابِنَا فِي نَجَاسَةِ ظَاهِرِ بَيْضِ الدَّجَاجِ وَنَحْوِهِ فَإِنَّ فِيهِ وَجْهَيْنِ بِنَاءً عَلَى رُطُوبَةِ الْفَرْجِ هٰذَا حُكْمُ الْمُسْلِمِ الْحَيِّ وَأَمَّا الْمَيِّتُ فَفِيهِ خِلَافُ الْعُلَمَاءِ وَلِلشَّافِعِيِّ فِيهِ قَوْلَانِ اَلصَّحِيحُ مِنْهُمَا أَنَّهُ طَاهِرٌ وَلِهٰذَا غُسِلَ وَلِقَوْلِهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْمُسْلِمَ لَا يَنْجُسُ وَذَكَرَ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ تَعْلِيقًا اَلْمُسْلِمُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا ..... الخ

یعنی یہ حدیث جو ابو ہریرہؓ اور حذیفہ رضی اللہ عنہما سے اُوپر مذکور ہو چکی ہے، مسلمان زندہ اور مُردہ کے پاک ہونے کی اصل دلیل ہے۔ پس مُسلمان زندہ کا پاک ہونا تو اجماعِ مسلمین سے ثابت ہے۔ حتیٰ کہ بچہ جب کہ اس کو ماں ڈال دے اور اس پر فرج کی رطوبت لگی ہو، وہ بھی بقول ہمارے بعض اصحاب کے ساتھ اجماعِ مسلمین کے پاک ہے۔ اور وہ اختلاف جو فرج کی رطوبت

کے متعلق اور انڈا مرغی کے ظاہر ہونے کے متعلق ہے۔ اس میں نہیں آتا۔ یہ حکم تو زندہ مسلمان کا ہے کہ وہ بالاتفاق پاک ہے۔ لیکن مسلمان فوت شدہ، سو اس کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔
امام شافعیؒ کے اس کے متعلق دو قول ہیں مگر صحیح قول ان کا یہی ہے کہ مسلمان فوت شدہ پاک ہے، اسی لئے تو غسل دیا جاتا ہے (یعنی اگر نجس العین ہوتا تو غسل سے پاک نہ ہوتا) چنانچہ حدیث میں ہے مسلمان پلید نہیں ہوتا اور امام بخاری، صحیح بخاریؒ میں ابن عباسؓ وغیرہ سے لائے ہیں کہ مسلمان زندہ اور مردہ پاک ہے۔
نیل الاوطار میں ہے۔

وَحَدِيْثُ الْبَابِ اَصْلٌ فِیْ طَهَارَةِ الْمُسْلِمِ حَيًّا وَمَيِّتًا اَمَّا الْحَیُّ فَاِجْمَاعٌ وَاَمَّا الْمَيِّتُ فَفِيْهِ خِلَافٌ فَذَهَبَ اَبُوْحَنِيْفَةَ وَمَالِكٌ وَمِنْ اَهْلِ الْبَيْتِ الْهَادِیْ وَالْقَاسِمُ وَالْمُؤَيَّدُ بِاللّٰهِ وَاَبُوْطَالِبٍ اِلٰى نَجَاسَةٍ وَذَهَبَ غَيْرُهُمْ اِلٰى طَهَارَةٍ وَاسْتَدَلَّ صَاحِبُ الْبَحْرِ لِلْاَوَّلِيْنَ عَلَى النَّجَاسَةِ بِنَزْحِ زَمْزَمَ مِنَ الْحَبْشِیْ وَهٰذَا مَعَ كَوْنِهٖ مِنْ فِعْلِ ابْنِ عَبَّاسٍ كَمَا اَخْرَجَهُ الدَّارَقُطْنِیُّ عَنْهُ وَقَوْلُ الصَّحَابِیِّ وَفِعْلُهٗ لَا يَنْتَهِضُ لِلْاِحْتِجَاجِ بِهٖ عَلَى الْخَصْمِ مُحْتَمَلٌ اَنْ يَّكُوْنَ لِلْاِسْتِقْذَارِ لَا لِلنَّجَاسَةِ وَمُعَارِضٌ بِحَدِيْثِ الْبَابِ وَبِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ نَفْسِهٖ عِنْدَ الشَّافِعِیِّ رح وَالْبُخَارِیِّ تَعْلِيْقًا بِلَفْظِ الْمُؤْمِنُ لَا يَنْجُسُ حَيًّا وَلَا مَيِّتًا وَبِحَدِيْثِ اَبِیْ هُرَيْرَةَ الْمُتَقَدِّمِ وَبِحَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَيْضًا عِنْدَ الْبَيْهَقِیِّ اِنَّ مَيِّتَكُمْ يَمُوْتُ طَاهِرًا فَحَسْبُكُمْ اَنْ تَغْسِلُوْا اَيْدِيَكُمْ وَتَرْجِيْحُ رَأْیِ الصَّحَابِیِّ عَلٰى رِوَايَتِهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرِوَايَةِ غَيْرِهٖ مِنَ الْغَرَائِبِ الَّتِیْ لَا يُدْرٰى مَا الْحَامِلُ عَلَيْهَا۔

یعنی حدیث باب کی یعنی حضرت حذیفہ رضؓ کی حدیث جس کے الفاظ مسلم کے حوالہ سے اوپر گذر چکے ہیں مسلمان زندہ اور مردہ کے پاک ہونے پر اصل دلیل ہے پس مسلمان زندہ کے پاک ہونے پر تو اجماع ہے۔ اور مردہ کے پاک ہونے میں اختلاف ہے۔ امام ابو حنیفہ، مالک، اہل بیت سے ہادی قاسم مؤید باللہ ابو طالب نجاست کی طرف گئے ہیں اور ان کے علاوہ باقی سب طہارت کے قائل ہیں۔ صاحب بحر نے مردہ کو نجس جاننے والوں

کے لئے حبشی کے واقعہ سے استدلال کیا ہے کہ وہ زمزم میں واقع ہوگیا جو ابن عباس نے زمزم[1] صاف کرایا اور یہ باوجود ابن عباس کا فعل ہونے کے جو مخالف پر حجت نہیں احتمال رکھتا ہے کہ ویسے صفائی کے لئے ہو۔ نجاست کے لئے نہ ہو۔ ۔ ۔ ۔ ۔

اور فعل ابن عباس کا حدیث باب (یعنی حدیث حذیفہ کے خلاف ہے اور ابن عباس کی اپنی حدیث کے بھی جو بیہقی میں ہے جس کو امام بخاری نے بھی تعلیقاً ذکر کیا ہے کہ مومن زندہ اور مُردہ پلید نہیں ہوتا، مخالف ہے، اور حدیث ابی ہریرہ رضی کے بھی خلاف ہے جو صحیح مسلم کے حوالہ سے پہلے ذکر ہو چکی ہے اور ابن عباس کی اپنی حدیث کے بھی خلاف ہے جو بیہقی میں ہے :۔

اِنَّ مَیِّتَکُم یموت طاھرا ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ الخ (یعنی میّت تمہاری بعد از موت پاک ہوتی ہے سو تم اس کو غسل دے کر صرف ہاتھ دھو لیا کرو، یعنی میّت کو غسل دے کر غسل کرنے کی ضرورت نہیں، کیونکہ میّت پاک ہے اور صحابی کی رائے کو اس کی یا دوسرے صحابی کی مرفوع حدیث پر ترجیح دینا تو بڑی ہی عجیب بات ہے جس کا باعث معلوم نہیں یعنی صحابی کی رائے کو حدیث مرفوع پر ترجیح نہیں دینی چاہیئے)

تنبیہ :۔ جو لوگ مُردہ مسلمان کو نجس کہتے ہیں ۔ان کا قول غلط ہے ۔ فرمانِ رسُول صلی اللہ علیہ وسلّم اور اقوالِ صحابہ رضی کے مقابلہ میں اس کی کوئی وقعت اور اعتبار نہیں ۔ نیز ان کے قول سے لازم آتا ہے کہ صلحائے اُمّت اور اولیاء اور صحابہؓ اور انبیاء کے اجسام مطہرہ مبارکہ بھی نجس ہوں (نعوذ باللہ من ذالک) یہ عقیدہ بالکل باطل اور غلط ہے ۔ میرا وقت بہت قلیل ہے ورنہ میں اس پر بہت سے دلائل جمع کر دیتا خیر عاقل مومن کیلئے یہی کافی ہے ۔

اگر در خانہ کس ست ، یک حرف بس ست

حاصل یہ کہ مذکورہ بالا چاہ کی طہارت اور اس کے پاک ہونے میں کوئی شبہ نہیں ، کیونکہ لڑکی فوت

---

[1] اس واقعہ کو امام بیہقی نے ضعیف بتایا ہے چنانچہ عون المعبود میں ہے ! وما روی ابن ابی شیبۃ ان زنجیًا وقع فی بیر زمزم فامر بنزح الماء ضعفھا البیھقی وروی عن سفیان بن عیینۃ قال انا بمکۃ سبعین سنۃً لم ار احدا صغیرًا ولا کبیرا یعرف حدیث الزنجی ۔

یعنی جو ابن ابی شیبہؒ نے روایت کیا ہے کہ زنجی زمزم میں گر پڑا تو اس کا پانی کھینچا گیا اسکو بیہقی نے ضعیف کہا ہے اور سفیان بن عیینہ فرماتے ہیں کہ میں مکّہ میں ستر سال رہا مگر میں نے کسی چھوٹے یا بڑے کو نہیں دیکھا جو زنجی کی حدیث جانتا ہو ۔

شدہ زندہ اور مُردہ پاک ہے پھر چاہ کس طرح پلید ہو گیا۔
اگر بقول اُن کے میت کو نعوذ باللہ من ذالک نجس قرار دیا جائے تو بھی چاہ مذکور کا پانی پلید نہیں ہوتا۔
کیونکہ جب پانی دو قلہ (پانچ مشک) یا زیادہ ہو تو پلید نہیں ہوتا۔ چنانچہ محدثین نے اس کو صاف صاف بیان فرمایا ہے۔

ترمذی میں ہے:۔

باب مَا جَاءَ ان الماء طهور لا يُنَجِّسُهُ شيئ،

امام ترمذیؒ اس باب میں مندرجہ ذیل حدیث لائے ہیں:۔

عن ابی سعید الخدریؓ قال قیل یا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتوضأُ من بئر بضاعة وهی بئر یلقی فیها الحیض ولحوم الکلاب والنتن فقال رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان الماء طهور لا ینجسه شیئ قال ابو عیسیٰ حدیث حسن وقد جود ابو اسامة هذا الحدیث لم یرو حدیث ابی سعید فی بئر بضاعة احسن مما روی ابو اسامة وقد روی هذا الحدیث من غیر وجه۔

یعنی ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہا گیا کہ ہم بیئر بضاعۃ سے وضوء کر لیا کریں دراں حالیکہ وہ بیئر ہے کہ اس میں حیض آلودہ کپڑے اور نتوں کا گوشت اور گندگی وغیرہ اتفاق سے پڑجاتی ہے۔

آپؐ نے فرمایا کہ پانی پاک ہے اس کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔

تحفۃ الاحوذی فی شرح جامع ترمذی میں بعد قول وقد جود ابو اسامة هذا الحدیث کے لکھا ہے:۔

ای رواہ بسند جید وصححہ احمد بن حنبل ویحیٰ بن معین وابو محمد بن حزم قاله الحافظ فی التلخیص وزاد فی بدر المنیر والحاکم واخرون من ائمة الحفاظ۔

یعنی ابو اسامہ نے اس کو جید سند سے روایت کیا اور امام احمد بن حنبل اور یحییٰ بن معین اور ابو محمد بن حزم نے اس حدیث کو صحیح کہا ہے، ان کے علاوہ حاکم اور دیگر بہت سے محدثین نے اس کو روایت کیا ہے۔

منتقی میں ہے باب حکم الماء اذا لاقتہ النجاستہ یعنی یہ باب اس پانی کا حکم بیان کرنے میں ہے جس میں پلیدی مل جائے۔

پھر اس باب میں ابوسعید خدریؓ کی وہی حدیث جو ترمذی کے حوالہ سے ابھی گذری ہے لائے ہیں۔ جس میں بیئر بضاعۃ کا قصّہ مذکور ہے۔ حدیث ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں۔

رواہ احمد وابوداؤد والترمذی وقال حدیث حسن وقال احمد بن حنبل حدیث بیئر بضاعۃ حدیث صحیح (منتقی مع نیل ص۲۵ ج ۱)

امام ابوداؤد نے سنن ابی داؤد میں یوں باب منعقد کیا ہے" باب ماجاء فی بیئر بضاعۃ"

اور اس میں ابوسعید خدریؓ کی یہی حدیث دفعہ لائے ہیں۔ غرض بیئر بضاعۃ کی حدیث اکثر کتب حدیث صحاح ستہ وغیرہ میں موجود ہے جو اس کے صحیح اور معتبر ہونے پر دال ہے نیز محدثین نے اس کے صحیح ہونے کی تصریح فرمائی ہے جیسا کہ امام احمد بن حنبلؒ، یحیٰی بن معین اور ابن حزمؒ وغیرہ سے ابھی مذکور ہوا ہے۔

جس کو زیادہ تحقیق مطلوب ہو تو وہ تحفۃ الاحوذی شرح جامع ترمذی اور نیل الاوطار وغیرہ شروحات حدیث ملاحظہ فرمائے۔

عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ سُئِلَ عَنِ الْحِیَاضِ الَّتِیْ بَیْنَ مَکَّۃَ وَالْمَدِیْنَۃِ یَرِدُھَا السِّبَاعُ وَالْکِلَابُ وَالْحُمُرُ عَنِ الطُّھُوْرِ مِنْھَا فَقَالَ لَھَا مَا حَمَلَتْ فِیْ بُطُوْنِھَا وَلَنَا مَا غَبَرَ طَھُوْرٌ۔ رواہ ابن ماجہ مشکوٰۃ ص۵۲

یعنی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ان حوضوں کی طہارت سے سوال کئے گئے جو مکہ مدینہ کے درمیان ہیں جن پر درندے اور گدھے وارد ہوتے ہیں، تو آپؐ نے فرمایا ان کے لئے ہے جو انہوں نے پی لیا اور باقی ماندہ ہمارے لئے پاک کنندہ ہے۔

عَنْ یَحْیَی بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ قَالَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَرَجَ فِیْ رَکْبٍ فِیْھِمْ عَمْرُو بْنُ الْعَاصِ حَتّٰی وَرَدُوْا حَوْضًا فَقَالَ عَمْرٌو یَا صَاحِبَ الْحَوْضِ ھَلْ تَرِدُ حَوْضَکَ السِّبَاعُ فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ یَا صَاحِبَ الْحَوْضِ لَا تُخْبِرْنَا فَاِنَّا نَرِدُ عَلَی السِّبَاعِ وَتَرِدُ عَلَیْنَا رواہ مالک زاد رزین قال زاد بعض الرواۃ فی قول عمر وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لھا ما اخذت فی بطونھا طھور وما بقی۔ (مشکوٰۃ)

یعنی حضرت عمر رضی اللہ عنہ ایک جماعت کے ہمراہ سفر پر گئے، ان میں عمرو بن العاصؓ بھی تھے عمرو بن عاصؓ نے صاحب حوض سے کہا کہ تیرے حوض پہ درندے آتے ہیں؟ حضرت عمرؓ نے صاحب حوض سے کہا کہ ہمیں درندوں کے متعلق اطلاع نہ دے کیونکہ ہم درندوں پر اور درندے ہم پر وارد ہوتے رہتے ہیں۔ مطلب یہ کہ ہمیں یہ بات پوچھنے کی ضرورت نہیں کیونکہ درندوں کا جوٹھا پانی پاک ہے اس لئے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے آپ نے فرمایا ان کیلئے ہے جو انہوں نے پی لیا اور باقی ماندہ ہمارے لئے پاک کنندہ اور پینا ہے۔ روایت کیا ان کو امام مالکؒ اور رزین وغیرہ نے۔

اس قسم کی حدیثیں بہت ہیں مشتے نمونہ از خروارے کے طور پر چند ایک نقل کر دی ہیں۔

ان حدیثوں سے ثابت ہُوا کہ پانی پاک ہے خواہ قلیل ہو یا کثیر۔ مگر یہ مذہب صحیح نہیں ہے کیونکہ دوسری حدیثوں سے ثابت ہے کہ تھوڑا پانی جو دو قلوں (پانچ مشکوں) سے کم ہو وہ پلیدی سے پلید ہو جاتا ہے۔ خواہ اس کا رنگ یا بُو یا مزہ نہ بھی بدلے۔

اور جو پانی قلتین (پانچ مشکیں) ہو یا زیادہ، وہ اس وقت تک پلید نہیں ہوتا جب تک پلید چیز سے اس کا رنگ، بُو، یا مزہ نہ بدلے۔ اگر اس میں پلید چیز اس قدر پڑ جائے جو اس کے رنگ یا بُو یا مزہ کو بدل دے تو پھر یقیناً پلید ہو جائے گا خواہ کتنا ہی زیادہ ہو۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۸ ستمبر ۱۹۶۲ء

پانی میں ناپاک شئے کا پڑنا

سوال:۔ پانی میں ناپاک شئے پڑ جائے تو کیا وہ پلید ہے؟

جواب:۔ پانی کو خدا تعالیٰ نے پاک پیدا کیا ہے یہ دو طرح سے نجس ہوتا ہے۔

۱۔ نجاست کی وجہ سے اس کا رنگ۔ بُو۔ مزا بدل جائے تو وہ پلید ہو جاتا ہے۔ خواہ تھوڑا ہو یا بہت۔

۲۔ اندازاً پانچ مشک سے اسکی مقدار کم ہو تو نجاست کے پڑنے سے پلید ہو جاتا ہے۔ خواہ رنگ، بُو، مزا بدلے یا نہ

کنوئیں کا پانی

سوال:۔ کنوئیں میں اگر انسان گر کر مر جائے تو پانی کا کیا حکم ہے؟

واب : نجاست کے پڑنے سے پلید نہیں ہوتا جب تک نجاست سے اس کا رنگ، بُو، مزا نہ بدلے۔ کیونکہ ں کی مقدار پانچ مشک سے بہت زیادہ ہوتی ہے۔

ابوداؤد میں حدیث ہے۔ کہ بیئر بضاعۃ کنوئیں کا پانی آپ کو پلایا جاتا تھا۔ اس کنوئیں میں کتوں کا وشت اور حیض کے لتے اور گندگی پڑتی تھی۔ اس کے متعلق آپ نے فرمایا۔ کہ بے شک پانی پاک ہے۔ اس کو کوئی چیز پلید نہیں کرتی۔

ابوداؤدؒ نے بیان کیا۔ کہ میں نے قتیبہؒ بن سعید سے سُنا۔ اس نے کہا کہ میں نے بیئر بضاعۃ کے نگران سے س کی گہرائی کے متعلق سوال کیا۔ اس نے کہا کہ زیادہ سے زیادہ اس کا پانی ناف تک ہوتا ہے اگر کم ہو جائے۔ تو شرمگاہ تک ابوداؤد نے کہا کہ میں نے اس کی پیمائش کی تو اس کی چوڑائی چھ ہاتھ تھی۔

اس حدیث میں کتوں کا گوشت اور پلیدی اور حیض کے چیتھڑوں کا ذکر ہے۔ جن کی پلیدی کی بابت کسی کو انکار نہیں۔ جب ایسی چیزوں سے کنوآں پلید نہیں ہوتا تو انسان کے مرنے سے کس طرح ہوگا۔

نوٹ : کتوں کا گوشت اور گندگی اور حیض کے چیتھڑے لوگ دیدہ دانستہ کنوئیں میں نہیں ڈالتے تھے بلکہ ہوا وغیرہ سے اڑ کر کنوئیں میں نیچی جگہ ہونے کی وجہ سے پڑ جاتے تھے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۶ ربیع الاوّل ۱۳۸۲ھ مطابق ۱۹ اگست ۱۹۶۲ء

پانی میں پاک شئے پڑ کر رنگ، بُو، مزا کا بدلنا

سوال : پانی میں پاک شئے پڑ جائے اور اس کا رنگ، بُو، مزا بدل جائے کیا اس پانی سے غسل و وضوء ہو سکتا ہے؟

جواب : پانی میں پاک شئے پڑنے سے بعض دفعہ اس کا نام اور ہو جاتا ہے۔ مثلاً شربت یا عرق یا لسی وغیرہ۔ تو اس سے وضوء اور غسل نہیں ہوگا۔ ہاں اگر پانی کا نام نہ بدلے جیسے کنوئیں میں پتے گرنے سے رنگ بُو، مزا بدل جاتا ہے مگر اس کا نام پانی ہی رہتا ہے۔ دوسرا نام اس پر نہیں بولا جاتا۔ اس لئے اس سے وضوء غسل وغیرہ بالاتفاق درست ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی
۲۵ محرم الحرام ۱۳۷۹ھ

غیر مسلم اور مسلمان کا ایک کنوئیں سے پانی بھرنا

سوال:۔ کیا ایک کنوئیں پر الگ الگ ڈول ڈال کر مسلمان اور ہندو یا شودر پانی نکال سکتے ہیں؟

محمد سلیمان بھوجیانی خطیب و مدرس بھوبیہ آصل ڈاکخانہ خاص ضلع لاہور

جواب:۔ غیر مسلم کے برتنوں کے متعلق حدیث میں آیا ہے کہ دھو کر استعمال کرو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کے ساتھ اختلاط جائز نہیں۔ ہاں کنوئیں کا پانی چونکہ کثیر ہے اس لئے نجس نہیں ہوتا۔ خواہ ان کے برتن کیسے ہی ہوں لیکن طبعی نفرت کا اظہار کرتے ہوئے پرہیز ہو سکے تو بہتر ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ مورخہ ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۹۰ھ مطابق ۱۲ مئی ۱۹۷۱ء

نجس شدہ چیز کا پاک کرنا

سوال:۔ اگر جسم یا کپڑے یا برتن وغیرہ کو نجاست لگ جائے تو اس کو پاک کرنے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ نجس شدہ شئے دھونے سے پاک ہو جاتی ہے۔ جبکہ اس طرح سے دھوئی جائے کہ اس پر نجاست کا اثر (رنگ، بُو، مزا) نہ رہے جس برتن میں کتا منہ ڈال دے۔ اس کو ایک دفعہ مٹی سے مانجے اور سات بار پانی سے دھوئے۔

جُوتا زمین پر رگڑنے سے پاک ہو جاتا ہے۔

دودھ پیتے لڑکے کا پیشاب دھونے کی ضرورت نہیں۔ صرف چھینٹے دینے کافی ہیں۔

منی اگر خشک ہو جائے تو اس کا کھرچنا کافی ہے اگر تر ہو تو دھوئے۔ مذی نکلے تو شرمگاہ دھوئے اور جہاں کپڑے کو لگے تو پانی چھڑک لے۔

مُردار کا چمڑا دباغت سے پاک ہو جاتا ہے۔

جو شئے دھوئی نہ جا سکے۔ اس پر پانی بہانا کافی ہے جیسے زمین وغیرہ

کنوآں اتنا پانی نکالنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ جس سے نجاست کا اثر رنگ، بُو، مزا نہ رہے۔

عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

کوّا کا جُوٹھا

سوال:۔ کیا فرماتے ہیں علماء دین کہ ایک کوّا نے ایک برتن جس میں کہ چار پانچ سیر دودھ تھا چونچ ڈال دی اور وہ دودھ ایک مولوی صاحب نے اس بات پر پی لیا کہ کوّا حلال ہے۔ فتویٰ ارسال فرمائیں کہ کوّا حلال ہے؟ عنایت اللہ از چھانگا مانگا ۹ ستمبر ۱۹۳۴ء

جواب:۔ بعض علماء کہتے ہیں کہ قتل کے حکم سے حرمت ثابت نہیں ہوتی مگر ظاہر حرمت ہے کیونکہ قتل کا حکم خباثت کی وجہ سے ہے۔ اور خباثت ہی زیادہ تر حُرمت کا باعث ہے۔ ہاں اس کے جھوٹے کو بلی پر قیاس کرنے کی گنجائش ہے۔ اگرچہ پرہیز مناسب ہے۔ مگر اس میں زیادہ تشدّد اچھا نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ جمادی الاوّل ۱۳۵۳ھ

کُتّے کا جُوٹھا

سوال:۔ موضع بھگیاڑی میں سخت شور مچ رہا ہے کہ وہابی لوگ کُتّے کا جُوٹھا پاک جانتے ہیں کیونکہ ایک مولوی صاحب نے فتویٰ دیا ہے کہ کُتّے کا جوٹھا پانی بالکل پاک ہے۔ اگرچہ برتن میں ہو اس مسئلہ میں بہت تنازع ہے ہر دو فریق نے آپ کو حاکم تسلیم کر لیا ہے۔ جواب سے مطلع فرمائیں کہ کون حق پر ہے؟ صدرالدین امام مسجد بھگیاڑی

ڈاک خانہ منڈی واربرٹن ضلع شیخوپورہ

جواب:۔ عَنْ اَبِی هُرَیْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ طُهُوْرُ اِنَاءِ اَحَدِكُمْ اِذَا وَلَغَ فِیْهِ الْكَلْبُ اَنْ یَغْسِلَهٗ سَبْعَ مَرَّاتٍ اُوْلٰهُنَّ بِالتُّرَابِ اَخْرَجَهٗ مُسْلِمٌ وَفِیْ لَفْظٍ لَهٗ فَلْیُرِقْهُ (الحدیث بلوغ المرام صلا)

یعنی ابوہریرہ رض سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کُتّا برتن میں لگ جائے تو اس کی پاکی یہ ہے۔ کہ اس کو سات مرتبہ دھویا جائے۔ پہلی بار مٹی سے اس کو مسلم رح نے روایت کیا ہے۔

اور مسلم کی ایک روایت میں ہے۔ کہ برتن میں جو کچھ ہے۔ اس کو گرا دے اس حدیث سے معلوم ہُوا۔ کہ

کُتّے کا جوٹھا ناپاک ہے کیونکہ جب برتن ناپاک ہوگیا جس کے پاک کرنے کا طریق آپؐ نے یہ بتایا کہ سات مرتبہ دھویا جائے۔ تو جو کچھ برتن میں ہے تو وہ بطریقِ اَولیٰ ناپاک ہوگیا۔ اور اس لئے اس کے گرانے کا حکم دیا۔ اور اس سے معلوم ہوگیا کہ کُتّے کا گوشت بھی نجس ہے۔ کیونکہ جوٹھا لعاب کی وجہ سے نجس ہے۔ اور لعاب گوشت سے نکلتا ہے۔ تو وہ بھی نجس ہُوا ——— اگر کسی مولوی نے پاک ہونے کا فتویٰ دیا ہے۔ تو اس کو اس حدیث کا علم نہیں ہوگا۔ ورنہ اہل حدیث کا یہ مذہب کیسے ہوسکتا ہے۔ اہل حدیث کا مذہب تو قرآن وحدیث ہے نہ کسی کی رائے۔

عبداللہ روپڑی ۲۳ ذی الحجہ ۱۳۵۲ھ

حرام چیزوں کا ادویات میں استعمال

سوال:۔ جو چیزیں حرام ہیں مثلاً شراب۔ افیون۔ بھنگ وغیرہ ان کو دوائی میں استعمال کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ مشکوٰۃ میں ہے۔ عن ابی الدرداء قال قال رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم اِنّ اللّٰہ اَنزَلَ الدَّاءَ وَالدَّوَاءَ وَجَعَلَ لِکُلِّ دَاءٍ دَوَاءً فَتَدَاوُوْا وَلَا تَدَاوُوْا بِحَرَامٍ رواہ ابوداؤد (مشکوٰۃ باب الطب والرقی صہ ۳۸۰)

ابو درداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں خدا نے کوئی بیماری نہیں اتاری ہے۔ مگر اس کی شفا بھی اتاری پس دواء کرو اور حرام کے ساتھ دوا نہ کرو۔ اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ کسی حرام شئے کے ساتھ دواء نہ کرنی چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی لاہور ۵ صفر ۱۳۸۰ھ مطابق ۲۹ جولائی ۱۹۶۰ء

سوال:۔ جن ادویات میں شراب کی آمیزش ہو اس کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جس دواء میں شراب ہو۔ اس کا استعمال جائز نہیں۔ نہ دواء کے طور پر نہ غذاء کے طور پر کیونکہ مسلم میں حدیث ہے۔ کہ طارق بن سویدؓ نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے شراب کی بابت سوال کیا۔ تو آپؐ نے اس کو منع فرمایا۔ اس نے کہا یارسول اللہ! میں صرف دواء کے لئے بناتا ہوں آپ نے فرمایا وہ دواء نہیں بلکہ داء (بیماری) ہے۔ (مشکوٰۃ باب الخمر ووعید شاربہا فصل اوّل صہ ۳۰۹)

عبداللہ امرتسری روپڑ

۸ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۷ مارچ ۱۹۴۱ء

مچھلی اور نمک وغیرہ شراب میں ڈال کر سرکہ بنانا

سوال:۔ نینان خمری یعنی (شراب والی مچھلیوں) کی حلت جو حضرت ابو الدرداء صحابی سے امام بخاری نے نقل کی ہے۔ اس سے شراب کے سرکہ بنانے پر استدلال کرنا درست ہے یا نہیں اس سے یہ مسئلہ حل ہوتا ہے۔ کہ انگریزی ادویہ جن میں شراب حل ہوتی ہے ان کا پینا درست ہے۔

جواب:۔ حضرت ابو الدرداء کے قول میں نینان خمری کا ذکر نہیں۔ بلکہ سرکہ شراب کا ذکر ہے۔ جو شراب میں مچھلیاں اور نمک ڈال کر تیار کیا جاتا ہے۔ اور حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری میں اس مقام پر لکھا ہے کہ ابو الدرداءؓ اور ایک جماعت صحابہؓ اس کو کھاتی تھی۔ اس کے ایک دو سطر بعد لکھا ہے۔ کہ ابو الدرداء اور ایک جماعت اس طرح سے شراب کا سرکہ بنانا جائز کہتے ہیں۔ حضرت ابو الدرداء اور ایک جماعت کا یہی مذہب ہے۔ اور اس بناء پر شراب میں حل کی ہوئی ادویہ جائز ہوں گی۔ مگر چونکہ حدیث میں شراب کے سرکہ بنانے سے صراحتہً نہی آئی ہے۔ اس لئے پرہیز چاہیئے۔ ہاں اگر کسی نے جرم کا ارتکاب کر کے دواء تیار کر لی ہو یا سرکہ بنا لیا ہو۔ تو اس کے استعمال کی کچھ گنجائش ہے۔ مگر پھر بھی پرہیز اچھا ہے۔ کیونکہ اس میں اختلاف ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑ ۱۷ شعبان ۱۳۵۹ھ

سوال:۔ کیا یہ بات درست ہے کہ عام انگریزی ادویات میں شراب کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ کیا پھر انگریزی ادویات کا استعمال شرعاً جائز ہے؟ • عبد اللہ بی۔ اے سیکنڈ ماسٹر ڈی۔ بی سکول جلال آباد غربی ضلع فیروز پور ۱۲/۱۰/۳۸ء

جواب:۔ انگریزی ادویات کے متعلق تحقیق یہ ہے۔ کہ بعض بعض میں شراب کی ملاوٹ ہوتی ہے۔ اس بنا پر عام ادویات کے استعمال کو ناجائز نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں کوئی زیادہ پرہیز کرے تو اس کا کوئی حرج نہیں۔ عبد اللہ روپڑی ۲۶ شوال ۱۳۵۶ھ ۳۰ دسمبر ۳۷ء

سوال:۔ ایک شخص سم الفار یا شنگرف مارنا چاہتا ہے۔ اس میں شراب ڈال کر یا خرگوش کا خون ڈال کر کھرل کیا جاتا ہے۔ پھر اس کو آگ دی جاتی ہے یا جو ہر لیا جاتا ہے کیا وہ دوائی کھائی جا سکتی ہے؟

محمد حسین چک 17/1-A-L ضلع منٹگمری

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شراب کے سرکہ بنانے سے منع فرمایا ہے۔ اس سے معلوم

ہوتا ہے کہ شراب سے کشتہ مارنا جائز نہیں خواہ کشتہ تیار ہونے کے بعد نشہ رہے یا نہ رہے۔ رہی یہ بات کہ کوئی اس جرم کا ارتکاب کرے اور کشتہ تیار ہونے کے بعد نشہ کا نام ونشان نہ رہے۔ تو اس صورت میں یہ کشتہ استعمال کرنا جائز ہے۔ ورنہ اس کا حکم شراب سے تیار کردہ سرکہ کا ہے۔ اس کے متعلق علماء مختلف ہیں۔ احتیاط اسی میں ہے۔ کہ استعمال نہ کرے۔ کیونکہ اختلاف سے نکل جانا بہتر ہے۔ اور خون نجس سے جو کشتہ تیار ہوگا۔ اس کا کھانا کسی صورت جائز نہیں کیونکہ خون نجس کا اثر کچھ نہ کچھ دواء میں رہتا ہے پس وہ بالکل ناجائز ہے۔

عبداللہ روپڑی۔ ۲۱ فروری ۱۹۳۶ء

منی پاک ہے یا نہیں؟

سوال: کیا انسانی منی پاک ہے اگر ناپاک ہے تو بتائیے۔ کہ جس منی سے انبیاء علیہ السلام کی پیدائش ہوئی کیا وہ منی ناپاک تھی؟ سائل خریدار نمبر ۲۷۱۴ سیالکوٹ

جواب: انسان کی منی پاک ناپاک ہونے کی بحث منتقی مع نیل الاوطار میں ملاحظہ کریں۔ اس میں سخت اختلاف ذکر کیا ہے۔ رہا یہ سوال کہ انبیاء اس سے کس طرح پیدا ہوئے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ تغیر سے چیز پاک ہو جاتی ہے جیسے زمین کی کھاد سبزی بن کر پاک ہو جاتی ہے یہ جواب ان کی طرف سے ہے۔ جو منی کو ناپاک کہتے ہیں اور جو لوگ پاک کہتے ہیں۔ ان پر کوئی اعتراض نہیں۔

جو پاک کہتے ہیں۔ وہ ابن عباس وغیرہ کی حدیث پیش کرتے ہیں حنفیہ کے مسلمہ بزرگ امام طحاوی رح ابن عباس رضؓ سے روایت کرتے ہیں۔

قَالَ سُئِلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْمَنِيِّ يُصِيْبُ الثَّوْبَ فَقَالَ اِنَّمَا هُوَ بِمَنْزِلَةِ الْمُخَاطِ وَالْبُصَاقِ وَاِنَّمَا يَكْفِيْكَ اَنْ تَمْسَحَهٗ بِخِرْقَةٍ اَوْ اِذْخِرَةٍ

(نیل الاوطار جلد ۱ ص۵۳)

یعنی منی کی بابت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہوا کہ کپڑے کو لگ جائے تو کیا کرے فرمایا کہ منی بنٹ یعنی سینڈھ اور تھوک کے بمنزلہ ہے اور تجھے صرف اسکا لیر (کپڑا) یا گھاس اذخرے پونچھنا کافی ہے امام طحاویؒ کے علاوہ دارقطنی اور بیہقیؒ نے بھی اس کو روایت کیا ہے ملاحظہ ہو منتقی مع نیل الاوطار جلد ۱ ص۵۳

عبداللہ امرتسری روپڑی۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ، ۱۲ اگست ۱۹۲۴ء

گوبر اور لید سے بنے ہوئے برتن

سوال:۔ جن گھڑوں یا برتنوں کی مٹی لید یا گوبر کے ساتھ گوندھی گئی ہو تو ان کا استعمال جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جن گھڑوں اور برتنوں کی مٹی لید اور گوبر سے گوندھی جائے تو وہ برتن پاک ہیں۔ اوّل تو پکنے سے وہ چیز جل جاتی ہے۔ صرف مٹی رہ جاتی ہے۔ دوسرے گوبر وغیرہ ماکول اللحم جانور کا پاک ہے۔

ابو محمد عبد الجبار سلفی کھنڈیلوی موید محدث روپڑی ۱۶ جمادی الاوّل ۱۳۵۷ھ

کچّا یا پکّا برتن نجاست سے پاک ہو سکتا ہے؟

سوال:۔ مٹی، تانبے، پیتل وغیرہ کے برتن کو پیشاب یا پاخانہ لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے۔ کیا دھونے مانجنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اگر نیچے نجاست لگ جائے تو اس کا کیا حکم ہے اور درمیان لگ جائے تو کیا حکم ہے؟ از محمد صدیق ساکن اگوکے ریاست پٹیالہ

جواب:۔ تانبے، پیتل کا برتن دھونے مانجنے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں۔ صرف مٹی کے برتن میں بعض شبہ کرتے ہیں جب شراب کی حرمت اتری تو شراب کے مٹکے (گوں) پھوڑے گئے۔ اس سے بعض کا خیال ہے۔ کہ کچّے برتن کو نجاست لگ جائے تو پھوڑ دیا جائے۔ کیونکہ شراب کی طرح پلیدی بھی اندر سرایت کر جاتی ہے۔ مگر یہ خیال کمزور ہے۔ کیونکہ شراب کے مٹکوں کا پھوڑنا ایسا ہی ہے جیسے شراب کے سرکہ بنانے کی اجازت نہیں۔ بلکہ بہا دی گئی۔ یعنی اس سے مقصود شراب کی شدت حرمت کا اظہار تھا۔

رہا پلیدی کی سرایت کا شبہ تو اس کا جواب یہ ہے۔ کہ دھو کر اچھی طرح دھوپ میں خشک کر لیا جائے۔ تو اس سے اثر جاتا رہتا ہے۔ نیز ایسے مواقع پر شریعت میں تنگی نہیں۔ جیسے کپڑے سے حیض وغیرہ کا داغ نہ اترے تو معاف ہے چنانچہ کتب حدیث میں موجود ہے اسی طرح بدن میں مسامات کے رستے پلیدی سرایت کر جاتی ہے مگر شرع نے صرف دھونے سے طہارت کا حکم لگا دیا ہے اور زمین نجس ہو جائے تو اس پر صرف پانی کا بہا دینا ہی کافی ہے۔ اکھاڑنے کا حکم نہیں۔ پس مٹی کے برتن میں بھی تنگی نہ ہونی چاہیئے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی ۲ جمادی الاول ۱۳۵۴ھ
مطابق ۲ اگست ۱۹۳۵ء

ہندوؤں کو تہواروں میں مٹی کے برتن بنا کر دینا

سوال:۔ ایک شخص کمہار ہے۔ تمام گاؤں میں اس کی سیپی ہے ہر طرح کے برتن بنا کر لوگوں کو دیتا ہے اب عرض ہے کہ ہندو کے تہواروں میں بعض برتن مستعمل ہوتے ہیں۔ جیسے دیوالی میں چراغ جلائے جاتے ہیں۔ کیا شریعت محمدی میں ایسا فعل جائز ہے؟ نور دین طالب علم تحصیل موگہ ضلع فیروزپور ننگیانہ خورد ڈاکخانہ خاص ۲۶ شعبان ۱۳۵۶ھ

جواب:۔ بلوغ المرام میں حدیث ہے۔ جو شخص انگور روک رکھے تاکہ ایسے لوگوں کے پاس فروخت کرے جو ان کی شراب بنائیں۔ تو وہ دیدہ دانستہ آگ میں داخل ہو گیا۔ (بلوغ المرام کتاب البیوع ص۶۴) اس سے معلوم ہوا کہ دیوالی کی خاطر برتن بنانا اور ہنود کے پاس فروخت کرنا جائز نہیں۔

عبداللہ روپڑ ۲ شوال ۱۳۶۵ھ مطابق ۶ دسمبر ۱۹۳۷ء

گوبر سے لپائی کرنا

سوال:۔ گھروں میں لپائی کرتے وقت عموماً عورتیں بعض اوقات صرف گوبر و بعض اوقات گوبر و مٹی کا استعمال کیا کرتی ہیں۔ کیا بروئے شریعت ایسے فرش پر گیلا ہو خواہ خشک نماز جائز ہے؟
محمد فیروز دین نائب مدرس لوئر مڈل سکول چاپڑ ڈاکخانہ بھلورہ ضلع سیالکوٹ

جواب:۔ گوبر حنفی مذہب میں پاک نہیں مگر حدیث سے اس کی طہارت ثابت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ صلوا فی مرابض الغنم یعنی بکریوں کے واڑہ میں نماز پڑھو۔ اس سے معلوم ہوا کہ ماکول اللحم چارپایہ کا گوبر پیشاب پاک ہے ایک حدیث میں ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چند آدمیوں کو جو مدینہ میں آکر بیمار ہو گئے فرمایا کہ تم اونٹوں کا پیشاب اور دودھ پیو۔ وہ شفایاب ہو گئے۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ ماکول اللحم چارپایہ کا بول گوبر پاک ہے۔ کیونکہ حرام کے ساتھ دوا سے آپ نے منع فرمایا ہے۔ اگر گوبر بول ناپاک ہوتا تو آپ اس کے ساتھ علاج کرنے کی بابت ارشاد نہ فرماتے۔ نیز مشکوٰۃ باب تطہیر النجاسات میں ہے لا باس ببول مایوکل لحمہ یعنی ماکول اللحم کے بول کے ساتھ کوئی ڈر نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

تنور میں مُرغی جل گئی اور اس میں پکی ہوئی روٹیوں کا حکم

سوال :۔ ہمارے گاؤں میں ۱۴ رمضان المبارک کی رات کو جب سحری کھانے کے وقت تندور گرم کیا گیا تو اس میں بے خبری سے ایک مُرغی جل گئی جب کہ تندور سے سخت بدبُو آ رہی تھی۔ روٹیاں پکائی گئی تھیں۔ عوام الناس نے انہی روٹیوں سے روزہ رکھا کیا یہ روٹیاں کھانی جائز تھیں یا نہیں۔

منشی محمد یونس و محمد ادریس محمدی خطیب مسجد اہل حدیث
مقام شیر نگر ضلع منٹگمری

جواب :۔ فتاویٰ ابن تیمیہؒ جلد ۵، ۶ میں اس مسئلہ کو تفصیل سے لکھا ہے حاصل اس کا یہ ہے۔ کہ نجس شئے کے دھوئیں سے شئے نجس نہیں ہوتی۔ اس کی مثال ایسی ہے۔ جیسے نمک کی کان میں گدھا پڑ جائے اور وہ نمک ہو جائے تو اب اس کا حکم گدھے کا نہیں ہوگا۔ ٹھیک اسی طرح نجس شئے کے دھوئیں کو سمجھ لینا چاہیئے۔ اور اس کی تائید میں نجس تیل وغیرہ چراغ میں جلانا صحابہؓ سے منقول ہے حالانکہ اس کا دھوآں اندر پھیلتا ہے۔ اور ہر شئے پر اثر انداز ہوتا ہے اور امیر یمانیؒ نے سبل السلام جلد ۲ صد۳ میں اس کے متعلق ایک مرفوع روایت بھی ذکر کی ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے گھی کی بابت سوال ہُوا جس میں چوہا گر جائے۔ تو فرمایا اگر گھی جما ہُوا ہو۔ تو چوہے کو اور جتنا گھی اس کے اِرد گرد جمع ہُوا ہو۔ اس کو ڈال دو اور اگر پگھلا ہُوا ہو تو اس سے چراغ جلا لو۔ یا کوئی اور فائدہ اٹھا لو۔ طحاویؒ نے کہا کہ اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔ عبداللہ امرتسری روپڑ

مُردار کے چمڑے کا حکم

سوال :۔ کیا فرماتے ہیں علماءِ کرام اس مسئلہ میں کہ ہمارے ملک میں عموماً گائے بیل یا بکری وغیرہ مُردار کے چمڑے چمار لوگ مُردار کے جسم سے اپنے ہاتھ سے اتار لیا کرتے ہیں۔ مگر مسلمان لوگ نہیں لیتے اگر کوئی لیتا ہے تو اس کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ اور اس کو چمار کہہ کر طعن کرتے ہیں۔ کیا شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب :۔ عن عبداللہ بن عباس قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰی مَوْلَاۃٍ لِمَیْمُوْنَۃَ بِشَاۃٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ ھَلَّا اَخَذْتُمْ

إِهَابِهَا قَدْ بَغْتُمُوهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهِ فَقَالُوا إِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ إِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا متفق علیہ (مشکوٰۃ باب تطھیر النجاسات فصل اوّل ص۴۹)

عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ میمونہؓ ام المومنین کی آزاد کردہ لونڈی پر ایک بکری صدقہ کی گئی وہ مرگئی۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم نے اس کا چمڑہ کیوں نہ اتار لیا۔ اس سے فائدہ اٹھاتے۔ انہوں نے کہا وہ مُردار ہے فرمایا صرف اس کا کھانا حرام ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہُوا کہ بکری گائے وغیرہ کا چمڑا اتار لینا چاہئے چماروں کو دینے کی ضرورت نہیں۔ اور جو اُتارنے والے پر طعن کرے وہ خود مطعون ہے۔ کیونکہ وہ حدیث کا خلاف کرتا ہے۔

عبداللہ روپڑی ۲۶ رمضان ۱۳۵۵ھ

بچّہ کی ناف چمارن سے کٹوانا

سوال:۔ ہمارے ہاں جب بچّہ پیدا ہوتا ہے تو چماری کے ہاتھ سے ناف کٹواتے ہیں۔ ہاتھ پاؤں اور خون وغیرہ بھی اسی سے صاف کرواتے ہیں۔ وہ عورت شرکیہ الفاظ پڑھ کر دم پھونک کیا کرتی ہے کیا یہ شریعت میں جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مشکوٰۃ باب الوسوسہ ص۱۸ پر حدیث ہے کہ بچّہ پیدا ہوتے ہی شیطان بچّہ کو مُس کرتا ہے جس کی وجہ سے بچّہ چلاتا ہے۔ گویا شیطان مس کرکے اپنا اثر ڈالنا چاہتا ہے۔ اس لئے کان میں آواز دی جاتی ہے۔ تاکہ شیطانی اثر زائل ہوجائے۔

یہ لوگ بے وقوفی سے چماری کا ہاتھ لگواتے ہیں۔ جو کفر کی وجہ سے دوسرا شیطان ہے۔ پھر وہ شرکیہ الفاظ سے دم پھونک کرتی ہے جس سے کرانے والے بھی مشرک ہوجاتے ہیں۔ اعاذنا اللہ منہ

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

مورخہ ۲۶ رمضان ۱۳۵۵ھ مطابق ۱۲ دسمبر ۱۹۳۶ء

ب و

ہندو اور بھنگی کے ہاتھ کے کھانے کا حکم

سوال:۔ ہندو اور خاکروب جو کہ خنزیر اور مردار کھانے کے قدیم سے عادی ہیں۔ اور علاوہ ازیں

صنم پرستی اور بُت پرستی کے اس قدر قائل ہیں کہ بسا اوقات ان کے لئے اپنی جان کی پرواہ نہیں کرتے۔ آیا یہ دونوں قومیں بلحاظ قانونِ خداوندی مشرک ہیں یا نہیں؟ اگر یہ مشرک ہیں۔ تو اُن کی پکی ہوئی اشیاء کا کیا حکم ہے۔ ابوحسان عبدالرحمٰن نمبر خریداری ۱۴۷۶

جواب:۔ اہل کتاب جن کا ذبیحہ جائز ہے ان کی بابت حدیث میں ہے۔ کہ ان کے برتنوں میں نہ کھاؤ۔ مگر یہ کہ اور برتن نہ ملے تو پھر دھو کر ان میں کھاؤ۔ (ملاحظہ ہو بلوغ المرام باب الآنیۃ) اور جب برتنوں کی بابت اتنا تشدّد ہوا تو ان کے ہاتھ کا پکا ہوا کس طرح درست ہوگا۔ اور جب اہل کتاب کا درست نہ ہوا تو ہندو، چوہڑے چمار بالطریق اولیٰ درست نہ ہوا ہاں کبھی مجبوری ہو جائے تو اس وقت درست ہے۔ جیسے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے ایک مشرک عورت کی مشک سے پانی پیا۔ سفر میں تھے۔ ضرورت ہوگئی اس لئے پی لیا۔ بغیر ضرورت کے دیدہ ودانستہ ایسا کرنا دُرست نہیں۔

جو شخص دیدہ دانستہ بھنگی اور ہندو کے ہاتھ کی پکی ہوئی چیز کھاتا ہے تو اس پر ضرور کوئی تعزیر چاہیئے خاص کر جب باوجود اقرار کے اڑتا ہے۔ تو بے شک اس کا بھانڈا چھیک دیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۲ اگست ۱۹۳۵ء

مُردار کا کچّا چمڑا

سوال:۔ حلال جانور اگر مر جائے، مُردہ ہو جائے۔ اس کا کچّا چمڑہ تازہ بتازہ جو اسی وقت اتارا گیا ہے اس کو خرید کرنا یا اس کو بیچنا یا کچّا خرید کر کے کچّا ہی نفع پر بیچ دینا یا کچّا خرید کر کے بعد از دباغت نفع پر بیچنا جائز ہے یا نہیں؟ اس کو با لوضاحت حدیث سے حلال حرام تحریر فرماویں۔ اور دلائل واضحہ اور لائحہ ہوں۔ یا کچّا چمڑا تر نہ ہو سوکھا ہوا ہو وہ جائز ہے یا نہیں؟

مولوی حاجی جان محمد صاحب موضع منڈا پنڈ ڈاکخانہ خاص ضلع امرتسر

جواب:۔ مشکوٰۃ میں ہے:۔

تصدق علی مولاۃ لمونۃ بشاۃ فماتت فمر بھا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ھلا اخذ تم اھابھا فدبغتموہ فا نتفعتم بہ فقالوا انھا میتۃ فقال انما حرم اکلھا۔ (باب تطہیر النجاسات صہ۴۲)

میمونہؓ کی آزاد کردہ پر ایک بکری صدقہ کی گئی۔ وہ مرگئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گذرے، فرمایا تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ لیا؟ دباغت دیکر اس سے فائدہ اٹھا لیتے۔ لوگوں نے کہا یہ مُردار ہے فرمایا صرف اس کا کھانا حرام ہے۔"

اس حدیث میں چمڑے کے لینے کا ذکر ہے اور دباغت کے بعد اس سے فائدہ اٹھانے کا اور وجہ اس کی یہ ہے کہ وہ دباغت سے پاک ہو جاتا ہے چنانچہ دوسری احادیث میں تصریح ہے دِبَاغُهَا طُهُوْرُهَا یعنی چمڑے کا رنگنا اس کی طہارت ہے، پس اس سے کچے چمڑے کی خرید و فروخت کا جواز بھی نکل آیا۔ کیونکہ جب دباغت کے بعد اس کا استعمال اس لئے جائز ہو گیا کہ وہ دباغت سے پاک ہو گیا تو اس کی ایسی مثال ہو گئی جیسے پلید کپڑا۔ اس کا لینا دینا، ہبہ کرنا، اس کی خرید و فروخت بالاتفاق جائز ہے۔ پس یہی مثال چمڑے کی ہے کیونکہ جیسے کپڑا دھونے سے پاک ہو جاتا ہے اسی طرح چمڑا دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتا ہے۔ پس جیسے کپڑے کا لینا دینا خرید و فروخت دھونے سے پہلے درست ہے۔ ایسے ہی چمڑا بھی درست ہوگا۔ کیونکہ دونوں میں اصل شئے پاک ہے اور پلیدی عارضی ہے۔ اور بیع اور لین دین میں مقصود اصل شئے ہے جو پاک ہے پلیدی کا لینا یا پلیدی کی بیع تو ہے نہیں جو منع ہو۔ ہاں جیسے پلید کپڑے کو باندھ کر نماز نہیں پڑھ سکتا۔ اسی طرح دباغت (رنگنے) سے پہلے چمڑے سے بھی اس قسم کا فائدہ نہیں اٹھا سکتا۔ کیونکہ نماز کے لئے طہارت شرط ہے۔ اگر پلید کپڑے سے ستر ڈھانک سکتا ہے یا پردہ کر سکتا ہے تو پلید چمڑے کا بھی یہی حکم ہے۔

اور اس کی تائید موسیٰ علیہ السلام کے واقعہ سے بھی ہوتی ہے جو قرآن مجید میں مذکور ہے:

فَاخْلَعْ نَعْلَيْكَ اِنَّكَ بِالْوَادِ الْمُقَدَّسِ طُوًى (پ۱۶ ع ۱۰)

"اے موسیٰؑ! اپنا جُوتا اتار۔ تُو پاک وادی طُویٰ میں ہے۔"

تفسیروں میں لکھا ہے کہ آپؑ کے پاؤں میں گدھے کے کچّے چمڑے کا جُوتا تھا۔ اسی لئے فرمایا کہ تو پاک وادی میں ہے اگر پاؤں میں پاک چمڑے کا جوتا ہوتا تو اس کے اتارنے کی وجہ وادی کی طہارت نہ بتائی جاتی بلکہ خدائی دربار کے آداب غیرہ وجہ ہوتی۔

اور رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا (صرف اس کا کھانا حرام ہے) اس سے معلوم ہُوا کہ چمڑا خواہ دباغت سے پاک ہو جائے مگر کھانا جائز نہیں۔ گویا یہ ضروری نہیں کہ ہر پاک شئے کو کھا بھی درست ہو بلکہ بہت دفعہ پاک شئے کا سرے سے استعمال ہی منع ہوتا ہے جیسے درندہ (شیر وغیرہ

کا چمڑا دباغت (رنگنے) سے پاک ہو جاتا ہے مگر حدیث میں استعمال منع آیا ہے۔ ایسی شئے کی بیشک بیع بھی منع ہے کیونکہ بیع استعمال ہی کی خاطر ہوتی ہے۔ جب اس کا استعمال ہی جائز نہیں نہ دباغت (رنگنے) سے پہلے نہ بعد، تو پھر بیع کاہے کے لئے جائز ہوگی؟

خیر یہ مسئلہ ذرا تفصیل طلب ہے جس کی یہاں گنجائش نہیں نہ چنداں ضرورت ہے۔ اصل مقصد ہمارا یہاں اس چمڑے سے ہے جس کا استعمال کسی طریق سے درست ہے، سو اس کی بیع ہر وقت درست ہے۔ خواہ کچا ہو یا رنگا ہوا اور خواہ پاک ہو یا پلید اور خواہ تر ہو یا خشک۔ اور امام زہری تابعیؒ نے تو اس پر زیادہ مبالغہ کرتے ہوئے بغیر رنگنے کے استعمال جائز کر دیا ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ میں حدیثوں میں جو دباغت کا لفظ آیا ہے اس پر بحث کی ہے۔ کہا ہے کہ اس لفظ کے ثبوت میں شبہ ہے تو گویا مردار کے چمڑے میں استعمال کے لئے دباغت کی بھی شرط نہ رہی۔ لیکن دباغت سے پہلے استعمال میں چونکہ اختلاف ہے امام زہری تابعیؒ ایک طرف ہیں اور دوسرے علماء ایک طرف، اس لئے اختلاف سے نکل جائے اور بغیر دباغت کے عام طور پر استعمال نہ کرے ہاں لین دین، ہبہ وراثت، بیع شراء اس قسم کے احکام اس میں بے کھٹکہ جاری ہوں گے اس سے نہ امام زہریؒ روکتے ہیں اور نہ دیگر سلفؒ نے روکا ہے پس سوال میں جس صورت کا ذکر ہے بلا شبہ درست ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۲ رمضان ۱۳۵۸ھ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۹ء

مرے ہوئے ماکول اللحم جانور کی چربی

سوال:۔ مرے ہوئے ماکول اللحم جانور کی چربی استعمال کرنی جائز ہے؟ (حافظ عبدالقادر روپڑی)

جواب:۔ حدیث میں ہے:۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ تُصُدِّقَ عَلٰى مَوْلَاةٍ لِمَيْمُوْنَةَ بِشَاةٍ فَمَاتَتْ فَمَرَّ بِهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ هَلَّا اَخَذْتُمْ اِهَابَهَا فَدَبَغْتُمُوْهُ فَانْتَفَعْتُمْ بِهٖ فَقَالُوْا اِنَّهَا مَيْتَةٌ فَقَالَ اِنَّمَا حُرِّمَ اَكْلُهَا۔ متفق علیہ

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے میمونہ رضی اللہ عنہا کی لونڈی کو کسی نے ایک بکری صدقے میں دی۔ وہ مر گئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو مردہ پڑا ہوا دیکھا تو فرمایا۔ تم نے اس کی کھال کیوں نہ لی؟ دباغت کر کے کام میں لاتے۔ لوگوں نے کہا یا رسول اللہ

وہ مردار تھی۔" آپ نے فرمایا۔" مردار کا کھانا حرام ہے۔"

اس حدیث میں صاف تصریح ہے کہ مردار کا کھانا حرام ہے اس سے انتفاع حرام نہیں۔ انما کلمہ حصر ہے جس کے یہاں یہ معنی ہیں کہ مردار کا صرف کھانا ہی حرام ہے اس سے دوسرا ہر قسم کا انتفاع درست ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں:

اعطیت جوامع الکلم۔ یعنی خدا نے مجھے جامع کلمات دیئے ہیں۔

اس بناء پر آپؐ نے ایک لفظ میں کھانے کی حرمت بھی بیان کر دی۔ اور دیگر صورتوں میں استعمال کی اجازت بھی دیدی، الگ لفظ بولنے کی ضرورت نہ رہی۔

رہی یہ بات کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے چمڑے کی بابت فرمایا ہے کہ تم نے اس کا چمڑا کیوں نہ اُتار لیا اور چربی وغیرہ کی بابت کچھ نہیں فرمایا۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اصول کا مسئلہ ہے کہ:

الاعیان لا یحتج بھا علی العموم (نیل الاوطار جلد ۳ باب الغفا والجمعہ بار بعین ص۲۰۱)

یعنی خاص واقعہ سے عام استدلال صحیح نہیں، کیونکہ خاص واقعہ میں کئی طرح کے احتمال ہوتے ہیں اور جہاں احتمال ہو وہاں استدلال صحیح نہیں ہوتا، اسی لئے مشہور ہے۔

اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال

اور یہاں اسی طرح ہے کیونکہ چربی تو موٹے تازے حیوان پر ہوتی ہے، خدا جانے وہ بکری بیچاری کس حالت میں مری ہوگی۔ اس لئے احتمال ہے کہ چربی کے نہ ہونے کی وجہ سے آپؐ نے چربی کا ذکر نہ کیا ہو یا چربی ہو لیکن چمڑہ چونکہ بڑے فائدے کی شئے ہے اس لئے اسی پر اکتفا کی خاص کر معمولی چربی کے لئے مردار کی اتنی چیر پھاڑ کون کرتا ہے، چوہڑے چمار بھی نہیں کرتے مسلمان کیا کرے گا؟ ہاں چمڑا بڑے فائدہ کی شئے ہے اس لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی کی طرف توجہ دلائی اور بکری کے مردار ہونے کے شبہ پر ایسا الفاظ بول دیا جس سے اس بات کی اجازت نکل آئی کہ اگر ماکول اللحم مردار کی کسی دوسرے شئے کی بھی کسی وقت ضرورت ہو تو کھانے کے علاوہ کسی اور صورت سے فائدہ اٹھالیا جائے۔

اور بہت سے علماء اس طرف گئے ہیں کہ مردار کے بال، ہڈی، ناخن، کھر، یہ سب کچھ پاک ہے، امام ابو حنیفہ رح کا یہی مذہب ہے اور ایک قول امام مالکؒ اور امام احمدؒ کا بھی یہی ہے اور امام ابن تیمیہؒ نے اس

فتاوی جلد اوّل صت۳۹ میں فرمایا ہے:

وھو الصواب۔ (یعنی یہی قول حق ہے)

پھر جہاں اور دلائل دیئے ہیں، ایک دلیل انّما حرم اکلھا بھی دی ہے۔ بلکہ امام محمدؒ نے نقل کیا ہے کہ اس حدیث میں دباغت کا ذکر سفیان بن عیینہؒ (جو زہریؒ تابعی کے شاگرد ہیں) کی غلطی ہے کیونکہ زہریؒ وغیرہ اس حدیث کی وجہ سے چمڑے سے انتفاع، قبل از دباغت بھی جائز قرار دیتے تھے۔ گویا نجاست کی حالت میں چمڑے کو خواہ پہنو، خواہ نیچے بچھاؤ۔ یا کسی اور طرح سے فائدہ اٹھاؤ، یہ سب کچھ ان کے نزدیک درست ہے اور دلیل یہی انما حرم اکلھا ہے۔

رہی یہ بات کہ چمڑے کے علاوہ مردار کی دیگر اشیاء چربی کی بیع جائز ہے یا نہیں؟ سو حدیث میں ہے:

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُمَا أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ عَامَ الْفَتْحِ وَهُوَ بِمَكَّةَ إِنَّ اللهَ وَرَسُولَهُ حَرَّمَ بَيْعَ الْخَمْرِ وَالْمَيْتَةِ وَالْخِنْزِيرِ وَالْأَصْنَامِ فَقِيلَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ شُحُومَ الْمَيْتَةِ أَنَّهُ تُطْلَى بِهَا السُّفُنُ وَتُدْهَنُ بِهَا الْجُلُودُ وَيَسْتَصْبِحُ بِهَا النَّاسُ فَقَالَ لَا هُوَ حَرَامٌ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ ذَالِكَ قَاتَلَ اللهُ الْيَهُودَ إِنَّ اللهَ لَمَّا حَرَّمَ عَلَيْهِمْ شُحُومَهَا أَجْمَلُوهُ ثُمَّ بَاعُوهُ فَأَكَلُوا ثَمَنَهُ۔ مُتَّفَقٌ عَلَيْهِ

(بلوغ المرام، کتاب البیوع)

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فتح مکہ کے سال فرماتے سنا اور آپؐ مکّہ میں تھے کہ اللہ اور اس کے رسول نے شراب اور مردار اور خنزیر اور بتوں کے فروخت کرنے کو حرام کیا ہے، عرض کیا گیا اے رسول خدا مردار کی چربی کے متعلق کیونکہ اس سے کشتیاں اور چمڑے چکنے کئے جاتے ہیں۔ اور لوگ اس کو چراغ میں جلاتے ہیں، آپؐ نے فرمایا نہیں بلکہ وہ حرام ہے۔ پھر اسی وقت رسول خدا نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہود کو قتل کرے اللہ تعالیٰ نے باوجودیکہ اس کو حرام کیا لیکن انہوں نے اس کو پگھلا کر فروخت کرنا اور قیمت کھانی اختیار کی۔

اس حدیث سے ثابت ہوا کہ مردار کی چربی اور دیگر اشیاء کی بیع حرام ہے نہ کہ انتفاع ـــ یعنی چمڑے

چمڑے کے سوا مردار کی کوئی شئے بیچ کر پیسے برتنے دُرست نہیں ویسے فائدہ اٹھانا درست ہے حرمت بیع سے حُرمت انتفاع ثابت نہیں ہوتی مثلاً قربانی عقیقہ وغیرہ کا گوشت کھا سکتے ہیں اور اس کی دیگر اشیار برت سکتے ہیں لیکن فروخت وخرید منع ہے مگر ان سے فائدہ اٹھانا درست ہے۔

پس ماکول اللحم جانور مرجائے تو اس کی چربی کی بیع منع ہے صابن وغیرہ میں استعمال دُرست ہے۔

حافظ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۰ نومبر ۱۹۶۴ء

کیا حضورؐ کا پیشاب پاک ہے؟

سوال:۔ کیا نبی کریمؐ کا پیشاب اور خون پاک تھا۔ اگر نہیں تو مولوی رحیم بخش نے اسلام کی دسویں کتاب میں یہ کس دلیل اور کس کتاب سے لکھا ہے کہ

ایک برکت نام عورت نے آپؐ کا پیشاب پی لیا آپؐ نے فرمایا تو کبھی پیٹ کی بیماری سے بیمار نہ ہوگی۔ (صٰ سطر ۲۱)

جواب:۔ اس عورت کے متعلق اختلاف ہے بعض کہتے ہیں۔ یہ وہی ام ایمن اسامہ بن زید بن حارثہ کی والدہ ہے کیونکہ اس کا نام بھی برکت ہے اور بعض کہتے ہیں یہ اور عورت ہے۔ مولوی رحیم بخش صاحب نے جو روایت بیان کی ہے وہ حافظ ابن حجرؒ نے اصابہ میں ذکر کی ہے۔ اس کے اصل الفاظ یہ ہیں۔

عَنْ اُمِّ اَیْمَنَ قَالَتْ کَانَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَخَّارَۃٌ یَبُوْلُ فِیْھَا بِاللَّیْلِ فَکُنْتُ اِذَا اَصْبَحْتُ صَبَبْتُھَا فَنِمْتُ لَیْلَۃً وَاَنَا عَطْشَانَۃٌ فَغَلِطْتُ فَشَرِبْتُھَا فَذَکَرْتُ ذٰلِکَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّکِ لَا تَشْتَکِیْ بَطْنَکِ بَعْدَ یَوْمِکِ ھٰذَا اصابۃ فی تمییز الصحابۃ جلد ۴ ص ۴۳۳

یعنی ام ایمنؓ سے روایت ہے کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کے لیۓ ایک مٹی کا پیالہ تھا جس میں رات کو (عذر کی بناء پر) پیشاب کیا کرتے تھے۔ ایک رات میں پیاسی سو گئی پس غلطی سے وہ پیشاب پی لیا۔ پس رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میں نے اس کا ذکر کیا۔ فرمایا۔ اس دن کے بعد تجھے کبھی پیٹ درد نہیں ہوگا۔

اس روایت سے آپ کے پیشاب کا پاک ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ غلطی سے پیا گیا ہے رہا آپؐ

کا یہ فرمانا کہ تیرے پیٹ میں درد نہیں ہوگا۔ یہ علاج ہے بعض نجس چیز بھی علاج بن جاتی ہے۔ اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ چونکہ یہ غلطی اس سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کا معاوضہ یہ دیا کہ اس نجس چیز کو اس کے لئے شفاء بنادیا۔ بہرصورت اس غلط فعل کو طہارت کی دلیل بنانا غلط ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۵ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۴ مارچ ۱۹۴۱ء

گندگی کھانے والا جانور

سوال:۔ مشکوٰۃ میں حدیث ہے۔ کہ پاخانہ کھانے والا چارپایہ حلال نہیں۔ اور نہ ہی اس کی سواری جائز ہے عموماً مٹی وغیرہ میں اکثر گائے بھینس گندگی کھاتی دیکھی ہیں۔ کیا ان کی قربانی بھی درست ہے اور مرغے ہمیشہ گندگی کریدکر کھاتے ہیں۔ اور ان کے انڈے ہر شخص کھاتا ہے۔ اس مسئلہ کا حل قرآن وحدیث سے فرمائیں؟

شیخ علی حسن نمبردار گوپال پور ریاست پٹیالہ ۸ ۳/۱

جواب:۔ مشکوٰۃ میں گندگی کھانے والے جانور کی ممانعت ہے۔ لیکن وہاں جلالہ کا لفظ ہے اور جلالہ زیادہ گندگی کھانے والے جانور کو کہتے ہیں۔ یعنی جس کی اکثر خوراک گندگی ہو یہاں تک کہ اس کے دودھ اور اس کے پسینہ سے گندگی کی بُو آئے ایسا جانور بے شک حرام ہے۔ رہی مرغی تو یہ جلالہ میں داخل ہی نہیں۔ کیونکہ اس میں خدا نے ایسی حرارت رکھی ہے۔ کہ اس سے اس کی اصلاح ہوتی رہتی ہے۔ اس لئے یہ خواہ کتنی گندگی کھاجائے اس سے بدبو نہیں آتی اور اس کا گوشت بدستور لذیذ رہتا ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۵ ذیقعدہ ۱۳۵۶ھ

استنجاء کا بیان

طریقہ

سوال:۔ قضاء حاجت کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ بیٹھنے کے وقت زمین سے قریب ہوکر کپڑا اٹھانا چاہیئے۔ قبلہ کی طرف منہ اور پیٹھ کرنے سے پرہیز رکھے ہاں اگر آگے پیچھے پردہ ہو تو کوئی حرج نہیں۔

عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۰۹ھ

باتیں اور ذکر

سوال:۔ قضاء حاجت کے وقت باتیں اور ذکر کرنا جائز ہے؟

جواب:۔ حاجت کے وقت باتیں کرنا اور ذکر کرنا منع ہے۔ عزت والی شئے مثلاً قرآن مجید وغیرہ پاس نہ رکھے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

جگہ

سوال:۔ قضاء حاجت کس جگہ کرنی منع ہے؟

جواب:۔ راستہ میں یا سایہ میں جس سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں۔ قضاء حاجت نہ کرے۔ گھاٹ پر جہاں لوگ پانی پیتے ہوں پاخانہ نہ پھرے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

ڈھیلے

سوال:۔ استنجاء میں کتنے ڈھیلے استعمال کئے جائیں۔ کیا ڈھیلے ہی کافی ہیں یا بعد میں پانی استعمال کیا جائے؟

جواب:۔ استنجاء کے لئے تین ڈھیلے مسنون ہیں۔ اگر بڑا ڈھیلہ تین طرف والا ہو تو وہ بھی کافی ہے اگر تین ڈھیلوں سے زیادہ کی ضرورت ہو تو زیادہ میں کوئی حرج نہیں۔ مگر طاق لینے چاہئیں۔ مثلاً پانچ یا سات وغیرہ

اگر ڈھیلوں کے بعد پانی کا بھی استعمال کرے تو اور اچھا ہے۔ اگر ڈھیلوں کے بعد پانی کا استعمال نہ کرے یا ڈھیلوں کا استعمال نہ کرے۔ صرف پانی پر اکتفاء کرے تو بھی جائز ہے۔ مگر صرف ڈھیلوں پر کفایت کرنے سے صرف پانی پر اکتفاء کرنا بہتر ہے۔ کیونکہ پانی میں صفائی زیادہ ہے۔ عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

استنجاء کا ہاتھ

سوال:۔ استنجاء کس ہاتھ سے کرنا چاہیئے؟

جواب:۔ استنجا بائیں ہاتھ سے کرنا چاہیئے نہ کہ دائیں ہاتھ سے۔ عبداللہ روپڑی

قضاء حاجت اور فراغت کی دُعا

سوال:۔ قضاء حاجت کی دُعا کس وقت پڑھی جائے؟

جواب:۔ جب ٹٹی میں داخل ہونے لگے یا جنگل میں پاخانہ بیٹھنے کا ارادہ کرے۔ اس وقت دُعاء پڑھنی چاہیئے۔ اور وہ دعاء یہ ہے۔

اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ

ترجمہ:۔ اے اللہ! بے شک میں خبیث جنوں اور جنیوں سے تیرے ساتھ پناہ مانگتا ہوں۔

جب قضاء حاجت سے فارغ ہو تو یہ دعا پڑھے۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ غُفْرَانَكَ

سب تعریف خدا کے لئے ہے۔ جس نے مجھ سے تکلیف اور نجاست کی شئے دور کردی اور مجھے عافیت بخشی۔ اے اللہ میں اس نعمت کا شکریہ ادا کرنے سے قاصر ہوں۔

عبداللہ روپڑی

غسل کا بیان

وجوب غسل کا وقت

سوال:۔ غسل کب واجب ہوتا ہے؟

جواب:۔ شہوت کے ساتھ منی نکلنا۔ خواہ کسی عورت وغیرہ کا خیال کرنے سے ہی نکلے غسل کو واجب کر دیتا ہے، اور ہمبستری کے وقت جب ختنہ کی جگہ غائب ہو جائے تو بغیر نکلنے منی کے غسل واجب ہو جاتا ہے احتلام سے بھی غسل واجب ہو جاتا ہے۔ مگر اس کے لئے شرط ہے۔ کہ جب جاگے تو کپڑے میں تری معلوم ہو حیض و نفاس سے فراغت کے وقت۔ اسلام لانے کے وقت اور مرنے کے ساتھ بھی غسل واجب ہے۔ مگر شہداء اس سے مستثنیٰ ہیں۔

نماز جمعہ، عید الفطر، عید الاضحیٰ، احرام باندھنے وقت اور مکہ مکرمہ میں داخل ہونے کے وقت غسل مسنون ہے۔ اسی طرح جو شخص میت کو غسل دے یا سنگی لگوائے یا بیوی سے ایک دفعہ ہم بستری کر کے فارغ ہونے کے بعد دوبارہ ہمبستری کرنا چاہے تو اس کے لئے بھی غسل مسنون ہے۔

دوبارہ ہمبستری کرنے والا استنجاء کی جگہ دھو کر وضوء کر کے ہمبستری کرے تو بھی کوئی حرج نہیں۔ اگر جنابت کی حالت میں سونا چاہے یا کچھ کھانا چاہے تو بھی وضوء کافی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ، یکم اگست ۱۹۵۹ء

سوال: غسل جنابت فرض ہے یا واجب یا سنت یا نفل یا مستحب، کیا جنابت کی حالت میں سحری کھائی جا سکتی ہے۔ قرآن مجید اور نماز پڑھی جا سکتی ہے؟

محمد ظفر اقبال مکان ۶۴ سکیم ۲ گل گشت کالونی۔ ملتان

جواب: غسل جنابت ضروری ہے۔ کیونکہ جنبی کی نماز نہیں ہوتی اور نہ قرآن مجید پڑھ سکتا ہے۔ ہاں سحری کھائی جا سکتی ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۱۲ شوال ۱۳۸۳ھ

غسل جنابت

سوال: غسل جنابت کا طریقہ کیا ہے؟ حمید اللہ شاکر

جواب: غسل جنابت کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے استنجاء کی جگہ اور آس پاس کی جگہ اچھی طرح دھوئے پھر ہاتھ مٹی پر مل کر یا صابن سے مل کر دھولے۔ پھر پورا وضوء کرے۔ جس میں پاؤں بھی شامل ہیں۔ پھر سر پر تین او نجلے ڈالے جن سے بالوں کی جڑیں تر ہو جائیں۔ پھر باقی بدن پر پانی بہائے۔

حائضہ کیلئے غسل کا طریقہ

سوال: حائضہ عورت حیض سے فارغ ہو کر کس طرح غسل کرے؟ حمید اللہ شاکر

جواب: حیض کا غسل بھی اسی طرح ہے۔ غسل جنابت میں عورت کو مینڈھیاں کھولنی ضروری نہیں۔ غسل حیض میں ضروری ہیں۔ نیز غسل حیض میں روئی پر کستوری لگا کر مخصوص جگہ پر لگالے: تاکہ بدبو کا اثر

نہ رہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی حال لاہور ماڈل ٹاؤن سی بلاک کوٹھی نمبر ۱۱۹
۲۳ ۹/۱۳۷۶ھ مطابق ۲۴ اپریل ۱۹۵۷ء

خاوند بیوی ایک بستر پر! مسئلہ احتلام

سوال:۔ خاوند اور عورت رات کے وقت ایک بستر پر آرام پذیر ہوئے مگر دونوں نے مجامعت اور مباشرت آپس میں نہ کی۔ صبح کو جب اُٹھے تو بستر پر طراوت پائی۔ طراوت دیکھنے وقت دونوں ہی انکار کرتے ہیں کہ ہمیں احتلام نہیں ہوا۔ اب وہ طراوت کس کے ذمے لگائی جاوے کہ ان کو غسل کرنے کا حکم دیا جاوے۔ اب قرآن شریف وحدیث شریف کی نص سے حکم فرمایا جاوے آیت، سیپارہ یا حدیث صحیح کا حوالہ کتاب و باب و فصل تحریر کی جاوے! (محررہ غلام محمد)

جواب:۔ مشکوٰۃ میں ہے:۔

عن عائشۃ رض قَالَتْ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّے اللّٰہِ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ الرَّجُلِ یَجِدُ الْبَلَلَ وَلَا یَذْکُرُ احْتِلَامًا قَالَ یَغْتَسِلُ وَعَنِ الرَّجُلِ الَّذِی یَرٰی اَنَّہٗ قَدِ احْتَلَمَ وَلَا یَجِدُ بَلَلًا قَالَ لَا غُسْلَ عَلَیْہِ قَالَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ ھَلْ عَلَی الْمَرْاَۃِ تَرٰی ذٰلِکَ غُسْلٌ قَالَ نَعَمْ اِنَّ النِّسَاءَ شَقَائِقُ الرِّجَالِ۔ رواہ الترمذی وابو داؤد وروی الدارمی وابن ماجۃ الی قولہ لا غسل علیہ (مشکوٰۃ باب الغسل فصل ۲ ص۴۰)

یعنی "حضرت عائشہ رض فرماتی ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس مرد کی بابت سوال ہوا۔ جو تری دیکھے اور اس کو احتلام یاد نہ ہو۔ فرمایا غسل کرے۔ اور یہ بھی سوال ہوا کہ جس کو خواب میں احتلام ہو اور تری نہ پائے۔ تو فرمایا اس پر غسل نہیں۔ امّ سلیم رض نے پوچھا۔ کیا عورت پر بھی غسل ہے۔ جب عورت دیکھے تو فرمایا عورتیں بھی اسی حکم میں ہیں"۔

اس حدیث سے اتنا معلوم ہوا کہ تری دیکھنے کی صورت میں غسل ضروری ہے۔ خواہ احتلام یاد ہو یا نہ۔ رہی یہ بات کہ شک کی صورت میں غسل کس پر ہے۔ سو اس کا جواب مندرجہ ذیل حدیث میں ہے:۔

وزاد مسلم بروایۃ ام سلیم رض اِنَّ مَاءَ الرَّجُلِ غَلِیْظٌ اَبْیَضُ وَمَاءُ الْمَرْاَۃِ رَقِیْقٌ اَصْفَرُ (مشکوٰۃ باب الغسل فصل اوّل ص۴۰)

یعنی "مسلم میں ہے ام سلیمؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں۔ کہ مرد کا پانی گاڑھا سفید ہوتا ہے۔ اور عورت کا پانی پتلا زرد ہوتا ہے۔"

اس حدیث میں ہر ایک پانی کی علامت بتلادی ہے پانی کو دیکھ کر اس کے مطابق عمل درآمد ہونا چاہیئے اگر پانی گاڑھا سفید ہو تو مرد غسل کرے اور اگر پتلا زرد ہو تو عورت غسل کرے۔

اگر بالفرض تمیز نہ ہوسکے تو پھر شک ہے اس حالت میں دونوں کو غسل کرنا چاہیئے! کیونکہ معاملہ مشتبہ ہوگیا۔ اور مشتبہ سے بچنے کا حکم ہے۔ چنانچہ مشکوٰۃ کتاب البیوع میں ہے۔

فمن اتقی الشبہات الحدیث اور اس سوال کی صورت میں جب تمیز نہ ہوسکے۔ تو شبہ سے تب ہی نکل سکتے ہیں۔ جب کہ دونوں غسل کریں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ۔ ۱۳ ستمبر ۱۹۳۴ء

"اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ" حدیث کا مطلب

سوال:۔ اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ انزال ہو تو غسل واجب ہوتا ہے اگر ہمبستری کے وقت انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں ہوتا۔ کیا اس حدیث کا یہی مطلب ہے؟

جواب:۔ پہلے الماء سے مراد پانی ہے اور دوسرے الماء سے مراد منی ہے۔ یعنی انزال ہو تو غسل واجب ہے اگر انزال نہ ہو تو غسل واجب نہیں۔ ابی بن کعبؓ نے کہا۔ کہ شروع اسلام میں اس مسئلہ میں رخصت تھی۔ پھر یہ رخصت منسوخ ہوگئی اور غسل کا حکم دیا گیا کہ مجامعت کے وقت اگر انزال نہ بھی ہو تو ہر دو پر غسل واجب ہے۔

ابن عباسؓ نے کہا ہے کہ حدیث اَلْمَاءُ مِنَ الْمَاءِ منسوخ نہیں ہے۔ بلکہ احتلام کے بارہ میں ہے یعنی کوئی شخص خواب میں محتلم ہوجائے۔ بیداری میں کپڑے یا جسم پر تری پائے تو غسل واجب ہے ورنہ غسل واجب نہیں۔

سوال:۔ طلوع فجر سے پہلے غسل جمعہ ہوسکتا ہے؟

جواب:۔ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ مجاہدؒ۔ الحسنؒ۔ النخعیؒ۔ ثوریؒ۔ شافعیؒ اسحٰقؒ کا قول ہے۔ کہ جو شخص طلوع فجر سے پہلے غسل جمعہ کرتا ہے۔ وہ غسل کفایت نہیں کرتا۔ اس لئے کہ حدیث میں جمعہ کے دن میں غسل کا

بیان ہے۔ اور دن طلوع فجر کے بعد شروع ہوتا ہے طلوع فجر سے پہلے شروع نہیں ہوتا۔
اوزاعیؒ نے کہا ہے کہ غسل جمعہ اگر طلوع فجر سے پہلے کر لیا جائے تو کافی ہے جب کسی مسئلہ میں اختلاف ہو تو اس سے نکلنا ہی بہتر ہے۔ غسل دن کے وقت کیا جائے۔ اس کی تائید امام مالکؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے کہ وہ غسل کافی نہیں جس کے بعد جمعہ کی طرف روانگی نہ ہو۔ یہ اس صورت میں ممکن ہے کہ غسل دن کے وقت ہو۔ طلوع فجر سے پہلے نہ ہو۔ طلوع فجر سے پہلے جمعہ کی طرف آنے کا وقت اکثر نہیں ہے۔

حیض اور استحاضہ کا بیان

عورت مستحاضہ کا حکم

سوال:۔ ایک عورت نے مجھ سے سوال کیا۔ کہ مجھ کو ایام حمل میں خون آیا۔ میں نے اس کو حیض شمار کیا۔ نماز چھوڑ دی۔ پھر وہ ایام معہودہ سے بڑھ کر استحاضہ ہو گیا۔ تو میں نے غسل حیض کر کے نماز شروع کر دی اب مہینہ گزر گیا ہے۔ اب نماز کا کیا کروں؟ میں نے کہا ایام معہودہ میں اتنے دن نماز چھوڑ دی پھر حسب معمول غسل کر کے نماز پڑھو۔ اس نے کہا ہمیشہ میری نماز چھوڑنے کے دن پورے مہینہ نہیں آتے دو دو تین تین دن آگے پیچھے ہو جایا کرتے ہیں۔ میں نے کہا جب اس رنگ کا خون آئے جیسا کہ مستحاضہ کے لئے حدیث میں وارد ہے تو نماز چھوڑ دے جب اس رنگ کا خون آئے تو غسل کر کے شروع کر دے۔ اس نے کہا کہ مجھ کو ہمیشہ ایک رنگ کا خون آتا رہتا ہے اور تھوڑا تھوڑا آتا ہے۔ کبھی ایک ایک دو دو دن بند بھی ہو جاتا ہے آپ اس بارہ میں مفصل فتویٰ تحریر فرمائیں۔

جواب:۔ مستحاضہ کی حدیث میں تین صورتیں مذکور ہیں۔

ایک وہ جس کے دن عادت کے ساتھ معلوم ہوں۔

دوسری وہ جو خون پہچان سکتی ہو۔

تیسری وہ جو نہ عادت والی ہو نہ خون پہچان سکتی ہو چنانچہ نیل الاوطار میں ان تینوں پر الگ الگ باب

باندھے ہیں۔

جس کا ذکر سوال میں ہے۔ وہ پہلی قسم ہے۔ دو تین روز کا آگے پیچھے ہو جانا اس کو پہلی صورت سے نہیں نکالتا۔ کیونکہ اتنا تفاوت تو عام دستور ہے۔ اگر اتنے تفاوت سے غیر معتادہ ہو جاتی ——— تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ حکم ہی نہ دیتے کہ اپنی عادت کے موافق حیض کے دن مقرر کر۔ پس اختیار ہے خواہ دو دن آگے مقرر کرے خواہ پیچھے مقرر کرے چھ دن یا سات دن جیسی اکثر عادت ہو۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ۔ ۱۰ ذی قعدہ ۱۳۵۲ھ، ۱۵ فروری ۱۹۳۵ء

مستحاضہ کی نماز اور خاوند کا ہمبستر ہونا

سوال: حیض کے دنوں سے فارغ ہونے کے بعد اگر کسی عورت کو بوجہ بیماری خون آتا رہے تو اس کی بابت نماز کا کیا حکم ہے؟ حافظ محمد اسماعیل گرھ شنکر

جواب: حیض کے دنوں کے بعد جو خون آتا ہے۔ اس کو استحاضہ کہتے ہیں۔ بہت احادیث میں آتا ہے کہ استحاضہ والی عورت نماز پڑھے بلکہ خاوند بھی اس کے پاس جا سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲۹ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ

حیض اور نفاس کی مدّت

سوال: حیض و نفاس کی اقل واکثر مدت محدثین کے نزدیک کتنی ہے؟ کیا ان ایام میں مساس و قرأت قرآن جائز ہے؟

جواب: حیض کی اقل اور اکثر مدت میں اختلاف ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں، اقل مدّت تین دن ہیں اور اکثر دس دن ہیں اور شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ کہتے ہیں کہ اقل ایک دن رات ہے اور اکثر پندرہ دن ہے۔

حنفیہ اپنے مذہب پر مندرجہ ذیل حدیث پیش کرتے ہیں:۔

"اَقَلُّ الْحَيْضِ لِلْجَارِيَةِ الْبِكْرِ وَالثَّيِّبِ ثَلَاثَةُ اَيَّامٍ وَاَكْثَرُهٗ عَشَرَةُ اَيَّامٍ"

یعنی "کنواری اور بیوہ کے لئے اقل مدّتِ حیض تین دن ہیں اور اکثر دس دن ہیں"۔

اسی کو طبرانی اور دارقطنی نے روایت کیا ہے مگر اس کی اسناد میں عبدالملک مجہول ہے اور علاء بن

کثیر اور حفص بن عمر العدل دونوں ضعیف ہیں۔ نیز یہ اسناد منقطع ہے۔ اگرچہ اس حدیث کے قریب اور روائتیں بھی آئی ہیں مگر وہ بھی سب ضعیف ہیں چنانچہ حافظ ابن حجرؒ نے تخریج ہدایہ کے صـ۴۹ میں ان کی تفصیل کی ہے۔ مولوی عبدالحی صاحب لکھنوی عمدۃ الرعایہ حاشیہ شرح وقایہ کے صـ۱۰۲ میں لکھتے ہیں کہ اگرچہ روایات ضعیف ہیں مگر کئی سندوں سے مروی ہیں اس لئے ان کو قوت حاصل ہوگئی نیز انسؓ عبداللہ بن مسعودؓ۔ معاذؓ اور عثمان بن ابوالعاص اور ان کے علاوہ دیگر صحابہؓ کے فتاوی بھی ان روایتوں کے موافق ہیں۔ اس سے بھی ان روایتوں کو تقویت ہوگئی ہے

مولوی عبدالحی صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس میں کچھ شبہ ہے وہ یہ کہ کئی سندوں سے تقویت اس وقت ہوتی ہے جب سندوں میں تھوڑا تھوڑا ضعف ہو، یہاں بہت زیادہ ضعف ہے اور فتاوی صحابہؓ سے بھی کئیوں کی سند ضعیف ہے ملاحظہ ہو دار قطنی صفحہ ۷۷ اور کتاب الام امام شافعیؒ جلد اوّل صـ۵۵ وغیرہ نیز صحابہؓ میں اس مسئلہ میں اختلاف ہے، چنانچہ حضرت علیؓ کا قول آگے آتا ہے کہ اکثر مدت حیض کی پندرہ دن ہیں اور اقل ایک دن رات ہے اس لئے یہ تقویت مفید نہیں۔

نیز اس حدیث میں جو حنفیہ نے پیش کی ہے یہ لفظ ہیں لِلْجَارِيَةِ وَالثَّيِّبِ الَّتِي قَدْ أَيِسَتْ مِنَ الْمَحِيضِ (دار قطنی صـ۸۰) یعنی کنواری اور بیوہ جو حیض سے ناامیدی کے زمانہ کو پہنچ گئی اس کے حیض کی اقل مدت تین دن ہیں اور اکثر دس دن ہیں، حالانکہ یہ کسی کا مذہب نہیں کہ بیوہ ناامیدی کے زمانہ کو پہنچ جائے تو پھر اقل مدت تین دن ہیں اور اکثر دس دن ہیں نہ حنفیہ اس کے قائل ہیں نہ کوئی اور، پس اس حدیث کو دلیل میں پیش کرنا ٹھیک نہیں ؛

شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ اپنے مذہب پر یہ حدیث پیش کرتے ہیں۔

تَمْكُثُ إِحْدٰهُنَّ شَطْرَ عُمْرِهَا لَا تُصَلِّيْ یعنی "عورت اپنی نصف عمر نماز نہیں پڑھتی" اس کو عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

اس حدیث کے متعلق حافظ ابن حجرؒ نے تلخیص الحبیر صـ۶۱ وغیرہ میں بیہقی سے نقل کیا ہے کہ میں نے اس کو کتب حدیث میں نہیں پایا۔ اسی طرح اوروں سے بھی نقل کیا ہے کہ یہ حدیث ہمیں نہیں ملی۔ اور قاضی ابویعلی سے بحوالہ ابن تیمیہؒ نقل کیا ہے کہ اس حدیث کو عبدالرحمٰن بن ابی حاتم نے اپنی کتاب السنن میں روایت کیا ہے پھر کہا ہے، عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کی کوئی کتاب نہیں جس کو سنن کہا جاتا ہو لیکن ہوسکتا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ

کو کتاب السنن کا پتہ نہ لگا ہو اور قاضی ابو یعلی کو لگ گیا ہو اور ممکن ہے قاضی ابو یعلی کو کتاب کے نام میں غلطی لگی ہو، بہر صورت اس میں شبہ نہیں کہ عبدالرحمٰن بن ابی حاتم اپنی کسی کتاب میں اس کو باسناد لائے ہیں کیونکہ قاضی ابو یعلی جھوٹ نہیں کہہ سکتے۔ رہی یہ بات کہ یہ صحیح ہے یا ضعیف تو اس کا مدار اس کی سند کے دیکھنے پر ہے، چونکہ کتاب کا ملنا مشکل ہے، اس لئے اس پر کوئی حکم نہیں لگ سکتا، سردست اس کو یوں ہی سمجھ لیا جائے کہ یہ ضعیف ہے؛

شیخ منصور بن یونس بہوتی نے شرح منتہی الارادات کے صفحہ ۹۴ میں اور شیخ منصور بن ادریس نے کشاف القناع عن متن الاقناع کے صفحہ ۱۴۴ میں حضرت علی رضؓ سے نقل کیا ہے۔ ما زاد علی خمسة عشر استحاضة واقل الحیض یوم ولیلة۔ یعنی "جو پندرہ دن سے زاید ہو جائے وہ (حیض نہیں بلکہ بیماری کا خون) استحاضہ ہے اور اقل حیض ایک دن رات ہے۔"

پھر ان دونوں صاحبوں نے بحوالہ امام احمد رح حضرت علی رضؓ سے ایک ماہ میں تین حیض آنے کا قول بھی نقل کیا ہے۔ جس کی صورت یہ ہے کہ ایک دن حیض آکر ۱۳ دن بند رہا، پھر ایک دن آکر ۱۳ دن بند رہا، پھر ایک دن حیض آگیا پھر کہا ہے اس میں رائے قیاس کا کوئی دخل نہیں تو گویا حضرت علیؓ نے اس کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے لیا ہے اس سے بھی معلوم ہوا کہ اقل مدت حیض کی ایک دن رات ہے۔

شیخ منصور بن ادریسؒ نے کشاف القناع کے صفحہ مذکورہ پر حضرت علی رضؓ کے قول کی تائید میں (کہ اکثر مدت حیض کی پندرہ دن ہیں) کتاب السنن عبدالرحمٰن بن ابی حاتم کے حوالہ سے اوپر کی حدیث بھی ذکر کی ہے یعنی عورت اپنی نصف عمر نماز نہیں پڑھتی، پھر بیہقیؒ سے نقل کیا ہے کہ میں نے اس حدیث کو کسی کتاب حدیث میں نہیں پایا اور امام ابن منجا سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث کسی طرح ثابت نہیں پھر لکھا ہے قال فی المبدع وذکر ابن منجا انہ رواہ البخاری وھو خطأ یعنی "مبدع میں کہا ہے کہ ابن منجا نے اس حدیث کو بخاری کیطرف منسوب کیا ہے، حالانکہ یہ غلط ہے۔"

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ فریقین کی پیش کردہ احادیث ضعیف ہیں۔ جو استدلال کے قابل نہیں۔ بلکہ حنفیہ نے جو حدیث پیش کی ہے وہ خود بھی اس کے قائل نہیں۔ کیونکہ اس میں بیوہ کے ساتھ ناامیدی کے زمانہ کو پہنچنے کی قید ہے۔ اور اقوال صحابہؓ دونوں طرف ہیں۔ تو اب فیصلہ کس طرح ہو؟ ہمارے خیال میں اب واقعات کی طرف رجوع کرنا چاہیئے۔ واقعات مذہب شافعیہ اور حنابلہ وغیرہ کو ترجیح ثابت ہوتی ہے۔

امام شافعیؒ کتاب الام جلد اوّل ص۵۵ میں فرماتے ہیں کہ ایک عورت کو ہمیشہ ایک دن حیض آتا تھا، اس پر کبھی زیادہ نہیں ہوا۔ خود اس نے مجھے کہا اور کئی اور کا ذکر کیا جن سے بعض کو تین روز سے کم حیض آتا تھا اور بعض کو پندرہ روز اور بعض کو تیرہ روز۔

شیخ منصور بن ادریسؒ نے کشاف القناع جلد اوّل ص۱۴۴ میں عطاؒ بن ابی رباح سے نقل کیا ہے کہ میں نے ایک عورت کو دیکھا اس کو پندرہ دن حیض آتا تھا اور ابوعبداللہ الزبیری سے نقل کیا ہے کہ ہماری عورتوں میں بعض کو ایک دن حیض آتا تھا!

دارقطنی کے ص۸۰ میں ہے، شریکؒ کہتے ہیں ہمارے ہاں ایک عورت ہے جس کا حیض تندرستی اور صحت کے ساتھ پندرہ دن رہتا ہے۔ اوزاعیؒ کہتے ہیں، ہمارے ہاں ایک عورت ہے اس کو صبح سے حیض شروع ہوتا ہے شام کو پاک ہو جاتی ہے۔

اس طرح کے بہت واقعات ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے، کہ حیض کی اقل مدت ایک دن رات ہے اور اکثر پندرہ دن ہے بلکہ امام اوزاعیؒ نے جو واقعہ ذکر کیا ہے، اس میں صرف ایک دن بغیر رات کے مذکور ہے۔ کیونکہ اس میں ذکر ہے کہ صبح سے شروع ہو کر شام کو بند ہو جاتا ہے۔ پس راجح وہی ہے جو واقعات سے ثابت ہے اور صحابہؓ سے مختلف روایتیں آنے کا سبب بھی واقعات ہی ہیں جن صحابہؓ نے اقل مدت تین دن اور اکثر دس دن بتلائی ہے ان کو ایک دن اور پندرہ دن کا واقعہ پیش نہیں آیا اس لئے انہوں نے یہی خیال کیا اور جو ایک دن اور پندرہ دن کے قائل ہیں۔ ان کے مشاہدہ میں یہ شئے آگئی، پس ان کی بات معتبر ہوگی۔

نفاس کی اقل مدت کی بابت ایک ضعیف حدیث حافظ ابن حجرؒ نے تخریج ہدایہ ص۴۴ میں ذکر کی ہے، اس میں ہے لا نفاس دون اسبوعین ولا نفاس فوق اربعین یوماً۔ یعنی نفاس دو ہفتوں سے کم نہیں اور چالیس دن سے زائد نہیں۔ اور ایک حدیث دارقطنی کے ص۸۲ میں ہے۔ اس کے یہ الفاظ ہیں:۔

إِذَا مَضَى لِلنِّسَاءِ سَبْعٌ ثُمَّ رَأَتِ الطُّهْرَ فَلْتَغْتَسِلْ وَلْتُصَلِّ۔

یعنی "جب نفاس والی عورت پر ایک ہفتہ گذر جائے پھر طہر دیکھے پس چاہیئے کہ غسل کرے اور نماز پڑھے۔"

اس روایت پر دارقطنی نے کلام نہیں کی اس کی سند میں بقیہ بن ولید ہے جس میں کلام ہے مگر اس کے بغیر بھی یہ حدیث روایت کی گئی ہے۔ نیز بقیہ جب عن کے ساتھ روایت کرے وہ زیادہ ضعیف ہوتی ہے،

یہ حدیث اخبرنا کے ساتھ روایت کی ہے۔
اکثر مدت نفاس چالیس دن ہے اس کے متعلق بہت روایات آئی ہیں۔ اور جمہور کا مذہب بھی یہی ہے صرف حسن بصریؒ پچاس روز کہتے ہیں اور عطاء اور شعبی ساٹھ روز کہتے ہیں۔ چنانچہ ترمذی میں ہے مگر ترجیح چالیس کے قول کو ہے اگر زیادہ خون آئے تو اس کو استحاضہ (بیماری) کا خون سمجھے۔ اس میں نماز پڑھے اور قرأت وغیرہ بھی کرے اور خاوند بھی اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے۔ حیض نفاس کے دنوں میں ان کاموں سے کوئی بھی درست نہیں؛

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۲ جمادی الاوّل ۱۳۵۶ھ ، ۳۰ جولائی ۱۹۳۷ء

روزہ کی حالت میں غروب ہونے سے پہلے دس منٹ حیض کا آنا

سوال:۔ ایک عورت کے روزہ رکھا ہوا ہے اور صرف دن غروب ہونے میں دس منٹ باقی ہیں یا اس سے بھی اسکو حیض آجاتا ہے۔ کیا وہ اس وقت اپنا روزہ افطار کر دے یا دس منٹ انتظار کرکے بعد کھولے اور یہ روزہ اس عورت کا شمار ہوگا یا کہ نہیں۔
نیز ایام حیض کے قضاء شدہ روزے کی قضائی کیا عید کے بعد متصل دے یا سال بھر کے اندر اندر جب چاہے رکھ سکتی ہے؟

عبدالرحمٰن حصاری

جواب:۔ اس کا روزہ ٹوٹ چکا ہے باقی اب کھانے پینے میں اس کو اختیار ہے۔ جس طرح چاہے کرے جب روزہ ٹوٹ چکا ہے تو قضا ضروری ہے۔ یہاں منٹوں کا کوئی حساب نہیں۔ حیض روزے کی ضد ہے۔ دونوں جمع نہیں ہو سکتے حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ماہ شعبان میں قضائی دیا کرتی تھیں۔ (مشکوٰۃ وغیرہ) اس سے معلوم ہوا کہ دیر سے بھی قضائی دے سکتی ہے۔ اور جتنی جلدی دی جائے بہتر ہے کیونکہ خطرہ ہے موت آجائے اور روزے ذمہ رہ جائیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۵ رمضان ۱۳۸۳ھ

حائضہ عورت کا قرآن مجید یا اس کا ترجمہ پڑھنا

سوال:۔ حیض والی عورت ایک دو آیت لڑکیوں کو پڑھا سکتی ہے یا نہیں۔
اگر حیض والی عربی عبارت نہ پڑھے تو ترجمہ ایک دو آیت کا یاد کر سکتی ہے یا نہیں۔
دونوں کی بابت شریعت میں کیا حکم ہے؟

صدر دین شاہ قریشی

جواب:۔ حیض والی عورت آیت نہ پڑھے۔ ہجے کرادے رواں نہ پڑھے کیونکہ قرآن پڑھنے سے نہی آئی ہے ترجمہ پڑھنے کاکوئی حرج نہیں۔ کیونکہ ترجمہ قرآن نہیں۔ قال اللہ تعالیٰ انا انزلناہ قرآنًا عربیًّا

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۵ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ ۲۴ مئی ۱۹۴۰ء

حائضہ عورت کا ایسی کتاب پڑھنا جس میں آیات یا احادیث ہوں

سوال:۔ مستورات حائضہ ہونے کی صورت میں قرآن پاک کے علاوہ کوئی ایسی کتاب جس میں کچھ قرآن مجید کی آیات یا احادیث ہوں یا ان کے مطالب لکھے گئے ہوں پڑھ سکتی ہیں یا نہیں؟

رحمت اللہ شہداد پور سندھ

جواب:۔ قرآن مجید کی آیات نہ پڑھیں۔ باقی مضامین اور ترجمہ قرآن مجید کا پڑھ سکتی ہے کیونکہ ترجمہ قرآن نہیں۔ اور اس کو قرآن پڑھنا منع ہے نہ کوئی اور چیز۔ عبداللہ روپڑی از لاہور ۱۵ رمضان ۱۳۸۳ھ

حائضہ عورت کا وعظ سننا

سوال:۔ کیا حیض والی عورت وعظ سن سکتی ہے؟ حافظ محمد اسماعیل گڑھ شنکر

جواب:۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیض والیوں کو بھی عیدین میں نکلنے کا حکم دیا اس سے معلوم ہوا کہ حیض والی وعظ وغیرہ سن سکتی ہے۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ ۲ ذی قعدہ ۱۳۵۵ھ

وضو کا بیان

وضو میں محل ڈاڑھی کا دھونا فرض ہے یا نہیں

سوال:۔ تمام منہ کا دھونا فرض ہے جیسا کہ قرآن مجید میں ہے جب تمام منہ کا دھونا فرض ہوا تو ڈاڑھی والے کو (خواہ خفیف ڈاڑھی رکھتا ہو یا درمیانی یا بڑی) محل ڈاڑھی کا دھونا فرض ہے یا نہیں (یعنی بالوں کی جڑ کا) حدیث میں خلال لحیہ کا حکم آیا ہے۔ اور ترمذی وغیرہ اور شروح اس کی

سے ثابت ہوتا ہے کہ خلال لحیہ مستحب ہے اور یہی قول راجح ہے تو ظاہر ہے کہ خلال سے محل لحیہ تر نہیں ہوتا بلکہ بھیگتا بھی نہیں ابوداؤد کی روایت میں ہے اخذ کفا من ماء فادخله تحت حنکه فخلل به لحیته اس حدیث سے لحیہ کے خلال کے لئے صرف ایک چلو آیا ہے اور ایک چلو سے مسح لحیہ کا ہو جائیگا مگر لحیہ کا محل تر نہیں ہوگا بخاری میں ابن عباس کی روایت سے آیا ہے ثم اخذ غرفة من ماء فجعل بها هكذا اضافها الى يده الاخرى فغسل بها وجهه تو یہاں صرف ایک چلو سے منہ دھویا ہے۔ اور ایک چلو منہ اور خلال کے لئے کافی نہیں ان حدیثوں سے تو معلوم ہوتا ہے کہ لحیہ خواہ چھوٹی رکھتا ہو یا بڑی مسح لحیہ اور خلال لحیہ کا کافی ہے نہ کہ محل لحیہ اور بالوں کی جڑ کا تر کرنا اور چہرہ منہ تمام کا دھونا عورت اور بے ریش پر فرض ہے لحیہ والے پر لحیہ کا محل تر کرنا اور بھگونا فرض نہیں۔ صرف مسح اور خلال کافی ہے خواہ محل لحیہ خشک رہ جائے اور لحیہ بھی بیچ میں سے خشک رہ جائے۔ اور بعض لوگ کہتے ہیں کہ خفیف ڈاڑھی والے پر تمام منہ کا دھونا فرض ہے اور لحیہ کے اندر سے چہڑے کا تر کرنا فرض ہے سو ان کا یہ قول بھی مذکورہ بالا حدیثوں کے خلاف معلوم ہوتا ہے بلکہ خفیف لحیہ ہو تو بھی مسح اور خلال کافی ہے بندہ کے ناقص خیال میں تو یہی آیا ہے آپ کی جو تحقیق ہو اس مسئلہ میں ظاہر فرما دیں۔

اور شرح وقایہ مع حاشیہ عمدۃ الرعایہ میں جو لکھا ہے۔

واما اللحية فعند ابى حنيفة مسح ربعها فرض لانه لما سقط غسل ما تحتها من البشرة صار كالرأس عمدۃ الرعایہ میں ہے حاصله انه قد سقط غسل ما تحت اللحية من بشرة الوجه بعد ما كان فرضا قبل نبات اللحية وهذا بالاجماع كالرأس۔ یعنی قبل نبات لحیہ کے جس جگہ کا دھونا فرض تھا اب بعد لحیہ آنے کے اس محل کا دھونا گر گیا اور معاف ہو گیا اور یہ ساتھ اجماع کے ہے آیا یہ عبارت اپنے معنی میں آپ صحیح جانتے ہیں یا نہیں اور جو لکھا ہے سقط غسل ما تحتها اس کا ساقط کرنیوالا کونسا ہے پھر لکھا ہے هٰذَا بِالْاِجْمَاعِ اس اجماع سے کیا مراد ہے کن لوگوں کا اجماع ہے اور اس عبارت کا مطلب حدیث کے موافق ہے یا مخالف اور جس حدیث کے موافق یا مخالف یہ عبارت ہو تحریر کر دیں؟

عبداللہ غفرلہٗ از کھچیانوالی ڈاکخانہ تکتسر ضلع فیروز پور

جواب:۔ ڈاڑھی کی حد | مجمع البحار میں ہے:۔ حد الوجه مادون منابت الشعر معتادا الی الاذنین واللحیین والذقن واحترز بالمعتاد عن الصلع وادخل به الفم واللحیان والذقن واحد فھو تاکید انتھی۔

یعنی چہرے کی حد عادتاً بالوں کی اگنے کی جگہ سے دونوں کانوں تک اور نیچے کے جباڑے اور ٹھوڑی تک اور عادتاً کی قید سے پیشانی کے اڑے ہوئے بال نکل گئے اور اس کے ساتھ منہ کو داخل کیا اور نیچے کا جباڑہ اور ٹھوڑی (سے مراد اس محل میں) ایک ہی ہے پس وہ تاکید ہے۔

منجد میں ہے:۔ الوجه ما یبدو للناظر من البدن وفیه العینان والانف والفم۔ یعنی چہرہ بدن کے اس حصہ کو کہتے ہیں۔ جو دیکھنے والے کیلئے ظاہر ہوتا ہے اور اس میں آنکھیں ناک منہ ہے۔

تفسیر خازن میں آیہ وضوء یاایھا الذین آمنوا اذا قمتم کی تفسیر میں ہے واما حد الوجه فمن منابت شعر الراس الی منتھی الذقن طولا ومن الاذن عرضا لانه ماخوذ من المواجھة فیجب غسل جمیع الوجه فی الوضوء ویجب ایصال الماء الی ما تحت الحاجبین واھداب العینین والعذارین والشارب والعنفقة وان کانت کثة واما اللحیة فان کانت کثة لا تری البشرة من تحتھا لا یجب غسل ما تحتھا ویجب غسل ما تحت اللحیة الخفیفة وھل یجب امرار الماء علی ظاھر ما نزل من اللحیة عن الذقن فیه قولان احدھما وبه قال ابو حنیفة لا یجب لان الشعر النازل لا یکون حکمه حکم الراس فی المسح فکذلك حکم الشعر النازل عن حد الوجه لا یجب غسله والقول الثانی یجب امرار الماء علی ظاھره لان الوجه ماخوذ من المواجھة فتدخل جمیع اللحیة فی حکم الوجه۔ انتھیٰ۔

یعنی چہرے کی حد سر کے بالوں کے اُگنے کی جگہ سے انتہا ٹھوڑی تک طول میں اور کان سے کان تک عرض میں کیونکہ وجہ مواجہہ سے ماخوذ ہے جس کے معنے آمنے سامنے ہونے کے ہیں پس وضوء میں سارے چہرے کا دھونا واجب ہوگا نیز ابروؤں پلکوں رخساروں بروں اور بچہ ڈاڑھی کے بالوں کے نیچے پانی پہنچانا واجب ہوگا۔ اگرچہ بال بھاری ہوں۔

ڈاڑھی گھنی ہو ہاں ڈاڑھی اگر اتنی بھاری ہو کہ نیچے کا چمڑا دکھائی نہ دے تو چمڑے کا دھونا واجب نہیں. اگر ڈاڑھی ہلکی ہو تو واجب ہے اور ڈاڑھی کا جتنا حصہ ٹھوڑی سے نیچے لٹکتا ہے اس میں اختلاف ہے ایک قول ہے کہ واجب نہیں اور اسی کے امام ابوحنیفہؒ قائل ہیں. کیونکہ سر کے بالوں سے جو نیچے لٹکتے ہیں. جب ان پر مسح واجب نہیں تو چہرے سے نیچے جو بال لٹکتے ہیں ان کا بھی یہی حکم ہے اور دوسرا قول ہے کہ واجب ہے کیونکہ وجہ مواجہتہ سے ماخوذ ہے جس کے معنی آمنے سامنے ہونے کے ہیں. پس ساری ڈاڑھی چہرے کے حکم میں ہو جائے گی.

ڈاڑھی کا لٹکا ہوا حصّہ منتقیٰ میں ہے باب غسل المسترسل من اللحیۃ یعنی جو حصّہ ڈاڑھی کا لٹکا ہوا ہے اس کے دھونے کا باب" پھر اس میں مسلم کی حدیث ذکر کی ہے. جس میں یہ الفاظ ہیں۔

ثم اذا غسل وجھہ کما امرہ اللہ الا خرت خطایا وجھہ من اطراف لحیتہ مع الماء

یعنی جب چہرہ دھوتا ہے جیسا اللہ نے اس کو حکم دیا ہے تو اس کے چہرے کے گناہ ڈاڑھی کے اطراف سے پانی کے ساتھ گر جاتے ہیں۔

نیل الاوطار جلد ا صـ۱۴۳ میں اس حدیث پر لکھتے ہیں۔

وقد ساق المصنف رحمہ اللہ تعالیٰ الحدیث للاستدلال بہ علی غسل المسترسل من اللحیۃ لقولہ فیہ الا خرت خطایا وجھہ من اطراف لحیتہ مع الماء

یعنی صاحب منتقیٰ نے اس حدیث سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ڈاڑھی کا لٹکا ہوا حصّہ دھونا واجب ہے. کیونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ڈاڑھی کے اطراف وجہ میں شامل ہیں۔

اس کے بعد صاحب منتقیٰ نے دوسرا باب باندھا ہے باب فی ان ایصال الماء الی باطن اللحیۃ الکثۃ لا یجب یعنی بھاری ڈاڑھی کی جڑوں تک پانی پہنچانا واجب نہیں اور اس میں بخاری کے حوالہ سے ابن عباسؓ کی وہی روایت ذکر کی ہے جو سوال میں ہے نیل الاوطار میں اس پر لکھا ہے والحدیث ساقہ المصنف للاستدلال بہ علی عدم وجوب ایصال الماء الی باطن اللحیۃ فقال وقد علم انہ صلی اللہ علیہ وسلم کان کث اللحیۃ وان الغرفۃ الواحدۃ وان عظمت لا تکفی غسل باطن اللحیۃ الکثۃ مع غسل جمیع الوجہ فعلم انہ لا یجب ۔ا انتھیٰ

یعنی اس حدیث سے مصنف نے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ڈاڑھی کا اندر دھونا واجب نہیں.

کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی بھاری تھی اور ظاہر ہے کہ ایک چلّو اس کے لئے مع باقی چہرے کے کافی نہیں۔ پس معلوم ہوا کہ اندر پانی پہنچانا واجب نہیں۔

ہلکی ڈاڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب ہے | تفسیر کبیر جلد ۳ صہ ۳۶۹ آیت وضو کی تفسیر میں لکھا ہے

(المسئلة السادسة والعشرون) قال الشافعیؒ یجب ایصال الماء الی ماتحت اللحیة الخفیفة وقال ابوحنیفةؒ لایجب لنا ان قوله تعالیٰ فاغسلوا وجوهکم یوجب غسل الوجه والوجه اسم للجلدة الممتدة من الجهة الی الذقن ترك العمل به عند کثافة اللحیة عملا بقوله ما جعل علیکم فی الدین من حرج وعند خفة اللحیة لم یحصل هذا الحرج فکان الاٰیة دالة علی وجوب غسله (المسئلة السابعة والعشرون) هل یجب امرار الماء علی ما نزل من اللحیة عن هذا الوجه وعلی الخارج منها الی الاذنین عرضا للشافعی رحمه اللہ قولان (احدهما) انه یجب (والثانی) انه لا یجب وهو قول مالك وابی حنیفة والمزنی حجة الشافعیؒ انا توافقنا علی ان فی اللحیة الکثیفة لا یجب ایصال الماء الی منابت الشعور وهی الجلد وانما اسقطنا هذا التکلیف لانا اقمنا ظاهر اللحیة مقام جلد الوجه فی کونه وجها واذاکان ظاهر اللحیة یسمی وجها والوجه یجب غسله بالتمام بدلیل قوله فاغسلوا وجوهکم لزم بحکم هذا الدلیل ایصال الماء الی ظاهر جمیع اللحیة (المسئلة الثامنة والعشرون) لونبتت للمرأة لحیة یجب ایصال الماء الی جلدة الوجه وان کانت تلك اللحیة کثیفة وذلك لان ظاهر الاٰیة یدل علی وجوب غسل الوجه والوجه عبارة عن الجلدة الممتدة من مبدأ الجبهة الی منتهی الذقن ترکنا العمل به فی حق الرجال دفعا للحرج ولحیة المرأة نادرة فتبقی علی الاصل واعلم انه یجب ایصال الماء الی ماتحت الشعر الکثیف فی خمسة العنفقة والحاجبان والشاربان والعذاران واهداب العینین لان قوله فاغسلوا وجوهکم یدل علی وجوب غسل کل جلدة الوجه ترك العمل به فی اللحیة الکثیفة دفعا للحرج وهذه الشعور

خفیفۃ فلاحرج فی ایصال الماء الی الجلدۃ فوجب ان تبقی علی الاصل۔ انتھٰی ؎

یعنی امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ ہلکی ڈاڑھی کے اندر پانی پہنچانا واجب ہے اور امام ابو حنیفہ رح کہتے ہیں۔ واجب نہیں ہماری دلیل یہ ہے کہ قول اللہ تعالیٰ کا فاغسلوا وجوھکم چہرے کے دھونے کو واجب کرتا ہے۔ اور چہرہ اس جلد کا نام ہے۔ جو ماتھے سے ٹھوڑی تک ہے بھاری ڈاڑھی اس سے مستثنٰی ہے۔ کیونکہ اللہ نے دین میں دقّت اور تنگی نہیں کی اور ہلکی ڈاڑھی کے ڈاڑھی کے دقّت اور تنگی نہیں پس آیہ کریمہ فاغسلوا وجوھکم ہلکی ڈاڑھی کے دھونے کے وجوب پر دلالت کرے گی۔ اور ڈاڑھی کا جو حصہ نیچے لٹکتا ہے۔ اور خط ڈاڑھی سے کانوں تک عرض میں جتنا حصہ ہے ان دونوں پہ پانی بہانے کی بابت امام شافعیؒ کے دو قول ہیں ایک وجوب کا ایک عدم وجوب کا اور یہی (دوسرا) قول امام مالکؒ ابو حنیفہؒ اور مزنی کا ہے امام شافعیؒ کے (پہلے) قول کی دلیل یہ ہے کہ بھاری ڈاڑھی کی بابت سب کا اتفاق ہے کہ اندر سے چمڑا دھونا واجب نہیں۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ ظاہر ڈاڑھی کا چمڑے کے قائم مقام ہے۔ اور جب ظاہر ڈاڑھی کا چمڑے کا حکم رکھتا ہے تو ساری ڈاڑھی کا اوپر سے دھونا واجب ہوا کیونکہ سارے چہرے کا دھونا واجب ہے۔ اور اگر عورت کو ڈاڑھی نکل آئے تو اس کا اندر سے دھونا ہر صورت میں واجب ہے خواہ بھاری ڈاڑھی ہو کیونکہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ چہرے کا دھونا واجب ہے اور چہرا اس چمڑے کا نام ہے جو ماتھے سے انتہا ٹھوڑھی تک ہے مردوں کی بابت بھاری ڈاڑھی میں اس پر عمل اس لئے نہیں کہ اس میں دقّت اور تنگی ہے اور عورتوں کی ڈاڑھی شاذ و نادر ہے۔ اس لئے عورتوں کی بابت یہ آیت اپنے اصل پر رہے گی۔ اور اس بات کو معلوم کر لینا چاہیئے کہ پانچ جگہ بھارے بالوں کی جڑوں کو پانی پہنچانا واجب ہے۔ بچہ ڈاڑھی۔ ابرو۔ لبیں رخسارے۔ پلکیں۔ کیونکہ آیہ فاغسلوا وجوھکم سارے چہرے کے دھونے پر دلالت کرتی ہے۔ صرف بھاری ڈاڑھی میں اس پر عمل نہیں۔ اور ان پانچ جگہوں کے بال تھوڑے ہیں۔ اس لئے ان کی بابت یہ آیت اپنے اصل پر رہے گی۔

تفسیر مظہری ص۱۸ میں اس آیت کے نیچے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی لکھتے ہیں:۔

الوجہ اسم لعضو معلوم مشتق من المواجھۃ وحدہ من منا بت

الشعر الی منتهی الذقن طولا ومابین الاذنین عرضا فمن ترك غسل مابین اللحیة والاذن لم یجز وضوءه عند الائمة الثلاثة خلافا لمالك ویجب ایصال الماء الی ما تحت الحاجبین واھداب العینین والشارب واما ما تحت اللحیة فان کانت خفیفة یری ما تحتها یجب غسله وان کانت کثیفة لا یری البشرة من تحتها یسقط غسل البشرة فی الوضوء کما یسقط مسح الرأس بالشعر النابت علیه والدلیل علیه اجماع الامة وفعل الرسول صلی اللہ علیه وسلم انه صلی اللہ علیه وسلم کان یغسل وجهه بغرفة واحدة رواہ البخاری من حدیث ابن عباس وکان رسول اللہ صلی اللہ علیه وسلم کث اللحیة ذکرہ القاضی عیاض وقرر ذلك فی احادیث جماعة من الصحابة باسانید صحیحة وفی مسلم من حدیث جابر کان رسول اللہ علیه وسلم کثیر شعر اللحیة قلت ولا یمکن ایصال الماء بغرفة واحدة الی تحت کل شعرة لمن کان کث اللحیة ویجب غسل ظاهر اللحیة کلها عوضا عن البشرة عند الجمهور کما فی مسح شعر الراس وبه قال ابو حنیفة رحمه اللہ فی روایة قال فی الظهیریة وعلیه الفتوی وقال فی البدائع ان ما عدا ھذہ الروایة مرجوح عنه وفی روایة عنه یجب مسح ربع اللحیة وفی روایة مسح ثلث اللحیة وفی روایة لا یجب مسح اللحیة ولا غسلها والحجة علی وجوب غسل ظاهر اللحیة کلها ان غسل البشرة سقط بالاجماع وسند الاجماع اما فعل النبی صلی اللہ علیه وسلم انه کان یغسل وجهه بغرفة واما القیاس علی سقوط مسح الراس بالشعر النابت علیه ولا شك ان مستند الاجماع نصا کان او قیاسا یدل علی ان غسل ما تحت اللحیة انما سقط لقیام الشعر مقامه ووجوب غسله بدلا عنه اما القیاس فلان حکم الاصل لیس لا سقوط مسح الراس الی بدل وھو وجوب مسح الشعر فلا بد ان یکون سقوط وظیفة الوجه اعنی الغسل ایضا الی بدل وھو وجوب غسل ما یستره من اللحیة

كيلا يلزم مزية الفرع على الاصل واما الحديث فايضا يدل على انه صلى الله عليه وسلم كان يغسل وجهه بغرفة ولا شك انه كان يغسل اللحية فظهران الاجماع منعقد على قيام اللحية مقام الوجه وسقوط وظيفة الوجه الى بدل لا بلا بدل فثبت بذلك ان وظيفة الوجه وهو غسل تمامه ثابت في بدله وهو اللحية والله اعلم - انتهى

یعنی وجہ (چہرہ) ایک مشہور عضو کا نام ہے مواجہہ سے مشتق ہے اس کی حد لمبائی میں بالوں کے اُگنے کی جگہ سے انتہا ر ٹھوڑی تک ہے. اور چوڑائی میں دونوں کانوں کا درمیان. پس جو شخص خط ڈاڑھی سے کان تک چھوڑ دے اس کا وضوء ائمہ ثلاثہ کے نزدیک جائز نہیں صرف امام مالکؒ جواز کے قائل ہیں. اور ابرؤوں کی جڑوں کو اور پلکوں کو اور لبوں کو پانی پہنچانا واجب ہے اور ڈاڑھی اگر ہلکی ہو کہ نیچے سے چمڑا نظر آتا ہو تو اس کا اندر سے دھونا واجب ہے. اور اگر ڈاڑھی بھاری ہو کہ بالوں کے اندر سے چمڑا نظر نہ آتا ہو. تو اندر سے دھونا وضو میں گر جائے گا. جیسے سر کا مسح سر کے بالوں کے ساتھ گر جاتا ہے اور دلیل اس پر اجماع امت ہے اور فعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ آپ ایک چُلّو کے ساتھ چہرہ دھوتے چنانچہ بخاری میں ابن عباس سے روایت کیا ہے. اور آپ کی ڈاڑھی بھاری تھی جیسے قاضی عیاض نے جماعت صحابہؓ سے صحیح سندوں کے ساتھ روایت کیا ہے اور صحیح مسلم میں جابر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی کے بال بہت تھے اور ایک چلو کے ساتھ بھاری ڈاڑھی والے کو بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچانا مشکل ہے ہاں اس کے عوض ظاہر ڈاڑھی کا دھونا جمہور کے نزدیک واجب ہے جیسے سر کے عوض سر کے بالوں کا مسح واجب ہے اور ایک روایت میں امام ابو حنیفہؒ اسی کے قائل ہیں ظہیریہ میں کہا ہے کہ اسی پر فتویٰ ہے. اور بدائع میں کہا ہے کہ اس کے علاوہ باقی روایتوں سے امام ابو حنیفہؒ نے رجوع کیا ہے اور ایک روایت ابو حنیفہؒ سے یہ ہے کہ چوتھائی حصے ڈاڑھی کا مسح واجب ہے. اور ایک روایت ان سے ہے کہ تہائی ڈاڑھی کا مسح واجب ہے اور ایک روایت ہے کہ نہ ڈاڑھی کا مسح واجب ہے نہ دھونا اور دلیل ظاہر کے تمام دھونے پر یہ ہے کہ اندر سے دھونا بالاجماع ساقط ہو گیا ہے اور سند اجماع فعل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا ہے کہ

آپ ایک چلّو کے ساتھ چہرہ دھوتے تھے یا مستند اجماع قیاس کرنا ہے ڈاڑھی کا سر کے مسح پر کہ جیسے سر کا مسح سر کے بالوں کے ساتھ ساقط ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ڈاڑھی کا اندر سے دھونا اُوپر کے دھونے سے ساقط ہو گیا۔ اور اس میں شبہ نہیں کہ مستند اجماع خواہ فعل نبی ہو یا قیاس اس بات پر دلالت کرتا ہے۔ کہ بھاری ڈاڑھی کا اندر سے دھونا اس لئے ساقط ہُوا ہے کہ ظاہر بالوں کا اندر کے قائم مقام ہے۔ اور ظاہر کا دھونا اندر کے دھونے کے عوض میں ہے اگر مستند اجماع قیاس ہو تو وہ اس لئے دلالت کرتا ہے کہ اصل کا حکم یہی ہے کہ اس میں سر کا مسح ویسے ساقط نہیں ہُوا بلکہ عوض کے ساتھ ساقط ہُوا ہے اور وہ عوض سر کے بالوں کا مسح واجب ہونا ہے۔ پس ضروری ہے کہ فرع میں بھی چہرے کا دھونا کسی عوض کے ساتھ ساقط ہو اور وہ عوض ظاہر ڈاڑھی کا دھونا ہے اگر فرع میں بغیر عوض کے ساقط ہو جائے تو زیادتی فرع کی اصل پر لازم آئے گی (جو قیاس کی شرائط کے خلاف ہے) اور اگر مستند اجماع حدیث ہو تو وہ اس لئے دلالت کرتی ہے۔ کہ آپ چہرے کو ایک چلو سے دھوتے تھے اور اس میں شبہ نہیں کہ آپ ڈاڑھی دھوتے تھے پس ظاہر ہو گیا کہ اجماع اس بات پر منعقد ہے کہ ڈاڑھی چہرے کے قائمقام ہے اور اس بات پر بھی منعقد ہے کہ چہرے کا دھونا عوض کے ساتھ ہے نہ بغیر عوض کے۔ پس ثابت ہو گیا کہ جیسے سارے چہرے کا دھونا واجب ہے اسی طرح اس کا عوض بھی سارا دھونا واجب ہے۔

ان عبارتوں سے کئی باتیں معلوم ہوئیں۔

ایک یہ کہ چہرے کی حد طول میں ماتھے سے انتہا ٹھوڑی تک ہے اور عرض میں ایک کان سے دوسرے کان تک۔

دوسری یہ کہ بحکم آیہ کریمہ فاغسلوا وجوھکم بالاتفاق سارے چہرے کا دھونا واجب ہے خواہ مرد ہو یا عورت تیسری بات یہ کہ جب ڈاڑھی نُس آئے تو بھاری ہونے کی صورت میں بالاجماع اندر سے دھونا واجب نہیں رہتا۔ مگر یہ مرد میں ہے عورت میں نہیں کیونکہ عورت کی ڈاڑھی نادر ہے۔ والنادر کالمعدوم یعنی نادر شئے معدوم کے حکم میں ہے۔

چوتھی بات یہ کہ اس کے ساقط ہونے پر اجماع امّت ہے نہ اجماع ائمہ احناف اور اس سے شرح وقایہ کی

عبارتیں بھی اجماع سے جو مراد ہے واضح ہو گئی۔

پانچویں بات یہ کہ اس اجماع کا مستند دو شئی ہیں۔ ایک حدیث کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چلو سے چہرہ دھوتے۔ ہلکی ڈاڑھی تو ایک چلو کے ساتھ اندر باہر سے تر ہو سکتی ہے بھاری مشکل ہے دوسرا مستند قیاس ہے کہ سر کا مسح بوجہ بالوں کے گر جاتا ہے اور علت اس کی دفع حرج ہے تو وہی وجہ ڈاڑھی میں بھی ہے اور اگر پگڑی پر مسح کرنے کی حدیث کو دیکھا جائے تو اور سہولت ہو جاتی ہے کیونکہ پگڑی اتار کر مسح کرنے میں کوئی زیادہ دقت نہیں لیکن پھر بھی رخصت ہے پس ڈاڑھی میں بطریق اولیٰ رخصت ہونی چاہیئے کیونکہ اس کے اندر سے دھونے کا حکم ہو تو اس میں بہت دقت ہے۔

چھٹی بات یہ ہے کہ ہلکی ڈاڑھی کی حد بالوں کے اندر سے چمڑا نظر آئے۔ بھاری اس کے خلاف ہے۔ کیونکہ بال چمڑے کا حکم اسی وقت لیں گے جب چمڑے کو ڈھانک لیں۔ اس بناء پر سوال میں جو کہا گیا ہے کہ ہلکی بھی ایک چلو کے ساتھ اندر سے تر نہیں ہوتی یہ غلطی ہے کیونکہ جب ایسی ہلکی ہو کہ سامنے کھڑے ہوئے آدمی کو اندر کا چمڑہ نظر آئے تو بالوں کی جڑوں میں خاصہ بُعد ہو گا۔ پس اس کا ایک چلو سے تر ہونا معمولی بات ہے۔

ساتویں بات یہ ہے کہ جب ڈاڑھی کا اندر سے دھونا گر گیا تو ظاہر اس کے قائمقام ہو گیا پس اس کے عوض ظاہر کا دھونا واجب ہو گا۔ جمہور کا مذہب یہی ہے دلیل اس کی یہ ہے کہ آیہ کریمہ فاغسلوا وجوھکم اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ وجہ کا دھونا واجب ہے اور ڈاڑھی وجہ میں داخل ہے اندر کا دھونا دفع حرج کی وجہ سے ساقط ہو گیا۔ پس ظاہر ڈاڑھی کا اپنے اصل پر رہے گا۔ دوسری دلیل یہ ہے کہ مستند اجماع اگر حدیث ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک چلو سے چہرہ دھوتے تھے۔ تو یہ چہرہ ماتھا ناک منہ ظاہر ڈاڑھی ہی ہو سکتا ہے کیونکہ ایک چلو سے ڈاڑھی کے اندر تک پانی پہنچانا مشکل ہے اور اگر مستند اجماع قیاس ہو تو یہ بھی چاہتا ہے کہ ظاہر کا دھونا واجب ہو کیونکہ سر کے مسح کے قائم مقام بالوں کا مسح ہے۔ تو ڈاڑھی کے اندر کے قائم مقام بھی کوئی شئی ہونی چاہیئے تاکہ فرع کی زیادتی اصل پر لازم نہ آئے کیونکہ بغیر عوض کے گرنا عوض کے ساتھ گرنے سے زیادہ سہولت رکھتا ہے

آٹھویں بات یہ کہ ڈاڑھی کا جو حصہ نیچے لٹکتا ہے۔ اس کا دھونا بھی واجب ہے۔

دلائل | دلائل اس کے تین ہیں۔ ایک یہ کہ وجہ مواجہہ سے ماخوذ ہے پس ساری ڈاڑھی کا حکم وجہ کا ہو گا دوسری دلیل یہ کہ جب ظاہر ڈاڑھی کا اندر کے قائم مقام ہے یعنی اصل میں وجہ تو چمڑے کا نام ہے۔ جو ماتھے انتہا ٹھوڑی تک ہے اب جہاں بال اُگ آئے وہاں ظاہر بالوں کا نام ہو گیا۔ پس بحکم آیہ کریمہ فاغسلوا

وجوھکم ظاہر ساری ڈاڑھی کا دھونا واجب ہوگا۔ تیسری دلیل یہ کہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ جب اللہ کے حکم کے مطابق چہرہ کو دھوتا ہے تو چہرے کے گناہ ڈاڑھی کی اطراف سے گر جاتے ہیں۔ پس معلوم ہوا کہ ڈاڑھی بھی وجہ ہے اور دھونے کا حکم جو قرآن میں ہے اس میں وہ داخل ہے اور یہ کہنا کہ سر کے بال جو نیچے لٹکتے ہیں۔ ان پر مسح ضروری نہیں تو ڈاڑھی کے بال جو نیچے لٹکتے ہیں۔ ان کا دھونا کیوں ضروری ہوگا یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ نص کے مقابلہ میں قیاس ہے پھر یہ قیاس صحیح بھی نہیں کیونکہ سر کے بال جو نیچے لٹکتے ہیں ان کے مسح کا حکم تو شرع نے اس لئے نہیں دیا کہ بہت دفعہ ان کا مسح سر کے مسح کے ساتھ مشکل ہے مثلاً عورت آگے سے پیچھے کو ہاتھ لے جائے تو جہاں تک اس کے بال لٹکتے ہیں نہیں لے جاسکتی ہاں بالوں کو اٹھا لے یا آگے کو کرے تو مسح کر سکتی ہے مگر سر کے مسح کی کیفیّت کے خلاف ہے بلکہ شرع نے جہاں مسح کا حکم دیا ہے وہاں اس شئی کی بابت اپنے حال پر ہاتھ پھیرنے کا حکم دیا ہے یہ نہیں فرمایا کہ اس شئی کو وہاں سے ہٹا کر ہاتھ پھیرو کیونکہ اس صورت میں وہ شئی اس عضو کا حکم نہیں رکھے گی مثلاً پٹی پر مسح موزے پر مسح جرابوں پر مسح ان سب کی صورت یہی ہے۔ پس سر کے مسح کے قائم مقام بھی سر کے بالوں کا مسح اسی حد تک ہوگا جہاں تک سر کے مسح کی کیفیّت نہ بدلے ورنہ وہ سر کا مسح نہیں کہلائے گا۔ برخلاف ڈاڑھی کے کہ اس کا جو حصہ نیچے لٹکتا ہے اس میں دھونے کی کیفیّت نہیں بدلتی۔

نویں بات یہ کہ ڈاڑھی کے سوا کسی اور جگہ بال ہوں خواہ ہلکے ہوں یا بھاری ان کے اندر پانی پہنچانا ضروری ہے۔ جیسے ابرو پلکیں لبیں وغیرہ کیونکہ یہ بال تھوڑے ہوتے ہیں۔ اور اسی بناء پر عنفقہ (یعنی بچہ ڈاڑھی) کی جڑوں تک پانی پہنچانا ضروری ہے حالانکہ وہ ڈاڑھی میں داخل ہے۔ اور جو اسے خارج سمجھتے ہیں۔ ان کی غلطی ہے کیونکہ جو بال نیچے کے جباڑے پر ہیں ان کے ڈاڑھی میں داخل ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

دسویں بات یہ کہ جو بال گلے میں گھنڈی پر ہیں۔ وہ وجہ میں داخل نہیں مگر عرفاً چونکہ ڈاڑھی ہی کہلاتے ہیں اور مرد و عورت میں امتیاز ہیں۔ اس لئے احتیاطاً دھو لینے چاہئیں۔ تلك عشرة كاملة

اجماع خود دلیل ہے جس مسئلہ پر اجماع اُمّت ہو اس کی بابت یہ نہیں کہا جا سکتا کہ یہ کس دلیل سے ثابت ہے کیونکہ اجماع خود ایک زبردست دلیل ہے ہاں انعقاد اجماع کے لئے کوئی مستند یا داعی ہونا ضروری ہے۔ خواہ کوئی آیت و حدیث ہو یا قیاس ہو جب منعقد ہو جائے تو اب خواہ اس مستند یا داعی کا ہمیں علم ہو یا نہ ہر صورت مسئلہ ماننا پڑے گا۔ کیونکہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم فرماتے ہیں

لا تجتمع امتی علی الضلالۃ یعنی میری اُمّت گمراہی پر جمع نہیں ہوتی چنانچہ اس کی زیادہ اور مفصّل تحقیق ہمارے رسالہ اہلسنت کی تعریف کے صـ۳۲۴ لغایت صـ۳۷۹ / ۳۸۰ میں موجود ہے۔ پس سوال میں سقط غسل ما تحتہا لکھ کر جو کہا گیا ہے۔ کہ اس کا مسقط کون ہے یہ کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ آگے بالاجماع پڑا ہے۔ ہاں اگر اس نیت سے کہا گیا ہے کہ اس عبارت میں شاید اجماع سے مراد اجماع ائمہ احناف ہو کیونکہ کتب احناف میں بہت دفعہ اجماع سے مراد اجماع ائمہ احناف ہوتا ہے تو یہ کہنا ٹھیک ہے کیونکہ اجماع ائمہ احناف کوئی دلیل نہیں۔ فافہم

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۱۰ صفر ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۵ جون ۱۹۳۲ء

بسم اللہ کا پڑھنا

سوال:۔ وضوء کے شروع میں بسم اللہ پوری پڑھی جائے یا صرف بسم اللہ پر کفایت کی جائے؟

جواب:۔ وضوء کے شروع میں بسم اللہ خواہ پوری پڑھے یا صرف بسم اللہ پر کفایت کرے دونوں طرح جائز ہے۔ حدیث میں ہے۔ لا وضوء لمن لم یذکر اسم اللہ علیہ یعنی اس شخص کا وضوء نہیں جو اللہ کا نام نہیں لیتا۔ اس حدیث میں صرف اسم اللہ کا ذکر ہے۔ مغنی ابن قدامہ میں ہے کہ اسم اللہ سے مراد بسم اللہ ہے اس کی تائید طبرانی کی حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے اذا توضئت فقل بسم اللہ والحمد للہ یعنی وضوء کرتے وقت بسم اللہ والحمد للہ پڑھ۔ تو بسم اللہ سے یا تو صرف بسم اللہ مراد ہے یا پوری بسم اللہ مراد ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

ناک اور منہ کا صاف کرنا

سوال:۔ ناک اور منہ کو دھونے کا کیا طریقہ ہے؟

جواب:۔ پانی کا ایک چلّو لیکر آدھا منہ میں ڈالے اور آدھا ناک میں چڑھائے۔ یہ عمل تین مرتبہ کرے اور ایسا بھی جائز ہے کہ منہ کے لئے الگ چلّو لے اور ناک کے لئے الگ ہر مرتبہ بائیں ہاتھ سے ناک صاف کرے۔

عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

ڈاڑھی کا خلال

سوال:۔ وضوء کرتے وقت ڈاڑھی کا خلال کس طرح کیا جائے۔ کیا وہ فرض ہے یا سنّت؟

جواب:۔ ڈاڑھی کا خلال سنت ہے۔ جس کا طریق یہ ہے۔ کہ پانی کا چلّو لے کر ہاتھوں کی انگلیاں پانی سے تر کرکے ڈاڑھی کے بالوں میں داخل کرکے ملے تاکہ بالوں کی جڑوں تک پانی پہنچ جائے اور اچھی طرح تر ہو جائیں۔

عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

پگڑی پر مسح

سوال:۔ سر کا مسح کس طرح کیا جائے۔ کیا پگڑی پر بھی مسح جائز ہے؟

جواب:۔ سر کا مسح کرنے کا طریق یہ ہے۔ کہ پورے سر کا مسح کیا جائے پیشانی پر دونوں ہاتھ رکھ کر گدی تک ان کو لے جایا جائے پھر گدی سے پیشانی تک واپس لایا جائے پھر دونوں ہاتھ کی شہادت کی انگلی جو انگوٹھے کے متصل ہے جس کو عربی میں سبابہ یا سباحنہ کہتے ہیں۔ دونوں کانوں کے سوراخ میں رکھ کر کان کے اندر پھیرنے کیساتھ انگوٹھوں کو کانوں کی پشت پر پھیرا جائے۔

اگر صرف پیشانی پر مسح کرکے باقی پگڑی پر کر لیا جائے تو بھی کافی ہے۔ صرف پگڑی پر بھی مسح کافی ہے۔ لیکن پھر پگڑی سر پر رہے اگر اتار دی جائے تو مسح ٹوٹ جائے گا۔ اور وضوء نئے سرے سے کرنا پڑے گا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

گردن کا مسح

سوال:۔ جو لوگ اُلٹے ہاتھوں سے گردن کا مسح کرتے ہیں۔ کیا یہ سُنّت ہے؟

جواب:۔ گردن کا مروّجہ مسح ثابت نہیں۔ وہ یہ ہے کہ سر کے مسح کے بعد دونوں ہاتھ اُلٹے کرکے گردن کے دونوں جانب پھیرتے ہیں۔

عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

وضوء میں اعضاء کا تین دفعہ سے زیادہ دھونا

سوال:۔ حدیث میں ہے کہ اعضاء وضو کو تین بار سے زائد دھونے والا حد سے گذرنے والا زیادتی کرنے والا اب اگر کوئی امام اعضاء وضوء کو چار۔ چھ آٹھ دس مرتبہ دھوئے تو اس کا وضو سنت

کے مطابق ہوگا۔ یا خلاف سنت اگر خلاف سنت ہوگا تو اس کی نماز اس وضو سے ہوگی یا نہ اگر نہ ہوئی تو مقتدیوں کی نماز ہوگی یا نہ؟

جواب: جو امام مسجد اعضاء وضو کو تین تین بار سے زائد چار۔ چھ۔ آٹھ دس مرتبہ دھوئے اگر اس کا ایسا کرنا اس وجہ سے ہے کہ وہ شکی اور وسواسی ہے۔ اور محض اپنے اطمینان قلب کے لئے ایسا کرتا ہے تو اس کا وضو درست ہو جائے گا۔ اس کی اور اس کے مقتدیوں کی نماز صحیح ہوگی۔ لیکن ایسے امام کو ہدایت کرنی چاہیئے کہ وہ اعضاء وضو کو تین تین بار کامل طور سے دھو کر بس کر دے اور تین بار سے زائد ہرگز نہ دھوئے اگر اس ہدایت پر عمل کرے تو خیر ورنہ ایسے امام کو معزول کر کے کسی دوسرے شخص کو امام بنانا چاہیئے۔ جو شکی اور وسواسی نہ ہو۔ اور اگر اس امام کا ایسا کرنا اس وجہ سے ہے۔ کہ وہ اعضاء وضو کو تین بار سے زائد دھونے کو جائز و درست سمجھتا ہے تو ایسا شخص بلاشبہ مخالف سُنّت ظالم و عاصی ہے۔ ایسے شخص کو ہرگز امام نہ بنانا چاہیئے۔

عن عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صلی اللہ علیه وسلم یَسْئَلُهٗ عَنِ الْوُضُوْءِ فَاَرَاهُ ثَلَاثًا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ هٰکَذَا الْوُضُوْءُ فَمَنْ زَادَ عَلٰی هٰذَا فَقَدْ اَسَاءَ وَتَعَدّٰی وَظَلَمَ رواه النسائی وابن ماجة

یعنی ایک دیہاتی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سوال کیا۔ آپ نے وضوء کے ہر فعل کو تین مرتبہ کر کے دکھایا۔ اور فرمایا جس نے اس پر زیادتی کی وہ گنہگار اور ظالم ہے۔ روایت کیا اس کو نسائی اور ابن ماجہ نے۔

جامع الترمذی میں ہے۔

وقال احمد واسحٰق لا یزید علی الثلاث الا رجل مبتلی قال القاری فی المرقاة ای بالجنون لمظنة انه بالزیادة یحتاط لدینه قال ابن حجر ولقد شاهدنا من الموسوسین من یغسل یده فوق المئین وهو مع ذالك یعتقد ان حدثه هو الیقین انتهی

یعنی احمدؒ۔ اسحٰقؒ فرماتے ہیں۔ کہ تین مرتبہ پر زیادتی صرف مبتلا ہی کر سکتا ہے۔ یعنی مجنوں (سر پھرا) جو احتیاطاً ایسا کرتا ہے۔ علامہ ابن حجر رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں۔ کہ ہم نے وہمیوں کو دیکھا۔ کہ وہ ہاتھ کو سو سے زائد مرتبہ دھونے کے باوجود ناپاک سمجھتے تھے۔ عبداللہ امرتسری از روپڑ ۱۵ رمضان المبارک ۱۳۵۳ھ

اندرون چشم اور حاجب کا دھونا

سوال:۔ اندرون چشم اور حاجب کا دھونا فرض ہے یا نہیں ؟

جواب:۔ اندرون چشم سے مراد اگر موقین (گوشہائے چشم) ہیں۔ تو ان کے دھونے کی حدیث آتی ہے۔ ان کے علاوہ اندرون چشم کا دھونا کوئی حکم نہیں ہے۔ جتنا حصہ آنکھ کا ڈھل سکتا ہے۔ اس کو دھوئے قال اللہ تعالیٰ فاغسلوا وجوھکم الآیۃ عرف میں وجہ ظاہری چہرہ کا نام ہے۔ چہرہ دھونے کے ساتھ آنکھیں بھی دھوئی جاتیں ہیں۔

ابو محمد عبد الجبار سلفی ۱۶ ر جمادی الاوّل ۱۳۵۷ھ

مؤید محدث روپڑی ۱۶ ر جمادی الاوّل ۱۳۵۷ھ

تین ہاتھ پیدا ہونیکی صورت میں تیسرے کا دھونا

سوال:۔ جس کے ایک طرف دو ہاتھ پیدا ہو جائیں اس پر دونوں کا دھونا فرض ہے یا ایک کا ؟

جواب:۔ جس کے دو ہاتھ پیدا ہو جائیں وہ دونوں ہاتھوں کو دھوئے قرآن نے غسل ایدی کا حکم دیا ہے۔ اس میں ایک دو کی کوئی قید نہیں۔

ابو محمد عبد الجبار سلفی کھنڈیلوی

مؤید محدث روپڑی ۱۶ ر جمادی الاوّل ۱۳۵۷ھ

مقطوع الیدین والرجلین کا حکم

سوال:۔ مقطوع الیدین والرجلین و مجروح الوجہ کا کیا حکم ہے بلا وضوء نماز پڑھے۔ یا مسح یا تیمم کرے ؟

جواب:۔ مقطوع الیدین والرجلین بلا وضوء نماز پڑھے کیونکہ جب اس کے اعضاء وضوء ہی نہیں۔ تو اس پر وضوء کرنا بھی فرض نہیں لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا الآیۃ ایسا شخص آیت وضو کا مخاطب ہی نہیں۔ آیت قرآنی میں خطاب اسی کو ہے جس کے ہاتھ پیر ہیں۔ ہاں جس طریق سے اس کی ضروریات کھانے پینے کی پوری ہوتی ہیں۔ ویسے ہی اگر اس کو کوئی وضوء کرا دے تو وضوء کر کے نماز پڑھے ورنہ جس طرح ہو سکے نماز ادا کرے الدین یسر وما جعل علیکم فی الدین من حرج۔

ابو محمد عبد الجبار سلفی کھنڈیلوی

مؤید محدث روپڑی ۱۶ ر جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

وضو کے بعد کپڑے کے اوپر شرمگاہ پر چھینٹے مارنا

سوال:۔ حدیث پاک میں ہے کہ وضو کے بعد شرمگاہ پر کپڑے کے اوپر چھینٹے مارنے چاہئیں۔ زید کہتا ہے کہ ایسا کرنا سنت ہے بکر کہتا ہے فضول ہے یہ کوئی حدیث نہیں۔ نسائی شریف میں حدیث دکھائی گئی تو بکر نے کہا کہ یہ ضعیف ہے۔ امام ترمذی اور امام نسائی نے ضعیف کہا ہے۔ اس مسئلہ کو وضاحت سے بیان فرمائیں۔ حکیم محمد حسین مقام چک ۱۷۱ اے۔ ایل منٹگمری ڈاکخانہ خاص

جواب:۔ حدیث اگرچہ ضعیف ہے۔ مگر محدثین کا اصول ہے۔ کہ ایسے مسائل میں ضعیف حدیث پر بھی عمل درست ہے۔ عبد اللہ امرتسری روپڑ ضلع انبالہ ۵ ر ذی الحجہ ۱۳۵۷ھ ۱۲ ر فروری ۱۹۳۹

وضو کے درمیان کلمہ شہادت، وضو کے شروع میں اعوذ کا حکم

سوال:۔ جب لوگ وضو کرنا شروع کرتے ہیں۔ تو اعوذ پڑھ کر بسم اللہ پڑھتے ہیں۔ اور درود پڑھا جاتا ہے۔ اس کا کیا حکم ہے نیز وضو کی حالت میں کلمہ شہادت پڑھا جائے تو کیا کلمہ شہادت دھویا جاتا ہے۔ اس صورت میں کلمہ شہادت درمیان میں پڑھنے کی بجائے بعد میں پڑھا جائے۔

مولا بخش انجنیئر

جواب:۔ کلمہ شہادت وضو کے بعد پڑھنا ثابت ہے درمیان ثابت نہیں۔ رہا یہ کہنا کہ درمیان پڑھنے سے دھویا جاتا ہے۔ اس کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ سو جو کچھ ثابت ہے وہی کہنا چاہیئے اور وہی کرنا چاہیئے اس کا خلاف کرنا ٹھیک نہیں۔ نیز شروع وضو میں اعوذ کا بھی کوئی ثبوت نہیں نہ درود شریف کا ہاں بسم اللہ آتی ہے پس بسم اللہ پر کفایت کرنی چاہیئے۔ عبد اللہ روپڑی ۸ ر جمادی الاول ۱۳۵۸ھ ۷ ر جولائی ۱۹۳۹ء

نماز جنازہ کے وضو سے نماز ادا کرنا

سوال:۔ جو وضو نماز جنازہ کے لئے کیا گیا ہو اس سے دوسری نماز پڑھی جا سکتی ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جنازہ کے وضو سے نماز درست ہے کیونکہ جنازہ بھی نماز ہے۔ اس کی مثال ایسی ہے جیسے ظہر کے لئے وضو کرے تو اس سے عصر جائز ہے یا نفل کے لئے وضو کرے تو فرض جائز ہیں۔ اس طرح جنازہ کا وضو سمجھ لینا چاہیئے۔ بلکہ قرآن مجید پڑھنے کے لئے جو وضو کرے اس سے بھی نماز پڑھ سکتا ہے۔ تو پھر جنازہ کے وضو سے نماز کیوں نہیں پڑھ سکتا۔ قرآن مجید تو نماز نہیں۔ جنازہ نماز ہے۔ اصل یہ مسئلہ کچھ اور ہے۔ اس کو لوگوں نے کچھ اور بنا لیا حدیث میں ہے جو میت کو غسل دے وہ غسل کرے جو جنازہ اٹھائے وہ وضو کرے یہ اصل مسئلہ ہے اس کو لوگوں نے یوں بنا لیا۔ کہ جنازہ کے وضو سے نماز نہ پڑھنی چاہیئے۔ کیونکہ عموماً وضو کے بعد جنازہ اٹھانے کا اتفاق ہو جاتا ہے حالانکہ اس میں جنازہ اور نماز میں کوئی فرق نہیں جیسے جنازہ اٹھانے کے بعد نماز جنازہ کے لئے وضو کی ضرورت ہے۔ اس بارہ میں جنازہ اور نماز کا ایک ہی حکم ہے۔ پھر یہ کوئی حکم ضروری نہیں۔ بلکہ استحبابی ہے یعنی جنازہ اٹھانے کے بعد نماز جنازہ کے لئے وضو کرنا کوئی ضروری نہیں مستحب ہے اس طرح غسل میت کے بعد غسل بھی ضروری نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۵ محرم ۱۳۵۶ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۳۷ء

وضو کرتے ہوئے کلام کرنا

سوال:۔ وضو کرتے ہوئے باتیں کرنا کیسا ہے؟

جواب:۔ وضو میں السلام علیکم کہہ دے تو کوئی حرج نہیں۔ اشارہ سے بھی جواب ہو سکتا ہے کسی حدیث میں ممانعت نہیں آئی ہاں فضول باتوں سے ضرور پرہیز چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ۴ صفر ۱۳۵۶ھ

سوال:۔ جو روٹی لید یا گوبر کے ذریعہ پکائی گئی ہو اس کا کھانا جائز ہے یا نہیں۔ اس طرح جو پانی لید یا گوبر کے کنڈوں سے گرم کیا گیا ہو اس سے وضو جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ جو روٹی لید۔ گوبر کے ذریعہ پکائی جائے اس کا کھانا جائز ہے۔ کیونکہ ماکول اللحم جانور کا گوبر بروئے حدیث پاک ہے۔ اور اکثر لوگ بھینس گائے۔ اونٹ وغیرہ کا گوبر استعمال کرتے ہیں۔ اور یہ ماکول اللحم جانور ہیں امام محمد کا بھی یہی فتویٰ ہے۔ یہی حال اس پانی کا ہے جو لید یا گوبر کے کنڈوں سے گرم کیا گیا ہے۔ اس پانی سے وضو جائز ہے۔

ابو محمد عبد الجبار سلفی مدرسہ مصباح القرآن کھنڈیلہ جے پور

اس فتویٰ کی تائید حضرت محدث روپڑی نے کی ہے۔

۱۶ جمادی الاول ۱۳۵۷ھ

وضو میں پاؤں کا مسح

سوال:۔ دارقطنی، مسند احمد میں حدیث ہے۔

(۱) عن رفاعة بن رافع ان رسول الله قال للمسئ صلوته انها لا تتم صلوة احدكم حتى يسبغ الوضوء كما امر الله يغسل وجهه ويديه الى المرفقين ويمسح برأسه ورجليه الى الكعبين (دارقطنی)

(۲) عن عثمان انه دعا بماء فتوضأ ومضمض واستنشق ثم غسل وجهه ثلاثا ويديه ثلاثا ومسح برأسه وظهر قدميه ثم ضحك (مسند احمد جلد اوّل)

(۳) عن عبد خير قال رأيت عليا دعا بماء ليتوضأ فتمسح به تمسحا و مسح على ظهر قدميه ثم قال هذا وضوء من لم يحدث۔

(مسند احمد جلد اوّل ص۵۹)

ان احادیث سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ وحضرت علی کرم اللہ وجہہ وضو میں پاؤں دھونے کی بجائے ان پر مسح ہی فرماتے تھے۔

جواب:۔ رفاعہ رضؓ کی حدیث کے الفاظ مثل قرآن کے ہیں۔ اور قرآن کے الفاظ میں وارجلکم کا عطف وجوھکم پر ہے۔ اور حدیث رفاعہ میں کما امر اللہ بھی اسی طرف اشارہ ہے۔

نمبر ۲ کی حدیث میں جو عثمان رضی اللہ عنہ کی ہے وہ مسند احمد سے ساری نقل نہیں کی اس کے اخیر میں طھر قدمیہ حرف طا مہملہ کے ساتھ ہے۔ جس کے معنی "پاؤں کو پاک کیا" کے ہیں۔ پس اس سے بھی پاؤں کا مسح ثابت نہ ہوا۔ اس کے علاوہ مسند احمد کے اسی صفحہ ۵۹ میں دوسری روایت میں پاؤں کے دھونے کی تصریح ہے۔ چنانچہ اس کے الفاظ یہ ہیں۔ ثم غسل قدمه اليمنى ثلاثا ثم اليسرى كذالك

نمبر۳ کی حدیث میں جو حضرت علی رضؓ سے مروی ہے۔ وہ مسند احمد جلد اوّل ص۵۹ میں نہیں ہے۔ بلکہ ص۱۱۶ میں ہے۔ اس میں سارا وضو مسح ہے۔ صرف پاؤں کا مسح ہی نہیں۔ اور مسح سے مراد ہلکا ہلکا وضوء ہے۔ کیونکہ منہ اور ہاتھ کا مسح تو کسی کے نزدیک جائز نہیں۔ اس کے علاوہ جب انسان باوضوء ہو تو مسح حقیقی مراد ہونے میں بھی مخالف کی دلیل نہیں بنتی۔ کیونکہ مخالف تو بے وضو ہونے کی حالت میں بھی مسح کا قائل ہے

حالانکہ اس حدیث میں تصریح ہے۔ هَذَا وُضُوءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ ۔

عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۹ ربیع الثانی ۱۳۵۹ھ ۷ جون ۱۹۴۰ء

تقطیر البول مرض میں مبتلا شخص کے وضوء کا حکم

سوال:۔ ایک آدمی کو تقطیر البول کی بیماری ہے۔ اس کے کپڑے پاک نہیں رہتے۔ وضوء کرنے کے بعد فوراً ایک قطرہ نکل پڑتا ہے۔ وہ نماز کے لئے کیا کرے؟ کیا دوبارہ وضوء کرے اور اپنے کپڑوں کو ہر نماز میں بدلتا رہے۔ بینوا توجروا۔ عبدالرحمٰن حصاری خطیب جامع مسجد اہلحدیث کمالیہ ضلع لائلپور

جواب:۔ ایسے شخص کے لئے ایک ہی دفعہ وضو کافی ہے۔ لیکن یہ وضو ایک ہی نماز کے لئے ہوگا۔ دوسری کے لئے نہیں مثلاً اس نے ظہر کے لئے وضو کیا ہے تو عصر کے لئے الگ وضو کرنا پڑے گا ظہر کی سنتوں وغیرہ کے لئے نئے وضو کی ضرورت نہیں۔ ظہر کا وضو ظہر کے وقت کے اندر اندر جو نماز پڑھی جائے اس کے لئے کافی ہوگا۔ چنانچہ استحاضہ والی عورت کا بھی یہی حکم ہے ملاحظہ ہو مشکوٰۃ وغیرہ

عبداللہ روپڑی جامعہ اہلحدیث قدس رام گلی ۵ لاہور

سوال:۔ پاد نے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے مگر پاد نے کی جگہ کو دھویا نہیں جاتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟

جواب:۔ ریح بدبودار ہے اور حدیث میں ہے کہ جس شئے سے ابن آدم کو تکلیف پہنچتی ہے۔ اس سے فرشتوں کو بھی تکلیف پہنچتی ہے۔ تو گویا پادنے سے انسان قصوروار ہوگیا۔ اور وضو سے قصور جھڑ جاتے ہیں حدیث میں ہے ہر گناہ اعضاء وضو سے گر جاتا ہے۔ اس لئے پاد کی جگہ دھونے کی ضرورت نہیں۔ عبداللہ امرتسری

وضو توڑنے والی اشیاء

سوال:۔ وضو کن اشیا سے ٹوٹتا ہے؟

جواب:۔ پاخانہ پیشاب کی راہ سے کسی چیز کا نکلنا خواہ ہوا ہو یا کوئی چیز ہو وضو کو توڑ دیتا ہے۔ لیٹے ہوئے نیند آجائے تو اس سے بھی وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر تکیہ لگائے بیٹھا ہو اور اس حالت میں نیند آجائے تو وضو کر لینے میں احتیاط ہے۔ اسی طرح اونٹ کا گوشت کھانے یا قے کرنے یا نکسیر پھوٹنے یا شہوت کے ساتھ شرمگاہ کو یا عورت کو چھونے یا جنازہ کو کندھا دینے سے بھی وضو کر لینے میں احتیاط ہے

شرمگاہ دیکھنے سے وضو نہیں ٹوٹتا۔ عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

سوال: سورج کی گرمی سے یعنی دھوپ سے جو پانی گرم ہو جاتا ہے اس سے وضو ہو جاتا ہے یا نہیں؟

جواب: مشکوٰۃ باب المیاہ میں ہے۔ عن عمرؓ بن الخطاب قَالَ لَا تَغْتَسِلُوا بِالْمَاءِ الْمُشَمَّسِ فَاِنَّهٗ يُوْرِثُ الْبَرَصَ رواہ الدارقطنی۔ یعنی دھوپ سے گرم پانی کے ساتھ غسل نہ کرو کیونکہ وہ پھلبہری کو پیدا کرتا ہے ۔۔۔۔ دارقطنی میں بعض اور روایتیں بھی ہیں۔ جن کا مطلب یہی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ طبی لحاظ سے بیان کیا گیا ہے۔ اور طبی حیثیت سے اتفاقیہ استعمال چنداں مضر نہیں۔ اس لئے اگر اور پانی نہ ملے تو اسکا استعمال کر لینا حرج نہیں جنگل میں جو ہڑوں کے پانی کے استعمال کی بابت مشکوٰۃ وغیرہ میں احادیث موجود ہیں حالانکہ وہ عموماً دھوپ سے گرم ہو جاتا ہے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی۔ ۲ ربیع الثانی ۱۳۵۲ھ مطابق ۲ اگست ۲۴ء

وضو کے بعد شرمگاہ کو چھونا

سوال: شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب: بعض کہتے ہیں شرمگاہ کو ہاتھ لگانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے بعض کہتے ہیں۔ کہ نہیں ٹوٹتا۔ احادیث ہر دو طرف ہیں۔ احتیاط اس میں ہے کہ وضو کر لیا جائے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

وضو کے بعد عورت کو چھونا

سوال: عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹتا ہے یا نہیں؟

جواب: شافعیہ کہتے ہیں کہ عورت کو چھونے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے۔ حنفیہ کہتے ہیں کہ نہیں ٹوٹتا۔ ہم کسی طرف زور نہیں دیتے ہاں اگر کوئی احتیاط کرے تو وضو کرے۔ عبداللہ امرتسری روپڑی

مسواک کا بیان

مسواک کس ہاتھ سے کرنی چاہیئے؟

سوال: مسواک دائیں ہاتھ سے کرنی چاہیئے۔ یا بائیں ہاتھ سے؟ بینوا توجروا

جواب:۔ شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ نے اپنے فتاویٰ جلد ۵ ص۲۱ میں لکھا ہے۔

یستحب السواک بالید الیسریٰ لانہ دفع القذرات والاذی من الفم اوکما قال

"مسواک بائیں ہاتھ سے کرنا افضل و مستحب ہے کیونکہ وہ منہ کی مکروہ اور قبیح چیزوں کے نکالنے اور دفع کرنے کا سبب ہے۔"

اقول بتوفیق الموفق۔ ورد فی الحدیث رواہ ابونعیم عن ابن عباسؓ مرفوعًا قال السواک یذھب البلغم الحدیث (تلخیص الحبیر ص۲۵)

یعنی "مسواک بلغم کو دفع کرتی ہے پس بناء علیٰ ہذا مسواک بائیں ہاتھ سے کرنا بہتر و افضل معلوم ہوتا ہے۔" واللہ اعلم بالصواب

تجربہ بھی اس پر شاہد ہے اور اسی کا مؤید ہے کہ واقعہ مسواک کرتے وقت کئی دفعہ دیکھا گیا ہے کہ منہ سے تھوک، مخاط، بلغم، لعاب وغیرہ ہاتھ[1] پر گرتے ہیں۔ پس مناسب ہے کہ وہ بائیں ہاتھ پر گریں اور ان کو بائیں ہاتھ ہی سے نکالا جائے۔ چنانچہ حدیث شریف میں ہے۔

کانت ید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الیمنیٰ لطھورہ وطعامہ وکانت یدہ الیسریٰ لخلائہ وما کان من اذی رواہ الامام ابوداؤد وقال المنذریؒ اخرجہ البخاری ومسلم والترمذی والنسائی وابن ماجۃ (عون المعبود ص۱۳ ج ۱)

یعنی "نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا دایاں ہاتھ کھانا کھانے اور دیگر پاکیزہ امور کے لئے تھا اور بایاں ہاتھ استنجاء اور اس قسم کے دوسرے کاموں کے لئے۔"

تنبیہ۔ حدیث شریف میں آیا ہے :۔

عن عائشۃ رضؓ قالت کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن فی تنعلہ وترجلہ وطھورہ وفی شانہ متفق علیہ۔" نیل الاوطار ص۲۱۲ ج ۲ تلخیص الحبیر ص۳۲ جلد ۱۔ وقال الحافظ ابن حجرؒ فی شرح البخاری ص۱۳۵ ج ۱۔ زاد ابوداؤد عن مسلم بن ابراھیم عن شعبۃ وسواکہ انتھیٰ۔ واقول بتوفیق ربی ان ھذہ الزیادۃ فی

---

[1] منہ سیدھا سامنے کو رکھے پھر نہیں گرتے۔ نیز یہ اتفاقی امر ہے اس پر حکم مرتب نہیں ہو سکتا۔ ۱۲ "تنظیم اہلحدیث"

سنن ابی داؤد موجودۃ وللہ الحمد۔ ولفظ ابی داؤد ھکذا۔ کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یحب التیامن ما استطاع فی شانہ کلہ فی طھورہ وترجلہ وتنعلہ قال مسلم ابی ابراھیم (احد رواۃ الحدیث وھو ثقۃ) وسواکہ ولم یذکر فی شانہ کلہ۔ قال ابوداؤد رہ رواہ عن شعبہ معاذ ولم یذکر وسواکہ عون المعبود ص۲۱۸ ج ۱)

اس حدیث کے متبادر الی الفہم معنی یہی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک دائیں ہاتھ سے کرنا دوست رکھتے تھے۔ شاید محدثین شارحین کتب احادیث رحمۃ اللہ علیہم نے اس حدیث کے ماتحت اسی واسطے یوں لکھا ہے:

قال النووی رہ ھذہ قاعدۃ مستمرۃ فی الشرع وھی ان ما کان من باب التکریم والتشریف کلبس الثواب والسراویل والخف ودخول المسجد والسواک والاکتحال وتقلیم الاظفار وقص الشارب وترجیل الشعر ونتف الابط وحلق الرأس والسلام من الصلوٰۃ وغسل اعضاء الطھارۃ والخروج من الخلاء والاکل والشرب والمصافحۃ واستلام الحجر الاسود وغیرہ ذلک مما ھو فی معناہ یحب التیامن فیہ واما ما کان بضدہ کدخول الخلاء والخروج من المسجد والامتخاط والاستنجا وخلع الثوب والسراویل والخف وما اشبہ ذٰلک فیستحب التیاسر فیہ وذٰلک کلہ لکرامتہ الیمین۔ (نیل الاوطار ص۲۱۲ ج ۱)

مگر اس عاجز کے علم وفہم میں یوں ہے کہ اس حدیث مبارک کا مطلب یہ ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والتسلیم کو یہ بات مرغوب خاطر تھی کہ ہر کام کو دائیں ہی طرف سے شروع کیا جاوے اور خود بھی دائیں ہی جانب سے شروع کرنا پسند رکھتے تھے اگر وہ کام بائیں ہاتھ سے کرنے والا ہو مگر شروع دائیں ہی ہاتھ سے کیا جاوے۔ مثلاً جوتی پہننا، طہارت کرنا، بغلوں کے بال اکھاڑنا، مسواک کرنا یا ناک صاف کرنا وغیرہ وغیرہ۔ میرا مطلب اس سے یہ ہے کہ اگرچہ یہ سب کام بائیں ہاتھ سے کئے جاویں۔ مگر ان میں یحب التیامن کی رُو سے دائیں طرف سے ابتداء کی جاوے، جوتی بھی دائیں جانب سے پہلے پہنی جاوے، طہارت کرنے میں بھی پہلے دائیں طرف صاف کی جاوے۔ بغلیں اکھیڑنے میں بھی پہلے دائیں جانب سے اکھیڑی جائیں، مسواک بھی پہلے منہ میں دائیں جانب کی جاوے۔ اسی طرح ناک صاف کرنے وقت پہلے دائیں جانب سے بینی صاف کی جاوے۔ اس کا عکس

مثلاً کُرتہ اتارنا، واسکٹ صدری اتارنی، کوٹ جُبّہ اتارنا، پاجامہ اتارنا ہو تو اگرچہ یہ سب دائیں ہاتھ سے اتارے جائیں گے مگر پہلے بائیں جانب سے اتارنے ہوں گے۔ البتہ بعض امور ایسے بھی ہیں کہ بسبب از باب التکریم والتشریف ہونے کے دائیں ہاتھ سے اور دائیں ہی جانب سے شروع کئے جاتے ہیں اور ایسا کوئی ایک امر بھی نظر نہیں آتا کہ بہ سبب خلاف از باب تکریم وتشریف ہونے کے بائیں ہاتھ اور بائیں ہی جانب سے شروع کیا جاوے۔ ویمکن ان یدخل فیہ خلع النعل بالید۔ غالباً بلکہ اغلباً کتب احادیث کے شارحین رحمۃ اللہ علیہم نے بھی یہی سمجھا ہے۔ کیونکہ مذکورہ محولہ عبارت میں کوئی ایسا لفظ نہیں جو متبادر الی الفہم معنوں (جو عاجز نے پہلے عرض کئے ہیں) پر دلالت کرتے ہیں۔ واللہ اعلم

نتیجہ۔ عاجز نے اپنا ذکر کردہ مقصد اس طریق پر استدلال کرنے سے سمجھا ہے کہ حدیث کانت یدہ الیمنیٰ لطھورہ وطعامہ وکانت یدہ الیسریٰ لخلائہ وما کان من اذیٰ میں صرف یہ ذکر ہے کہ دایاں ہاتھ طعام وطہور اور عمدہ مبارک کاموں کے لئے ہے اور بایاں ہاتھ استنجار، اذی، نذر وغیرہ قبیح کاموں کے لئے ہے۔ تو گویا اس حدیث میں دونوں ہاتھوں کے معین کاموں کا ذکر آگیا اور حدیث یحب التیامن کا صرف یہی مطلب ہے کہ ہر کام کو دائیں جانب سے شروع کرنا پسند فرماتے تھے (والا مستثناء استثنائی) دائیں یا بائیں ہاتھ کا اس میں کوئی تعرض یا اشارہ نہیں۔

ھذا۔ واللہ اعلم بالصواب واعلم اتم واکمل۔ وانا العاجز عبدہ الحلیم ابراہیم عفا عنہ مولاہ الحلیم۔ باقی پور ۱۵ ربیع الاول سنہ ۱۳۵۰ھ ہجری یوم الجمعہ

جواب: حدیث کانت یدہ الیمنیٰ لطھورہ اسی کی مؤید ہے کہ مسواک دائیں ہاتھ سے ہو کیونکہ دوسری حدیث میں مسواک کو مطھرۃ للفم کہا ہے۔ ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کا قیاس کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کیونکہ منہ میں پانی دائیں ہاتھ سے ڈالا جاتا ہے حالانکہ وہ بھی منہ کی میل دُور کرنے کے لئے اور اندر کی صفائی کے لئے ہوتا ہے ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کے قیاس سے لازم آتا ہے کہ بائیں ہاتھ سے منہ میں پانی ڈالا جائے، اسی طرح ناک میں پانی دائیں ہاتھ سے ڈالتے ہیں اور احادیث میں بھی اس کی تصریح آئی ہے حالانکہ بعض دفعہ گندے

لہ آہ! آج ہم مجبور ہیں کہ موصوف کے نام سے مرحوم کہیں کیونکہ آپ ۱۱ رجب ۱۳۵۲ھ کو عالم بقا کی طرف رحلت فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون اللھم اغفرو ارحمہ۔ ۱۲ (تنظیم)

قطرے ہاتھ پر گرتے ہیں مگر یہ اتفاقی امر ہے اس لئے اس کا اعتبار نہیں پس ابن تیمیہ علیہ الرحمۃ کا قیاس کچھ ٹھیک معلوم نہیں ہوتا ہاں ہاتھ گندگی کو لگنا جیسے ناک سنکنے اور استنجاء کرنے کے وقت لگتا ہے تو اس صورت میں بے شک مسواک بائیں ہاتھ سے مناسب تھی۔ مگر مسواک تو منہ اور ناک میں پانی ڈالنے کے بمنزلہ ہے اس لئے ناک سنکنے اور استنجاء کرنے کے ساتھ اس کو مشابہت دینا ٹھیک نہیں ؛

(عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ مورخہ یکم جمادی الثانی ۱۳۵۰ھ

انگریزی بُرش استعمال کرنا

سوال :۔ دانت صاف کرنے کے لئے آج کل انگریزی بُرش کا بہت رواج ہو گیا ہے۔ جس کے بالوں میں سؤر کے بال ہونے کا بہت حد تک امکان ہے کیا ایسے برش سے دانت صاف کرنا جائز ہے کیا ہم اس بات سے استدلال لے سکتے ہیں۔ کہ جس طرح مردار جانور کا چمڑا پکنے کے بعد پاک ہو جاتا ہے اس طرح سؤر کے بال بھی مشینوں میں صاف ہونے کے بعد پاک ہو سکتے ہیں۔ اور دانت صاف کرنے کے قابل ہو سکتے ہیں۔ حرام ہونے کی حیثیت سے سؤر اور مُردار دونوں برابر ہیں۔

حفیظ الرحمٰن ایم اے۔ بی ٹی گورنمنٹ ہائی سکول للت پور (ضلع جھانسی یو۔ پی)

جواب :۔ برش کے متعلق جس میں خنزیر کے بال ہوں۔ بہت سا شبہ ہے۔ کیونکہ علماء مختلف ہیں۔ کوئی جائز کہتا ہے۔ کوئی ناجائز شبہ کے محل سے بچنا مناسب ہے۔ ہاں خشک استعمال کرے تو اس کا چنداں حرج نہیں۔ مگر احتیاط ہر صورت میں بہتر ہے۔ مردار کے چمڑے پر قیاس ٹھیک نہیں۔ کیونکہ مردار کے چمڑے کی مثال پلید کپڑے کی ہے۔ جو دھونے سے پاک ہو جاتا ہے۔ اور خنزیر کو بہت علماء نجس العین کہتے ہیں۔ جیسے پاخانہ ہے ظاہر ہے کہ پاخانہ کس طرح پاک نہیں ہوتا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ، ۲ صفر ۱۳۵۷ھ مطابق یکم مئی ۱۹۳۸ء

جرابوں پر مسح

سوال :۔ جرابوں پر مسح کرنا جائز ہے یا نہیں؟ محمد عبداللہ معرفت حکیم فضل دین لاہور مزنگ محلہ بھونڈ پورہ ۲۵ اکتوبر ۱۹۳۴ء

جواب :۔ ترمذی میں ہے۔ کہ اگر موٹی جرابیں ہوں۔ تو مسح جائز ہے۔ اور جرابوں کے مسح کی حد موزوں

سے الگ نہیں آئی۔ جو موزوں کی ہے۔ وہ جرابوں کی ہے۔ کیونکہ موٹی جرابیں موزوں کا حکم رکھتی ہیں۔ موزوں کے مسح کی حد مسافر کے لئے تین دن رات ہے۔ اور مقیم کے لئے ایک دن رات

عبداللہ امرتسری مقیم روپڑ ضلع انبالہ ۱۵ رجب ۱۳۵۳ھ

تیمّم کا بیان

سوال :- تیمم کا طریق کیا ہے؟

جواب :- تیمم کا طریق یہ ہے۔ کہ دونوں ہاتھ زمین پر مارے ورنہ کسی اور چیز پر مارے۔ جس پر مٹی یا گرد و غبار ہو۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو آپس میں مل کر پھونکے تاکہ ہتھیلیوں پر زیادہ گرد و غبار نہ رہے۔ پھر دونوں ہتھیلیوں کو منہ پر پھر ہاتھوں پر گٹوں تک ملے یہ تیمم کی اصل صورت ہے۔ اور اگر ایک دفعہ ہاتھ زمین پر مار کر منہ پر مل لے اور دوسری دفعہ مار کر ہاتھوں پر کہنیوں تک مل لے تو یہ بھی جائز ہے۔

عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

سوال :- مٹی کے سوا پتھر۔ ریت۔ چونہ وغیرہ سے تیمم جائز ہے یا نہیں؟

جواب :- قرآن مجید میں ہے فتیمموا صعیدا طیبا قصد کرو صعید پاک کا۔ اس آیت میں صعید کے ساتھ تیمم کا حکم ہے۔ اب دیکھنا ہے کہ صعید کیا شئے ہے؟ صراح میں ہے عن الفراء صعید خاک قال ثعلب وجہ الارض یعنی فراء کہتے ہیں صعید مٹی کو کہتے ہیں۔ ثعلب کہتے ہیں روئے زمین کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے۔ الصعید التراب او وجہ الارض یعنی صعید کے معنی مٹی کے ہیں یا روئے زمین کے۔

تفسیر فتح البیان میں ہے:۔

الصعید وجہ الارض سواء کان علیہم تراب او لم یکن قالہ الخلیل وابن الاعرابی والزجاج قال الزجاج لا اعلم فیہ خلافا بین اھل اللغۃ وقال الفراء ھو التراب وبہ قال ابو عبیدۃ انتھی ملخصا (فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۵)

ائمہ لغت سے امام خلیل۔ امام ابن الاعرابی۔ امام ابو اسحاق زجاج کہتے ہیں۔ کہ صعید روئے زمین ہے۔ امام ابو اسحاق زجاج یہ بھی کہتے ہیں۔ میرے علم میں اہل لغت میں اس کی بابت اختلاف نہیں اور امام فراءؒ

کہتے ہیں صعید مٹی ہے اور امام ابو عبیدہ بھی یہی کہتے ہیں۔ چونکہ صعید کے معنی میں اختلاف ہے۔ اس لئے تیمم میں بھی اختلاف ہوگیا۔ تفسیر فتح البیان میں اس محل میں لکھا ہے:۔

وقد اختلف اهل العلم فيها يجزئ التيمم به فقال مالك وابو حنيفة والثورى والطبرانى انه يجزئ بوجه الارض كله ترابا كان او رملا او حجارة وقال الشافعى واحمد واصحابهما انه لا يجزئ التيمم الا بالتراب فقط

یعنی امام مالکؒ۔ امام ابو حنیفہ رح۔ امام ثوری رح۔ امام طبرانی رح کہتے ہیں روئے زمین کے ساتھ تیمم درست ہے۔ خواہ مٹی ہو یا ریت ہو یا پتھر ہو۔ امام شافعیؒ۔ امام احمدؒ اور ان کے اصحابؒ کہتے ہیں کہ مٹی کے سوا کسی اور شئے سے تیمم درست نہیں۔

تاج العروس شرح قاموس میں ہے:۔

وقال الشافعى لا يقع اسم صعيد الا على تراب ذى غبار[1] فاما البطحاء الغليظة والرقيقة والكثيب الغليظ فلا يقع عليه اسم صعيد وان خالطه تراب او صعيد اومدر يكون له غبار كان الذى خالطه الصعيد ولا تيمم بالنورة وبالكحل وبالزرنيخ وكل هذا حجارة قال ابو اسحاق الزجاج على الانسان ان يضرب بيديه الارض ولا يبالى اكان فى الموضع تراب اولم يكن لان الصعيد ليس هو التراب انما هو وجه الارض ترابا كان او غيره

امام شافعیؒ کہتے ہیں صعید صرف اس مٹی کو کہتے ہیں جس پر غبار ہو۔ زیادہ پتھریلی اور ہلکی پتھریلی زمین اور سخت ٹیلہ اس کو صعید نہیں کہتے۔ اگر مٹی یا میدان یا ڈھیلوں میں غبار ہو تو وہ صعید ہے اور چونے اور سرمے اور ہڑتال سے تیمم جائز نہیں یہ سب پتھر ہیں اور زجاجؒ کہتے ہیں۔ مٹی ہو یا غیر مٹی ہو تیمم جائز ہے کیونکہ صعید روئے زمین کو کہتے ہیں مٹی کی خصوصیت نہیں۔

---

[1] کتاب الام امام شافعی میں یہ لفظ نہیں بلکہ اس میں یوں ہے۔ وان خالطه تراب اومدر يكون له غبار كان الذى خالطه هو الصعيد (کتاب الام جلد اول صـ۴۳ طبع مصر ۱۲)

منیۃ المصلی میں ہے۔ امام ابوحنیفہؒ اور محمدؒ کے نزدیک مٹی، ریت۔ پتھر۔ ہڑتال۔ سُرمہ۔ مردہ سنگ۔ چونا۔ گیری اور اسی قسم کی دیگر اشیاء سے تیمم جائز ہے۔ کیونکہ زمین کی جنس سے ہیں۔ سونے چاندی لوہے قلعی سے جائز نہیں۔ اگرچہ یہ زمین میں پیدا ہوتے ہیں لیکن آگ سے پگھل جاتے ہیں اس لئے زمین کی جنس میں شامل نہیں اسی طرح گیہوں اور دیگر غلہ جات سے تیمم جائز نہیں ہاں اگران اشیاء پر غبار ہو تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک اور ایک روایت میں امام محمد کے نزدیک جائز ہے۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رہ کے نزدیک پختہ اینٹ سے تیمم جائز ہے۔ اور امام محمد کہتے ہیں۔ کوٹی ہوئی ہو تو جائز ہے ورنہ نہیں۔ اسی طرح نمک کے ساتھ بھی تیمم جائز ہے۔ مگر اس میں شرط ہے کہ پہاڑی نمک ہو پانی کا نہ ہو۔ اور شمس الائمہ سرخسیؒ کہتے ہیں، نمک سے جائز نہیں خواہ کسی قسم کا ہو اور شور زمین کا حکم بھی نمک کا ہے۔ اور کیچڑ کے ساتھ تیمم کرنا نہ چاہیئے۔ اگر کرے تو جائز ہے۔ روڑی کنکر۔ گول پیالے (مٹکے) اور اس قسم کی دیگر اشیاء جو مٹی سے تیار ہوتی ہیں اور ان پر قلعی نہ چڑھائی ہو ان سب سے تیمّم جائز ہے خواہ ان پر غبار ہو یا نہ۔ اسی طرح راکھ کے ساتھ تیمّم جائز ہے لیکن اس میں شرط ہے کہ اس میں مٹی زیادہ ہو اور راکھ کم ہو۔ اسی طرح امام ابوحنیفہ رہ کے نزدیک جن اشیاء کے ساتھ تیمم جائز نہیں ان پر غبار ہونے کی صُورت میں تیمم جائز ہے ملاحظہ ہو منیۃ المصلی صـ۲۳-۲۴۔

ایک حدیث میں ہے جعلت لی الارض مسجدا و طھورا (بلوغ المرام) یعنی میرے لئے زمین مسجد اور طہور بنائی گئی اور ایک روایت مسند احمد وغیرہ میں ہے جعلت لی الارض کلھا ولامتی مسجدا وطھورا (سبل السلام صـ۵۶) یعنی ساری زمین میرے لئے اور میری امت کے لئے مسجد اور طہور بنائی گئی ہے، طہور کے معنی ہیں پاک کرنے والی۔ یہ حدیث امام ابوحنیفہ رہ کے مذہب کو تائید دیتی ہے سبل السلام میں اس حدیث کو ذکر کرکے کہا ہے کہ مسلم کی بعض روایتوں میں جعلت تربتھا طھورا آیا ہے۔ یعنی "زمین کی مٹی طہور بنائی گئی ہے۔" اس سے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ پتھر وغیرہ سے تیمم جائز نہیں کیونکہ اس حدیث میں خاص مٹی کا ذکر آیا ہے اور پہلی حدیث میں عام آگیا اور اصول میں یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ خاص کا ذکر عام کی نفی نہیں کرتا نیز یہ مفہوم لقب[1] ہے اس کا اعتبار نہیں۔

[1] مثلاً زید عمرو آپس میں دوست ہیں ایک شخص کہتا ہے میرے پاس زید آیا اس سے اگر کوئی یہ سمجھے کہ عمرو نہیں آیا اسے مفہوم لقب کہتے ہیں اصولی اسکا اعتبار نہیں کرتے صاحب سبل السلام کا مطلب یہ ہے کہ زمین کی بہت سی جنسیں ہیں ایک کے ذکر سے دوسری کی نفی نہیں ہوئی۔ ۱۲

اس کے بعد سبل السلام میں لکھا ہے۔

نعم فی قولہ تعالیٰ فی آیۃ المائدۃ فی التیمم منہ دلیل علی ان المراد التراب وذٰلک ان کلمۃ من للتبعیض کما قال فی الکشاف حیث قال انہ لا یفہم احد من العرب من قول القائل مسحت براسہ من الدھن ومن التراب الا معنی التبعیض انتھیٰ والتبعیض لا یتحقق الا فی المسح من التراب لا من الحجارۃ ونحوھا (سبل السلام ص۵۶)

یعنی حدیث جعلت تربتھا طھورا سے تو استدلال ٹھیک نہیں آیہ مائدہ سے استدلال صحیح ہے کیونکہ اس میں کلمہ مِنْ ہے جو ایک حصّہ پر دلالت کرتا ہے جیسے کشاف میں لکھا ہے کہ جب عرب کہتے ہیں میں نے سر پر تیل سے ملا یا مٹی سے ملا تو اس سے عرب یہ سمجھتے ہیں کہ میں نے کچھ حِصّہ سر پر ملا اور ظاہر ہے کہ پتھر یا اس کی مثل پر مسح کرنے سے ہاتھ منہ پر کچھ نہیں لگتا پس معلوم ہُوا کہ صعید سے روئے زمین مراد نہیں۔

یہ صاحب سبل السلام کی تقریر ہے۔ لیکن میرے خیال میں صاحب سبل السلام نے جو حدیث سے استدلال صحیح نہیں کہا یہ ٹھیک نہیں کیونکہ مسلم کی بعض روایتوں میں یہ الفاظ ہیں۔

جعلت لنا الارض کلھا مسجدا وجعلت تربتھا لنا طھورا اذا لم نجد الماء وفی روایۃ وجعل ترابھا لنا طھورا فتح البیان جلد ۲ ص۲۴۸

یعنی رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ہمارے لئے ساری زمین مسجد بنائی گئی اور اس کی مٹی ہمارے لئے طہور بنائی گئی ہے۔

اس حدیث میں مسجد کے لئے ساری زمین کہا ہے اور طہور کے لئے اس کی مٹی کو خاص کیا ہے اس مقابلہ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مٹی کے سوا باقی حِصّے سے تیمّم نہیں ہوتا نیز یہ بھی معلوم ہُوا کہ حدیث جعلت لی الارض کلھا ولامتی مسجدا وطھورا میں کل کا لفظ صرف مسجد کے ساتھ لگتا ہے طہور کے ساتھ نہیں لگتا گویا اصل عبارت یوں ہے جعلت لی الارض کلھا ولامتی مسجدا وجعلت لی ولامتی طھورًا اور اختصار میں ایسا بہت ہوجاتا ہے جیسے قرآن میں اس کی نظیر موجود ہے سورہ بقر میں ہے وقالوا لن یدخل الجنۃ الا من کان ھودا او نصاریٰ۔ اس آیت کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ اصل عبارت یوں ہے قال الیھود

لا یدخل الجنۃ الا من کان یھود یا وقال النصاریٰ لا یدخل الجنۃ الا من کان نصاریٰ
(فتح البیان جلد اوّل صفحہ ۱۶۴)
اس آیت سے بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ یہود و نصاریٰ اس بات پر متفق ہیں کہ یہودی نصرانی دونوں جنّت میں جائیں گے۔ لیکن دوسری آیتوں سے ثابت ہے کہ ان میں آپس میں دُشمنی ہے اور ایک دوسرے کو گمراہ کہتے ہیں۔ ایک فریق دوسرے کے جنتی ہونے کا قائل نہیں ہو سکتا اس لئے عبارت محذوف مانی گئی ٹھیک اسی طرح مسلم کی بعض روایتوں کی وجہ سے اس حدیث میں جعلت محذوف مانا گیا جس کے ساتھ کل نہیں۔ پس ثابت ہُوا کہ آیت مائدہ اور مسلم کی بعض روایتیں دونوں اس بات کی دلیل ہیں کہ تیمم کے لئے مٹی ضروری ہے؛
فتح البیان میں صحیح مسلم کی یہ حدیث لکھ کر لکھا ہے۔ کہ اس حدیث سے صعید کے معنے واضح ہو گئے اور اس کی تائید ابن فارس کے قول سے بھی ہوتی ہے جو انہوں نے کتاب الخلیل سے نقل کیا ہے جو یہ ہے تیمم بالصعید ای خذ من غبارہ۔ انتہیٰ صعید کا قصد کر یعنی اس کا غبار لے۔ اس قول سے معلوم ہُوا کہ صعید مٹی ہے۔ کیونکہ پتھر کے لئے غبار نہیں۔ ملاحظہ ہو فتح البیان جلد ۲ صفحہ ۲۴۸۔ نیز مسلم کی حدیث میں مٹی کا ذکر اس اُمّت کی تشریف اور بزرگی کے لئے ہُوا ہے۔ اگر ساری زمین سے تیمم صحیح ہوتا تو مٹی کو خاص نہ کیا جاتا۔ ملاحظہ ہو عون الباری لحل ادلۃ البخاری صفحہ ۱۰۵
اس کے علاوہ مٹی کے ساتھ تیمم بالاتفاق جائز ہے اور باقی جنسوں میں اختلاف ہے اس لئے مٹی ہی پر اکتفا کرنا چاہیئے۔ کیونکہ نماز دین کا ستون ہے اس میں جتنا احتیاط ہو تھوڑا ہے؛ عبداللہ امرتسری ۱۳۸۱ھ

سوال:۔ تیمم کس چیز سے ٹوٹتا ہے ؛

جواب:۔ جن اشیاء سے وضو ٹوٹ جاتا ہے ان اشیاء سے تیمّم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔ اگر پانی مل جائے اور اس کو استعمال کر سکے تو اس سے بھی تیمم ٹوٹ جاتا ہے۔ عبداللہ روپڑی ۲۵ محرم ۱۳۷۹ھ

سوال:۔ ایک شخص کو سوتے میں احتلام ہو گیا۔ آنکھ جو کھلی تو دیکھا کہ احتلام ہو گیا ہے۔ اور نماز کا وقت بالکل قریب ہے۔ اگر غسل کرے گا۔ تو نماز قضاء ہو جائے گی۔ اب اس کو کیا کرنا چاہیئے۔ نماز قضاء کرے یا غسل کرے یا تیمم کے ساتھ نماز ادا کرے۔ امجد حسین خریدار ۱۲۶۹

جواب:۔ قرآن مجید میں ہے فلم تجدوا ماءً فتیمموا یعنی پانی نہ پاؤ تو پھر تیمم کا حکم ہے سوال کی صورت میں پانی موجود ہے۔ تو تیمم کس طرح درست ہو گا۔ عبداللہ امرتسری روپڑ ۲۰ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ

سوال:۔ وہ کونسے وجوہات ہیں، کہ ان کی بناپر تیمم کی اجازت ہے؟

جواب:۔ جب پانی نہ ملے یا پانی کا استعمال نہ کرسکے یا بیماری کے باعث پانی کے استعمال سے کسی قسم کا خطرہ ہو تو وضوء اور غسل کی جگہ تیمم کافی ہے۔ عبداللہ امرتسری

ستر کا بیان

سوال:۔ ران ستر ہے یا نہیں؟

جواب:۔ مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ صـ۲۶۱ میں ہے الفخذ عورۃ یعنی ران پردہ ہے یعنی اس کو ڈھکنا چاہیئے۔ نیل الاوطار جلد اول باب بیان العورۃ وحدھا میں مسند حارث بن ابی اسامہ کے حوالہ سے ابی سعیدؓ سے مرفوع روایت ہے عورۃ الرجل ما بین سرتہ الی رکبتیہ یعنی ناف اور گھٹنوں کا درمیانی حصہ ستر ہے ایسا ہی منتخب کنز العمال بحوالہ ترمذی ذکر ہے اور مشکوٰۃ میں ابوداؤد اور منتقی میں موطا اور مسند احمد کا ذکر ہے۔ منتخب کنز الاعمال جلد ۳ صـ۱۴۱ میں ہے عن ابی العلاء مولی الاسلمیۃ قال رأیت علیا یتزر فوق السرۃ ابن سعد (ھق) یعنی حضرت علی ناف کے اوپر تہ بند باندھتے تھے۔

لیکن بخاری صـ۵۳ میں ہے قال انس حسر النبی صلی اللہ علیہ وسلم عن فخذہ یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ران ننگی کی۔ اس کے آگے ذکر ہے حسر الازار عن فخذہ حتی انظر الی بیاض فخذ نبی اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یعنی آپ نے ران سے کپڑا ہٹایا یہاں تک کہ میں آپ کی ران کی سفیدی دیکھ رہا تھا۔

ان احادیث میں بظاہر مخالفت ہے بعض میں ہے کہ ران ستر ہے اور بعض میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ران ننگے ہونے کی پرواہ نہیں کی۔

امام بخاریؒ کا فیصلہ

امام بخاری رح فرماتے ہیں حدیث انس اسند و حدیث جرھد احوط حتی نخرج من اختلافھم بخاری صـ۵۳ یعنی انسؓ کی حدیث جس میں ران سے کپڑا ہٹانے کا ذکر ہے جرہد کی حدیث سے جس میں ران کو ستر کہا ہے سند کی رو سے قوی ہے لیکن جرہد کی حدیث پر عمل کرنے میں احتیاط ہے ۔۔۔۔۔۔ تاکہ اختلاف میں نہ پڑیں۔

محدث روپڑیؒ کا فیصلہ

امام بخاریؒ نے جو کچھ فرمایا ہے۔ بالکل ٹھیک ہے بے شک عمل احتیاطاً جرہد کی حدیث میں ہے۔ لیکن ان دونوں حدیثوں میں موافقت کرنا چاہیں۔ تو موافقت بھی ہو سکتی ہے وہ یہ کہ گھٹنے کے قریب سے کھول لے تو کوئی حرج نہیں۔ شرمگاہ کے زیادہ قریب سے نہ کھولے۔ کسانوں کو بھی اس سے زیادہ اجازت نہیں۔ ہاں نماز میں ناف سے گھٹنوں تک ڈھکنا ضروری ہے بلکہ کندھے ڈھکنے بھی ضروری ہیں۔ جیساکہ بلوغ المرام میں حدیث جابرؓ اور حدیث ابی ہریرہ رضؓ سے ظاہر ہے یہ حکم مرد کے لئے ہے عورت کو سر سے پاؤں تک ڈھکنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ ۸ رجمادی الاوّل ۱۳۵۱ھ، ۱۰ ستمبر ۱۹۳۲ء

ستر عورت

سوال:۔ ستر عورت کی مقدار کیا ہے؟

جواب:۔ ستر عورت نماز کے لئے شرط ہے یعنی ناف سے گھٹنوں تک مرد کے لئے اور عورت کے لئے سارا وجود منہ ہاتھ کے سوا پشت پاؤں تک ڈھانکنا ضروری ہے۔ نیز اگر کپڑا زیادہ ہو تو مرد کے لئے کندھے بھی ڈھانکنا ضروری ہیں۔ سر ڈھانکنا ضروری نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

لباس کی منع صورت

سوال:۔ نماز میں لباس پہننے کی کونسی صورت منع ہے؟

جواب:۔ نماز میں اس طرح بُکل مارنا منع ہے۔ کہ ہاتھ باہر نکالنے مشکل ہوں اس طرح کی بکل مارنے کو اشتمال صماء کہتے ہیں۔ پاجامہ کے پائنچے چڑھانا آستین چڑھانا کرتہ کا دائرہ اکٹھا کر کے تہ بند کی ڈب میں یا پاجامہ کے نیفہ میں۔ تہ بند کے نیچے لنگوٹی باندھنا یا عورت کا اپنے جوڑہ (چٹیا) کو اکٹھا کر کے باندھنا اس قسم کی سب صورتیں منع ہیں۔ اس طرح کپڑے کا لٹکانا بھی منع ہے یعنی کندھوں یا سر پر کپڑا ڈال کر اس کو دو طرف لٹکا ہوا چھوڑ دینا منع ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عورت کا چہرہ اور اس کی ہتھیلیاں

سوال:۔ عورت کے لئے وجہ اور کفین کا پردہ شرعی ہے یا نہیں؟ ابوداؤد میں ابن عباسؓ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ اگر وجہ و کفین عورت ستر میں داخل نہیں۔ تو حالت احرام میں ان کو کیوں چھپایا جاتا ہے۔ ابو محمد عبدالجبار خطیب مسجد اہل حدیث رنگون

جواب: وجہ و کفین عورت کے ستر میں داخل ہے۔ حالت احرام میں مرد کو سر ننگا رکھنے کا حکم ہے اور عورت کو کھولنے کا حکم ہے۔ اور یہ حکم عورت کے لئے حالت احرام میں اس وقت ہے جب کوئی مرد سامنے نہ ہو چنانچہ ابوداؤد بحوالہ عون المعبود جلد ۲ صفحہ ۱۰۴ میں حدیث ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ رضی اللہ تعالی عنہا قَالَتْ كَانَ الرُّكْبَانُ يَمُرُّوْنَ بِنَا وَنَحْنُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُحْرِمَاتٌ فَإِذَا جَاوَزُوْا بِنَا سَدَلَتْ إِحْدٰنَا جِلْبَابَهَا مِنْ رَاسِهَا عَلٰى وَجْهِهَا فَإِذَا جَاوَزُوْنَا كَشَفْنَاهُ ۔

یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں۔ کہ ہم یعنی عورتیں احرام کی حالت میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہوتیں جب مردوں کی جماعت ہمارے ساتھ گزرتی۔ اور روبرو ہو جاتی اور اس وقت ہم اپنی چادر کو سر سے کھینچ کر اپنے چہرہ کو چھپاتیں۔ جب ان کی جماعت گزر جاتی۔ تو ہم پھر اسی طرح اپنے چہرے کھول لیتیں۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ وجہ و کفین ستر میں داخل ہیں۔ کفین کی بابت اس حدیث میں نہ ڈھانکنے کا ذکر ہے۔ نہ کھولنے کا ہاں عمومی حالت یہ ہے۔ کہ جب چہرہ کو ڈھانکا تو کفین خود بخود نقاب کے اندر آجاتی ہیں۔ اس لئے اس کے ذکر کی ضرورت نہ رہی۔ عبداللہ امرتسری روپڑی ۳۰ رمضان ۱۳۵۴ھ ۲۶/۱۲/۳۵

نماز میں عورت کا لباس

سوال:۔ عورت کے لئے نماز میں کون سے اعضا ڈھانکنے ضروری ہیں؟

جواب:۔ عورت کو سر سے پاؤں تک ڈھکنا چاہیئے۔ بلوغ المرام میں ہے۔

عَنْ امِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا سَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُصَلِّي الْمَرْاَةُ فِي دِرْعٍ وَخِمَارٍ بِغَيْرِ اِزَارٍ قَالَ اِذَا كَانَ الدِّرْعُ سَابِغًا يُغَطِّي ظُهُوْرَ قَدَمَيْهَا اَخْرَجَهُ اَبُوْدَاؤُدَ وَصَحَّحَ الْاَئِمَّةُ وَقْفَهُ ۔

یعنی ام سلمہ رضؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ کیا عورت اوڑھنی اور کُرتے میں بغیر تہ بند کے نماز پڑھے فرمایا کہ جب کُرتہ پاؤں کی پیٹھ ڈھانک لے تو اوڑھنی اور کُرتہ میں نماز پڑھ سکتی ہے۔ اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے اور ائمہ حدیث نے اس کے موقوف ہونے کو صحیح کہا ہے یعنی ام سلمہ رضؓ کا قول بتلایا ہے۔

سبل السلام شرح بلوغ المرام ص۸۲ میں اس حدیث پر لکھا ہے۔ وله حکم الرفع وان کان موقوفا اذ الاقرب ان لا مسرح للاجتهاد فی ذالك یعنی اگر ام سلمہ رضؓ کا قول ہو تو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کیونکہ ظاہر یہی ہے کہ اس میں اجتہاد کا دخل نہیں۔ اس حدیث سے پیروں کی پیٹھ ڈھکنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے جن ملکوں میں عورتیں تہ بند باندھتی ہیں۔ ان کو تو آسانی ہے پاجامہ والیوں کو مشکل ہے ان کو چاہیئے کہ چوڑی دار پاجامہ نہ پہنیں بلکہ کھلے پائنچے والا پاجامہ بنائیں۔ تاکہ پاؤں کی پیٹھ ڈھکی جاسکے۔ اگر ایسا نہ کریں تو جرابیں پہن لیں۔ بہرصورت نماز کا معاملہ نازک ہے۔ اس میں ذرا احتیاط چاہیئے۔ البتہ ہاتھ منہ ڈھکنے کا حکم نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔

لا يقبل الله صلوٰة حائض الا بخمار رواه الخمسة الا النسائی (منتقی ص۴۵)

یعنی اللہ تعالیٰ اوڑھنی کے بغیر بالغہ عورت کی نماز قبول نہیں کرتا۔

کنز العمال میں ہے:۔

عن عمر قَالَ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فِي ثَلَاثَةِ اَثْوَابٍ دِرْعٍ وَاِزَارٍ وَخِمَارٍ (ش) وابن منیع (ص) عَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ فِيْ كَمْ ثَوْبٍ تُصَلِّي الْمَرْأَةُ فَقَالَتْ اِيْتِ عَلِيًّا فَاسْئَلْهُ ثُمَّ ارْجِعْ اِلَيَّ فَاتِيْ عَلِيًّا فَسَأَلَهُ فَقَالَ فِيْ دِرْعٍ سَابِغٍ وَخِمَارٍ فَرَجَعَ اِلَيْهَا وَاَخْبَرَهَا فَقَالَتْ صَدَقَ (ش) عَنْ اَبِيْ اِسْحٰقَ اَنَّ عَلِيًّا وَشُرَيْحًا كَانَ يَقُوْلَانِ تُصَلِّي الْاَمَةُ كَمَا تَخْرُجُ (ش) کنز العمال جلد۴ ص۱۴۳

یعنی عمر رضؓ فرماتے ہیں۔ کہ عورت تین کپڑوں میں نماز پڑھے۔ کُرتہ۔ تہ بند۔ اوڑھنی۔ مکحول ؒ کہتے ہیں میں نے عائشہ رضؓ سے پوچھا کہ عورت کتنے کپڑوں میں نماز پڑھے فرمایا علی رضؓ سے پوچھ پھر میرے پاس آ۔ حضرت علی رضؓ کے پاس آکر سوال کیا۔ تو انہوں نے فرمایا۔ کرتہ پورا یعنی پاؤں تک اور اوڑھنی۔ پھر حضرت عائشہ رضؓ کو آکر خبر دی تو فرمایا کہ علی رضؓ نے سچ کہا۔ اور ابی اسحٰق رحؒ سے

روایت ہے کہ علی رض اور شریح رہ فرماتے تھے۔ کہ لونڈی جس حال میں نکلتی ہے اسی حال میں نماز پڑھے [ملہ]

ان روایتوں سے معلوم ہوا۔ کہ عورت کو نماز میں ہاتھ منہ ڈھانکنے ضروری نہیں۔ کیونکہ کرتہ اور تہ بند تو ہاتھ منہ کو ڈھانکتے ہی نہیں۔ رہی اوڑھنی سو وہ بھی دستور کے مطابق ہاتھ منہ کو ڈھانکنے کے لئے نہیں۔ پس عورت کو نماز میں ہاتھ منہ ڈھانکنے کا حکم نہیں۔ اور حضرت عمر رض نے جو تین کپڑے بتلائے ہیں۔ تو اُن کے بتانے کا یہ مطلب نہیں۔ کہ تین کپڑے شرط ہیں۔ بلکہ تین کا ذکر اکثر عادت کے لحاظ سے ہے ورنہ مقصود ان کا یہ ہے کہ عورت کا پردہ نماز میں مرد کی طرح نہیں۔ بلکہ ہاتھ منہ کے سوا سارے بدن کا ہے یہی وجہ ہے کہ حضرت علی رض نے دو ہی ذکر کئے ہیں۔ بخاری جلد اوّل صـ۳۴ پر ہے باب فی کم تصلی المرأۃ میں ہے قال عکرمۃ لو وارت جسدھا فی ثوب جاز یعنی اگر عورت اپنے بدن کو ایک کپڑے سے چھپالے تو اس کی نماز جائز ہے۔

نوٹ:۔ یہاں پر ایک سوال پیدا ہوتا ہے۔ وہ یہ ہے۔ کہ مرد کے کندھے بالاتفاق ستر نہیں۔ لیکن نماز میں حکم ہے۔ کہ کندھوں پر بھی کوئی کپڑا ہو۔ سو یہ حکم اگر اس لئے ہے کہ نماز میں کندھے بھی ستر میں داخل ہیں۔ تو پھر کندھوں پر بھی موٹا کپڑا ہونا ضروری ہے۔ جس کے نیچے سے کندھے نظر نہ آئیں۔ جیسے ناف سے گھٹنوں تک ایسا ہونا ضروری ہے۔ اس صورت میں ململ کا باریک کرتہ کافی نہیں ہوگا۔ جیسے گرمیوں میں عموماً لوگ پہنتے ہیں۔ اگر یہ حکم زینت کے لئے ہے۔ تو پھر باریک بھی کافی ہے۔ اس طرح عورت کو محرم کے سامنے سر وغیرہ ننگا کرنا جائز ہے۔ چنانچہ حدیث سے ثابت ہے۔ ملاحظہ مشکوٰۃ باب المعجزات فصل اوّل صـ۵۲۴ تو اگر سر پر اوڑھنی کا حکم اس لئے ہے کہ نماز میں سر ستر ہے۔ تو باریک اوڑھنی نماز میں جائز نہیں ہوگی۔ اگر زینت کے لئے ہے تو جائز ہوگی۔ اس سوال کا جواب ہم علماء پر چھوڑتے ہیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۸ جمادی الاول ۱۳۵۱ھ

مطابق ۱۰ دسمبر ۱۹۳۲ء

[ملہ] لونڈیاں کاروبار کے لئے عموماً سادہ حالت میں نکلتی ہیں۔ جیسے عام طور پر گوار عورتوں کی حالت ہوتی ہے۔ حضرت علی رض کا مطلب یہ ہے کہ لونڈی اسی حال میں نماز نہیں پڑھ سکتی۔ برخلاف آزاد عورت کے کہ وہ اس حال میں نماز پڑھ سکتی ہے بلکہ ہاتھ منہ کے سوا سب بدن ڈھانکنا پڑے۔

محدّث روپڑیؒ کے سوال کا جواب

مولوی عبدالقادر حصاری نے محدث روپڑی کے مذکورہ بالا سوال کا جواب دیا ہے۔ جس کا خلاصہ درج ذیل ہے:۔

مرد عورت میں فرق ہے۔ مرد کے کندھوں پر باریک کپڑا ہو تو نماز ہو جائے گی۔ عورت کے سر پر باریک اوڑھنی کافی نہیں۔ وجہ اس کی یہ ہے کہ عورت کا تمام بدن ہاتھ منہ کے سوا ستر ہے چنانچہ آیت کریمہ وَلَا يُبْدِينَ زِينَتَهُنَّ إِلَّا مَا ظَهَرَ مِنْهَا کی تفسیر میں مفسرین نے لکھا ہے کہ زینت ظاہرہ جس کو اس آیت میں ستر سے خارج کر دیا ہے۔ اس سے ہاتھ منہ مراد ہیں تفسیر ابن جریر میں اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ ستر کا ڈھانکنا نماز میں ضروری ہے۔ اگر ہاتھ منہ خارج نماز میں ستر ہوتے تو عورت کو نماز میں ان کے ڈھانکنے کا بھی حکم ہوتا؛ (بلکہ بطریق اولیٰ ہوتا۔ کیونکہ نماز میں زیادہ احتیاط ہے۔ اس لئے عورت کی صحن کی نماز سے اندر مکان کی زیادہ فضیلت رکھتی ہے مگر نماز میں اُن کے ڈھانکنے کا حکم نہیں) پس معلوم ہوا کہ یہ زینت ظاہرہ ہیں۔ ستر نہیں۔ باقی تمام بدن ستر ہے۔ اس کے علاوہ حضرت عائشہ رضؓ نے اپنی بھتیجی عبدالرحمٰن کی بیٹی کی باریک اوڑھنی پھاڑ کر اس کو گاڑھی پہنا دی اور اسماء بنت ابی بکر کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب عورت بالغ ہو جائے تو اس کے ہاتھ منہ کے سوا بدن کا کوئی حصہ دکھائی نہ دینا چاہیئے۔ اور وحیہ بن خلیفہ کو آپ نے ایک باریک کپڑا دیا اور فرمایا اس کے دو حصے کر دیئے۔ ایک کی قمیض بنا لے اور دوسرا بیوی کو دیدے تاکہ اوڑھنی بنا لے اور بیوی کو حکم دے کہ اس کے نیچے دوسرا کپڑا پہنے تاکہ نیچے سے اس کا بدن اور بال نظر نہ آئیں۔

اس قسم کے اور بہت دلائل ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہاتھ منہ کے سوا سر سے پیروں تک عورت کا بدن ستر ہے۔ محرموں کے سامنے اگرچہ سر وغیرہ ننگا کر سکتی ہے۔ لیکن نماز میں زیادہ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ تاکہ کوئی قریبی غیر محرم نہ آ جائے۔ اسی لئے شارع علیہ السلام نے فرمایا کہ عورت کی نماز اوڑھنی کے بغیر درست نہیں۔ اور سبل السّلام میں طبرانی کی حدیث ہے کہ عورت جب تک اپنی زینت نہ ڈھانکے اللہ تعالیٰ اس کی نماز قبول نہیں کرتا۔ اور لڑکی جب بلوغ کو پہنچ جائے تو اس کی نماز بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں بلکہ نماز میں پیروں کی پیٹھ ڈھکنی بھی ضروری ہے۔ اور یہ حکم عورت کے لئے بوجہ ستر کے ہے نہ زینت کے اسی لئے عورت کی صحن میں نماز سے اندر کے مکان کی نماز بہتر ہے جو زیادہ ستر کی وجہ سے ہے۔ بلکہ نماز میں عورت کی آواز بھی ستر ہے اسی لئے عورت امام کے بھولنے کے وقت سُبحان اللہ نہیں کر سکتی بلکہ تصفیق (تالی مارنے کا

حکم ہے۔ نیز رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا عورتوں کی اخیری صف بہتر ہے اور اوّل صف (جو مردوں کے قریب ہے) بری ہے۔ اور ایک اور حدیث میں ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انسؓ کے گھر نماز پڑھائی تو انسؓ کو اپنے ساتھ کھڑا کیا اور امّ سلیمؓ والدہ انسؓ کو اکیلی پیچھے کھڑا کیا اس کی وجہ بھی کمال ستر ہے جو نماز سے مخصوص ہے۔

مرد کا ستر رہا مرد تو اس کا ستر صرف ناف سے گھٹنوں تک ہے نماز میں بھی اور خارج نماز میں بھی۔ اس لئے اتنا کپڑا گاڑھا ہونا چاہیئے اور کندھے چونکہ ستر نہیں اس لئے ان پر گاڑھے کپڑے کی ضرورت نہیں۔ نماز میں کندھوں پر کچھ ہونے کا حکم بطور زینت کے ہے۔ چنانچہ اللہ تعالٰی فرماتا ہے۔ خذوا زینتکم عند کل مسجد یہ خطاب مردوں کو ہے عورتوں کو نہیں کیونکہ ان کے لئے جُدا حکم ہے۔ پس مرد کی نماز کندھوں پر باریک کپڑے سے ہو جائے گی۔ جو مواضع جسم کے خارج نماز میں ستر نہیں وہ نماز میں کس وجہ سے ستر ہو سکتے ہیں۔ عورت کا سر تو نماز میں اس لئے ستر ہوا کہ وہ قبل نماز بھی ستر ہے۔ صرف محرم کے لئے رخصت ہے۔ لیکن نماز میں یہ رُخصت نہ دی گئی۔ کیونکہ نماز میں احتیاط مدّنظر ہے۔

جواب:۔ یہ مولوی عبد القادر صاحب کی تقریر کا خلاصہ ہے۔ مسئلہ انہوں نے جو کچھ بیان کیا ہے قریباً درست ہے عورت مرد میں کچھ فرق ہے۔ لیکن بعض اغلاط ہیں۔ ان کو ہم واضح کئے دیتے ہیں۔ تاکہ ہمارے احباب جیسے مسئلہ کی تحقیق میں کوشش کرتے ہیں۔ اپنے بیان کے ایک ایک لفظ میں بھی غور کیا کریں تاکہ تحریر نہایت پختہ ہو جائے۔ نیز ان اغلاط کی تفصیل سے مرد عورت کے پردے کا مسئلہ پوری روشنی میں آجائیگا انشاء اللہ۔ پس سُنیئے

(غلطی نمبر ۱) اخیر میں جو کہا ہے "عورت کا ستر تو نماز میں اس لئے ستر ہوا کہ وہ قبل نماز بھی ستر ہے۔" یہ اُوپر کے بیان کے خلاف ہے۔ کیونکہ اُوپر کہہ چکے ہیں کہ نماز میں عورت کی آواز بھی ستر ہے۔ حالانکہ خارج نماز میں ستر نہیں۔ اور عورتوں کا تو کیا ذکر ہے ازواج مطہرات جن کا پردہ بالاتفاق سخت تھا۔ وہ ہمیشہ اپنوں اور بیگانوں کو مسائل بتلاتیں احادیث سناتیں اور اپنی ضروریات کے لئے بات چیت کرتیں۔

اِسی طرح مرد کی بابت یہ کہنا ٹھیک نہیں کہ جو مواضع جسم کے خارج نماز میں ستر نہیں وہ نماز میں کس وجہ سے ستر ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ ہم یکم دسمبر ۱۹۳۳ء کے پرچہ میں ثابت کر چکے ہیں کہ خارج نماز میں گھٹنا یا کچھ ران کھل جائے تو کوئی حرج نہیں۔ کیونکہ خارج نماز میں یہ ستر نہیں۔ لیکن داخل نماز میں یہ ستر ہیں تو معلوم ہوا کہ خارج نماز اور داخل نماز کا ایک حکم نہیں نہ عورت میں نہ مرد میں۔

(غلطی نمبر۲) عورت کی بابت جو یہ کہا ہے کہ "اس کو محرم کے سامنے اگرچہ سر ننگا کرنا جائز ہے لیکن نماز میں زیادہ احتیاط سے کام لیا جاتا ہے تاکہ کوئی قریبی غیر محرم نہ آجائے"۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں قریبی غیر محرم کے آنے کا کھٹکا نہ ہو وہاں بغیر اوڑھنی کے نماز پڑھ سکتی ہے جیسے خارج نماز میں جہاں کسی کے آنے کا کھٹکا نہ ہو وہاں سر ننگے بیٹھ سکتی ہے۔ حالانکہ نماز میں غیر کھٹکہ والی جگہ میں بھی سر پر کپڑا ضروری ہے کیونکہ حدیث میں عام فرمایا ہے۔ کہ عورت کی نماز بغیر خمار (اوڑھنی) کے قبول نہیں۔ اگر کہا جائے کہ حدیث میں لفظ خمار ہے اور خمار کے معنی وہ شئے جو ڈھانک لے اور ڈھانکنا یہ ہے کہ شئے نظر نہ آئے پس ثابت ہوا کہ نماز میں عورت کے سر پر گاڑھا کپڑا ہونا چاہیئے تو اس کا جواب یہ ہے کہ خمار کے اصل معنے بے شک یہی ہیں مگر اب اصل معنی سے نقل ہو کر اوڑھنی کا اسم ہو گیا ہے۔ جس کا استعمال باریک میں بھی ہوتا ہے۔ جیسے وحید بن خلیفہ کی حدیث میں ہے جو گذر چکی ہے۔

(غلطی نمبر۳) تفسیر ابن کثیر میں زیر آیہ کریمہ خذوا زینتکم عند کل مسجد لکھا ہے۔

هذه الاٰية الكريمة رد على المشركين فيما كانوا يعتمدونه من الطواف عراة كما رواه مسلم والنسائى وابن جرير واللفظ له من حديث شعبة عن سلمة بن كهيل عن مسلم البطيني عن سعيد بن جبير عن ابن عباس رضـ قَالَ كَانُوا يَطُوفُونَ بِالْبَيْتِ عُرَاةً اَلرِّجَالُ وَالنِّسَاءُ الرِّجَالُ بِالنَّهَارِ وَالنِّسَاءُ بِاللَّيْلِ وَكَانَتِ الْمَرْاَةُ تَقُولُ

اليوم يبدو بعضه او كله
فما بدا منه فما احله

فقال الله تعالىٰ خُذُوا زِيْنَتَكُمْ عِنْدَ كُلِّ مَسْجِدٍ وقال العوفى عن ابن عباس رضـ فى قوله خذوا زينتكم عند كل مسجد الآية قال كان رجال يطوفون عراة فامرهم الله بالزينة وهو مايوارى السواة وما سوى ذالك من جيد البز والمتاع فامروا ان ياخذوا عند كل مسجد هكذا قال مجاهد وعطاء وابراهيم النخعى وسعيد بن جبير وقتادة والسدى والضحاك ومالك عن الزهرى وغير واحد من ائمة السلف فى تفسيرها انها نزلت فى طواف المشركين بالبيت عراة وقد روى الحافظ ابن مردويه من حديث سعيد بن بشر والاوزاعى عن قتادة عن انس

مرفوعا انها نزلت فی الصلوٰۃ فی النعال وفی صحتہ نظر اللہ اعلم وبھذہ الآیۃ
وما ورد فی معناھا من السنۃ یستحب التجمل عند الصلوٰۃ ولاسیما یوم الجمعۃ
ویوم العید والطیب لانہ من الزینۃ والسواک لانہ من تمام ذالک و
من افضل اللباس البیاض قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اِلْبَسُوا مِنْ
ثِیَابِکُمُ الْبَیَاضَ فَاِنَّھَا مِنْ خَیْرِ ثِیَابِکُمْ وَکَفِّنُوْا فِیْھَا مَوْتَاکُمْ وَاِنَّ مِنْ خَیْرِ اَکْحَالِکُمُ
الْاِثْمِدُ فَاِنَّہٗ یَجْلُو الْبَصَرَ وَیُنْبِتُ الشَّعْرَ ھذا حدیث جید الاسناد انتھٰی
ملخصا۔ (ابن کثیر جلد ۴ صفحہ ۱۸۴)

یہ آیت مشرکوں کے ننگے طواف کرنے کے رد میں اتری ہے۔ مسلم۔ نسائی اور ابن جریر نے
ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ مشرک مرد عورت ننگے طواف کرنے مرد دن میں کرتے
عورتیں رات میں کرتیں۔ اور عورت طواف کرنے کے وقت یہ شعر پڑھتی جس کا مطلب یہ ہے
کہ آج میری شرمگاہ کچھ یا ساری ننگی ہو جائے گی۔ پس جو ننگی ہو جائے اس کو میں کسی کے لئے
حلال نہیں کرتی۔ اور عوفی نے ابن عباس رضؓ سے روایت کیا ہے کہ مرد ننگے طواف کرتے
تو اللہ تعالیٰ نے ان کو زینت کا حکم دیا۔ اور زینت سے مراد شرمگاہ کا ڈھکنا ہے اور اس
کے علاوہ دوسری زینت بھی اس میں داخل ہے جیسے اچھا کپڑا اچھا سامان (خوشبو۔ مسواک
وغیرہ) مجاہدؒ۔ عطاءؒ۔ ابراہیم نخعیؒ۔ سعید بن جبیرؒ۔ قتادہؒ۔ سدیؒ۔ ضحاکؒ اور مالک رحؒ نے
زہری سے اور ان کے سوا بہت سے ائمہ سلف نے اس آیت کی تفسیر میں کہا ہے کہ یہ
مشرکوں کے ننگے طواف کرنے کی بابت اُتری ہے اور حافظ ابن مردویہ نے انس رضؓ سے مرفوع
روایت کی ہے۔ کہ یہ جُوتوں میں نماز پڑھنے کی بابت اتری ہے۔ یعنی اس میں جوتوں سمیت
نماز پڑھنے کا ارشاد ہے۔ لیکن اس روایت کی صحت میں نظر ہے اور اس آیت کی وجہ سے اور
جو اس قسم کی احادیث آئی ہیں ان کی وجہ سے نماز کے وقت زینت مستحب سمجھی گئی ہے خاص
کر جمعہ اور عید کو۔ اور خوشبو بھی مستحب ہے کیونکہ وہ زینت ہے اور مسواک بھی مستحب ہے کیونکہ
اس سے زینت پوری ہوتی ہے اور بہتر کپڑے سفید ہیں۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے
ہیں سفید کپڑے پہنو کیونکہ وہ بہتر کپڑے ہیں۔ اور انہی میں اپنے مُردوں کو کفن دو اور

تمہارے بہتر سرموں کا اثمد (اصفہانی) ہے کیونکہ یہ آنکھوں کو روشن کرتا ہے۔ اور پلکوں کے بال اُگاتا ہے۔

اسی طرح ابن کثیر کے علاوہ دوسری تفاسیر میں لکھا ہے کہ یہ مشرکوں کے ننگے طواف کرنے کی بابت اُتری ہے۔ ہاں حکم اس کا عام ہے۔ اس میں شرمگاہ کا ڈھکنا بھی داخل ہے اور دوسری زینت بھی داخل ہے۔

پس اب مولوی عبدالقادر صاحب کا اس سے نماز میں کندھوں کے ستر نہ ہونے پر استدلال کرنا ٹھیک نہ ہُوا۔ کیونکہ اس سے یہ پتہ نہیں لگ سکتا کہ کندھے ستر ہیں یا نہیں۔ نیز اس کو مردوں کے ساتھ خاص کرنا ٹھیک نہ ہُوا کیونکہ عورتیں بھی ننگی طواف کرتی تھیں تو جیسی یہ مردوں کو شامل ہے عورتوں کو شامل ہوئی۔

کندھوں کے نماز میں ستر نہ ہونے کے لئے صحیح استدلال یہ ہے کہ خارج نماز میں کندھے بالاتفاق ستر نہیں تو نماز میں ستر ثابت کرنے کی بابت کوئی دلیل چاہیئے جس میں کندھوں کے ڈھکنے کا حکم ہو۔ لیکن ایسی کوئی دلیل نہیں آئی۔ حدیث میں صرف اتنا آیا ہے کہ ایک کپڑے میں نماز پڑھے تو کپڑے کا کچھ حصّہ کندھوں پر ضرور ہونا چاہیئے اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں۔ ایک یہ کہ سارے کندھوں کا ڈھکنا ضروری نہیں۔ بلکہ تھوڑا سا کپڑا بھی کندھوں پر کافی ہے۔ دوم یہ کہ اگر دو کپڑے ہوں تو جو تہ بند کے لئے ہے اس میں گاڑھا ہونے کی تو شرط ہے کیونکہ یہ ستر کے لئے ہے لیکن دوسرے کے لئے کوئی شرط نہیں آئی پس معلوم ہُوا کہ خواہ وہ گاڑھا ہو یا باریک کافی ہے۔ ہاں اتنا شبہ ہوتا ہے کہ ایک کپڑے کی حالت میں جب ارشاد ہے کہ کچھ حصّہ اس کا کندھوں پر ہو، ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ کندھوں کے جتنے حصّے پر یہ کپڑا ہوگا اتنا ڈھکا ہُوا ہوگا دکھائی نہیں دے سکتا تو شاید دوسرا کپڑے ہونے کے وقت بھی شارع کو یہی منظور ہو کہ کچھ کندھوں کا اس طرح سے ڈھکنا ضروری ہے کہ دکھائی نہ دے اس لئے میرے خیال میں احتیاطاً بہتر یہی ہے کہ نماز میں کندھے پر گاڑھا کپڑا ہو۔ اگرچہ جواب دیا جا سکتا ہے۔ کہ ایک کپڑے کی حالت میں جب اسی سے کچھ کندھوں پر ہوگا تو اس کو ڈھکنا لازم آجاتا ہے کیونکہ کپڑا گاڑھا ہے اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا ہے کہ شارع کا مقصد ڈھکنا ہے تاکہ دوسرے کپڑے کا گاڑھا ہونا بھی ضروری سمجھا جائے۔ مگر پھر بھی عمل میں احتیاط بہتر ہے۔ کیونکہ شارع کا مقصد ضروری طور پر تو ثابت نہیں ہوتا لیکن اس کے ہونے کا قوی احتمال ہے۔ اس لئے بہتر گاڑھا کپڑا ہی ہے۔ بلکہ یہاں ایک اور قوی احتمال ہے وہ یہ کہ ایک کپڑے کے وقت کندھوں پر کچھ کپڑا ہونے کا حکم شاید مجبوری کے لئے ہے۔ کیونکہ ایک کپڑے میں عموماً تنگی ہوتی ہے پورے کندھوں پر آنا مشکل ہے دوسرا کپڑا ہونے کے وقت پورے کندھوں

پر کپڑا ہو کچھ پر کفایت نہ کرنی چاہیئے۔ لیکن یہ سب عملی احتیاط ہے۔ اگر کوئی کندھوں پر باریک کپڑا ہے یا دوسرے کپڑے کے وقت کچھ کندھوں پر کفایت کرے تو اس کو بُرا نہیں کہا جا سکتا۔ ہاں ہمیشہ بے احتیاطی غیر مناسب ہے اس سے بچنا چاہیئے۔

(غلطی نمبر ۴) مولوی عبدالقادر صاحب نے نماز میں عورت کے حق میں سر کو ستر ثابت کرنے کیلئے کئی احادیث ذکر کی ہیں مگر اکثر شبہ سے خالی نہیں۔ مثلاً یہ حدیث کہ عورت کی صحن کی نماز سے اندر مکان کی نماز بہتر ہے۔ یا یہ حدیث کہ عورتوں کی پہلی صف بہتر ہے اور پچھلی صف بری ہے یا یہ حدیث کہ عورت کو پیچھے اکیلی کھڑا کیا اس قسم کی احادیث سے اگر نماز میں سر کا ستر ہونا سمجھا جائے تو ہاتھ مُنہ کا ستر ہونا بھی سمجھا جائے گا۔ حالانکہ ہاتھ منہ نماز میں ستر نہیں۔

اگر کہا جائے کہ ہاتھ منہ کے نماز میں ستر نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وہ خارج نماز میں ستر نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ سر بھی خارج نماز میں محرم سے ستر نہیں تو جب کسی قریبی غیر محرم کے آنے کا کھٹکا نہ ہو اس وقت باریک کپڑا کافی ہونا چاہیئے۔ چنانچہ غلطی نمبر ۲ میں ذکر ہو چکا ہے۔ اسی طرح حدیث دحیہ بن خلیفہ رضؓ جس میں ذکر ہے کہ آپ نے ان کو اس کی بیوی کے لئے باریک اوڑھنی دی۔ اور فرمایا اپنی بیوی کو حکم دے کہ اس کے نیچے دوسرا کپڑا پہنے۔ اور حضرت عائشہ رضؓ والی حدیث جس میں ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی بھانجی کی باریک اوڑھنی پھاڑ کر گاڑھی پہنا دی ان دونوں حدیثوں میں نماز کا ذکر ہی نہیں۔ پس نماز میں سر کو ستر ثابت کرنے کی بابت ان کو پیش کرنا ٹھیک نہیں۔ خارج نماز میں تو جہاں کسی قریبی غیر محرم کے آنے کا خطرہ نہ ہو وہاں اوڑھنی اتار سکتی ہے مگر نماز میں کسی وقت نہیں اتار سکتی۔ چنانچہ یہ بھی غلطی نمبر ۲ میں گذر چکا ہے۔ پس معلوم ہوا کہ خارج نماز اور داخل نماز کا ایک حکم نہیں۔ اور غلطی نمبر ۲ میں یہ بھی گذر چکا ہے کہ حدیث لا یقبل اللہ صلوٰۃ حائض الا بخمار (عورت کی نماز خدا بغیر اوڑھنی کے قبول نہیں کرتا) بھی سر کے ستر ہونے پر دلالت نہیں کرتی پس اب صرف ایک حدیث رہ گئی جو سبل السلام نے طبرانی سے نقل کی ہے۔ یہ بے شک صاف طور پر نماز میں سر کے ستر ہونے پر دلالت کرتی ہے لیکن اس میں ایک راوی عمرو بن ہاشم بیروتی ہے۔ تقریب میں اس کی بابت لکھا ہے "صدوق یخطی" سچا ہے غلطیاں کرتا ہے دوسرا راوی اس میں یحییٰ بن ابی کثیر ہے جو عبداللہ بن ابی قتادہ سے عن کے ساتھ روایت کرتا ہے اور تقریب میں لکھا ہے ثقۃ ثبت لکنہ یدلس ویرسل بہت ثقہ ہے۔ لیکن تدلیس اور ارسال

کرتا ہے یعنی اپنے ملاقاتی[1] سے یا اپنے معاصر سے بغیر اس طرح روایت کرتا ہے[2] کہ سننے والے کو شبہ پڑے

[1] تدلیس اور ارسال میں یہ فرق ہے کہ تدلیس میں ملاقاتی ہونا شرط ہے اور ارسال میں معاصر ہونا۔ ۱۲

[2] مثلاً کہے عن فلان یا قال فلان اور اس (فلان) سے سُنا نہ ہو ایسے راوی کی روایت بغیر تصریح سماع کے کمزور ہوتی ہے۔ ہاں اگر سماع کی تصریح کرے مثلاً کہے سمعت فلاناً (میں نے فلان سے سنا) یا حدثنی فلان (مجھے فلاں نے حدیث سنائی) تو اس وقت وہ کمزوری دُور ہو جائے گی۔ حافظ ابن حجر نے طبقات المدلسین میں تدلیس کے ۵ مراتب لکھے ہیں اوّل یہ کہ تدلیس شاذونادر ہو۔ ایسے راوی کی روایت کمزور نہیں ہوتی جیسے یحییٰ بن سعید الانصاری۔ دوم یہ کہ تدلیس اُس کی کچھ زیادہ ہے۔ لیکن وہ بڑا محدثؒ اور فن حدیث کا امام ہے۔ اس کی درست احادیث کے مقابلہ میں تدلیس بہت تھوڑی ہے۔ اس کی حدیث کو ائمہ حدیث لے لیتے ہیں جیسے سفیان ثوری اسی طرح جو ثقہ سے تدلیس کرے۔ (مثلاً اس نے زید سے روایت سُنی اور زید نے عمرو سے اور عمرو اس کا ملاقاتی ہے تو اس نے زید کو حذف کر کے عمرو کا نام لے کر عن عمرو کہہ دیا۔ حالانکہ اس نے عمرو سے نہیں سُنی لیکن زید جس کو اس نے حذف کیا ہے وہ ثقہ ہے۔ پس جب اس کے اقرار سے یا تحقیقات سے معلوم ہو جائے کہ یہ ثقہ سے تدلیس کرتا ہے یعنی جس کو حذف کرتا ہے وہ ثقہ ہوتا ہے۔ تو اس کی حدیث کو بھی ائمہ حدیث لے لیتے ہیں۔ جیسے سفیان بن عیینہ اور یحییٰ بن کثیر جس کا ذکر یہاں ہو رہا ہے اس کو بھی حافظ ابن حجر رح نے تدلیس کے مرتبہ دوم میں شمار کیا ہے۔ سوم جو بہت تدلیس کرے اس کی حدیث کو ائمہ بغیر تصریح سماع کے نہیں لیتے خواہ سماع کی تصریح کرے یا نہ کرے جیسے ابوالزبیر مکّی جو حدیث قراءة الامام قراٴة له کا راوی ہے۔ چہارم جس کی حدیث تصریح سماع کے بغیر بالاتفاق مردود ہے کیونکہ اس کی تدلیس ضعیف اور مجہول راویوں سے بہت ہے جیسے بقیہ بن الولید۔ پنجم تدلیس کے سوائے کوئی اور عیب بھی ہو۔ اسکی حدیث ہر صورت میں مردود ہے خواہ سماع کی تصریح کرے یا نہ۔ ہاں اگر اس میں تھوڑا ضعف ہو تو اسکی روایت تائید وغیرہ کا کام دے سکتی ہے جیسے عبداللہ بن لہیعہ اس میں تدلیس کے علاوہ اختلاط حافظ کا عیب بھی ہے۔

حافظ ابن حجر رح نے مرتبہ دوم کی بابت جو کچھ لکھا ہے کہ اسکی حدیث کو ائمہ حدیث لے لیتے ہیں اس میں نظر ہے کیونکہ سلیمان تیمی جو حدیث واذا قرأ فانصتوا کا راوی ہے اس پر امام بخاری نے جزء القراءة میں تدلیس کا اعتراض کیا ہے جس سے امام بخاری کا مقصود حدیث واذا قرأ فانصتوا کی کمزوری تبلانا ہے۔ حالانکہ حافظ ابن حجر رح نے سلیمان تیمی کو تدلیس کے مرتبہ دوم میں شمار کیا ہے تو چاہیے تھا کہ امام بخاری اس کی حدیث کو لے لیتے اور کمزور ثابت نہ کرتے۔ ۱۲

کرسُن کر روایت کی ہے۔ یہ عیب اس کے اندر ہے ایسے راوی کی اس قسم کی روایت کمزور ہوتی ہے اور عمرو بن ہاشم میں بھی کچھ کمزوری ہے۔ پس ان دو راویوں کی وجہ سے یہ روایت پوری تسلی بخش نہیں رہی۔ ہاں کچھ صلاحیّت رکھتی ہے کیونکہ ایک تو اس میں کمزوری معمولی ہے۔ دوسرے اس کے خلاف کوئی روایت نہیں۔

(غلطی نمبر ۵) یہاں تک تو احادیث کے متعلق گفتگو تھی۔ اب آیہ کریمہ ولا یبدین زینتھن الآیۃ اور آیہ کریمہ خذوا زینتکم عند کل مسجد کی بابت سُنیئے۔ یہ دونوں آیتیں نماز میں عورت کے سر کے ستر ہونے پر زبردست دلیل ہیں۔ مگر مولوی عبدالقادر صاحب نے دوسری آیت کو تو مرد کے کندھوں وغیرہ سے خاص کر دیا۔ اور پہلی کی تقریر ایسی کی جس پر یہ اعتراض بدستور رہا کہ عورت خارج نماز میں جہاں غیر محرم کے آنے کا اندیشہ نہ ہو سر سے کپڑا اتار سکتی ہے۔ تو نماز میں ایسے موقعہ پر سر پہ باریک کپڑا کیوں نہیں لے سکتی؟

مولوی عبدالقادر صاحب نے اس کا جواب دیا ہے کہ نماز میں زیادہ احتیاط برتا گیا تاکہ کہیں قریبی غیر محرم نہ آجائے۔ مگر یہ جواب کمزور ہے کیونکہ قریبی غیر محرم کا خطرہ نہ کوئی عام شئے ہے نہ اکثری ہے تو اس کی وجہ سے علی العموم ہر نماز میں سر پر گاڑھے کپڑے کے حکم دینے کی کوئی وجہ نہیں؛ ہاں جہاں قریبی غیر محرم کا خطرہ ہو وہاں گاڑھے کپڑے کا حکم ہونا چاہیئے۔ جہاں خطرہ نہ ہو وہاں نہ ہونا چاہیئے۔

ہم پہلی آیت کی ایسی تقریر کرتے ہیں جس سے یہ اعتراض بھی دور ہو جائے اور عورت کے سر کا نماز میں ستر ہونا بھی ثابت ہو جائے۔ پس سُنیئے اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے زینت کی دو قسمیں بتلائی ہیں۔ ایک ظاہر زینت ایک غیر ظاہر یعنی باطنی زینت۔ ظاہر زینت سے مراد خواہ ہاتھ منہ وغیرہ ہوں۔ جیسے عبداللہ بن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں یا بدن کے کپڑے مراد ہوں جیسے عبداللہ بن مسعود فرماتے ہیں اس کے سوا باقی تمام بدن عورت کو اس آیت میں باطنی زینت قرار دیا ہے۔ جس میں سر بھی داخل ہے اور ستر سے مراد باطنی زینت ہے۔ پس سر ستر ہوا اور اس بات پر اجماع ہے (جیسے ابن جریر میں ہے) کہ جو ستر ہے اس کا نماز[ل] میں ڈھانکنا ضروری ہے۔ پس نماز میں سر

ل نماز میں اس ستر کے ڈھانکنے پر اجماع ہے جس کو کھولنے میں ایک طرح کی بے شرمی ہے۔ جس میں ہاتھ منہ وغیرہ کے سوا عورت کا سارا بدن داخل ہے۔ غیر محرم کے سامنے سر وغیرہ کے کھولنے کی اجازت اس لئے ہے کہ ہر وقت سر وغیرہ پر کپڑا رکھنا مشکل ہے۔ اس مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے شرع نے اجازت دیدی اگر یہ ضرورت نہ ہوتی تو عورت کو محرم کے سامنے تو کیا تنہائی میں بھی سر وغیرہ کا کھولنا اچھا نہ ہوتا۔ کیونکہ جس کے کھولنے میں ایک طرح کی بے شرمی ہو۔ اس کو بغیر ضرورت کے کھولنا اچھا نہیں۔ چنانچہ اس کی تفصیل آگے آتی ہے۔ ۱۲

کے ڈھانکنے پر اجماع ہوا اب اگر یہ تفصیل کریں کہ جو شئے بعض سے ستر ہے بعض سے ستر نہیں اس کا نماز میں ہمیشہ ڈھانکنا ضروری نہیں تو اس سے لازم آئے گا کہ عورت کو نماز میں ناف سے گھٹنوں تک بھی ہمیشہ ڈھانکنا ضروری نہ ہو کیونکہ ناف سے گھٹنوں تک اگرچہ محرم اور غیر محرم سے ستر ہے لیکن خاوند سے ستر نہیں پس چاہیئے جہاں خاوند کے سوا کسی اور کے آنے کا خطرہ نہ ہو وہاں باریک آزار سے عورت کی نماز ہو جائے۔ حالانکہ یہ جائز نہیں پس معلوم ہؤا کہ ستر سے مراد عام ہے۔ خواہ بعض سے ستر ہو یا تمام سے۔ اس بناء پر عورت نماز میں کسی وقت سر پہ باریک کپڑا نہیں لے سکتی۔ کیونکہ سر اگرچہ محرم سے ستر نہیں۔ لیکن غیر محرم سے تو ستر ہے۔

اسی طرح آیۃ کریمہ خذوا زینتکم عند کل مسجد (نماز وغیرہ کے وقت زینت پکڑو) اس بات پر دلالت کرتی ہے۔ کہ نماز میں عورت کو سر ڈھانکنا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ آیت زینت باطنی کو شامل ہے۔ چنانچہ غلطی نمبر ۳ میں گذر چکا ہے۔ کہ اس کا نزول ننگے طواف کرنے کی تردید میں ہے اُوپر معلوم ہو چکا ہے۔ کہ عورت کا سر زینت باطنی میں داخل ہے۔ پس اس آیت سے بھی ثابت ہؤا کہ نماز کے وقت عورت کو سر ڈھکنا ضروری ہے۔

(نوٹ اوّل) اس آیت سے بھی اُوپر کے اعتراض کا جواب ہو گیا۔ تقریر اس کی یہ ہے کہ عورت کو نماز میں سر وغیرہ پر کپڑا لینے کا حکم کیوں ہے؟ کیا غیر سے ستر کے لئے ہے یا اس کو ایسی حالت بنانے کا حکم ہے جس میں ستر ہو۔ خواہ کسی کے آنے کا خطرہ ہو یا نہ ہو۔ اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ غیر سے ستر کیلئے نہیں۔ بلکہ اس لئے ہے کہ اس میں زینت ہے اور اُوپر کے اعتراض کی بنا اس پر تھی کہ غیر سے ستر کے لئے ہو پس جب بنا ٹوٹ گئی تو اعتراض بھی ٹوٹ گیا۔

(نوٹ دوم) طبرانی کی حدیث جو صاحب سبل السلام نے ذکر کی ہے اگرچہ اس میں کچھ کمزوری ہے لیکن ان آیتوں کے ساتھ مل کر ایک زبردست دلیل بن گئی۔ خاص کر جب اس کے اور مؤیدات بھی ہیں۔ ایک مؤید یہ ہے کہ اُس زمانہ میں گاڑھی اوڑھنی کا دستور تھا۔ چنانچہ حضرت عائشہ رض نے اپنی بھتیجی حفصہ کی باریک اوڑھنی پھاڑ کر گاڑھی دیدی اور دحیہ بن خلیفہ کو آپ نے باریک اوڑھنی دی اور فرمایا اپنی بیوی کو کہہ دے کہ اس کے نیچے اور کپڑا پہنے اور بخاری صفحہ ۴۳ باب فی کم تصلی المرأۃ میں ہے عکرمہ کہتے ہیں۔ اگر عورت ایک کپڑے سے اپنا سارا بدن چھپالے تو جائز ہے۔ جب گاڑھی اوڑھنی کا دستور تھا تو اس دستور کے مطابق آپ نے فرمایا اوڑھنی کے بغیر عورت کی نماز نہیں۔ اور اسی لئے عکرمہ نے بدن چھپانے کا ذکر کیا بدن

پر صرف کپڑا لینے کا۔

دوسرا مؤید یہ احادیث ہیں۔ (۱) ایاکم والتعری فان معکم من لا یفارقکم الا عند الغائط وحین یفضی الرجل الی اھلہ فاستحیوھم واکرموا ھم رواہ الترمذی (مشکوٰۃ باب النظر الی المخطوبۃ فصل ۲)

پاخانہ اور بیوی کے پاس جانے کے سوا ننگا ہونے سے بچو کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو تم سے کسی وقت جُدا نہیں ہوتے۔ پس ان سے شرم کرو اوران کی عزّت کرو۔

(۲) احفظ عورتک الا من زوجتک اوما ملکت یمینک قلت یارسول افرایت اذا کان الرجل خالیا قال فاللہ احق ان یستحیی منہ (حوالہ مذکورہ فتح البیانؑ جلد ۶ صفحہ ۲۹۷ زیر آیہ ویحفظن فروجھن بحوالہ بخاری وغیرہ)

عورت اور لونڈی کے سوا اپنی شرمگاہ کی حفاظت کر۔ راوی کہتا ہے میں نے کہا اگر آدمی اکیلا ہو۔ پس فرمایا اللہ تعالیٰ شرم کے زیادہ لائق ہے فرشتوں اور خدا سے پردہ تو نہیں ہو سکتا۔ مگر مقصود یہ ہے کہ ان کے سامنے ایسی حالت بنانی چاہیئے جیسی پردے کی ہے۔ کیونکہ اس میں ان کی عزت ہے اور یہ حکم خارج نماز میں خواہ ضروری نہ ہو نماز میں ضروری ہے کیونکہ انسان خدا کے دربار میں ہوتا ہے۔ اس لئے اس میں ادب کرنا لازم ہو جاتا ہے جیسے نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنا اور سامنے جوتا[1] رکھنا منع ہے۔ اور عورت کے لئے سر ستر ہے پس اُسکا ڈھانکنا بھی عورت کے لئے نماز میں ضروری ہُوا۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ نماز میں اصل مقصود ستر ڈھانکنے سے ستر کی حالت بنانا ہے نہ کہ غیر محرم سے ستر کرنا چنانچہ نوٹ اوّل میں گذرا ہے۔

ع فتح البیان میں حدیث کے الفاظ کچھ زیادہ ہیں۔ ۱۲

[1] تھوک کی حدیث مشکوٰۃ وغیرہ میں موجود ہے۔ اور جوتے کی طبرانی صغیر صفحہ ۱۲۵ میں ہے۔ اس کے الفاظ یہ ہیں عن عبد الرحمٰن بن ابی بکرۃ عن ابیہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا خلع احدکم نعلیہ فی الصلوٰۃ فلا یجعلھما بین یدیہ فیأتم بھما اخوہ المسلم ولکن لیجعلھما بین رجلیہ۔ جب کوئی تم سے نماز میں جوتا اتارے تو آگے نہ رکھے تاکہ جوتا کی اقتدا لازم نہ آئے نہ پیچھے رکھے تاکہ اس کے پچھلے بھائی کی اقتداء جوتہ کے ساتھ لازم نہ آئے لیکن دو پاؤں کے درمیان رکھے۔ ۱۲

سوال:۔ جس کی ڈاڑھی کتری ہوئی ہو۔اس کے پیچھے نماز پڑھنی منع ہے۔ یا جائز ہے؟

جواب:۔ جس کی ڈاڑھی مٹھی سے اندر کتری ہو وہ فاسق ہے۔ اس کو امام بنانا جائز نہیں۔ کیونکہ حدیث میں ہے اِجْعَلُوْا اَئِمَّتَکُمْ خِیَارَکُمْ یعنی امام بہتر لوگوں کو بنایا کرو اور ایک شخص کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز میں قبلہ کی طرف تھوکنے پر امامت سے معزول کر دیا تھا۔ ہاں ایسے لوگ زبردستی امام بن جائیں اور اتفاقیہ ان کے پیچھے نماز پڑھنے کا موقعہ ہو جائے تو ہو جاتی ہے۔

عبداللہ روپڑی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ مطابق ۲۴ جون ۱۹۶۰ء

سوال:۔ عورت نماز میں جوڑا باندھ سکتی ہے۔

جواب:۔ منتقی میں ابی رافع سے حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع کیا ہے کہ کوئی شخص جوڑا باندھ کر نماز پڑھے۔ ابوداؤد میں ہے کہ ابو رافع نے حسن بن علی کو لٹیں باندھے دیکھا تو ابو رافع نے لٹیں کھول دیں اور کہا کہ حضورؐ کا ارشاد ہے کہ یہ شیطان کے بیٹھنے کی جگہ ہے یہ حکم اگرچہ مردوں کو ہے مگر اس میں عورتیں بھی شامل ہیں لہذا عورت کو جوڑا باندھ کر نماز پڑھنی منع ہے۔ عبداللہ امرتسری ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۵۳ھ

سوال:۔ پتلون۔ نیکر۔ انگریزی لباس ٹوپی بوٹ پہننے جائز ہیں یا نہیں؟

جواب:۔ انگریزی لباس بالکل درست نہیں۔ جو خاص انگریز کا شعار ہو اس طرح دوسرے کفار کا لباس جیسے دھوتی وغیرہ بھی جائز نہیں۔ حدیث میں ہے من تشبہ بقوم فھو منھم جو کسی قوم سے مشابہت کرے وہ ان سے ہے۔

عبداللہ روپڑی ۲۸ ذی الحجہ ۱۳۷۹ھ ۲۴ جون ۱۹۶۰ء

مساجد کا بیان

محراب کا مسئلہ

سوال:۔ آج کل مسجدوں میں محرابیں ہیں۔ جن میں کھڑے ہو کر امام نماز پڑھاتے ہیں۔ وہ ناجائز ہیں یا جائز۔ اگر جائز ہیں تو مدلل تحریر فرمائیں؟

جواب:۔ بعض روائتوں میں محراب کا ثبوت ملتا ہے۔ سنن کبری بیہقی میں ہے۔

عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھض الی المسجد

فَدَخَلَ الْمِحْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيْرِ الحدیث یعنی وائل بن حجر رضؓ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد کی طرف اٹھ کر محراب میں داخل ہوئے اور نماز کی نیت باندھی۔
بعض اور روایتوں سے اس کی تائید ہوتی ہے۔ اور جن روایتوں سے محراب کی ممانعت معلوم ہوتی ہے۔
ان میں تصریح ہے۔ کہ نصاریٰ کی سی محراب سو وہ بے شک منع ہے۔ جیسے گرجوں میں ہوتی ہے۔

عبداللہ امرتسری ۱۵ رجب ۱۳۵۳ھ

تعاقب:۔ مذکورہ بالا جواب پر مولوی عبدالقادر حصاری نے تعاقب کیا ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

مولوی عبدالقادر نے تعاقب کرتے ہوئے لکھا ہے:۔

"کہ آنجناب کو بوجہ عدم تامل غلطی لگی ہے۔ کہ مسجد نبوی میں محراب تھا۔ حالانکہ محراب نہیں تھا۔"
چنانچہ امام جلال الدین سیوطی اپنی کتاب اعلام الارانیب میں فرماتے ہیں۔
لَمْ يَكُنْ فِي زَمَانِهِ قَطُّ الْمِحْرَابُ وَلَا فِي زَمَانِ خُلَفَاءِ الْاَرْبَعَةِ فَمَنْ بَعْدِهِمْ اِلٰى آخِرِ الْمِائَةِ الْاَوَّلِ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور چاروں خلیفوں کے زمانوں میں محراب نہ تھا۔
علامہ سمہودی خلاصۃ الوفاء صـ۱۳۲ میں فرماتے ہیں:۔
وَلَيْسَ فِي الْمَسْجِدِ شُرُفَاتٌ وَلَا مِحْرَابٌ وَاَوَّلُ مَنْ اَحْدَثَ الْمِحْرَابَ وَالشُّرُفَاتِ عُمَرُ بْنُ عَبْدِ الْعَزِيْزِ یعنی مسجد مدینہ میں برج اور محراب نہ تھے سب سے پہلے ان کے بانی عمر بن عبدالعزیز ہیں۔
بعد از تتبع کتب متداولہ یہی امر ثابت ہوا کہ مسجد نبوی میں طاق یعنی محراب متعارف الآن موجود نہ تھا۔
چنانچہ علامہ موصوف جو مہاجر اور مورخ مدینہ ہیں۔ اپنی کتاب وفاء الوفاء میں فرماتے ہیں۔
المسجد الشریف لم یکن له محراب فی عهد صلعم ولا فی زمن الخلفاء و بعده واوّل من احدثه عمر بن عبد العزیز فی امارة الولید انتهیٰ جلد اوّل صـ۲۶۴ یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد شریف میں آنحضورؐ اور خلفاء کے زمانہ میں محراب نہ تھا۔ یہ تو ولید بن عبدالملک کی خلافت میں عمر بن عبدالعزیز نے بنایا تھا۔

نفس احداث آں در عصر نبوی و عصر صحابہ نہ بودہ یعنی زمانہ نبوی اور زمانہ صحابہ میں محرابیں نہ تھیں

مولینا عبدالجبار غزنوی مرحوم اپنے فتاوی میں فرماتے ہیں۔

محراب حکم مسجد ندارد قیام دراں مکروہ است۔ یعنی محراب کو مسجد کا حکم نہیں ہے اور اس میں کھڑا ہونا مکروہ ہے۔ جامع البیان کے حاشیہ ص۵۰ آیت وھو قائم یصلی فی المحراب پر ہے۔ وفی الفتح وقد رویت فی کراھیۃ ذالک آثار کثیرۃ من الصحابۃ یعنی فتح البیان میں لکھا ہے کہ محراب کے مکروہ ہونیکے بارہ میں صحابہ رضؓ سے بہت اقوال مروی ہیں۔

امام ابن تیمیہ رحمہ اللہ تعالےٰ صراط مستقیم میں فرماتے ہیں۔

وقالوا (الحنفیۃ) ایضا یکرہ القیام فی الطاق لانہ یشبہ صنیع اھل الکتاب (الی) وھذا ایضا ظاھر مذھب احمد وغیرہ انتھیٰ۔ یعنی حنیفہ کہتے ہیں کہ محراب میں قیام کرنا مکروہ ہے کیونکہ یہ اہل کتاب کے مشابہ ہے اور امام احمد وغیرہ ائمہ کا بھی یہی مذہب ہے۔"

عون المعبود وغیرہ میں ملا علی قاری سے جو مشاہیر حنفیہ سے ہیں۔ یہ نقل کیا ہے۔

ان المحاریب من المحدثات بعدہ صلعم ومن ثم کرہ جمع من السلف اتخاذھا والصلوۃ فیھا انتھیٰ۔ یعنی محرابیں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں نہ تھیں بعد میں پیدا ہوئی ہیں۔ اسی وجہ سے سلف کی ایک جماعت نے اس کا بنانا اور اس میں نمازیں پڑھنا مکروہ قرار دیا ہے۔

حدیث وائل جو آنجناب نے محراب کے ثبوت میں بحوالہ سنن کبریٰ پیش کی ہے۔ یہ دو وجہ سے قابلِ استدلال نہیں۔

اول تو اس کی اسناد مخدوش ہے۔ چنانچہ علامہ شمس الحق غنیۃ الالمعی میں فرماتے ہیں کہ سند میں دو راوی مجروح ہیں۔ ایک تو محمد بن حجر حضرمی ہیں۔ ان کے متعلق میزان میں ہے لہ مناکیر اور دوسرا راوی سعید بن الجبار بن وائل ہے جس کی بابت تقریب میں ہے ضعیف من السابعۃ یعنی یہ ضعیف ہے میزان میں ہے قال النسائی لیس بالقوی۔ یعنی امام نسائی نے کہا ہے کہ یہ راوی قوی نہیں ہے اس

تصریح سے ثابت ہوا کہ آپ کی پیش کردہ حدیث قابل احتجاج نہیں ہے۔

دوم یہ کہ اس حدیث میں لفظ محراب محتمل الوجوہ ہے۔ زمانہ نبوی میں جب محراب متعارف موجود نہ تھا تو اس لفظ سے محراب متعارف مُراد لینا کس طرح صحیح ہو سکتا ہے ورنہ قرآن میں بھی یصلی فی المحراب سے محراب متعارف مراد لیا جا سکتا ہے حالانکہ اس کا کوئی قائل نہیں۔

فتح البیان میں ہے اس محراب سے مُراد غرفہ یعنی بالاخانہ ہے۔ جامع البیان میں بھی اسی طرح ہے تفسیر سراج المنیر میں ہے۔ المحراب الغرفۃ اسی طرح تفسیر مظہری میں ہے۔ آپ کی پیش کردہ حدیث میں محراب سے مُراد موقف امام ہے۔ لغت میں محراب کا اطلاق مجلس کی بہترین جگہ پر وارد ہے۔ چنانچہ فتح البیان میں ہے المحراب فی اللغۃ اکرم موضع فی المجلس عون المعبود میں ہے ویسمی موقف الامام من المسجد محرابا لانہ اشرف مجالس المسجد یعنی امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو محراب کہا جاتا ہے۔ کیونکہ وہ اور جگوں سے اشرف جگہ ہے۔

جامع البیان کے حاشیہ نمبر۵ میں ہے اخرج ابن المنذر عن السدی اَلْمِحْرَابُ مُصَلّیٰ تفسیر ابن جریر میں ہے المحراب مصلی قاموس میں ہے المحراب مقام الامام من المسجد انتھی۔ ان عبارتوں کا مطلب ایک ہے کہ محراب نماز پڑھنے کی اس مخصوص جگہ کو کہتے ہیں جو امام کے لئے پیشگاہ ہے اس کے شرف کی وجہ سے اس کو پیش گاہ کہا جاتا ہے۔ نیز اس وجہ سے بھی کہ وہاں قوم کا سردار شیطان سے محاربہ کرتا ہے فافھم وتدبر ولا تکن من الغابرین یا محراب سے مراد مسجد ہے کیونکہ محراب کا اطلاق مسجد پر بھی آیا ہے۔ تفسیر نیشاپوری جلد۳ صفحہ۱۸۳ میں ہے وقیل کانت مساجدھم تسمی المحاریب۔ یعنی زکریا علیہ السّلام کی قوم کی مساجد محرابوں کے نام سے موسوم تھیں تفسیر بیضاوی جلد۱ صفحہ۱۳۶ میں ہے المحراب ای المسجد۔ تفسیر سراج المنیر جلد۱ صفحہ۲۰۰ میں ہے ویقال ایضاً للمسجد محرابا یعنی مسجد کو بھی محراب کہا جاتا ہے۔

پس حدیث وائل میں مطلب یُوں ہوگا کہ مسجد کی طرف اُٹھے اور مسجد میں جا کر نماز پڑھی۔ بہرکیف متعارف الآن پر استدلال صحیح نہیں۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔

علّامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اس مسئلہ کے متعلق ایک رسالہ لکھا ہے۔ جس کا نام اعلام الاریب[1] بحدوث بدعۃ المحاریب" ہے۔

[1] حاشیہ صفحہ۳۱۱ پر دیکھیں

اسی طرح فتاوی مولانا عبدالحی[1] صاحب جلد ا صفحہ ۳۱ و جلد ۱ صفحہ ۱۴ ضرور زیر نظر رکھیں۔

امام بیہقی رحمہ نے حدیث کراہت باب پر پیش کی ہے۔ امام سیوطی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

عن عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اتقوا ھذہ المذابح۔ یعنی المحراب۔ یعنی ابن عمر سے مروی ہے کہ آنحضور صلعم نے فرمایا۔ ان محرابوں سے بچو یعنی ان کو اپنی مسجدوں میں نہ بناؤ (سنن کبریٰ)

مصنف ابن ابی شیبۃ میں ہے۔

عن موسی الجھنی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلعَمْ لَا تَزَالُ ھٰذِہِ الْاُمَّۃُ بِخَیْرٍ اَوْ قَالَ اُمَّتِیْ بِخَیْرٍ مَالَمْ یَتَّخِذُوْا فِیْ مَسَاجِدِھِمْ مَذَابِحَ النَّصَارٰی۔ یعنی حضور صلعم نے فرمایا کہ یہ اُمّت ہمیشہ خیر و برکت سے رہے گی جب تک اپنی مسجدوں میں محرابیں نہ بنائے گی۔ جیسے نصاریٰ اپنے گرجاؤں میں محرابیں بناتے ہیں۔

یہ حدیث اگرچہ مرسل ہے لیکن اس کا اعتضاد دیگر طرق سے ثابت ہے لہٰذا مقبول ہے اُصول کا یہ قاعدہ ہے کہ حدیثوں میں جب تعارض واقع ہو تو اقوال صحابہ رضہ کی طرف رُجوع کرنا چاہیے۔ سو اقوال صحابہ رضہ بھی اس کی ممانعت پر وارد ہیں۔ چنانچہ مجمع الزوائد میں ابن مسعودؓ سے مروی ہے۔

حاشیہ صفحہ ۳۱۱۔ اعلام الارانیب دیکھا گیا اس میں وہی روایات ہیں جو آپ نے ذکر کی ہیں۔ ہاں مندرجہ ذیل روایتیں آپ نے ذکر نہیں کیں۔ اخرج ابن ابی شیبۃ عن ابن مسعود قال اتقوا ھذہ المحاریب روی الطبرانی فی الاوسط عن جابر بن اسامۃ الجھنی قال لقیت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فی اصحابہ بالسوق فقلت این یا رسول اللہ قال نرید ان نخط لقومك مسجدا فاتیت وقد خط وغرز فی قبلتہ خشبۃ فانھا قبلۃ۔

[1] فتاوی مولوی عبدالحی صاحب بھی دیکھا اس میں زیادہ تر علامہ سیوطی کے رسالہ اعلام الارانیب کی عبارات ذکر کی ہیں اور ایقاظ النیام کے حوالہ سے حرمین شریفین میں صورت محاریب پر علماء کا انکار نقل کیا ہے۔ مگر یہ ایک مسجد میں متعدد محراب اور کثرت جماعت پر انکار ہے، جیسے مکہ میں ہوتا رہا ہے۔ سو اس قسم کا افتراق کسی کے نزدیک بھی درست نہیں۔ ۱۲۔

إِنَّهُ كَرِهَ الصَّلٰوةَ فِي الْمِحْرَابِ وَقَالَ إِنَّمَا كَانَتْ لِلْكَنَائِسِ فَلَا تَشَبَّهُوا بِأَهْلِ الْكِتَابِ یعنی ابن مسعود محراب میں نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے اور فرماتے تھے کہ محراب تو کنیسہ کے ہوتے ہیں تم نصاریٰ کی مشابہت نہ کرو یعنی مسجدوں میں محراب بنا کر ان میں نماز نہ پڑھا کرو۔

علامہ ہیثمیؒ فرماتے ہیں رجالہ موثقون یعنی اس حدیث کے راوی ثقہ ہیں۔

مصنف ابن ابی شیبۃ میں حضرت علیؓ سے مروی ہے انہ کرہ الصلوۃ فی الطاق۔ یعنی حضرت علیؓ محراب میں نماز پڑھنا مکروہ جانتے تھے۔ اس اثر میں لفظ طاق وارد ہے جس کے متعلق وکایۃ الروایۃ جلد ا صفحہ ۱۵۰ میں وارد ہے وکرہ قیام الامام فی طاق المسجد ای فی المحراب یعنی مسجد کے طاق سے مراد محراب ہے۔ ابن ابی شیبہ میں کعب سے مروی ہے انہ کرہ المذبح فی المسجد، یعنی مسجد میں محراب مکروہ ہے۔ اس اثر میں لفظ مذبح وارد ہے جس کی جمع مذابح آتی ہے۔ اس کے متعلق حاشیہ جامع البیان میں ہے اخرج الطبرانی والبیھقی فی سننہ عن ابن عمر المحاریب المذابح۔ یعنی مذابح کی تفسیر محاریب سے کی ہے۔

سالم بن ابو جعدؒ فرماتے ہیں۔

لَا تَتَّخِذُوا الْمَذَابِحَ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی مسجدوں میں محرابیں نہ بناؤ (ابن ابی شیبۃ)

عبدالرزاق نے ابراہیم نخعیؒ سے نکالا ہے انہ کان یکرہ ان یصلی فی طاق الامام۔

یعنی محراب میں نماز مکروہ ہے۔ منقولہ از اخبار محمدی دہلی مطبوعہ مارچ سنہ ۱۹۲۹ء۔

نیز محراب بنانا اجماع صحابہ کی رو سے منع اور قیامت کی نشانی ہے۔ امام ابن ابی شیبہ نے حضرت ابوذر سے نقل کیا ہے۔ إِنَّ مِنْ أَشْرَاطِ السَّاعَةِ يُتَّخَذُ الْمَذَابِحُ فِي الْمَسَاجِدِ یعنی قیامت کی نشانیوں سے ہے کہ محرابیں مسجدوں میں بنائی جائیں اخرج عبدالرزاق فی المصنف عن کعب رضی اللہ عنہ قال یکون فی اخر الزمان قوم یزینون مساجدھم ویتخذون بھا مذابح لمذابح النصاریٰ فاذا فعلوا ذالک صبت علیھم البلاء یعنی حضرت کعب رضی اللہ تعالیٰ عنہ کہتے ہیں کہ آخر زمانہ میں ایک ایسی قوم ہوگی جو مسجدوں کو مزین کرے گی تو ان پر مصیبت ڈال دی جائے گی۔

ابن ابی شیبہ میں ابو جعد سے مروی ہے کان اصحاب محمد صلی اللہ علیہ وسلم یقولون ان من اشراط الساعۃ ان یتخذوا المذابح فی المساجد یعنی الطاقات یعنی سب اصحاب محمدؐ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم محرابوں کا مسجدوں میں بنانا قیامت کی نشانیوں میں شمار کرتے تھے اور مذابح سے مراد طاق ہیں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حدیث اور اقوال صحابہ اور تابعین کے فرمان اور علماء محققین کے بیان سے یہ مسئلہ سورج کی طرح روشن ہے کہ محراب مسجد میں بنانا بدعت ہے اور قیامت کی نشانی ہے جو موجب مصائب ہے اور یہ نصاریٰ کا فعل ہے کہ وہ اپنے گرجاؤں میں محراب بناتے تھے۔ یہ مشابہت عبادت خانہ میں محراب بنانے کی ہے نفس محراب کی نہیں ہے۔

آنجناب یا آنجناب کے ہمخیال علماء کا یہ فرمانا کہ نصاریٰ جیسے محراب بنانے کی ممانعت ہے۔ مطلق محراب کی ممانعت نہیں ہے غلط ہے۔

اول۔ اس وجہ سے کہ بحث محراب مروجہ سے ہے۔ جو مسجد کے اندر سامنے کی دیوار میں طاق ہے رسو یہ آنحضرتؐ اور زمانہ خلفاء میں نہ تھا۔ کما ثبت چنانچہ حاشیہ جلالین میں سورہ سبا کے کلمہ محاریب پر لکھا ہے۔ المحراب المعروف الان لم یکن فی الصدر الاول کما نقله السیوطی (کمالین) یہ محراب معروف جواب موجود ہے۔ یہ صدر اول میں نہ تھا۔ جیسے امام سیوطی نے نقل کیا ہے۔

دوم۔ اس وجہ سے کہ محراب متعارف بھی بصورت طاق ہے اور محراب نصاریٰ بھی طاق کی صورت میں ان کے گرجاؤں میں تھا۔

سوم۔ اس وجہ سے کہ علماء دین اس محراب میں نماز پڑھنا مکروہ فرماتے چلے آئے ہیں۔

چہارم یہ کہ یہی محراب بعد زمانہ نبوی کے حسب پیشگوئی ظہور پذیر ہوا ہے۔ دیگر کوئی نہیں۔

پنجم یہ کہ کوئی دلیل قوی نفس محراب کے ثبوت پر ناطق نہیں ہے جس کی بنا پر محراب کی دو قسمیں بنائی جائیں۔ اور آپ کی پیش کردہ دلیل کمزور ہونے کے علاوہ محتمل الوجوہ ہے۔ اور نہ ہی علماء سلف نے یہ تفریق کی ہے۔

ششم یہ کہ صحابہ کرام اور تابعین اور علماء محققین قرناً بعد قرن مطلق محراب بنانے کی مخالفت کرتے رہے ہیں۔

(ابوالشکور محمد عبدالقادر حصاری)

جواب تعاقب۔ آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفاء کے زمانہ میں محراب سے

انکار کیا ہے۔ حالانکہ اس کے ثبوت میں متعدد روایات آئی ہیں۔ سنن کبریٰ بیہقی میں ہے۔

اخبرنا ابو سعد احمد بن محمد الصوفی انبأنا ابو احمد بن عدی الحافظ ثنا ابن معاهد ثنا ابراهيم بن سعيد ثنا محمد بن حجر الحضرمی حدثنا سعيد بن عبد الجبار بن وائل عن ابيه عن امه عن وائل بن حجر قال حضرت رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَضَ اِلَى الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ الْمِحْرَابَ ثُمَّ رَفَعَ يَدَيْهِ بِالتَّكْبِيْرِ ثُمَّ وَضَعَ يَمِيْنَهٗ عَلٰى يُسْرَاهُ عَلٰى صَدْرِهٖ (جلد ۲ ص۳)

وائل بن حجر رضہ کہتے ہیں۔ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد کی طرف اُٹھے۔ پس محراب میں داخل ہوئے پھر تکبیر کے ساتھ ساتھ ہاتھ اٹھائے پھر دایاں ہاتھ بائیں پر سینہ پر رکھا۔"

آپ نے اس حدیث کے دو راویوں میں کلام کی ہے۔ محمد بن حجر اور سعید بن عبد الجبار۔ اول الذکر کے متعلق آپ نے میزان سے نقل کیا ہے لہ مناکیر یعنی کئی احادیث اس کی منکر ہیں لیکن میزان میں اس کے بعد یہ بھی لکھا ہے وقال البخاری فیہ بعض النظر یعنی بخاری نے کہا ہے۔ اس میں کچھ نظر ہے۔ اور ثانی الذکر کے متعلق تہذیب التہذیب میں لکھا ہے ذکرہ ابن حبان فی الثقات یعنی ابن حبان نے اس کو ثقات میں ذکر کیا ہے جوہر النقی میں ام عبد الجبار کے متعلق لکھا ہے ھی ام یحییٰ لما اعرف حالھا یعنی اس کی کنیت ام یحییٰ ہے۔ مجھے اس کا حال معلوم نہیں۔ جوہر النقی والے نے گویا اس کو مستور الحال قرار دیا ہے۔ اُصولِ حدیث میں لکھا ہے جس سے دو راوی روایت کریں وہ مستور الحال ہے اور مستور الحال کی روایت امام ابوحنیفہ رح وغیرہ کے نزدیک حجت ہے۔ اور جمہور علماء کے نزدیک حجت نہیں ملاحظہ ہو عراقی وغیرہ مع حواشی اور تعجیل المنفعہ فی رجال الاربعہ ص۵۶۴ میں حافظ ابن حجر لکھتے ہیں۔ ام یحییٰ عن انس وعنھا عبد اللہ بن عمر العمری یعنی ام یحییٰ انس رضہ سے روایت کرتی ہیں اور عبد اللہ بن عمر عمری ام یحییٰ سے روایت کرتا ہے۔ اس کے حق میں حافظ ابن حجر رح نے لا تعرف نہیں کہا۔ یعنی غیر معروف شمار نہیں کیا ——— اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس حدیث میں معمولی کلام ہے جو معمولی تائید سے رفع ہو سکتا ہے۔ اس لئے ہم اس کی مؤید بعض روایتیں ذکر کرتے ہیں جن سے ثابت ہو جائے گا کہ محراب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور خلفا کے زمانہ سے چلا آیا ہے

پہلی حدیث۔ عن انس بن مالک قال لما سرق العود الذی کان فی المحراب فلم

يجده ابوبكر حتى وجده عمر رض عند رجل من الانصار بقباء قد دفن فارض (كذا فى الاصل) اكلته الارضة فاخذ له عودا فشقه فادخله فيه ثم شعبه فرده فى الجدار وهو العود الذى وضعه عمر بن عبد العزيز فى القبلة وهو الذى فى المحراب اليوم باق فيه وعند ابى داؤد عن محمد بن اسلم صاحب المقصورة قال صليت الى جنب انس بن مالك يوما فقال هل تدرى لم صنع هذا العود ــــــــــ فقلت لا والله قال كان رسول الله صلى الله عليه وسلم يضع يده عليه فيقول استووا واعدلوا صفوفكم (وفاء الوفاء جلد اول ص ۲۷۲ بحوالہ کتاب یحیٰی)

یعنی انس بن مالک سے روایت ہے جب وہ لکڑی سرقہ ہوگئی جو محراب میں تھی۔ تو حضرت ابوبکر کو نہیں ملی۔ یہاں تک کہ حضرت عمر رض کو قبا میں ایک انصاری کے پاس ملی۔ اس نے زمین میں دفن کر رکھی تھی اس کو دیمک نے کھالیا۔ حضرت عمر رض نے اس کو دوسری لکڑی سے پیوند کر کے ٹھیک کر دیا پھر اس کو وہیں دیوار میں گاڑ دیا اور یہ وہی لکڑی ہے جس کو عمر بن عبدالعزیز نے قبلہ میں رکھا اور آج تک محراب میں موجود ہے۔ اور ابوداؤد میں محمد بن اسلم صاحب حجرہ سے روایت ہے کہ میں نے ایک دن انس بن مالک کے پہلو میں نماز پڑھی فرمایا تو جانتا ہے کہ یہ لکڑی کیوں بنائی گئی میں نے کہا نہیں۔ فرمایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر ہاتھ رکھ کر فرمایا کرتے تھے کہ سیدھے ہو جاؤ۔ صفیں ٹھیک کرو۔

دوسری حدیث۔ عن مسلم بن خباب قال لما قدم عمر القبلة فقد العود الذى كان مغروسا فى الجدار فطلبوه فذكر لهم انه فى مسجد بنى عمرو بن عوف فجعلوه فى مسجدهم فاخذه عمر فرده الى المحراب وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا قَامَ إِلَى الصَّلٰوةِ أَمْسَكَهُ بِكَفِّهِ يَعْتَمِدُ عَلَيْهِ ثُمَّ فِي شِقِّهِ الْأَيْمَنِ فَيَقُولُ اعْدِلُوا صُفُوفَكُمْ ثُمَّ يَلْتَفِتُ إِلَى الْأَيْسَرِ فَيَقُولُ مِثْلَ ذَالِكَ ثُمَّ يُكَبِّرُ لِلصَّلٰوةِ وَذَالِكَ الْعُودُ مِنْ طَرْفَاءِ الْغَابَةِ۔ (وفاء الوفاء جلد اول ص ۲۷۳ بحوالہ ابن زبالہ ویحیٰی)

مسلم بن خباب سے روایت ہے کہ جب عمر رض نے قبلہ آگے کر دیا۔ یعنی قبلہ کی دیوار قبلہ کی جانب

ہٹا دی تو وہ لکڑی گم پائی جو دیوار میں گاڑی ہوئی تھی۔ اُس کو تلاش کیا پتہ لگا کہ وہ بنی عمرو بن عوف کی مسجد میں ہے حضرت عمرؓ نے اس کو لے کر اس کی جگہ محراب میں لٹا دیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز کے لئے کھڑے ہوتے تو اس کو ہاتھ سے تھام لیتے۔ اس پر سہارا کر کے داہنی جانب والوں کو کہتے اپنی صفیں ٹھیک کرو۔ پھر بائیں جانب توجہ کرتے اور اسی طرح کہتے۔ پھر نماز کے لئے تکبیر کہتے اور یہ لکڑی موضع غابہ کے جھاؤ کی تھی ——— ان روایتوں سے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے محراب ثابت ہوگئی۔ رہا آپ کا یہ کہنا کہ مسجد کو بھی محراب کہتے ہیں تو یہ درست ہے مگر یہاں یہ معنی صحیح نہیں کیونکہ ان روایتوں میں مسجد کے اندر محراب کا ذکر ہے۔ اور بیہقی رح کی روایت میں دخل المحراب (محراب میں داخل ہوئے) اور وفاء الوفار کی روایت میں لکڑی کا محراب کے اندر ہونا یہ بھی اس بارہ میں صاف ہے اور قاموس کی عبارت کہ اس سے مُراد محراب متعارف ہے جو آپ نے نقل کی ہے۔ یعنی المحراب مقام الامام من المسجد یعنی محراب مسجد سے امام کی جگہ ہے اس پر تاج العروس شرح قاموس جلد اوّل ص۲۰۰ میں لکھا ہے۔

قال الازهری المحراب عند العامة الذی یفهمه الناس مقام الامام من المسجد قال الانباری سمی محراب المسجد لانفراد الامام فیه وبعده من القوم ومنه یقال فلان حرب لفلان اذا کان بینهما بعد وتباغض وفی المصباح ویقال ماخوذ من المحاربة لان المصلی یحارب الشیطان ویحارب نفسه باحضار قلبه وفی لسان العرب المحاریب صدور المجالس ومنه محراب المسجد ومنه محاریب غمدان بالیمن والمحراب القبلة ومحراب المسجد ایضا صدره واشرف موضع فیه وفی حدیث انس انه کان یکره المحاریب ای لم یکن یحب ان یجلس فی صدر المجلس ویترفع فیه الناس

یعنی عام طور پر محراب کا معنی جو لوگ سمجھتے ہیں وہ مسجد سے امام کی جگہ ہے۔ انباری کہتے ہیں کہ امام اس میں لوگوں سے الگ کھڑا ہوتا ہے۔ اور مصباح میں ہے کہ کہا جاتا ہے کہ یہ محاربہ سے ہے نماز پڑھنے والا اس میں شیطان اور نفس سے لڑتا ہے۔ اور لسان العرب میں ہے۔ محراب مجلس کی اشرف جگہ کو بھی کہتے ہیں اور اس سے محراب مسجد ہے۔ وہ بھی مسجد سے اشرف جگہ ہے حدیث انس میں ہے کہ وہ محاریب کو مکروہ جانتے تھے یعنی ان میں بیٹھنا اور لوگوں سے بڑا ہونا پسند

نہیں کرتے تھے۔

مجمع البحار جلد اوّل ص۲۴۹ میں ہے۔

ودخل محرابا لہم ھو الموضع العالی المشرف وصدر المجلس ایضا ومنہ محراب المسجد وھو صدرہ واشرف موضع فیہ ومنہ حدیث انس کان یکرہ المحاریب ای لم یکن یحب ان یجلس فی صدر المجلس ویترفع علی النّاس وھو جمع المحراب ۔ یعنی محراب بلند جگہ کو کہتے ہیں۔ جو اور جگہ سے بلند ہو۔ اور مجلس میں اشرف جگہ کو بھی کہتے ہیں۔ اور اس سے محراب مسجد ہے۔ وہ ساری مسجد سے اشرف ہے۔ اور اس سے حدیث انسؓ ہے کہ محراب کو مکروہ جانتے تھے۔ یعنی صدر مجلس میں اور لوگوں سے بڑا ہو کر بیٹھنا پسند نہیں کرتے تھے۔

اس سے صاف معلوم ہوا کہ مسجد میں محراب سے عام طور پر امام کی خاص جگہ مراد ہوتی ہے جو عموماً لوگ سمجھتے ہیں۔ پس یہاں اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال کا استعمال بے محل ہے۔

اب ان روایات کا حال سنیئے جو ممانعت میں وارد ہوئی ہیں۔ ان روایتوں میں نصاری کی سی محرابوں سے ممانعت ہے۔ چنانچہ بعض روایتوں میں مذابح نصاری کی تصریح ہے اور مذابح النصاری محراب متعارف کا غیر ہے۔ مجمع البحار میں ہے۔ اتی بمن ارتد عن الاسلام فقال کعب ادخلوہ المذبح وضعوا التوراۃ وحلفوہ باللہ ھو واحد المذابح وھی المقاصیر وقیل المحاریب (مجمع البحار جلد اول ص۳۴۴) یعنی ایک شخص اسلام سے مرتد ہو گیا۔ کعب نے کہا اس کو مذبح میں داخل کرو اور اس کے سر پر تورات رکھو اور خدا کی قسم کھلاؤ۔ اس روایت میں مذبح کی مذابح جمع ہے اور مذابح حجروں کو کہتے ہیں۔ اور کہا گیا ہے کہ یہاں محراب مراد ہیں۔

قاموس مع تاج العروس میں ہے۔

والمذابح المقاصیر فی الکنائس جمع المقصورۃ ویقال ھی المحاریب (جلد ۲ ص۳۵)

یعنی مذابح گرجوں میں حجروں کو کہتے ہیں اور کہا جاتا ہے کہ وہ محراب ہیں۔

منجد میں ہے۔

مذابح الکنائس ھی المواضع التی یقیم علیہا الکہنۃ القداس الالہی ومذبح الذبیحۃ غیر الدمویۃ ۔ ص۲۳۱ ۔ مذابح گرجوں میں وہ مذابح ہیں جہاں ان کے پادری ٹھہرتے

ہیں۔ اور غیر خونی ذبیحہ ذبح کرتے ہیں۔

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ حجرہ کی شکل میں گرجوں کے سے محراب منع ہیں۔ اور یہی قیامت کی نشانی ہیں مطلق محراب منع نہیں۔

عون المعبود جلد اول باب کراھیۃ البزاق فی المسجد ۱۸۰ میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبلہ مسجد میں تھوک دیکھی، اس کو کھرچ دیا۔ اس کے بعد لکھتے ہیں۔

قال علی القاری ای جدار المسجد الذی یلی القبلۃ ولیس مرادبھا المحراب الذی یسمیہ الناس قبلۃ لان المحاریب من المحدثات بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم ومن ثم کرہ جمع من السلف اتخاذھا والصلوۃ فیھا قال القضاعی واول من احدث ذالک عمر بن عبد العزیز وھو یومئذ عامل للولید بن عبد الملک علی المدینۃ لما اسس مسجد النبی صلی اللہ علیہ وسلم وھدمہ وزاد فیہ ویسمی موقف الامام من المسجد محرابا لانہ اشرف مجالس المسجد ومنہ قیل للقصر محراب لانہ اشرف المنازل وقیل المحراب مجلس الملک سمی بہ لانفرادہ فیہ وکذالک محراب المسجد لانفراد للامام فیہ وقیل سمی بذالک لان المصلی یحارب فیہ الشیطان قلت ما قالہ القاری من ان المحاریب من المحدثات بعدہ صلی اللہ علیہ وسلم فیہ نظر لان وجود المحراب زمن النبی صلی اللہ علیہ وسلم یثبت من بعض الروایات اخرج البیھقی فی السنن الکبری من طریق سعید بن عبد الجبار بن وائل عن ابیہ عن امہ عن وائل بن حجر قال حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نھض الی المسجد فدخل المحراب ثم رفع یدیہ بالتکبیر ثم وضع یمینہ علی یسرا ہ علی صدرہ وام عبد الجبار ھی مشھورۃ بام یحیی کما فی روایۃ الطبرانی فی معجم الصغیر وقال الشیخ ابن الھمام من سادۃ الحنفیۃ ولا یخفی ان امتیاز الامام مقرر مطلوب فی الشرع فی حق المکان حتی کان التقدم واجبا علیہ وبنی فی المساجد

المحاریب من لدن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انتہیٰ وایضا لا یکرہ الصلوٰۃ فی المحاریب ومن ذھب الی الکراھیۃ فعلیہ البینۃ ولا یسمع کلام احد من غیر دلیل وبرھان۔

ملا علی قاریؒ کہتے ہیں قبلہ مسجد جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تھوک دیکھی اس سے مراد قبلہ کی جانب سامنی دیوار ہے۔ اس سے وہ محراب مراد نہیں جس کو لوگ قبلہ کہتے ہیں کیونکہ محرابیں بدعت اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بنی ہیں۔ اس لئے ایک جماعت سلف نے محرابوں کا بنانا اور ان میں نماز پڑھنا مکروہ سمجھا ہے۔ قضاعی کہتے ہیں۔ عمر بن عبد العزیز نے محراب بنائی ہے۔ ان دنوں میں وہ ولید بن عبد الملک کی طرف سے مدینہ منورہ امیر تھے مسجد نبوی گرا کر نئے سرے سے بنائی اور اس کی عمارت بڑھا دی اور مسجد میں امام کے کھڑے ہونے کی جگہ کو اس لئے محراب کہتے ہیں کہ وہ اشرف مواضع مسجد سے ہے اور اسی بنا پر محل کو بھی محراب کہتے ہیں کیونکہ وہ افضل مکانات سے ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ مجلس بادشاہ کو بھی محراب کہتے ہیں۔ کیونکہ وہ اس کی خاص جگہ ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ محراب مسجد کو اس لئے محراب کہتے ہیں کہ وہ امام کی خاص جگہ ہے اور کہا گیا ہے کہ محراب کو اس لئے محراب کہتے ہیں کہ نمازی اس میں شیطان سے لڑتا ہے۔ میں (صاحب العون المعبود) کہتا ہوں کہ ملا علی قاری کا محراب کو بدعت کہنا ٹھیک نہیں کیونکہ محراب کا ثبوت بعض روایتوں سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ملتا ہے بیہقی نے وائل بن حجر سے روایت کیا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ مسجد کی طرف کھڑے ہوئے پس محراب میں داخل ہو کر تکبیر کہہ کر ہاتھ اٹھائے اور دایاں ہاتھ بائیں پر رکھ کر سینہ پر رکھا۔ اور شیخ ابن ہمام جو سادات حنفیہ سے ہیں۔ فرماتے ہیں یہ بات واضح ہے کہ جگہ میں امام کا امتیاز ایک محقق امر اور شرع میں مطلوب ہے۔ یہاں تک کہ امام کا تقدم واجب ہے۔ اور مساجد میں محرابوں کا بنانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے چلا آیا ہے نیز محراب میں نماز مکروہ نہیں جو مکروہ کہتا ہے اس کو کوئی دلیل پیش کرنی چاہیئے۔ دلیل کے بغیر کوئی دعویٰ مسموع نہیں ہو سکتا۔

عبد اللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ

چرم قربانی یا مال زکوٰۃ سے مسجد کی تعمیر

سوال ۔ چرم قربانی کی قیمت اگر مساجد کی تعمیر و فرش وغیرہ میں لگائی جائے تو یہ درست ہوگا یا نہیں نیز اموالِ زکوٰۃ کو مساجد کے اخراجات میں صرف کرنا درست ہے یا نہیں ؟

جواب ۔ قربانی کے چمڑے مساجد کی تعمیر و فرش وغیرہ میں نہیں لگ سکتے کیونکہ قربانی کے چمڑے قربانی کے گوشت کا حکم رکھتے ہیں اور ایک حدیث میں ہے من باع جلد اضحیۃ فلا اضحیۃ لہ ۔ (ترغیب ترھیب ص۱۸۹) جس نے قربانی کا چمڑہ فروخت کیا اس کی قربانی نہیں پس جیسے گوشت فروخت کر کے اس کی قیمت مسجد وغیرہ پر نہیں لگ سکتی اسطرح وہی حکم قربانی کے چمڑے کا ہے ہاں گوشت اور چمڑہ قربانی کا صدقہ کرنا ثابت ہے ۔ چنانچہ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو گوشت اور چمڑے جھولیں وغیرہ صدقہ کرنے کا امر فرمایا ۔ اب جس پر صدقہ کیا ہے وہ جو مرضی ہو کرے ۔ خواہ خود کھائے یا بیچے یا کسی اور استعمال میں لائے ۔ اگر یہ فروخت کر کے قیمت مسجد کے لئے دینا چاہے تو اس کا کوئی حرج نہیں ۔ کیونکہ جس پر صدقہ ہو وہ اس میں ہر طرح کا تصرف کر سکتا ہے اور اس کا حکم پہلا نہیں رہتا بلکہ بدل جاتا ہے اور اس طرح اگر چمڑہ قربانی فروخت کئے بغیر مسجد میں استعمال کر لیا جائے جیسے مسجد کے کنوئیں کا ڈول بنا لے یا نماز کے لئے مصلّٰی بنا لے تو اس کا کوئی حرج معلوم نہیں ہوتا کیونکہ یہ ایسا ہی ہے جیسے خود گوشت کھاتا ہے یا کھلاتا ہے ۔

اموالِ زکوٰۃ کو مساجد میں صرف کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ یہ زکوٰۃ کے کسی مصرف میں داخل نہیں صرف فی سبیل اللہ میں داخل ہونے کا شبہ ہوتا ہے مگر اس کی صحیح تفسیر جہاد اور حج ہے ۔ جہاد کے داخل ہونے پر تو سب متفق ہیں ۔ حج بھی فی سبیل اللہ میں داخل ہے ۔ اس کی بابت ابوداؤد میں صریح حدیث موجود ہے ۔ اور نیل الاوطار کتاب الزکوٰۃ باب الصرف فی سبیل اللہ میں بعض اور روایتیں بھی ذکر کی ہیں ۔ جن میں تصریح ہے کہ حج فی سبیل اللہ میں داخل ہے اور بعض روایتوں میں عمرہ کی بھی تصریح ہے بعض کہتے ہیں فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے کوئی کارِ خیر ہو اس میں خرچ کر سکتے ہیں ۔

تفسیر فتح البیان جلد ۴ ص۲۲۴ میں ہے وَقِیْلَ اِنَّ اللَّفْظَ عَامٌ فَلَا یَجُوْزُ قَصْرُہٗ عَلٰی نَوْعٍ خَاصٍ وَیَدْخُلُ فِیْہِ جَمِیْعُ وُجُوْہِ الْخَیْرِ مِنْ تَکْفِیْنِ الْمَوْتٰی وَبِنَاءِ الْجُسُوْرِ وَالْحُصُوْنِ وَعِمَارَۃِ الْمَسَاجِدِ وَغَیْرِ ذَالِکَ وَالْاَوَّلُ اَوْلٰی لِاِجْمَاعِ الْجُمْہُوْرِ عَلَیْہِ ۔ یعنی کہا

گیا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے اس کو ایک قسم پر بند کرنا جائز نہیں ۔ اور اس میں تمام کارِ خیر داخل ہیں ۔ جیسے مردوں کو کفن دینا ۔ پل بنانا ۔ قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ ۔ اور پہلی صورت (جہاد مع حج مراد ہونا) بہتر ہے کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے ۔

تفسیر خازن جلد ۲ صفحہ ۲۵۴ میں ہے ۔

وقال بعضهم ان اللفظ عام فلا يجوز قصره على الغزاة فقط ولهذا اجاز بعض الفقهاء صرف سهم سبيل الله الى جميع وجوه الخير من تكفين الموتى و بناء الجسور والحصون وعمارة المساجد وغير ذالك قال لان قوله وفي سبيل الله عام في الكل فلا يختص بصنف دون غيره والقول الاول هو الصحيح لاجماع الجمهور عليه ۔ یعنی بعض نے کہا ہے کہ فی سبیل اللہ لفظ عام ہے پس اس کو صرف غازیوں پر بند کرنا جائز نہیں اس لئے بعض فقہا نے سبیل اللہ کا حصہ ہر کارِ خیر میں صرف کرنا جائز قرار دیا ہے ۔ مثلاً مُردوں کو کفن دینا ۔ پل بنانا ۔ قلعے اور مسجدیں تعمیر کرنا وغیرہ انہوں نے (بعض فقہا نے) کہا ہے کہ فی سبیل اللہ کا لفظ عام ہے ایک قسم کے ساتھ بند نہیں ہوگا اور پہلا قول صحیح ہے کیونکہ اس پر جمہور کا اجماع ہے ۔ اسی قسم کی عبارت تفسیر کبیر جلد ۴ صفحہ ۱۲۴ میں ہے ۔

اِن عبارات سے معلوم ہوا کہ لفظ فی سبیل اللہ عام ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ بعض فقہا اس طرف گئے ہیں اگر اس پر کوئی عمل کرے تو اس پر اعتراض تو نہیں ہو سکتا مگر چونکہ زکوٰۃ فرضی صدقہ ہے اس کو ایسی طرز پر ادا کرنا چاہیئے جس میں تردد نہ رہے ۔ پس بہتر ہے کہ فی سبیل اللہ سے مُراد جہاد لیا جائے یا حج عمرہ کیونکہ جہاد تو بالاتفاق مُراد ہے اور حج عمرہ حدیث نے داخل کر دیا ہے ۔ باقی کے داخل ہونے میں شبہ ہے ۔ لفظ اگرچہ عام ہے مگر جیسا عام ہے ویسا رکھا جائے تو پھر فقراء و مساکین وغیرہ کے ذکر کی ضرورت نہیں رہتی ۔ حالانکہ اس آیت میں فقراء و مساکین وغیرہ کا الگ ذکر کیا ہے اِس لئے ظاہر یہی ہے کہ اِس سے مراد خاص ہے اور خاص بغیر دلیل کے مراد نہیں ہو سکتا اور دلیل یا تو آیت ہے یا اتفاق مفسّرین ہے جیسا جہاد کے مراد ہونے پر اتفاق ہے ۔ یا حدیث اور تفسیر صحابہ رضؓ ہے جیسا حج و عمرہ مُراد ہونے پر ہے باقی کی بابت کوئی دلیل نہیں ۔ جہاد جیسا تلوار سے ہوتا ہے دلیا ہی زبان سے بھی ہوتا ہے جیسا کہ حدیث مشکوٰۃ میں ہے فمن جاهدهم بيده فهو مومن ومن جاهدهم

بلسانہ الحدیث۔ یعنی جو ہاتھ سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو زبان سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور جو دل سے ان کے ساتھ جہاد کرے وہ مومن ہے اور اس کے درے رائی برابر ایمان نہیں پس اس میں مناظرے اور اشاعت اسلام پر خرچ کرنا داخل ہوگیا۔ لیکن اس میں تھوڑی سی تفصیل ہے وہ یہ کہ ایسی شے پر صرف نہ کرے جو وقف ہو جیسے مدرسہ کی عمارت خرید کتب وغیرہ چونکہ اس سے پھر وہی صورت پیدا ہو جائے گی جس میں اختلاف ہے جیسے مسجدوں اور قلعوں کا تعمیر کرنا حالانکہ قلعے دشمن سے جنگ کرنے کے لئے اور اس سے حفاظت کے لئے بنائے جاتے ہیں۔ اور مسجدیں نماز اور تعلیم اور تعلّم کے لئے ہوتی ہیں۔ خاص کر قرآن و حدیث کا پڑھنا اور پڑھانا عین اشاعتِ اسلام ہے مگر پھر بھی جمہور اور مفسّرین اس کے خلاف ہیں اس لئے زکوٰۃ کا مال مدارس کی عمارت اور خرید کتب وغیرہ پر صرف ہونے میں شبہ ہے۔ اس میں احتیاط چاہیئے ہاں زکوٰۃ کی مدسے طلبا کی امداد کی جائے وہ اس سے کتب خریدیں یا کسی اور ضرورت میں خرچ کریں تو بہت اچھا ہے۔ اس طرح مدرسین کی تنخواہیں اور دیگر اخراجات زکوٰۃ سے ہو سکتے ہیں لیکن اگر غنی ہو تو اس کو بچنا بہتر ہے کیونکہ امام ابوحنیفہ وغیرہ اس طرف گئے ہیں کہ جنگ میں وہی شخص زکوٰۃ لے سکتا ہے جس کے پاس خرچ نہ ہو پس جب جنگ میں غنی کی بابت اختلاف ہوا تو تعلیم و تعلّم کا معاملہ تو اس سے بہت نازک ہے کیونکہ فی سبیل اللہ سے اصل مراد تو جنگ ہے اور حدیث کی تصریح نے حج عمرہ کو بھی اس میں داخل کر دیا ہے تعلیم و تعلم مناظرہ وغیرہ کی بابت تصریح نہیں آئی صرف ایک قسم جہاد ہونے کی وجہ سے داخل کیا گیا ہے اس لئے اس میں احتیاط برتنی چاہیے اور غنی کو پرہیز رکھنا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۱۱ اکتوبر ۱۹۳۵ء

مسجد کا مال ضرورت کے لئے دوسری جگہ استعمال کرنا

سوال :۔ مسجد کی عمارت گر جائے تو کیا اس مسجد کا سامان اور زمین کسی دوسری جگہ ضرورت کے لئے استعمال ہو سکتی ہے۔

فضل عظیم قریشی

جواب :۔ مسجد وقف کی قسم سے ہے اور وقف عقد لازم ہے یہ فسخ نہیں ہو سکتی۔ حدیث میں ہے لایباع اصلھا ولا یوھب ولا یورث یعنی وقف نہ فروخت ہو سکتی ہے نہ ہبہ کی جا سکتی ہے۔ اور نہ وراثت میں لی جا سکتی ہے۔ اس بنا پر مسجد کی عمارت خواہ بالکل خراب ہو جائے وہ چٹیل میدان وقف ہی رہے گا۔ لیکن اب

دیکھنا چاہیئے کہ اس سے فائدہ اُٹھانے کی صُورت کیا ہے۔ اگر مسجد کی صورت میں اس سے فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے تو یہ اول نمبر ہے۔ اگر وہاں مسجد بننے کی کوئی صورت نہیں، مثلاً وہ کسی وجہ سے مسجد کے قابل نہیں رہی یا اس کو بنانے کے لئے پیسوں کا انتظام ہونا مشکل ہے اور نماز کے لئے دوسری مسجد موجود ہے یا کوئی اور وجہ ہے تو اس مسجد کو کسی اور وقف میں تبدیل کردیا جائے جس سے دوسری مسجد کو فائدہ پہنچے مثلاً یہ جگہ کرایہ پر یا ٹھیکہ پر دیدی جائے یا اسمیں کھیتی کی جائے یا کوئی شخص اپنے پیسوں سے یہاں دکان یا مکان بنائے اور اس کے کرایہ سے اپنا قرض پُورا کرکے اس کو چھوڑ دے یا کرایہ ادا کرتا رہے۔

اگر وقف رہنے کی صُورت میں دوسری مسجد کو فائدہ نہیں تو پھر فروخت کرکے اس کی قیمت دوسری مسجد پر خرچ کردی جائے۔ اگر دوسری مسجد پر ضرورت نہ ہو تو درس وتدریس یا کسی اور نیک مصرف میں لگادی جائے بہر صورت جو شئے خدا کی ہوچکی حتی الوسع کسی نہ کسی طرح اس کو اسی راہ میں صرف کرنا چاہیئے۔ ضائع نہ ہونے دے۔ اگر کوئی اور صُورت نہ ہو تو قبرستان ہی سہی، کیونکہ یہ بھی مسلمانوں کے عام فائدہ کی شئی ہے ہاں اگر معاملہ طاقت سے باہر ہوجائے تو جدھر جاتی ہے جانے دے۔

منتقی باب ما یصنع بفاضل مال الکعبۃ میں ہے عن عائشۃ قالت سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول لولا ان قومك حدیثو عھد بجاھلیۃ او قال بکفر لانفقت کنز الکعبۃ فی سبیل اللہ ولجعلت بابھا بالارض ولا دخلت فیھا من الحجر (رواہ مسلم) یعنی عائشہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سُنا فرماتے تھے اگر تیری قوم جاہلیت کے ساتھ نئے زمانے والی نہ ہوتی تو میں بیت اللہ کا خزانہ نکال کر فی سبیل اللہ تقسیم کردیتا اور بیت اللہ کا دروازہ زمین کے ساتھ ملادیتا اور حجر کا کچھ حصّہ بیت اللہ میں داخل کردیتا۔

بیت اللہ کے خزانہ سے مُراد وہ مال ہے جو لوگ بیت اللہ کی خاطر نذر دیا کرتے تھے جیسے مساجد میں لوگ دیتے ہیں۔ یہ خزانہ بیت اللہ میں اسی طرح دفن ہے۔ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب دیکھا کہ یہ بیت اللہ کی حاجت سے زائد بے کار ہے تو خیال ہوا کہ اس کو فی سبیل اللہ تقسیم کردیا جائے لیکن کفار چونکہ نئے نئے مسلمان ہوئے تھے، خطرہ تھا کہ کہیں وہ بدظن نہ ہوجائیں اس لئے چھوڑ دیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جب وقف کی حالت ایسی ہوجائے کہ ضائع جاتی نظر آئے تو اس کی کوئی ایسی صورت بنانی چاہیے جس سے وہ ضائع نہ ہو۔

کشف القناع عن متن الاقناع جلد ۲ ص۱۷۴ میں ہے۔ واحتج الامام بان ابن مسعود

رضی اللہ تعالیٰ عنہ قد حول المسجد الجامع من التمارین ای بالکوفۃ ۔ یعنی امام احمدؒ نے تبدیل وقف پر اس بات سے استدلال کیا ہے کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے جامع مسجد کھجوروں کے تاجروں سے بدل دی یعنی بدل کر کوفہ میں دوسری جگہ لے گئے۔

اور حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ شارع عام تنگ ہوگیا تو انہوں نے مسجد کا کچھ حصہ راستہ میں ڈال دیا ملاحظہ ہو فتاوی ابن تیمیہؒ جلد ۳ صفحہ ۲۸۴۔ غرض اس قسم کے تصرفات اوقاف اور خیرات میں درست ہیں جن سے وہ ضائع نہ ہو بلکہ بڑھے یا محفوظ ہو جائے۔ بلکہ حنفیہ کا بھی آخری فتویٰ اس پر ہے چنانچہ رد المختار جلد ۳ صفحہ ۴۲۴ میں اس کی تصریح کی ہے اور امام محمدؒ نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ اگر وقف بیکار ہو جائے تو اس کے اصل مالک یا وارثوں کے ملک میں ہو جائے گی۔ خلاصہ یہ کہ وقف کی غرض پر مدار ہے۔ حتی الوسع اس کو ضائع نہ ہونے دے ورنہ حوالہ خدا۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ دسمبر ۱۹۳۸ء

مسجد کے ساتھ تکیہ کے لئے وقف زمین کا حکم

سوال: مسجد کے ارد گرد دور دور تک سفید زمین پڑی ہے جو کہ تاحال مسجد مذکور کے استعمال میں نہیں آئی معتبر ذریعہ سے معلوم ہوا ہے کہ یہ زمین تعمیر مسجد کے وقت تمام شرکاء نے برائے تعمیر تکیہ چھوڑی تھی۔ لہذا آج تک تکیہ تعمیر نہ ہوا۔ اب ایک شریک جو مسجد کی پشت پر آباد ہے وہ بوجہ قلت جگہ کے اس متروکہ زمین سے کچھ زمین اپنے حصے سے کم اپنے استعمال میں بصورت مکان لا سکتا ہے یا نہیں۔ اور اپنے فائدہ کے علاوہ یہ بھی منشا ہے کہ مستورات یہاں پر مسجد کے پہلو میں نماز تراویح وجمعہ وغیرہ پڑھ سکیں لیکن شرکاء میں سے دو آدمی کہتے ہیں کہ اس اراضی میں سے اپنے استعمال میں نہیں لا سکتے۔ کیونکہ یہ اراضی بغرض افادہ مسجد چھوڑی گئی ہے جو شخص منع کرتا ہے وہ اس کا مخالف ہے۔

جواب: جو زمین تکیہ کے لئے وقف کی گئی ہے وہ وقف نہیں ہوئی۔ کیونکہ تکیہ محض حقہ نوشی کے لئے تعمیر کیا جاتا ہے جو شرعاً حرام ہے۔ عموماً اس علاقہ میں لوگوں کا یہی رواج ہے کہ مسجد کے ساتھ حقہ نوشی کے لئے تکیہ بناتے ہیں۔ جب زمین وقف نہ ہوئی تو اب اختیار ہے جس مطلب کے لئے استعمال کرنی ہو کر لیں خواہ اپنے استعمال میں لائیں یا مستورات کے لئے جگہ بنا دیں یا مسجد کے کسی دوسرے کام میں آجائے۔ ہاں اگر تکیہ سے

مراد مسافرخانہ یا حجرہ ہو جہاں آئے گئے مسافر ٹھہریں۔ حقہ نوشی مقصود نہ ہو تو پھر یہ وقف صحیح ہے۔ اب یہ کسی کی ملکیت نہیں بن سکتی، مستورات کے لئے جگہ بنا دی جائے یا مسافرخانہ یا مدرسہ تعمیر کر دیا جائے یا مسجد کے کسی کام میں استعمال کر لی جائے بہر صورت وقف کے طور پر یہ استعمال ہو سکتی ہے۔ ذاتی طور پر اس سے کسی کا کوئی تعلق نہیں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

کافر کا مال مسجد میں لگ سکتا ہے؟

سوال ۔ ایک ہندو شخص مسجد کے کنوئیں میں یا مسجد میں صرف کرنے کو بخوشی کچھ رقم دے دے تو اُسے از روئے شریعت کوئیں یا مسجد میں لگا سکتے ہیں؟

جواب ۔ مال کے متعلق دریافت کر لینا چاہیئے اگر بالکل حلال ہو تو اُسے قبول کر لینے میں کوئی حرج نہیں اور مسجد وغیرہ پر بھی وہ لگ سکتا ہے۔ بیت اللہ شریف کفار ہی کا بنا ہوا تھا۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے اس پر کوئی اعتراض نہیں کیا۔ صرف اتنا کہا کہ انہوں نے بیت اللہ شریف کو چھوٹا کر دیا اور دروازہ کو اونچا کر دیا۔ اگر یہ قوم نو مسلم نہ ہوتی تو میں بیت اللہ شریف کو اصلی بنیادوں پر بنا دیتا۔ اور دروازہ زمین کے ساتھ ملا دیتا۔ اور دو دروازے بنا دیتا ایک داخل ہونے کا اور ایک نکلنے کا۔

اِس سے معلُوم ہوا کہ کفار کا روپیہ مسجد پر لگ سکتا ہے۔ بشرطیکہ حلال کمائی ہو۔ چنانچہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ کفار نے حلال روپیہ جمع کر کے بیت اللہ شریف پر لگایا تھا مگر حلال روپیہ چونکہ کم ہو گیا اس لئے انہوں نے بیت اللہ شریف کو چھوٹا کر دیا۔

کفار کا روپیہ مسجد میں لگانے میں اور تو کوئی خرابی نہیں۔ صرف بدنامی کا باعث اور اعتراض کا ذریعہ ہے کہ مسلمان ایسے بے حمیت ہو گئے ہیں کہ اپنے عبادت خانے بھی آباد نہیں کر سکتے۔ جب تک کہ غیروں کی امداد نہ لیں اس بدنامی اور اعتراض سے بچنے کے لئے بہتر یہی ہے کہ وہ روپیہ کفار سے لے کر کسی غریب مسکین کو دیا جائے بیت اللہ شریف بے شک کفار نے اپنی حلال کمائی سے بنوایا تھا مگر اس وقت بیت اللہ شریف پر انہی کا قبضہ تھا۔ بلکہ اس وقت کے اہل اسلام کا اس وقت وجُود ہی نہ تھا۔ کیونکہ یہ نبوت سے پہلے کا واقعہ ہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی عمر اس وقت بارہ یا تیرہ سال کی تھی۔ موجُودہ مساجد پر اس وقت مسلمانوں کا قبضہ ہے اس لئے بہتر یہی ہے کہ مسلمان اپنی حلال کمائی سے آباد کریں۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

مقبوضہ زمین میں مسجد کا حکم

سوال ۔ ایک شخص زمیندار ہندو جس کا مینجر انگریز تھے ۔ اگر ایک قطعہ برائے بنا مسجد مسلمانوں کو اجازت دے دے تو آیا مذکورہ زمین مسجد درست ہوسکتی ہے یا نہیں بشرطیکہ قبضہ اپنے ہاتھ میں رکھے ۔ ؟

جواب ۔ قرآن مجید میں ہے ۔ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیہا اسمہ ۔ کون ہے بڑا ظالم اس سے جو اللہ کی مسجدوں سے اس کا ذکر کرنے سے روکے ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ مسجد ایک عام وقف شے ہے ۔ اس سے کسی کو روکنے کا اختیار نہیں ورنہ روکنے والا بہت بڑا ظالم ہوگا ۔ اور یہ بات ظاہر ہے ۔ جہاں کسی کا قبضہ یا ملکیت ہے وہ اس سے روک سکتا ہے کیونکہ ملک سے مقصود ہی تصرف و اختیار ہے تو وہ جس طرح چاہے تصرف کرسکتا ہے ۔ خواہ دوسرے کو روکے یا اس کو فروخت کرے یا ہبہ کرے پس ہندو اگر اپنا قبضہ رکھنا چاہتا ہے تو وہ جگہ مسجد نہیں بن سکتی ۔

بے احتیاط متولی کا حکم

سوال ۔ مسجد کی تعمیر یا مرمت میں بے قاعدہ تصرف کرنے اور بلاوجہ تولیت کے حق پر قبضہ جمانے اور پھر خرچ کا حساب نہ دینے اور عید کی نماز دو جگہ کرانے اور تفرقہ پیدا کرنے کا حکم ہے ؟

جواب ۔ ایسے موقع پر فریقین سامنے ہونے چاہییں تب انکشاف ہوتا ہے ۔ اب صرف اتنا کہا جا سکتا ہے کہ اگر واقعی اس شخص میں قصور ہے جو سوال میں مذکور ہے تو اس کا بھانڈا پھیک دیا جائے جب تک توبہ نہ کرے اس کے ساتھ یہی سلوک رہے کیونکہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب کسی قوم میں کوئی جرم کا ارتکاب کرے ۔ اور باوجود قدرت کے وہ قوم اُس کا ہاتھ نہ پکڑے تو سب عذاب میں گرفتار ہونگے ان کو چاہیے کہ اول اس جرم سے روکیں ۔ اگر وہ باز نہ آئے تو اس کا بھانڈا پھیک دے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۹ ستمبر ۱۹۳۸ء

حق پر ہو کر دوسری مسجد بنانا اور اُس کا حکم

سوال ۔ اگر بے نماز پر نماز جنازہ نہ پڑھنے کی وجہ سے شرارتی لوگ مسجد کے نام سے کوئی عمارت بنالیں تو اس

مسجد اور اس میں نماز پڑھنے پڑھانے والوں کے لئے شریعت محمدیہ میں کیا حکم ہے کیا وہ مسجد ضرار نہیں ؟

جواب ۔ جو بے نماز کا جنازہ نہ پڑھے وہ عین حق پر ہے اور اس وجہ سے جو مسجد بنائی جائے وہ مسجد ضرار ہے ۔ جو حق کے مقابلہ میں تفریق اور ضرر کے لئے بنائی جائے اور تقویٰ اور پرہیزگاری پر اس کی بنیاد نہ ہو ۔ جیسے قرآن مجید پارہ ۱۱ رکوع ۲ میں ہے ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۔

بڑے بھائی کے نااہل ہونے کی وجہ سے چھوٹے بھائی کا متولی ہونا

سوال ۔ بھیرہ میں ایک جامع مسجد شاہی شیر شاہ سوری نے بنائی تھی ۔ موجودہ متوالی کے دو لڑکے زندہ ہیں ۔ ان میں سے بڑا سرکاری طور پر متولی ہے مگر وہ اپنی سرکاری ملازمت کی مصروفیت کی وجہ سے تولیت کے فرائض سرانجام نہیں دے سکا اور چھوٹا بھائی سرانجام باحسن طریق دیتا ہے اور عموماً لوگ اس کی تولیت پر راضی ہیں مگر بڑا بضد ہے اور چاہتا ہے کہ تولیت اپنے ہاتھ میں لے لے ۔ دریافت طلب امر یہ ہے کہ شرعاً جس کو پبلک چاہتی ہے وہ متولی ہو یا جو جبراً چاہتا ہے اور جس کا نام رجسٹر سرکار ہے ؟

جواب ۔ تولیت کی بابت جو سوال ہے ۔ اس کا جواب یہ ہے کہ تولیت جس کا حق ہے ۔ اسی کا ہے ۔ بلا وجہ اس سے چھین لینا درست نہیں ۔ حدیث میں ہے جب مکہ فتح ہوا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ ہوا کہ عثمان بن طلحہ حجبی سے بیت اللہ شریف کی چابی لے لیں یعنی اس سے بیت اللہ شریف کی چابی چھین لیں تو خدا تعالیٰ نے آیت کریمہ ان اللہ یامرکم ان تؤدوا الامانات الی اھلھا " اتار دی یعنی خدا تعالےٰ تمہیں حکم دیتا ہے کہ امانتیں اہل امانت کے حوالہ کر دو ۔ تفسیر فتح البیان وغیرہ زیر آیت مذکور " ہاں اگر کوئی شخص تولیت کے حقوق ادا نہ کرے تو اس کی تولیت فسخ ہو سکتی ہے ۔ حدیث میں ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں ۔ کیا تم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ جب میں کسی شخص کو کام کا حکم دوں اور وہ اس کام میں سستی کرے تو اس کی جگہ تم دوسرا آدمی کر دو تاکہ وہ اس کام کو کرے ۔

اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کوتاہی کرنے والے کو معزول کر کے اس کی جگہ دوسرا کر سکتے ہیں اس طرح عورت کا ولی عورت کے حق میں کوتاہی کرے تو عورت کسی دوسرے کو ولی بنا کر نکاح کر سکتی ہے چنانچہ عبداللہ بن عمر سے مروی ہے ۔

احاطہ مسجد کی آمدنی اور پیداوار کا حقدار

سوال ۔ اگر احاطہ مسجد میں کوئی کھیتی وغیرہ بوئی جائے تو اس کا کون مستحق ہے کیا گاؤں کے لوگ اور امام وغیرہ اس سے کھا سکتے ہیں؟

جواب ۔ وہ شے مسجد کی ضروریات میں صرف ہونی چاہیے۔ ہاں بونے والا اپنا حصہ لے سکتا ہے اگر کوئی دوسرا لے تو قیمت کر کے لے جائے اور اگر متولی مسجد ضروریات مسجد کے متکفل ہیں تو پھر غرباء کا حق ہے جن میں امام اور طلبہ مسجد مقدم ہیں کیونکہ ان کا مسجد سے زیادہ تعلق ہے اس لئے پہلے حقدار یہی ہیں۔

مسجد اور مدرسہ کی آمدنی ایک دوسرے پر خرچ ہو سکتی ہے؟

سوال ۔ مسجد کے ساتھ مدرسہ دینی بھی ہے جو آمدنی مسجد کے لئے حاصل ہو وہ مدرسہ پر اور مدرسہ کی آمدنی مسجد پر صرف ہو سکتی ہے یا نہیں۔

جواب ۔ جائز ہے۔ ابوداؤد میں حدیث ہے کہ ایک شخص نے اپنا اونٹ فی سبیل اللہ کر دیا جس سے اُس کا مقصود جہاد تھا۔ اس کو حج کی ضرورت ہوئی تو آپ نے اس کو اجازت دے دی اُس نے کہا یا رسول اللہ! میں نے اسکو فی سبیل اللہ کر دیا ہے آپ نے فرمایا حج بھی فی سبیل اللہ ہے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ متولی ایک مدخیر کی آمد دوسری مدخیر میں صرف کر سکتا ہے۔

تخت پوش یا ریل وغیرہ میں نماز فرضی کا حکم

سوال ۔ بخاری میں باب باندھا ہے۔ باب الصلوۃ فی السطوح والمنبر والخشب قال ابو عبد اللہ ولم یر الحسن باسا ان یصلی علی الجمد والقناطیر وان جری تحتہا بول او فوقہا او امامہا اذا کان بینہما سترۃ وصلی ابو ھریرۃ علی ظھر المسجد بصلوۃ الامام وصلی ابن عمر علی الثلج ۔ یعنی چھتوں پر، منبر اور لکڑی پر نماز پڑھنے کا باب حسن بصریؒ کہتے ہیں برف اور پل پر نماز پڑھنے کا کوئی حرج نہیں اگرچہ پل کے نیچے یا اوپر یا آگے پیشاب جاری ہو۔ جبکہ آگے

کوئی سترہ ہو۔ اور ابو ہریرہؓ نے امام کے ساتھ چھت پر نماز پڑھی۔ اور ابن عمرؓ نے برف پر پڑھی۔ بخاری رح
یہ باب باندھ کر آگے حدیث لائے ہیں جس میں منبر پر نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔ ساری نماز رسول اللہ صلی اللہ
علیہ وسلم نے منبر پر پڑھی۔ صرف سجدہ نیچے اُتر کر کیا کیونکہ منبر پر سجدہ نہیں ہو سکتا تھا۔ اس روایت سے
صراحۃً لکڑی پر نماز پڑھنی ثابت ہوگئی خواہ وہ تخت ہو یا کوئی اور شے ہو۔ اور برف پر پڑھنے کی روایت سے
بھی لکڑی پر نماز پڑھنی ثابت ہوگئی۔ کیونکہ برف پانی ہے جو زمین کی قسم سے نہیں۔ اور لکڑی تو زمین سے پیدا
ہوتی ہے اور چھت پر نماز پڑھنے سے بھی لکڑی پر نماز پڑھنا ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ چھت بعض دفعہ محض
لکڑی کی ہوتی ہے اور اگر محض لکڑی کی نہ ہو تو بھی دارو مدار لکڑی پر ہے۔ صرف اُوپر مٹی ہوتی ہے جس کو
لکڑی اٹھائے ہوئے ہے تو یہ ایسا ہوگیا جیسے تخت پر مٹی پڑی ہے ——— اس کے علاوہ منتقیٰ
باب الصلوۃ فی السفینۃ میں ہے عن ابن عمر رضؓ قال سئل النبی صلی اللہ علیہ وسلم کیف
اصلی فی السفینۃ قال تصلی فیھا قائما الا ان تخاف الغرق رواہ دارقطنی والحاکم ابوعبداللہ
فی المستدرک علی شرط الشیخین عن عبداللہ بن ابی عتبۃ قال صحبت جابر بن عبداللہ
وابا سعید الخدری وابا ھریرۃ فی سفینۃ فصلوا قیاما فی جماعۃ امھم بعضھم
وھم یقدرون علی الجد رواہ سعید فی سفینۃ۔ (رواہ سعید فی سفینۃ) ابن عمرؓ کہتے ہیں
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کشتی میں نماز پڑھنے کی بابت پوچھے گئے۔ تو فرمایا کھڑے ہو کر نماز پڑھ مگر یہ کہ تو غرق
کا خوف کرے یعنی کھڑے ہونے سے گر کر غرق ہونے کا خوف ہو تو پھر بیٹھ کر پڑھ لے اور عبداللہ بن ابی عتبہ
کہتے ہیں کہ میں جابر بن عبداللہ اور ابو سعید خدری اور ابو ہریرہ کے ساتھ کشتی میں تھا۔ انہوں نے کشتی میں کھڑے
ہو کر جماعت کے ساتھ نماز پڑھی حالانکہ وہ دریا کے کنارے پر بھی پڑھ سکتے تھے ——— نیل الاوطار میں
اس حدیث پر لکھا ہے۔ المراد انھم یقدرون علی الصلوۃ فی البر وقد صحت صلوتھم
وفیہ جواز الصلوۃ فی السفینۃ وان کان الخروج الی البر ممکنا (نیل الاوطار جلد ۳ ص۶۰)
عبداللہ بن عتبہ کی مراد یہ ہے کہ وہ جنگل میں نماز پڑھنے پر قادر تھے۔ پھر بھی ان کی نماز کشتی میں صحیح ہوگئی حالانکہ
کشتی حرکت کرتی تھی۔ اِس سے معلوم ہوا کہ کشتی میں نماز صحیح ہے۔ خواہ جنگل کی طرف نکلنا ممکن ہو۔ جب
کشتی پر باوجود حرکت کے نماز صحیح ہوگئی تو تخت پوش پر بطریق اولیٰ صحیح ہوگی۔ کیونکہ تخت پوش تو ایک جگہ
قائم ہے جو بالکل زمین کی طرح ہے کیونکہ جو شے زمین پر بچھائی جائے یا زمین پر رکھی جائے وہ نماز کے لئے زمین

ی بھی جاتی ہے۔ مثلاً چٹائی فرش وغیرہ ان سب پر نماز بے کھٹکا جائز ہے صرف اتنا ضروری ہے کہ رکوع سجدہ وغیرہ بافراغت نہ ہوسکے تو پھر جائز نہیں۔ ہاں کوئی عذر ہو تو جائز ہے۔

منتقیٰ باب "الصلوٰۃ الفرض علی الراحلۃ لعذر" میں ہے۔

عن یعلی بن مرۃ ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم انتھیٰ الی مضیق ھو واصحابہ وھو علیٰ راحلۃ والسماء من فوقھم والبلۃ من اسفل منھم فحضرت الصلوٰۃ فامر المؤذن فاذن واقام ثم تقدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم علی راحلۃ فصلی بھم یومی ایماء یجعل السجود اخفض من الرکوع رواہ احمد و الترمذی۔

یعلی بن مرہ کہتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھی ایک تنگ جگہ میں پہنچے آپ سواری پر تھے۔ اُوپر سے بارش تھی۔ نیچے زمین تر تھی۔ نماز کا وقت ہوگیا۔ آپ نے موذن کو حکم دیا۔ اس نے اذان کہی۔ اور اقامت کہی۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سواری پر ہوگئے اشارہ سے نماز پڑھاتے تھے۔ سجدہ ذرا رکوع سے نیچے کرتے ____ ترمذی میں ہے کہ امام احمدؒ، امام اسحٰقؒ کا یہی مذہب ہے اور عراقی نے شرح ترمذی میں امام شافعیؒ سے بھی یہی روایت کیا ہے کہ ضرورت کے وقت سواری پر فرض نماز جائز ہے (نیل اوطار جلد ۲ ص۲۹)

نوٹ۔ بعض لوگ ریل پر نماز کی دلیل دریافت کرتے ہیں۔ سو کشتی پر نماز کے جواز سے ریل پر بھی نماز کا جواز ثابت ہوگیا۔ اگر کوئی کھڑا نہ ہوسکے تو بیٹھ جائے لیکن یہ اس وقت ہے کہ نیچے اُتر کر نماز پڑھنے کا موقع نہ ملے۔ اگر نیچے اتر کر نماز پڑھنے کا موقع مل سکتا ہے تو پھر نیچے اتر کر پڑھے۔ ہاں اگر کوئی کھڑا ہو کر پڑھ سکتا ہے اور رکوع و سجود پورا کرسکتا ہے تو پھر خواہ نیچے اترنے کا موقع ملے یا نہ بہرصورت اوپر پڑھ سکتا ہے۔ جیسے جابر بن عبداللہ رضؓ ابوسعید خدری اور ابوہریرہ رضؓ نے کشتی پر نماز پڑھی۔ حالانکہ جنگل میں نماز پڑھنے پر قادر تھے۔

مسجد میں چارپائی بچھانا

سوال۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ چارپائی مسجد میں لانا منع ہے کیونکہ یہ پلید ہے۔ گذارش ہے کہ ازروئے قرآن وحدیث اور فقہ حنفیہ اس مسئلہ کا حل فرمایا جائے۔

جواب ۔ حدیث میں ہے ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ رضہ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا اعْتَکَفَ طُرِحَ لَہٗ فِرَاشٌ اَوْ وُضِعَ لَہٗ سَرِیْرٌ وَرَاءَ اُسْتُوَانَۃِ التَّوْبَۃِ ۔ (ابن ماجہ مصری ج ۱ صلاہ)

یعنی ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب اعتکاف بیٹھتے تو آپ کے لئے ستون توبہ کے پیچھے فرش یا چارپائی بچھائی جاتی ۔

علامہ سندھی حنفی رح اس حدیث پر لکھتے ہیں ۔

قولہ وَرَاءَ اُسْتُوَانَۃِ التَّوْبَۃِ ھِیَ اُسْتُوَانَۃٌ رَبَطَ بِھَا رَجُلٌ مِنَ الصَّحَابَۃِ نَفْسَہٗ حَتّٰی تَابَ اللّٰہُ عَلَیْہِ وَفِی الزَّوَائِدِ اِسْنَادُہٗ صَحِیْحٌ وَرِجَالُہٗ مُوَثَّقُوْنَ وَاللّٰہُ اَعْلَمُ ۔ توبہ کے ستون سے مراد وہ ستون ہے جس سے ایک صحابی نے خود کو کسی قصور پر باندھ دیا تھا ۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کر لی ۔ اور زوائد میں ہے کہ اس حدیث کی اسناد صحیح ہیں اور اس کے راوی ثقہ ہیں ۔

امام شوکانی رح شرح منتقیٰ میں اس حدیث پر لکھتے ہیں ۔

وَفِیْہِ دَلِیْلٌ عَلٰی جَوَازِ الْفِرَاشِ وَوَضْعِ السَّرِیْرِ لِلْمُعْتَکِفِ فِی الْمَسْجِدِ ۔ (نیل الاوطار ج ۴ صلاہ) یعنی اس میں دلیل ہے کہ مسجد میں اعتکاف کرنے والے کے لئے مسجد میں بستر اور چارپائی بچھانی جائز ہے ——— کلمہ او شک کے لئے نہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ دونوں میں سے ایک بچھاتے ۔ کبھی صرف بستر کبھی چارپائی ۔ اگر بالفرض شک کے لئے ہو تو بھی چارپائی کا جواز ثابت ہوتا ہے کیونکہ بستر بالاتفاق جائز ہے تو اس کے مقابلہ میں چارپائی بھی جائز ہو گی ۔ کیونکہ شک میں دونوں جانب برابر ہوتی ہیں ۔

پس جب حدیث صحیح سے ایک مسئلہ ثابت ہو گیا تو کسی حنفی یا اہلحدیث کو اس میں چون وچرا کی گنجائش نہ رہی کیونکہ حدیث صحیح پر سب کا ایمان ہے ۔ خاص کر جو لوگ چارپائی کو پلید کہتے ہیں ۔ اور اس وجہ سے چارپائی بچھانے کو ناجائز کہتے ہیں وہ غور کریں کہ حدیث کو جھٹلا رہے ہیں ۔

پھر حنفیہ کی کتب فقہ درمختار ردالمحتار جلد اول صلاہ وغیرہ میں لکھا ہے کہ ۔

جوتہ میں نماز افضل ہے کیونکہ مسجد نبوی میں صحابہؓ جوتہ سمیت نماز پڑھتے تھے ۔ تو کیا چارپائی جوتہ

سے بھی زیادہ پلید ہوگئی ؟

مزید رد المحتار میں لکھا ہے۔

ہم سے جنہوں نے جوتہ سمیت مسجد میں آنے کو اچھا نہیں سمجھا۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ اب مساجد میں فرش اور صفیں بچھائی جاتی ہیں تو ان کے خراب ہونے کا ڈر ہے۔ اور مسجد نبوی میں کنکر بچھے ہوئے تھے۔ اور انہی پر نماز پڑھتے تھے۔ اس لئے وہاں خطرہ نہ تھا۔ غرض جوتا پلید نہیں نہ پلیدی کی وجہ سے کسی نے روکا ہے۔ تو پھر چارپائی کس طرح پلید ہوگئی ؟ علاوہ اس کے جوتہ سمیت عام طور پر داخل ہونے سے فرشوں اور صفوں وغیرہ کے خراب ہونے کا جو خطرہ ہے وہ چارپائی میں نہیں کیونکہ اول تو چارپائی عام طور پر بچھائی نہیں جاتی۔ اور جب کبھی کوئی چارپائی بچھائی جاتی ہے۔ تو فرشوں اور صفوں سے آگے پیچھے بچھائی جاتی ہے۔ نیز اس کے پائے صاف ہوتے ہیں۔ فرش یا صف وغیرہ پر اس کا کوئی خاص اثر نہیں پڑتا۔ پس جن لوگوں نے چارپائی کو نجس کہا۔ اور اس وجہ سے مسجد میں اس کا بچھانا ناجائز قرار دیا انہوں نے حدیث کا بھی خلاف کیا اور فقہ کا بھی۔ خداوند و نفسانیت سے محفوظ رکھے اور انجام بخیر کرے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

عورتوں کے لئے مسجد میں جگہ

سوال ۔ عورتیں مسجد میں دائیں یا بائیں جانب کھڑی ہوکر نماز پڑھ سکتی ہیں ؟

جواب ۔ عورتوں کی اصل نماز کی جگہ تو مردوں کے پیچھے ہے۔ چنانچہ مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ عورتوں کی سب سے پچھلی صف بہتر ہے اور پہلی بری ہے۔ اور مردوں کی اس کے برعکس۔ جس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی پچھلی صف مردوں کی صف سے دور ہوتی ہے۔ اور پہلی مردوں کے قریب ہوتی ہے۔ اور یہ اسی صورت میں ہے کہ عورتیں مردوں کے پیچھے ہوں۔

نیز مسلم وغیرہ میں حدیث ہے کہ انس بن مالکؓ وغیرہ کے گھر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ نماز پڑھائی تو انس بن مالک اور ایک یتیم لڑکا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے کھڑے ہوئے اور انسؓ کی والدہ اکیلی کھڑی ہوئیں۔

مصنف عبدالرزاق اور طبرانی میں عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے۔

اخروھن من حیث اخرھن (درایۃ تخریج ھدایۃ) وفی الغایۃ عن شیخہ یرویہ الخمرام الخبائث والنساء حبائل الشیطان واخروھن من حیث اخرھن اللہ وعزوہ الی مسند رزین فتح القدیر حاشیہ ھدایۃ ص۱۲۶ جلد ۱۔

یعنی عورتوں کو پیچھے کرو، جہاں ان کو اللہ نے پیچھے کیا ہے۔

اس سے بھی معلوم ہوا کہ عورتوں کے لئے مقام صلوٰۃ دائیں بائیں نہیں بلکہ پیچھے ہے۔ ہاں مجبوری کے وقت دائیں بائیں بھی کوئی حرج نہیں۔

منتخب کنز العمال میں ہے۔

عن الحارث بن معاویۃ الکندی انہ رکب الی عمر بن الخطاب یسئلہ عن ثلاث خلال فقدم المدینۃ فقال لہ عمر ما اقدمک قال لاسئلک عن ثلاث قال وما ھن قال ربما کنت انا والمرأۃ فی بناء مبنی فتحضر الصلوٰۃ فان صلیت انا وھی کانت بحذائی وان صلت خلفی خرجت من البناء فقال عمر تستر بینک وبینھا بثوب ثم تصلی بحذائک ان شئت وعن الرکعتین بعد العصر فقال نھانی عنھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال وعن القصص فانہ ارادونی علی القصص فقال ما شئت کانہ کرہ ان یمنعہ قال انما اردت ان انتھی الی قولک قال اخشی علیک ان تقص فترتفع علیھم فی نفسک حتی یخیل الیک انک فوقھم بمنزلۃ الثریا فیضعک اللہ تحت اقدامھم بقدر ذالک (حم۔ ض)

یعنی حارث بن معاویہ کندی سے روایت ہے۔ وہ تین باتوں سے سوال کی غرض سے حضرت عمرؓ کے پاس آئے۔

۱۔ کہا بہت دفعہ میں اور (میری) عورت ایک مختصر مکان میں ہوتے ہیں۔ اور نماز کا وقت ہو جاتا ہے۔ اگر میں اور وہ دونوں (مکان کے اندر) نماز پڑھیں تو وہ میرے برابر ہو جاتی ہے۔ اگر میرے پیچھے نماز پڑھے تو مکان سے باہر ہو جاتی ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا۔ درمیان کپڑے کا پردہ کر لے تو پھر وہ تیرے برابر

کھڑی ہو کر نماز پڑھے۔

۲۔ دوسرا سوال عصر کے بعد دو رکعت سے۔ کہا مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے۔

۳۔ تیسرا سوال وعظ سے ہے۔ کیونکہ لوگ مجھ سے وعظ کی خواہش کرتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا تیری مرضی گویا عمرؓ نے اس کو روکنا مناسب نہ سمجھا۔ کندی نے کہا میں آپ کے ارشاد پر عمل کرنا چاہتا ہوں۔ فرمایا مجھے ڈر ہے کہ تو وعظ کرے پس تیرا دماغ اونچا ہو جائے۔ پھر وعظ کرے اور اونچا ہو جائے یہاں تک کہ تو خود کو ان کی نسبت آسمان کا ستارہ سمجھنے لگے۔ جس کا انجام یہ ہو کہ قیامت کے دن خدا تجھے اتنا ہی ان کے قدموں کے نیچے کر دے۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ مسجد میں اگر عورتوں کے لئے پچھلی طرف جگہ کا انتظام مشکل ہو تو دائیں بائیں کھڑے ہونے میں کوئی حرج نہیں۔ الضرورات تبیح المحذرات۔

طلوعِ فجر کے بعد تحیۃ المسجد

سوال۔ صبح کے وقت تحیۃ المسجد پڑھے یا نہ؟

جواب۔ بلوغ المرام باب المواقیت میں ہے۔

عن ابن عمر رضؓ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ الْفَجْرِ اِلَّا سَجْدَتَیْنِ اخرجه الخمسة الا النسائی و فی روایة عبد الرزاق لَا صَلٰوۃَ بَعْدَ طُلُوْعِ الْفَجْرِ اِلَّا رَکْعَتَیِ الْفَجْرِ و مثله الدار قطنی عن عمرو بن العاص۔ (ص۲۷)

یعنی ابن عمرؓ سے روایت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ پو پھٹنے کے بعد کوئی نماز نہیں مگر دو رکعت فجر کی یعنی سنتیں۔

اِس حدیث سے معلوم ہوا کہ پو پھٹنے کے بعد تحیۃ المسجد درست نہیں۔ جیسے طلوع و غروب آفتاب کے وقت نماز درست نہیں۔

عبد اللہ امرتسری روپڑی

مسجد میں تکرار جماعت کا حکم

سوال۔ جماعت ہو جانے کے بعد اگر دو چار آدمی آجائیں تو وہ اپنی علیحدہ جماعت کرا سکتے ہیں؟

جواب : منتقی میں ہے۔

عن ابی سعید رضہ ان رجلا دخل المسجد وقد صلی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باصحابہ فقال مَن یتصدق علی ذا فیصلی معہ فقام رجل من القوم رواہ احمد وابوداؤد و الترمذی بمعناہ (باب من صلی فی المسجد جماعۃ بعد امام الحی)

یعنی حضرت ابو سعیدؓ سے روایت ہے کہ جماعت سے فراغت کے بعد ایک شخص مسجد میں داخل ہوا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا۔ کون اس پر صدقہ کرتا ہے کہ اس کے ساتھ نماز پڑھے پس ایک شخص قوم سے کھڑا ہوا۔

مشکوٰۃ میں بھی یہ حدیث ہے۔ اس کے اخیر میں ہے۔ فقام رجل فصلی معہ (مشکوٰۃ باب ما علی الماموم من المتابعۃ وحکم المسبوق) یعنی ایک شخص کھڑا ہوا پس اس کے ساتھ نماز پڑھی۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جس مسجد میں نماز ہو چکی ہو۔ اس میں دوسری نماز بھی درست ہے۔ اور جو شخص یہ کہتا ہے۔ جو نماز پڑھ چکے ان میں سے کوئی کرائے آنے والوں سے نہ کرائے یہ حدیث سے ناواقفی پر مبنی ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے۔ لا تصلوا صلوٰۃ فی یوم مرتین رواہ احمد وابوداؤد والنسائی (مشکوٰۃ باب من صلی صلوٰۃ مرتین) ——— اس حدیث میں دوبارہ نماز پڑھنے سے ممانعت آئی ہے۔ مگر باوجود اس کے دوسرے کو جماعت کا ثواب دلانے کی خاطر دوبارہ نماز جائز ہو گئی۔ تو باہر سے آنے والا جس نے نماز ابھی نہیں پڑھی اس کو بطریق اولیٰ جائز ہو گئی۔ اور جگہ بدلنے کی شرط کرنا یہ بے ثبوت بات ہے۔ مسجد سب یکساں ہے۔ جہاں چاہے جماعت کرائے۔ خواہ پہلی جگہ جماعت ہو چکی ہو یا دوسری جگہ۔ اس جگہ یہ شرط کرنا امام مسجد میں آئے تو کرا سکتا ہے یہ بھی بے ثبوت ہے بلکہ اوپر کی حدیث میں اس کی تردید ہے کیونکہ اس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم جو اصل امام تھے۔ مسجد میں نہیں آئے۔ بلکہ ایک اور امام آیا ہے اور ابن ابی شیبہ کی حدیث میں ہے کہ آنے والا شخص حضرت ابوبکر رضہ صدیق تھے۔ (نیل الاوطار جلد ۳ صـ۳۰)

عبداللہ امرتسری روپڑ

مسجد کے پاس قبریں

سوال ۔ ایسی مسجد میں جس کا نقشہ مندرجہ ذیل ہے ۔ نماز جائز ہے یا نہیں ؟

قبریں	مسجد	قبریں

(اوپر: قبریں قبریں دروازہ قبریں قبریں)
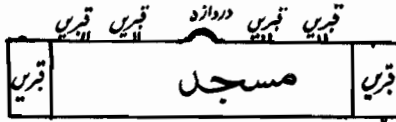
جواب ۔ حدیث میں ہے ۔ عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُصَلُّوا اِلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَيْهَا رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا الْبُخَارِيَّ وَابْنَ مَاجَةَ (منتقی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ۔ قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو نہ ان پر بیٹھو ۔

دوسری حدیث میں ہے عَنْ اَبِی سعید اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَرْضُ كُلُّهَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبُرَةَ وَالْحَمَّامَ رَوَاهُ الْخَمْسَةُ اِلَّا النَّسَائِيَّ (منتقی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام زمین مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام ۔

تیسری حدیث میں ہے ۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِجْعَلُوْا مِنْ صَلٰوتِكُمْ فِيْ بُيُوْتِكُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْهَا قُبُوْرًا رَوَاهُ الْجَمَاعَةُ اِلَّا ابْنَ مَاجَةَ (منتقی) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ نماز گھروں میں پڑھو ۔ اور ان کو قبریں نہ بناؤ ۔

چوتھی حدیث میں ہے عَنْ عَائِشَةَ رض اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِهِ الَّذِیْ لَمْ يَقُمْ مِنْهُ لَعَنَ اللّٰهُ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ مَسَاجِدَ ۔ متفق علیہ (مشکوٰۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آخری بیماری میں فرمایا ۔ اللہ تعالیٰ یہود و نصاریٰ کو لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنایا ۔

پانچویں حدیث میں ہے عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّيْطَانَ يَنْفِرُ مِنَ الْبَيْتِ الَّذِیْ

يقرأ فيه سورة البقرة . رواه مسلم . (مشكوٰة كتاب فضائل القرآن)

اپنے گھروں کو قبریں نہ بناؤ بے شک شیطان اس گھر سے بھاگتا ہے جس میں سورہ بقرہ پڑھی جاتی ہے۔

پہلی حدیث میں قبروں کی طرف نماز پڑھنے سے منع فرمایا ہے۔ سوال میں جس مسجد کا ذکر ہے۔ اگر اس کے سامنے کے دروازے کھلے ہوں تو نماز قطعاً حرام ہے کیونکہ قبریں سامنے ہیں۔ اگر دروازے بند ہوں تو بھی ٹھیک نہیں۔ دروازوں کا قبلہ رُخ ہونا شبہ ڈالتا ہے کہ یہ مسجد قبرستان کے متعلق ہے۔ کیونکہ دروازے قبروں کی خاطر رکھے ہیں۔ ایسی مسجد میں نماز ٹھیک نہیں کیونکہ چوتھی حدیث میں قبروں کو مسجد بنانے پر لعنت کی ہے۔ دوسری حدیث میں قبرستان میں نماز سے منع فرمایا ہے اور اس کے دائیں بائیں قبروں کا ہونا یہ بھی اس بات کی تائید ہے کہ یہ مسجد قبرستان کا حصہ ہے۔ اگر بالفرض مسجد پہلے ہو۔ اور قبریں پیچھے بنی ہوں تو بھی کچھ خلل آگیا کیونکہ تیسری اور پانچویں حدیث میں گھروں کو قبریں بنانے سے نہی کی ہے اور گھر میں قبر کی یہی صورت ہوتی ہے کہ گھر کی حدود اور صحن وغیرہ میں قبر بنا دی جائے۔ دائیں طرف قبر اس قسم کی معلوم ہوتی ہے۔ اور دوسروں قبروں کا حال بھی مشتبہ ہے۔ اس لئے ایسی مسجد میں نماز سے احتیاط کرنا چاہیے اگر قبریں یہاں سے ہٹا دی جائیں اور ہڈیاں دوسری جگہ دفن کر دی جائیں تو پھر نماز میں کوئی کھٹکا نہیں لیکن قبریں اس وقت ہٹائی جا سکتی ہیں جب مسجد پہلے ہو کیونکہ اس صورت میں یہ قبریں خلافِ شرع ہوں گی جن کا ہٹانا ضروری ہوگا ورنہ مسجد کو یہاں سے ہٹانا چاہیے۔ ہاں اگر مشرکوں کی قبریں ہوں تو ہر صورت میں ہٹائی جا سکتی ہیں۔ مسجد نبوی اس طرح بنی تھی۔ ہاں اگر قبریں حدودِ مسجد سے بالکل باہر ہوں اور مسجد قبرستان کے حصہ میں نہ ہو تو پھر ہٹانے کی ضرورت نہیں مگر قبروں اور مسجد کے درمیان دیوار بنا دینی چاہیے تاکہ کسی وقت اتفاقیہ مسجد کا کوئی دروازہ کھلا رہ جائے تو نظر نہ پڑے۔ اگر قبل بعد کا علم نہ ہو تو پھر معاملہ مشتبہ ہے۔ احتیاط نہ پڑھنے میں ہے۔ کیونکہ نماز کا معاملہ نازک ہے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی

قبہ کی طرف منہ کر کے نماز کا حکم

سوال ۔ ایک عالی شان بڑا قبہ ہے جس میں متعدد قبریں لکڑی کے جالی دار کٹھروں کے اندر محصور ہیں۔ اس قبہ کے برابر لائن میں علاوہ دائیں طرف مسجد شریف ہے اس پر بھی قبہ ہے۔ اور بائیں طرف دوسرا قبہ ہے۔ اس میں بھی قبریں ہیں۔ اس کا دروازہ بند ہوتا ہے۔ اور ان تینوں کے آگے ایک بڑا صحن ہے۔ جو کہ تقریباً ایک جریب کا

ہے جس کو متولی نے مسجد شریف کا حکم دیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ مسجد کے برابر والے صحن کو امام چھوڑ کر ذرا مید۔ قبر جس کا دروازہ کھلا ہوا ہے کے تھوڑا شمال کی طرف ہٹ کر کھڑا ہو کر نماز پڑھاتا ہے۔ سوا جمعہ اور عیدین کے نماز ہمیشہ ہوتی ہے۔ جگہ تنگ ہونے سے امام قبوں کو متوجہ ہو کر کھڑا ہوتا ہے اور صفیں سارے صحن کی لمبائی پر بنائی جاتی ہیں۔ کیا اس حالت میں امام اور مقتدیوں کی نماز جائز ہے یا نہیں۔

سوال سے معلوم ہوتا ہے کہ نقشہ اس طرح ہے۔
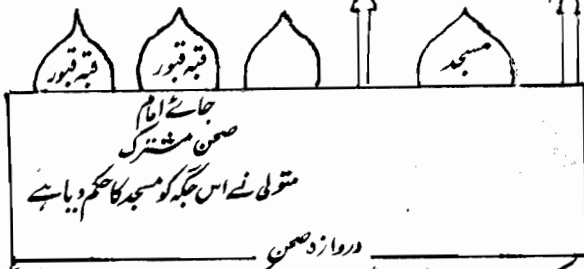
جواب۔ صورت مذکورہ میں نماز بالکل جائز نہیں۔ اس کی بابت بہت احادیث آئی ہیں ہم قدر ضرورت پر اکتفا کرتے ہیں۔

۱۔ عَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَرْضُ کُلُّھَا مَسْجِدٌ اِلَّا الْمَقْبَرَۃَ وَالْحَمَّامَ رواہ الْخَمْسَۃُ اِلَّا النَّسَائِیُّ (منتقی) یعنی زمین تمام مسجد ہے مگر قبرستان اور حمام۔

۲۔ عن ابی مرثد الغنوی قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لَا تُصَلُّوْا اِلَی الْقُبُوْرِ وَلَا تَجْلِسُوْا عَلَیْھَا رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ اِلَّا الْبُخَارِیَّ وَابْنَ مَاجَۃَ (منتقی)

یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ قبروں کی طرف نماز پڑھو نہ ان کے اوپر بیٹھو۔

۳۔ عَنِ ابْنِ عُمَرَ رض قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اجْعَلُوْا مِنْ صَلٰوتِکُمْ فِیْ بُیُوْتِکُمْ وَلَا تَتَّخِذُوْھَا قُبُوْرًا رَوَاہُ الْجَمَاعَۃُ اِلَّا ابْنَ مَاجَۃَ۔ (منتقی)

یعنی کچھ نماز (نفل) گھروں میں پڑھا کرو اور ان کو قبریں نہ بناؤ (اگر گھروں میں نماز نہیں پڑھو گے تو گویا گھر قبریں بن گئے۔

۴۔ عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تَجْعَلُوْا بُیُوْتَکُمْ مَقَابِرَ اِنَّ الشَّیْطَانَ یَنْفِرُ مِنَ الْبَیْتِ الَّذِیْ یُقْرَأُ فِیْہِ سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ (رواہ مسلم، مشکوٰۃ کتاب فضائل القرآن) گھروں کو قبریں نہ بناؤ بے شک جس گھر میں سورہ بقرہ

پڑھی جاتی ہے اُس سے شیطان بھاگ جاتا ہے۔

۵۔ عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ فِیْ مَرَضِہِ الَّذِیْ لَمْ یَقُمْ مِنْہُ لَعَنَ اللّٰہُ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی اتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِھِمْ مَسَاجِدَ متفق علیہ (مشکوٰۃ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اخیر بیماری میں فرمایا کہ اللہ یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے اُنہوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا۔

۶۔ عَنْ جُنْدُبِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ الْبَجَلِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَبْلَ اَنْ یَّمُوْتَ بِخَمْسٍ وَھُوَ یَقُوْلُ اِنَّ مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ کَانُوْا یَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِیَآءِھِمْ وَصَالِحِیْھِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّیْ اَنْھَاکُمْ عَنْ ذَالِکَ۔ رواہ مسلم (منتقی) جندب بن عبد اللہ بجلی کہتے ہیں۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے پانچ دن پہلے سنا۔ آپ فرماتے تھے پہلے لوگ اپنے انبیاء اور بزرگوں کی قبروں کو مسجدیں بناتے تھے۔ خبردار تم قبروں کو مسجدیں نہ بناؤ میں تمہیں اس سے منع کرتا ہوں۔

۷۔ عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ اِنَّ اُمَّ حَبِیْبَۃَ وَاُمَّ سَلَمَۃَ ذَکَرَتَا لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَنِیْسَۃً رَاَتَاھَا بِالْحَبْشَۃِ فِیْھَا تَصَاوِیْرُ فَقَالَ اِنَّ اُولٰٓئِکَ اِذَا کَانَ فِیْھِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ فَمَاتَ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا وَصَوَّرُوْا فِیْہِ تِلْکَ التَّصَاوِیْرَ اُولٰٓئِکَ شِرَارُ الْخَلْقِ عِنْدَ اللّٰہِ یَوْمَ الْقِیٰمَۃِ (مسلم)

ام حبیبہؓ اور ام سلمہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک گرجا کا ذکر کیا جو حبشہ میں تھا اس میں تصویریں تھیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں میں جب کوئی شخص فوت ہوجاتا تو اس کی قبر پر مسجد بنا دیتے اور اس میں اس قسم کی تصویریں کھینچتے یہ لوگ تمام مخلوق سے قیامت کے دن بدتر ہیں۔

۸۔ عَنِ ابْنِ عباس رضؓ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِیْنَ عَلَیْھَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی (مشکوٰۃ) یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت فرمائی ہے نیز قبروں

پر مسجدیں بنانے والوں کو اور چراغ جلانے والوں کو لعنت کی ہے۔

اس قسم کی احادیث بہت آئی ہیں ہم نے صرف آٹھ پہ اکتفا کی ہے۔ ان سے معلوم ہوا کہ قبرستان میں نماز جائز نہیں۔ سوال میں قبوں کے سامنے کا صحن مسجد کا صحن قرار دیا ہے مگر بناوٹ اور قبوں کا راستہ تبلا رہا ہے کہ قبوں کے سامنے کا صحن مسجد کا نہیں۔ ہاں مسجد کے سامنے مسجد کا ہے۔ پس قبوں کے صحن میں نماز بالکل جائز نہیں۔ کیونکہ وہ قبرستان کا حصہ ہے۔

اس کے علاوہ نمبر ۲ کی حدیث میں قبر کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بھی ناجائز تبلایا ہے اور قبوں کے سامنے کے صحن میں کھڑے ہونے سے قبوں کی طرف منہ ہوتا ہے اور قبہ سارا قبر کا حکم رکھتا ہے کیونکہ قبہ قبر کی شان کو دوبالا کرنے کے لئے ہوتا ہے تاکہ اس کی تعظیم زیادہ ہو جیسے غلاف وغیرہ چڑھاتے ہیں خاص کر جب دروازہ کھلا ہو تو قبر بھی سامنے آجاتی ہے۔ پس یہ دوسری وجہ ممانعت کی ہوئی ہو۔ اس میں مطلقاً قبر کی طرف نماز منع ہے خواہ جس جگہ میں نماز پڑھتا ہے۔ وہ قبرستان کا حصہ ہو یا نہ ہو۔ پھر قبروں پر مسجدیں بنانا جائز ہے جیسے نمبر ۶ و ۷ کی حدیث میں ہے بلکہ بعض روایتوں میں آپ نے لعنت فرمائی ہے جیسے نمبر ۵ و ۸ کی حدیث میں ہے۔ پس جب یہ مسجدیں ناجائز ہوئیں اور لعنت کا باعث ہوئیں تو ان میں نماز بھی ناجائز ہوئی۔ اور ظاہر بات ہے کہ مسجد کے صحن میں نماز مسجد ہی میں ہے تو یہ بھی ناجائز ہوئی۔ پس جب مسجد صحن مسجد میں نماز ناجائز ہوئی تو قبوں کے صحن میں کس طرح جائز ہوگی ؟ بلکہ اگر قبوں کا صحن نہ ہو۔ مسجد کا اور قبوں کا مشترک ہو تو بھی جائز نہیں کیونکہ عبادت میں ناجائز کی ملاوٹ ہو تو عبادت ناجائز ہو جاتی ہے۔

پھر نمبر ۴ کی حدیث میں فرمایا ہے کہ گھروں کو قبرستان نہ بناؤ اور گھروں میں قرآن پڑھنے کی ترغیب دی ہے مطلب یہ کہ قبریں قرآن کی جگہ نہیں صرف دفن کے وقت میت کے سر کی طرف شروع سورہ بقرہ کا اور پاؤں کی طرف اخیر سورہ بقرہ کا پڑھنا آیا ہے۔ اور زیارت کے وقت بعض ضعیف احادیث میں سورہ فاتحہ۔ قل ہو اللہ۔ سورہ الہاکم سورہ یٰس۔ آیۃ الکرسی پڑھ کر مردے کو بخشنے کا ذکر آیا ہے۔ بعض روایتوں میں قل ہو اللہ گیارہ مرتبہ آیا ہے لیکن یہ بھی ضعیف ہے۔ ان کے علاوہ کہیں ذکر نہیں بلکہ نمبر ۴ کی حدیث سے ممانعت ظاہر ہوئی ہے خاص کر مجاور بن کر پڑھنا زیادہ بُرا ہے کیونکہ اس کا بالکل کسی حدیث میں ذکر نہیں جب قرآن کی یہ حالت ہے تو نماز کیسے جائز ہوگی جو زیادہ احتیاط والی عبادت ہے اور قرآن پر بھی شامل ہے۔ قرآن باوضو۔ بے وضو دونوں طرح پڑھنا جائز ہے اس کے لئے کندھوں کا ڈھانکنا ضروری نہیں۔ اس میں بات کرنی بھی جائز ہے۔ قبلہ رُخ ہونا شرط نہیں اس قسم کے

بہتیرے اُمور ہیں جو نماز کے لئے ضروری ہیں قرآن کے لئے ضروری نہیں۔ پس نماز زیادہ محل احتیاط ہے۔ اس کا قبرستان میں پڑھنا جہاں تھوڑا سا شبہ قبرستان کا ہو۔ وہاں اس کا ادا کرنا یا اس جگہ کو مسجد کا حکم دینا یہ کسی صورت میں جائز نہیں پھر نمبر ۳ کی حدیث میں گھروں کو قبریں بنانے سے نہی کی ہے اور ان میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے۔ گویا جس گھر میں قبر ہو وہ سارا گھر نماز کے قابل نہیں رہتا جس میں اس کا صحن بھی شامل ہے حالانکہ مقصود گھر سے اپنی رہائش ہے۔ بلکہ صرف قبر کے ہونے سے نماز کا محل نہیں رہتا تو قبے جو قبوں کی خاطر ہیں اور قبروں کی تعظیم اور ان کی شان کو دوبالا کرنے کے لئے ہے بلکہ ایک طرح قبریں ہیں تو ان میں یا ان کے مستقل یا مشترکہ صحن میں نماز کیونکہ جائز ہوگی؟ پھر نمبر ۴ کی حدیث میں قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں کو لعنت کی ہے۔ اور مسجد میں نمازوں کے لئے آنا یہ مسجدوں کی زیارت ہے۔ اور عورتوں کو جماعت میں شامل ہونے کی اجازت ہے۔ چنانچہ اس کی بابت مشکوٰۃ وغیرہ میں بکثرت احادیث موجود ہیں پس جب عورتیں قبوں کے صحن میں نماز کے لئے آئیں تو وہ ملعون ہوگئیں تو نماز کس طرح جائز ہوئی؟

ایک اور مسئلہ اس حدیث سے ایک اور زبردست مسئلہ نکلا وہ یہ کہ ایسی زیارت گاہوں کو فوراً گرا دینا چاہیے کیونکہ ان زیارت گاہوں میں عموماً عورتیں آتی ہیں اور ان میں چراغ جلائے جاتے ہیں جو تمام لعنت کا باعث ہیں۔ اگر یہ قبے اور اس قسم کی زیارت گاہیں نہ ہوں تو نہ چراغ جلیں نہ عورتیں زیارت کو آئیں اور تمام کو لعنت سے رہائی ہو۔

گھر میں دفن کا مسئلہ گھروں میں میت دفن کرنے کی بابت اختلاف ہے۔ بعض کہتے ہیں جائز ہے اگرچہ وہاں نماز نہ پڑھ سکے لیکن دفن منع نہیں کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم گھر ہی میں دفن ہوئے ہیں۔ بعض علماء گھر میں دفن جائز نہیں کہتے۔ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بابت یہ جواب دیتے ہیں کہ آپ کا خاصہ ہے کیونکہ مشکوٰۃ وغیرہ میں حدیث ہے نبی نے جہاں دفن ہونا ہوتا ہے وہیں اللہ اس کی جان قبض کرتا ہے اور حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمرؓ کی تخصیص کی بھی بعض روایات آئی ہیں۔

عبداللہ امرتسری از روپڑ ضلع انبالہ مورخہ ۸ صفر ۱۳۵۱ھ مطابق ۱۴ جون ۱۹۳۲ء

قبرستان کی مسجد میں نماز کا حکم

سوال: ایک مسجد حلقہ قبرستان میں بنائی گئی ہے جو گاؤں کے قریب ہے۔ اب بعض لوگ اس میں نماز

پڑھنے کو جائز نہیں سمجھتے وہ دلیل دیتے ہیں کہ جو مسجد قبروں میں ہو اس میں نماز جائز نہیں جو پڑھتے ہیں۔ وہ جواب دیتے ہیں کہ مسجد قبروں کے ایک طرف ہے۔ اور قبریں اس کے آگے نہیں۔ اب عرض ہے کہ فریق اول اور فریق ثانی میں سے حق پر کون ہے؟ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ کیا قبریں گرا کر مسجد بنا سکتے ہیں۔ اور کیا مسجد نبوی قبریں گرا کر بنائی گئی تھی یا بعض حصہ میں قبریں تھیں؟

جواب ۔ اگر مسجد پہلے ہو۔ اور قبریں بعد میں ہوں۔ اور سامنے قبریں نہ ہوں بلکہ ایک طرف ہوں یا پیچھے ہوں تو پھر دوسرا فریق حق پر ہے اور اگر قبریں پہلے ہوں۔ اور مسجد بعد میں بنی ہو تو پہلا فریق حق پر ہے۔

عبد اللہ امرتسری روپڑ

قبریں گرا کر مسجد بنانا

مسجد نبوی قبرستان میں بنی تھی مگر وہ مشرکوں کی قبریں تھیں جن کے نام و نشان مٹا کر ہڈیاں نکال کر پھینک دی گئی تھیں۔ اہل اسلام کی قبریں اکھاڑ کر مسجد بنانی درست نہیں۔ ہاں اگر مسجد پہلے ہو اور اس کے احاطہ میں بعد کو قبر بنائی گئی ہو تو اس کا اکھاڑنا ضروری ہے۔ خواہ مسلمان کی ہو کیونکہ مسجد میں قبر منع ہے جیسے قبرستان میں مسجد منع ہے۔

مسجد میں قبر کا حکم

سوال ۔ مسجد پہلے سے موجود تھی۔ قضاء الٰہی سے امام مسجد مولوی عبد اللہ صاحب کا انتقال ہو گیا۔ تو بعض لوگوں نے اسے مسجد میں دفن کرنے پر زور دیا مگر نمبردار اور بعض دوسرے لوگ اس کے خلاف تھے مگر زبردستی قبر بنا دی گئی بہت مدت کے بعد بارش کی وجہ سے قبر زمین میں دھنس گئی تو پھر اس قبر کو اکھاڑ کر از سر نو میت کے کرنگ کو غسل وغیرہ دے کر دوبارہ قبر پکی اور پکی اینٹ ملا کر بنا دی گئی۔ لہٰذا با دلائل اس مسجد میں نماز پڑھنے کا حکم تحریر فرمایا جائے

نور الٰہی مقام الٰہی باماں ڈاکخانہ چوچک تحصیل اوکاڑہ منٹگمری

نقشہ مسجد

کنواں ٥ خالی جگہ مسجد کے گرداگرد	غسل خانہ / وضو	مکان مسجد
	قبر	صحن مسجد
	جوتے رکھنے کا مکان	خالی جگہ مسجد کے گرداگرد

جواب - حدیث میں ہے صلوا فی بیوتکم ولا تجعلوھا قبورا یعنی اپنے گھروں میں نماز پڑھو۔ اور ان کو قبریں نہ بناؤ۔ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ اگر گھروں میں نماز نہ پڑھو گے تو وہ قبروں کے حکم میں ہو جائیں گے کیونکہ قبروں میں نماز نہیں پڑھی جاتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ قبریں اور مسجدیں آپس میں ضدیں ہیں جمع نہیں ہو سکتیں پس قبروں کو مسجدیں نہیں بنانا چاہیئے اور مسجدوں کو قبریں نہیں بنانا چاہیئے۔ اسی بنا پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لعن اللہ الیھود والنصاری اتخذوا قبور انبیاءھم مساجد۔ خدا یہود و نصاریٰ پر لعنت کرے انہوں نے اپنے انبیاء کی قبروں کو مسجدیں بنالیا۔

خدا کی شان جن کے مذہب میں اس مسئلہ میں زیادہ احتیاط تھی۔ وہی اب بے احتیاطی کرتے ہیں حنفیہ کے نزدیک میت کا جنازہ مسجد میں جائز نہیں کیونکہ میت کا مسجد میں داخل کرنا جائز نہیں۔ اب میت کا داخل کرنا تو کجا میت کو دفن کرنے لگ گئے ہیں گویا ہمیشہ کے لئے مسجد کو میت کا گھر بنا دیا ہے۔ انا للہ

پھر اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ اگر کسی وقت مسجد کو فراخ کرنا پڑا تو قبر درمیان میں آئے گی۔ اور نماز کی کتنی دقت ہوگی، نیز حدیث میں ہے۔ لا تصلوا الیھا قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو۔ جب قبر درمیان میں آئی تو لامحالہ پچھلی صفوں کا منہ اس طرف ہوگا۔ تو اس حدیث کا خلاف لازم آیا۔ اس کے علاوہ قبر میت کا گھر ہے۔ اور اس کے لئے وہ جگہ معین کردی گئی ہے۔ اور حدیث میں ہے لا یوطن احدکم فی المسجد کما یوطن البعیر فی الوطن او کما قال (یعنی مسجد میں تم سے کوئی ایک جگہ مقرر نہ کرے جیسے اونٹ اپنے باڑے میں مقرر کر لیتا ہے جہاں قبر بنی ہے اگر اس کی وصیت میت نے کی ہے۔ تو اس نے حدیث کا خلاف کیا۔ ورنہ دفن کرنے والوں کے ذمہ اس کا گناہ ہے۔ زندہ اگر مسجد میں جگہ مقرر کرے گا تو نماز کے لئے کرے گا۔ جو مسجد بنانے کی اصل غرض ہے اور دفن کے لئے کوئی جگہ معین کر دینا تو گویا اس کو اس کی اصل غرض سے علیحدہ کر دینا ہے۔ اور پھر ہمیشہ کے لئے ایسا کرنا کتنا بڑا جرم ہوگا اس لئے فوراً اس قبر کو اکھاڑ دینا چاہیئے اور اس کی ہڈیاں کسی دوسری جگہ دفن کر دینی چاہییں۔ من رای منکم منکرا فلیغیرہ بیدہ الحدیث۔ یعنی بری بات کو فوراً بدل دینا چاہیئے۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۲۴ صفر ۱۳۵۶ھ

بے نشان قبرستان میں مسجد کا بنانا

سوال - ایک قدیمی قبرستان ہے جس میں عرصہ چالیس سال سے دفن کرنا ترک کر دیا ہوا ہے لیکن کاغذات اراضی

ہیں اس کو قبرستان شمار کیا جاتا ہے ۔ لوگوں نے وہاں اپنے مکانات تعمیر کرلئے ہیں کیا اس جگہ مسجد بنائی جاسکتی ہے ۔

محمد عبداللہ منڈی ارائیاں ضلع ہوشیار پور

جواب ۔ جب قبرستان کا نام ونشان نہ رہے تو اس کا حکم قبر کا نہیں رہتا ۔ بیت اللہ میں ماں ہاجرہ اور اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے مگر چونکہ نشان موجود نہیں اس لئے وہاں نماز پڑھی جاتی ہے ۔ جب نشان نہ رہنے کی صورت میں قبر کا حکم نہ رہا تو پھر اب بے ادبی کا سوال بھی اُٹھ گیا ۔

عبداللہ امرتسری روپڑی ۸ رجب ۱۳۵۶ھ ۵ ستمبر ۱۹۳۷ء

قبرستان اور مسجد

سوال ۔ کیا فرماتے ہیں علمائے دین ومفتیان شرع متین اس مسئلہ میں کہ ایک گاؤں کے قبرستان میں کسی زمانہ میں ایک چھوٹی سی مسجد تھی اس میں چند افراد اہل حدیث نے نماز پڑھنی شروع کردی ۔ کچھ زمانہ یا عرصہ کے بعد اسی مسجد کی توسیع (فراخی) کردی گئی حالانکہ مقابر کے نشان دیوار قبلہ کے سامنے موجود ہیں بلکہ ہر سہ جانب دکن پہاڑ مغرب برابر بدستور قبریں موجود ہیں ۔ اب سوال یہ ہے کہ اس صورت مسئولہ میں ایسی مسجد جس کا نقشہ درج ذیل ہے نماز پڑھنا جائز ہے یا منع ہے ۔ بینوا الدلیل توجروا من الرب الجلیل ۔

مسجد کا نقشہ

نشانات قبور — شمال | مسجد | نشانات قبور — جنوب
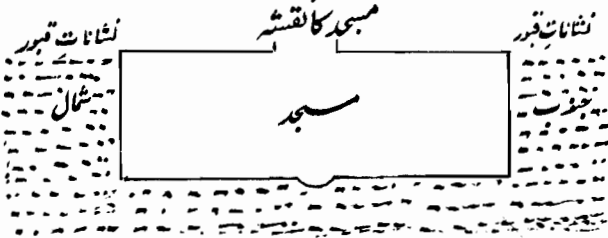
جواب ۔ اگر معلوم ہو کہ مسجد پہلے ہے اور قبرستان بعد بنا ہے تو اس کے سامنے سے قبروں کے نشانات مٹادئے جائیں بلکہ ہوسکے تو دیگر اطراف سے بھی مٹا دئے جائیں اور نماز بدستور پڑھی جائے اگر قبریں پہلے ہیں اور مسجد بعد میں بنی ہے تو یہ قبرستان میں مسجد ہے اس میں نماز نہ پڑھنی چاہیے اور اگر قبل بعد کا علم نہیں تو پھر معاملہ مشتبہ ہے احتیاط نہ پڑھنے میں ہے کیونکہ نماز کا معاملہ نازک ہے ۔ ہاں اگر مسجد قبرستان کے احاطہ سے باہر ہوتی تو اس صورت میں نماز میں کوئی شبہ نہیں تھا خواہ قبرستان پہلے ہوتا یا مسجد ۔ مگر نقشہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مسجد قبرستان کے احاطہ میں ہے ۔

سوال (۲) صورت دیگر اور مسجد ہے جس کے مغرب کی جانب شاہراہ ہے مشرق کی طرف آبادی ہے صرف شمال کی طرف تقریباً ایک کرم کا رستہ ہے وہ رستہ مسجد کو قبور سے جو کہ اس سے پرے ہیں جدا کرتا ہے گویا قبور احاطۂ مسجد کے باہر ہیں کیا اس مسجد میں نماز جائز ہے۔

جواب۔ اس مسجد کا کوئی حرج نہیں اس میں نماز جائز ہے کیونکہ احاطہ قبرستان سے باہر ہے۔

سوال (۳) سوم صورت ایک جامع مسجد میں قبر بجانب مشرق احاطۂ مسجد میں واقع ہے کیا اس مسجد میں نماز جائز ہے یا نہیں؟ اگر ایسی مسجد میں نماز جائز نہ ہو تو جمعہ وغیرہ کا انتظام کہاں کیا جائے؟

جواب۔ اس مسجد کا کوئی حرج نہیں اس میں نماز جائز ہے کیونکہ احاطۂ قبرستان سے باہر ہے۔

مسجد ضرار

سوال۔ زید مسجد میں امامت کراتا تھا۔ باتفاق رائے عمرو کو اس مسجد کا امام مقرر کیا گیا لیکن زید کے دل میں حسد پیدا ہوا اور عمرو کے خلاف پروپیگنڈا شروع کر دیا۔ اس نے اپنے رفقا کو لے کر ایک اور مسجد کی بنیاد رکھ دی۔ اور زید اس میں امامت کرانے لگ گیا۔ اور نماز عید بھی جدا پڑھی۔ عمرو نے جدید مسجد کو مسئلہ کی رو سے مسجد ضرار قرار دے دیا تین سال کے بعد عمرو کسی دوسرے گاؤں میں چلا گیا۔ اور اس کے بعد پھر اہل قریہ میں اتفاق ہو گیا۔

طلب امر یہ ہے کہ اس پختہ مسجد اور سابقہ خام مسجد کا حکم ایک ہے؟ اس لئے کہ بنیادوں میں تھوڑا بہت فرق ڈال کر تعمیر کی جا رہی ہے۔ کیا اس مسجد میں نماز پڑھنی درست ہے یا نہیں۔ جواب مدلل دیں۔ بینوا بالدلیل توجروا عند الجلیل۔

برکت اللہ و غلام اللہ و بابو عزیز الدین و مہر دیوان سکنہ ردیو والی

جواب۔ جو کچھ سوال میں ذکر ہوا ہے اس کے رو سے اس مسجد کے ضرار ہونے میں کوئی شبہ نہیں خواہ اسی جگہ بنائی جائے یا اس جگہ کے آگے پیچھے بنائی جائے کیونکہ مسجد ضرار کی تعریف قرآن مجید میں یہ کی گئی ہے کہ اس کی بنا تقویٰ پر نہ ہو چنانچہ قرآن مجید میں ہے۔ أَفَمَنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ تَقْوَىٰ مِنَ اللَّهِ وَرِضْوَانٍ خَيْرٌ أَم مَّنْ أَسَّسَ بُنْيَانَهُ عَلَىٰ شَفَا جُرُفٍ هَارٍ فَانْهَارَ بِهِ فِي نَارِ جَهَنَّمَ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ (پ ۱۱ ع ۳) ترجمہ کیا جو شخص اپنی عمارت کی بنیاد تقویٰ اور رضا الٰہی پر رکھے وہ بہتر ہے یا وہ جو اپنی عمارت کی بنیاد گرنے والی کھائی پر رکھے۔ پس اس نے اس کو جہنم میں گرا دیا اور خدا ظالموں کو ہدایت نہیں کرتا۔

اس آیت میں جس مسجد کی بنیاد صحیح ہے۔اس کی بابت تقویٰ اور رضا الٰہی کا ذکر کیا۔اور جس کی بنیاد صحیح نہیں۔اس کی بابت فرمایا کہ اس کی بنیاد جہنم کی کھائی کے کنارہ پر ہے۔اور اس کھائی سے مراد یہی ہے۔کہ تقویٰ اور رضا الٰہی تعمیر مسجد کا باعث نہ ہو بلکہ آپس کی نزاع اور جھگڑا فساد اس کی تعمیر کا باعث ہو۔اور خواہ مخواہ پارٹی کی صورت اختیار کر لی جائے اور جماعت میں تفرقہ پیدا کر دیا جائے۔چنانچہ قرآن مجید میں اس سے پہلے ارشاد ہے

وَالَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا مَسْجِدًا ضِرَارًا وَّكُفْرًا وَّتَفْرِيْقًا بَيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ وَاِرْصَادًا لِّمَنْ حَارَبَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ مِنْ قَبْلُ وَلَيَحْلِفُنَّ اِنْ اَرَدْنَآ اِلَّا الْحُسْنٰى وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ۝ (پ ۱۱ ع ۳)۔ ترجمہ۔منافقوں سے وہ لوگ بھی ہیں جنہوں نے مسجد بنائی جماعتی ضرر کے لئے اور کفر کے لئے اور مومنوں میں تفرقہ ڈالنے کے لئے اور اُس شخص کی گھات کے لئے جس نے اس سے پہلے خدا و رسولؐ سے لڑائی کی۔اور وہ قسمیں کھائیں گے کہ ہم نے صرف نیکی کا ارادہ کیا۔اور خدا شہادت دیتا ہے کہ بے شک وہ البتہ جھوٹے ہیں۔

اِس آیت میں کئی باتیں ذکر کی ہیں۔جن سے جماعتی ضرر اور تفرقہ بین المومنین بھی ہے۔پس معلوم ہوا کہ جس مسجد کی بنیاد کا باعث آپس کی نزاع ہو۔اُس کی بنیاد صحیح نہیں۔وہ مسجد ضرار ہے۔خواہ کسی جگہ بنائی جائے۔کیونکہ مسجد کی صحت و فساد بنانے والے کی حالت پر ہے۔اگر آپس کی نزاع اور پھوٹ اور پارٹی بازی کی وجہ سے دوسری مسجد کی بنیاد ڈالتا ہے تو خواہ کسی جگہ بنائے وہ مسجد ضرار ہو گی کیونکہ اس کی بنیاد تقویٰ اور رضاء الٰہی پر نہیں بلکہ شر اور فساد اور ضدی معاملہ ہے۔اور اگر ضدی معاملہ نہیں بلکہ محض رضاء الٰہی پر سے اس کی بنیاد ڈالی جاتی ہے۔جیسے پہلی مسجد تیار ہوئی ہے تو وہ مسجد ضرار نہیں۔جس مسجد کا سوال میں ذکر ہے اس کا باعث آپس کا اختلاف اور جھگڑا ہے۔اور ضد میں آ کر اس کی بنیاد رکھی گئی ہے۔اس لئے اس کی بنیاد صحیح نہیں۔ہاں اگر دونوں فریق رضامند ہو جائیں۔اور ان کا آپس میں اتفاق و اتحاد ہو جائے اور باتفاق رائے دوسری مسجد کی ضرورت محسوس کریں۔مثلاً نمازی زیادہ ہیں۔ایک مسجد میں سما نہیں سکتے اور محلے الگ الگ ہیں۔تو ایسی صورت میں مسجد کی بنیاد صحیح ہو جائے گی ورنہ ہرگز ہرگز دوسری مسجد تیار نہ کی جائے خدانخواستہ کہیں مال ضائع اور گناہ لازم والا معاملہ نہ ہو جائے۔خدا اپنے فضل و کرم سے ایسے فتنے سے محفوظ رکھے۔نیکی کی توفیق بخشے اور انجام بخیر کرے۔آمین

عبداللہ امرتسری مورخہ ۲۲ صفر ۱۳۶۰ھ مطابق ۱۹ مارچ ۱۹۴۱ء

مولد النبی میں نماز پڑھنے کا حکم

سوال ۔ مفتی فضل علیم بھیروی نے مناظرانہ رنگ میں یہ مسئلہ دریافت کیا ہے ۔ انہوں نے محدث روپڑی کو مخاطب کر کے لکھا ہے ۔

جائے ولادت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قبہ تھا اور اس میں پوجا پاٹ یعنی نفل و نوافل عاشقانِ رسول علیہ الصلوٰۃ والسلام پڑھتے تھے ۔ پوجا پاٹ ہندی لفظ ہے ۔ جس کے معنی عبادت ہے ۔ کیا آپ کو یہ عبادت ناجائز معلوم دیتی ہے ۔ آپ نے تو یہ لفظ حقارتاً استعمال کیا ہے ۔ ــــــ مولوی صاحب! شبِ معراج کو ہمارے حضور نے بیت اللحم جائے ولادت عیسٰی علیہ السلام پر نفل نہیں ادا کئے ۔ یہ بھی حضورؐ کی جائے ولادت ہے ۔ مجھے تو یہ ساری دنیا سے پیاری لگتی ہے ۔ تابوت سکینہ میں کیا تھا ۔ عصاءِ موسیٰ ۔ عمامہ ہارون جس کے ذریعہ بنی اسرائیل فتحیاب ہوتے رہے ۔ جلسہ ولادت حضورؐ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے فیوض الحرمین میں لکھا ہے ۔ انہوں نے وہاں جلسہ میں شامل ہو کر دیکھا ۔

جواب ۔ جائے ولادت حضورؐ سے آپ کو محبت ہے تو صحابہ یا خیر قرون کو نہ تھی ؟ بلکہ آپ سے بہت زیادہ تھی ۔ پھر انہوں نے وہاں کیوں نفل نہ پڑھے ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو سلف کی روش پسند نہیں ۔ آپ بھی بریلویوں کی طرح واہی تباہی باتوں کی رو میں بہہ گئے ہیں ۔ انا للہ ۔ تبرک باثارہ صالحین سے کسی کو انکار نہیں لیکن اسی طریق پر ہونا چاہیے ۔ جیسے صحابہ رضؓ یا خیر قرون نے حاصل کیا ۔ مثلاً کوئی شخص حجر اسود پر نماز پڑھے ۔ اور مقام ابراہیم کو بوسہ دے تو بدعتی ہوگا کیونکہ سنت حجر اسود کا بوسہ ہے ۔ اور مقام ابراہیم پر نماز ہے ۔ اس طرح اگر کوئی شخص مسجد کو اللہ کا گھر سمجھ کر بیت اللہ کی طرح اس کا طواف کرے تو اس کو بھی بدعتی کہا جائے گا ۔ کیونکہ خیر قرون میں ایسا نہیں ہوا ۔ سلف کی روش جس کو پسند نہیں وہ خدا کا پیارا کبھی نہیں بن سکتا ۔ فیوض الحرمین کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہاں میلاد النبی کا کوئی جلسہ مذکور نہیں ۔ معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا اعتقاد سنی سنائی باتیں ہیں جیسے بریلوی فرقہ اس مرض میں مبتلا ہے ۔ آپ کا بھی قریباً یہی حال ہے ۔

خدا اس سے محفوظ رکھے ۔ آمین

عبداللہ امرتسری روپڑی

متولی کا مسجد کے مال سے کھانا

سوال: متولی مسجد کے مال سے کھا سکتا ہے یا نہیں؟

جواب: حدیث میں ہے۔ لَا جُنَاحَ عَلَى مَنْ وَلِيَهَا أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا بِالْمَعْرُوْفِ وَيُطْعِمَ صَدِيْقًا غَيْرَ مُتَمَوِّلٍ مَالًا متفق عليه واللفظ لمسلم (بلوغ المرام باب الوقف)

ترجمہ: جو شخص وقف کا متولی ہو اس پر گناہ نہیں کہ وقف سے معروف طریق پر خود کھائے یا اپنے دوست کو کھلائے نہ پونجی بنانے والا۔ روایت کیا اس کو بخاری مسلم نے۔

یہ حدیث وقف زمین کی بابت ہے جو حضرت عمرؓ نے خیبر میں وقف کی تھی۔ اسی طرح اگر مسجد کے متعلق زمین وقف ہو یا مکانات ہوں جن کی نگرانی، مرمت، وصولی کرایہ وغیرہ متولی کرتا کراتا ہو تو وہ وقف سے کھا سکتا ہے۔

عبداللہ امرتسری ۹/۱/۱۳۶۰ھ مطابق ۷/۲/۱۹۴۱ء

جلد اول

تمت بالخیر

اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ أَعْمَالَنَا كُلَّهَا صَالِحَةً وَاجْعَلْهَا لِوَجْهِكَ خَالِصَةً وَلَا تَجْعَلْ لِأَحَدٍ فِيْهَا شَيْئًا۔ آمین

ترتیب و تدوین

محمد صدیق بن عبدالعزیز

زیر اہتمام

ادارہ احیاء السنۃ النبویۃ
ڈی بلاک سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

۲۵ ذوالقعدہ ۱۳۹۲ھ
یکم جنوری ۱۹۷۳ء